تفسیرِ فاضلی

منزل دوم

المآئِدَة ـــ التّوبَة

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی

۱۴۱۱ھ

فاضِلی فاؤنڈیشن، لاہور

فہرست

ابتدائی کلمات

(بار اول)

منزل دوم میں پانچ سورتیں ہیں۔

(1) سورة المائدة میں 120 آیات ہیں۔

(2) سورة الانعام میں 166 آیات ہیں۔

(3) سورة الاعراف میں 206 آیات ہیں۔

(4) سورة الانفال میں 75 آیات ہیں۔

(5) سورة التوبہ میں 129 آیات ہیں۔

تفسیر فاضلی کی منزل اول 1982 ء میں چھپی تھی، منزل دوم 1990 ء میں چھپ رہی ہے۔ دعا کیجئے کہ باقی منازل نسبتاً کم وقت میں اور بہتر صورت میں آپ تک پہنچائی جا سکیں۔

بولتے وقت یہ دیکھا جائے کہ بات حق کے حوالے سے ہو اور نفس کے شح سے اجتناب ہو تو قول پاک ہو جاتا ہے۔ معاملہ کرتے وقت یہ دھیان رہے کہ جس سے معاملہ ہو رہا ہے، اس کو صحیح فیصلہ کرنے میں مدد ملے تو ہاتھ امین ہو جاتا ہے۔

زبان پاک ہو، ہاتھ امین ہو تو فرمان الٰہی سے ہدایت اور شفا پانے کی اہلیت موجود ہوتی ہے۔ جہاں بہت سا وقت، بہت سی قوت اور بہت سرمایہ حفاظتی تدابیر میں کھپ جائے وہاں اجتماعی زندگی میں لوگ ظلمات کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔

جب قیادت کا حق وسعت مال سے ثابت کیا جائے تو پھر حسن اخلاق کی باتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ اپنے ماحول پر نظر فرمائیے، آپ کے مشاہدات، آپ کے تاثرات آپ کو مستقبل قریب میں پیش آنے والے حالات کی بڑی روشن خبر دے رہے ہیں۔

حق کے جان لینے کے بعد وقت صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ عملاً اپنے آپ کو سچا ثابت کیا جائے۔ یہ پیش کش آپ کے لئے باعث رحمت ہو، آپ کے لئے باعث برکات ہو تو ان صاحبان کے لئے فلاح دارین کی دعا فرمایا کیجئے، جن کے حسن اہتمام سے یہ کتاب آپ تک پہنچی ہے۔

اشرف فاضلی

12 ربیع الاول 1411 ھ 3 ۔ اکتوبر 1990 ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ۬ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَہِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ﴿۱﴾

اے ایمان والو اپنے عہد وفا کرو۔ تمہارے لئے چوپائے مویشی حلال ہوئے، سوائے ان کے جو تم کو آگے سنائے جائیں گے۔ مگر احرام کی حالت میں شکار کو حلال نہ سمجھو بے شک اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے۔

فرمایا۔ صاحب حکم خداوندی جب ایمان والوں کو معلوم ہو جائے، تو اس پر پورا رہنا لازم ہے۔ یہ عہد کو وفا کرنے کی صورت ہے۔ حکم الٰہی کو ماننا اگر جاننے سے مشروط ہو جائے تو ماننے کا حق ادا نہیں ہوتا۔ حکم کو ماننے کی طریقت یہ ہے کہ جن کے حوالے سے وہ حکم ماننے والے تک پہنچا ہو ان کے حوالے سے ہی اس کو مانا جائے۔ اور حکم پہچانے والے کو شاہد بنایا جائے۔ حکم الٰہی میں پوشیدہ حکمتوں کا ذکر اپنے تجربے اور واردات کی روشنی میں کیا جائے تو سامعین کے لئے مفید ہوتا ہے۔ اگر حکم الٰہی کو اس لئے مانا جائے کہ اس میں ماننے والے کو اپنا فائدہ نظر آتا ہو تو اس نے اپنے نفس کے امر کو ہی مانا ہوتا ہے۔ امر الٰہی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چوپائے مویشی ہمارے لئے حلال ٹھہرا دیئے ہیں، سوائے ان کے جن کو شرعاً حرام فرما دیا گیا ہے۔ حالت احرام میں شکار کی ممانعت ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے۔

حاصل: ایمان والوں کے لئے احکام خداوندی عقود ہیں اور ان کا پورا کرنا لازم ہے۔ حکم خداوندی میں حکمتوں کو تلاش کرنے کے بعد اسے مانا جائے تو اس سے ماننے کا حق ادا نہیں ہوتا۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَ لَا الشَّہۡرَ الۡحَرَامَ وَ لَا الۡہَدۡیَ وَ لَا الۡقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رِضۡوَانًا ؕ

اے ایمان والو اللہ کے شعائر کو حلال نہ ٹھہراؤ اور نہ ادب والے مہینے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں اور نہ وہ جن کے گلے میں علامتیں نظر آئیں اور نہ بیت الحرام کی طرف اپنے رب کا فضل اور اس کا رضوان تلاش

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ط وَلَا
يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ
عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا م
وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ص
وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَ
الْعُدْوَانِ ص وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ
اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

وقف لازم

رکوع

کرنے کے لئے آنے والوں کو۔ اور جب احرام سے نکلو تو شکار جائز ہو گا۔ اور اس قوم کی دشمنی جس نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا تمہیں زیادتی پر نہ ابھارے، اور نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرو اور گناہ اور ظلم پر تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کی پکڑ شدید ہے۔

ایمان والوں پر یہ واضح فرما دیا گیا ہے کہ حدود عبدیت کا لحاظ رکھنا ان پر حق ہے۔ اللہ کے شعائر وہ سب مقامات ہیں جن پر پہلے پاک لوگوں کے نقش قدم سے پیچھے آنے والوں کو نور ہدایت ملے۔ پیچھے آنے والے رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے قدماء کے نقش قدم کو وقعت نہ دیں اور ان کے مقابل اپنی سمجھ میں آنے والی بات کو حق کہیں تو یہ اللہ کے شعائر کو حلال ٹھہرا لینے والی بات ہو گی اور یہ بے ادبی ہے۔ ادب والے مہینے چار ہیں۔ ذیقعد، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔ ان مہینوں میں ادب کو ملحوظ رکھنا یہ ہے کہ قولاً اور عملاً حج کے لئے آنے والوں کو اور واپس جانے والوں کو ہر طرح کی اذیت سے بچانے کا اہتمام کیا جائے۔ حرم کی طرف بھیجی گئی قربانیاں اپنے محل پر پہنچ جائیں، اور راستے میں آنے والے سب مومن اپنے ہر بھائی کی قربانی کی قدر کریں اور انہیں برائی سے مس نہ کریں۔ جن جانوروں کے گلے میں علامتیں آویزاں ہوں وہ بھی ایمان والوں کی حفاظت کے مستحق ہیں۔ علامت مالک کی طرف سے درخواست کا درجہ رکھتی ہے کہ اس کی شے پر نظر شفقت رکھی جائے۔ حج اور عمرہ کرنے کے لئے جانے کے آداب یہ ہیں کہ نیت اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کی ہو، زاد راہ کو ساتھیوں پر خرچ کیا جائے، کسی سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے باذن اللہ جان کر معاف کیا جائے اور دوسروں کی کوتاہی سے اپنے عمل کے رخ کو متاثر ہونے سے بچایا جائے۔ حج اور عمرہ کے لئے آنے والوں کی ہر شے مومنین کے لئے امانت کا درجہ رکھتی ہے۔ جہاں بھی مومنین کا ٹھکانا ہو حاجی وہیں قیام کریں۔ اگر ان کی کوئی شے کسی وجہ سے چلتے وقت رہ جائے تو وہاں رہنے والے مومنین اس شے کو حاجیوں کی اگلی منزل پر پہنچا دیں۔ جب حالت احرام ختم ہو جائے تو شکار جائز ہو جاتا ہے، کہ اس حد کے احترام کی وجہ سے شکار منع ہے۔ اگر کسی قوم نے کبھی مومنین کو مسجد حرام سے روکا ہو، تو ان سے عداوت کسی زیادتی کا باعث نہ بنے کہ ان کے عمل کی پوچھ انہی سے ہو گی۔ اگر کوئی زیادتی کرے گا تو اس کی زیادتی کی پوچھ اسی سے ہو گی۔ تعاون نیکی اور تقویٰ پر ہونا چاہئے۔ نیکی اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان کرنے کا نام ہے، اور تقویٰ لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا زیادہ ڈر رکھنے کا نام ہے۔ اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر ترجیح دینا گناہ ہے اور اللہ کے ڈر کے مقابل لوگوں کا زیادہ ڈر رکھنا عدوان ہے۔ ان مقامات پر تعاون سے منع فرمایا گیا ہے۔ اللہ نے ہی ہر ایک کو توفیق دی ہے۔ وہی جزا دینے والا ہے۔ اس سے ڈرنا پاک لوگوں کی شان ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ اللہ کے شعائر کا عدم لحاظ رکھ کر اپنے مرتبے میں اضافہ کر رہا ہے تو وہ یہ بھی جان لے کہ اللہ کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔ پھر بھاگ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ توفیق دینے والے کے مقابل کھڑے ہو جانے سے بڑی نامرادی اور کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل : جن مقامات پر قدماء کے نقش قدم پیچھے آنے والے طالبین حق کو نور ہدایت بخشیں وہ سب شعائر اللہ ہیں۔ ادب ہو تو اپنی سمجھ کو حکم ماننے کے درجے پر رکھنا ممکن ہوتا ہے۔ ادب والے مہینوں میں حاجیوں کی آمد و رفت کو پر سکون بنانا ضروری ہے۔ حرم کی طرف بھیجی گئی قربانیاں، علامات والے جانور اور حج اور عمرہ کے لئے آنے والے اپنے اپنے درجے میں سب قدر و منزلت کے لائق ہیں۔ احرام سے فراغت ہو جائے تو شکار جائز ہو جاتا ہے۔ کسی کی عداوت حد سے تجاوز کا جواز نہیں ہوتی۔ نیکی اور تقویٰ پر تعاون لازم اور گناہ اور عدوان پر عدم تعاون لازم ہے۔ اللہ کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔ اس سے ڈرتے رہنا حق ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ③

تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے یا چوٹ سے مر جائے، یا گر کر مر جائے یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے اور جسے کوئی درندہ کھا جائے سوائے اس کے جسے تم نے ذبح کر لیا، حرام ہے، اور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور پانسے ڈال کر تقسیم کرنا، یہ فسق ہے۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے، تو ان کا ڈر نہ رکھو اور میرا ڈر رکھو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین اکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔ پھر جو کوئی بھوک پیاس کی شدت سے ناچار ہو جائے مگر گناہ پر مائل نہ ہو، تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی حرمت بیان فرمائی ہے، ان کا استعمال بھوک پیاس کی شدت سے نڈھال ہو جانے پر تو وقتی طور

پر جائز ہو گا مگر دائمی طور پر ان سب چیزوں سے دور رہنا اللہ کی رضا ہے۔ جو بیچارگی کے وقت بھی اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے، اور معطیٔ مطلق ہے، کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، اسے صبر کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے وہ اس مشکل مقام سے خیر و خوبی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ گناہ کی طرف مائل ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کی حرمت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اس کو حلال چیز کی طرح کھایا جائے یعنی رغبت سے کھایا جائے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور رحمت عطا ہوتی ہے۔ حرام فرمائی گئی چیزوں میں سب سے پہلے مردار ہے، اور مردار وہ ہے جس کے ذبح کرنے کا حکم ہو اور وہ بے ذبح مر جائے۔ اس کے بعد خون ہے جو رگوں سے بہتا ہے۔ اس کے بعد خنزیر کا گوشت ہے، اس کے بعد اس جانور کا گوشت ہے جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کے خلاف کسی طرح بھی ذبح کیا گیا ہو۔ اس کے بعد وہ جانور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے، حرام ہے۔ ایسے جانور کو اگر مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو پھر اس کی حرمت باقی نہیں رہتی۔ چوٹ سے مر جانے والے کے لئے اور گر کر مر جانے والے کے لئے اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا ہو اور جسے کسی درندے نے کھایا ہو، کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ اگر ایسے جانور مرنے سے پہلے ذبح کر لئے جائیں تو وہ پاک ہیں۔ جو جانور کسی جگہ عبادۃً ذبح کئے جائیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سکھائی ہوئی طریقت کے خلاف ذبح کئے جائیں، وہاں اللہ کا انکار اور طاغوت پر ایمان ثابت ہو گا، وہ بھی ایمان والوں کے لئے حرام ہیں۔ پانسے ڈال کر تقسیم کرنا، اور حکم الٰہی کی موجودگی میں کسی دوسرے معیار سے فیصلہ کرنے کی کوشش کرنا بھی حرام ہے۔ حکم خداوندی کے ساتھ اپنی خواہش کو ملانے کی کوشش کرنا فسق ہے، اور فاسق ہدایت نہیں پایا کرتے۔ کافر جب یہ دیکھ لیں کہ کسی کے ان کی ملت کی طرف لوٹ آنے کا راستہ بند ہو گیا ہے، اور کافر جسے اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں اسے ان سے کراہت ہے، تو پھر وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ حق کو مان لینے کے بعد ایسا کوئی کام کرنا جس سے خلاف حق کرنے والوں کی سماجی حیثیت کے خوف کا ثبوت ملے، اللہ کو ناپسند ہے۔ جب نتیجے کو باذن اللہ مان لیا جائے، تو پھر اللہ کا ہی ڈر باقی رہ جاتا ہے، باقی سب ڈر رخصت ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس نے قول، عمل، علم اور اخلاص سے ایسے خطوط کھینچ دیئے ہیں کہ اس سے ماننے والوں کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ دین وہ طریق زندگی ہے جس سے عطائے الٰہی کو استعمال کیا جائے۔ دین کو اکمل کر دینے کی حقیقت یہ ہے کہ حیات دنیا میں عطائے الٰہی کے استعمال کی بہترین صورت اللہ تعالیٰ نے روشن فرما دی ہے۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس سے اپنے ہر قدم کی حجت کو دیکھا جا سکتا ہے، اور شک کا سایہ بھی قریب نہیں آسکتا۔ اسلام کی شان یہ ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ فرد کی سلامتی ہو یا جماعت کی سلامتی اسلام کے علاوہ وہ کہیں سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ خوف و حزن سے نجات زندگی کا اہم ترین مسئلہ ہے، اور اسلام ہی اس کی ضمانت دیتا ہے۔

حاصل : مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو قطعاً حرام ہے۔ گلا گھونٹنے سے، چوٹ سے، گرنے کی وجہ سے، کسی جانور کے سینگ مارنے کی وجہ سے، اگر حلال جانور مر جائے تو حرام ہے۔ اگر مرنے سے پہلے اسے ذبح کر لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اگر کسی درندے نے کسی حلال جانور کو کھایا ہو اور وہ مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو وہ بھی پاک ہے۔ جو جانور کسی جگہ اللہ کی رضا کے خلاف اور اسلامی تعلیمات کے برعکس ذبح کیا جائے، وہ بھی حرام ہے۔ حکم الٰہی کی موجودگی میں کسی دوسرے معیار سے فیصلہ کرنا بھی حرام ہے۔ حق میں اپنی خواہش کو

داخل کرنا فسق ہے۔ کافر جب مومنین کو اپنی ملت سے الگ دیکھتے ہیں تو انہیں حیرت ہوتی ہے، جب وہ مومنین کو احکام خداوندی کی تعمیل میں باادب اور سماجی رسومات سے نڈر دیکھتے ہیں تو ان سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ عطائے الٰہی کے استعمال کی بہترین صورت، جس میں خوف و حُزن سے نجات کی ضمانت موجود ہے، دین اسلام ہے، اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ حد کا احترام ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے۔ بھوک پیاس کی شدت سے ناچارگی کے وقت اگر کسی حرام چیز کو اس قدر استعمال کر لیا جائے کہ ناچارگی دور ہو جائے تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے، اس سے آگے بڑھنا گناہ ہے۔

يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ ٱلْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ ٱللَّهُ ۖ فَكُلُوا۟ مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَٱذْكُرُوا۟ ٱسْمَ ٱللَّهِ عَلَيْهِ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَرِيعُ ٱلْحِسَابِ ﴿٤﴾

آپ سے سوال کرتے ہیں، کہ ان کے لئے کیا حلال ہوا۔ فرما دیجئے، تمہارے لئے طیبات حلال ہوئیں۔ اور جو شکاری جانور تم نے سدھا لئے، جنہیں شکار پر دوڑاتے ہو، ان کو سکھاتے ہو اس میں سے جو تم کو اللہ نے سکھایا ہے، تو کھاؤ اس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے لئے، اور اس پر اللہ کا نام لو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان دیکھئے کہ آپ سے سوال کیا جائے، تو جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے اور ماننے والوں کے لئے انعام کا درجہ رکھتی ہے۔ سوال ہوا حلال کیا ہے۔ فرمایا گیا۔ طیبات تمہارے لئے حلال ہیں۔ طیبات وہ تمام چیزیں ہیں جن میں حرمت کا شائبہ موجود نہ ہو۔ شکار کرنے والے جانور کو سکھایا گیا ہو، تو سکھانے والا اس کا شاہد ہوتا ہے۔ شکاری جانور اپنے شکار کو پکڑ کر اپنے مالک کے پاس لاتا ہے، اور اگر اسے اس کی قوت نہ ہو تو شکار کو پکڑے رکھتا ہے حتیٰ کہ مالک وہاں پہنچ کر اس کو سنبھال لیتا ہے۔ اگر شکار زندہ ہو تو تکبیر کرنی چاہئے۔ اللہ سے ڈرتے رہنا یہ ہے، کہ کسی جگہ کسی حکم خداوندی کا پتہ نہ ہو یا کسی مقام پر شک موجود ہو، تو وہاں رک کر شک کو رفع کر لینا چاہئے، اور اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہئے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے، اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

حاصل : طیبات وہ تمام اشیاء ہیں جن میں حرمت کا شائبہ موجود نہ ہو۔ شکار کرنے والے جانور کا سدھایا ہوا ہونا ضروری ہے۔ سدھانے والے کا مومن ہونا بھی ضروری ہے۔ شکاری جانور کو

چھوڑتے وقت تکبیر پڑھنی چاہیئے۔ کسی بھی شے کی ناشکری اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ ناشکری سے بچنا چاہیئے، کہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع ۵

آج تمہارے لئے طیبات حلال ہوئیں۔ اور جنہیں کتاب عطا ہوئی ان کا طعام تمہارے لئے حلال ہے. اور تمہارا طعام ان کے لئے حلال ہے۔ اور پارسا مومن عورتیں اور پارسا عورتیں ان میں سے جنہیں تم سے قبل کتاب عطا ہوئی. جب تم انہیں ان کے مہر دو حصار میں لاتے ہوئے، نہ مستی نکالتے ہوئے، نہ آشنا بناتے ہوئے۔ اور جو ایمان کی نفی کر دے اس کا عمل اکارت گیا, اور آخرت میں وہ خاسرین سے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال فرما کر ان حدود کو روشن فرما دیا ہے جن کے اندر رہنے میں فلاح ہے اور جن سے تجاوز کرنے میں خسارہ ہے۔ اہل کتاب کا کھانا مومنین کے لئے حلال ہے۔ مومنین کا کھانا اہل کتاب کے لئے حلال ہے۔ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہونے کی یہ سند ہے کہ اہل کتاب وہی لوگ ہیں جو کتاب الٰہی کے احکامات کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرتے۔ پاک عورتیں مومن ہوں یا اہل کتاب سے ہوں، ان کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے۔ منشاء نکاح بقاء نسل ہو تو نکاح رضاء الٰہی کے لئے ہو گا، ورنہ جذبات کی وقتی تسکین کے لئے ہو گا، اور امر الٰہی کے خلاف ہو گا۔ نکاح کے ساتھ مہر دینا اور عورت کو حصار میں رکھنا حکم خداوندی ہے۔ بیوی کی جسمانی اور روحانی ضروریات کو پورا کرنا میاں پر حق ہوتا ہے۔ ہر اہتمام میں فرمان خداوندی کا ادب ملحوظ رہے تو ایمان قرب الٰہی کا باعث ہو گا۔ اور اگر حکم خداوندی پر اپنی پسند کو فوقیت دی جائے، تو ایمان کی نفی ہو جائے گی اور عمل اکارت ہو جائے گا۔ جو حال پر حق کا انکار کرے گا، آخرت میں وہ خاسرین سے ہو گا۔

حاصل : طیبات حلال ہیں۔ اہل کتاب کے ہاں کھا لینا اور ان کو اپنے ہاں کھلا دینا جائز ہے۔ مومن عورتوں سے اور اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ ہر مقام پر حکم خداوندی کے سامنے اپنی پسند کو ماننے کے درجے میں رکھنا چاہیئے۔ حکم الٰہی کے انکار کا حاصل خسارہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ﴿٧١﴾

اور اگر حق ان کی خواہش کی پیروی کرتا، تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ ہو جاتے۔ بلکہ ہم نے انہیں وہ عطا فرمایا جس میں ان کی ناموری تھی۔ تو وہ اپنی عزت سے ہی منہ پھیر رہے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾

اے ایمان والو جب نماز کے لئے کھڑے ہونا ہو، تو اپنے منہ کو اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھولو۔ اور اگر تمہیں جنابت ہو تو پاک ہو لو۔ اور اگر تم مریض ہو یا تم سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو مس کیا ہو، پھر تمہیں پانی نہ ملے، تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے، اور اپنی نعمت تم پر پوری کرے کہ تم شکر کرو۔

صاحبو! نماز قائم کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اور حکم کو ماننا ایمان والوں کی شان ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کے حضور اظہار عبدیت کا وہ طریقہ ہے جس کی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مومنین کو دی اور آپ کے بعد شاہدین وہ تعلیم دیتے چلے آرہے ہیں۔ یہاں نماز کے لئے تیاری کے آداب بیان فرمائے گئے ہیں، اور ہر نماز سے پہلے اس کی تیاری ضروری ہے۔ تیاری کے آداب یہ ہیں کہ پہلے اپنے منہ کو دھویا جائے، پھر ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جائے۔ پھر اپنے سر کے قریباً چوتھائی حصے کا مسح کیا جائے اور پھر پاؤں کو ٹخنوں تک دھولیا جائے۔ وضو ہو جائے گا۔ وضو کرتے وقت یہ نیت اور دعا ہونی چاہئے کہ یااللہ تیرے محبوب کی طریقت کے مطابق وضو کرنے کی نیت کرتا ہوں، میری کوتاہیوں کو معاف کرنا اور مجھے اپنے پاک بندوں میں شمار کرنا۔ جنابت سے طہارتِ کاملہ لازم ہو جاتی ہے۔ طہارت ہو تو وضو ہو گا۔ جنابت میں مادہ تولید کا اخراج ضرور ہوتا ہے، بیداری میں

ہو یا نیند میں ہو۔ مریض کو اگر پانی کے استعمال سے منع کیا گیا ہو، یا مسافر کو سفر میں پانی نہ ملے، یا کوئی قضاء حاجت سے آیا ہو اور اسے پانی نہ ملے، یا کسی نے عورت کو مس کیا ہو، پھر اسے پانی نہ ملے تو یہ سب لوگ تیمم کرنے کے حکم میں داخل ہوں گے۔ ایک مرتبہ پاک مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لینے سے اور دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر ہاتھوں پر پھیر لینے سے تیمّم ہو جائے گا۔ تیمم کی اسی وقت تک اجازت ہوگی جب تک وضو کرنے کا مقام نہیں آتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی، طہارت و پاکیزگی کے حصول کو اتنا آسان بنا دیا ہے کہ اب یہ ہر جگہ ممکن ہے۔ پاکیزگی کی نعمت کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کی بدولت ہی ہر مقام پر حق عبودیت کو پورا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ ہر بار اس نعمت کا شکر ادا کرنا حق ہے۔ وضو کرنے کے بعد بھی شکر کرنا چاہئے، تیمّم کے بعد بھی شکر کرنا چاہئے۔

حاصل : نماز کے لئے کھڑے ہونے کے آداب یہ ہیں کہ وضو کر لیا جائے، اور وضو ممکن نہ ہو تو تیمّم کر لیا جائے۔ پاکیزگی کے اہتمام کو اس قدر بڑھانا کہ یہ ہر مقام پر ممکن ہو جائے بڑے ہی کرم کا مقام ہے، اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ لوگوں کے لئے طہارت کی سہولت کو بڑھانا پاک لوگوں کا کام ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦

اور یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر اور اس کا میثاق جو تم سے ٹھہرایا تھا، جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سینے کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

ماضی میں جن لوگوں پر خوف و حُزن غالب رہ چکا ہو، انہیں حال پر اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، اور جس نعمت کی بدولت انہیں آسانیاں حاصل ہوئی ہیں، اس نعمت کی برکت کو برقرار رکھنے کی صورت یہی ہے کہ حکم خداوندی کے سامنے ہم قلباً نیاز مند رہیں۔ میثاق وہ عہد ہوتا ہے جو پاک ہونے والا پاک کرنے والے سے کرتا ہے۔ پاک ہونے والا پاک کرنے والے کو ہر مقام پر مطاع مانتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ میں نے سنا اور مانا۔ اس طرح وہ نفس امارہ کے امر کے مقابل پاک کرنے والے کے امر کو ماننے لگتا ہے۔ اس کا عمل کجی سے پاک ہو جاتا ہے۔ کسی بھی مقام پر فیصلہ کرتے وقت ماننے والے کے سامنے ایک ہی بات رہتی ہے کہ مطاع کا قرب موجود رہے۔ مطاع سے دوری کی حقیقت اپنی خواہش کا اتباع ہے۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ خلوت میں من مانی نہ کی جائے۔ اگر لوگوں کے سامنے کسی کام کو کرنا مشکل معلوم ہو اور خلوت میں نفس کی خوشی کے لئے اسے کر لیا جائے، تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ عامل کو لوگوں کا ڈر اللہ کے ڈر کے مقابل زیادہ ہے۔ لوگوں کو سینے کی باتوں کا علم، اللہ کے علم مطلق کے مطابق ہوتا ہی کس قدر ہے۔ جزا دینے والے سے ڈرنا ہی احق ہے۔

حاصل : جس نعمت سے خوف و حُزن کا ازالہ ہوا ہو اس کو یاد رکھنا چاہئے۔ جس پاک کرنے

والے کو شاہد بنالیا جائے، اسے خلوت میں بھی اپنے ساتھ دیکھنا حق ہے۔ حکم کو سن کر ماننا حق ہے۔ اپنی من مانی کرنے کا خیال جب بھی آئے گا، اللہ سے ڈرنے کا ثبوت نہیں ملے گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۸

اے ایمان والو اللہ کی گواہی دیتے ہوئے انصاف کے ساتھ قائم رہو۔ اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس پر نہ ابھارے کہ عدل نہ کرو۔ عدل کرو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

اللہ کی گواہی دیتے ہوئے انصاف کے ساتھ قائم رہنا یہ ہے کہ شاہد کا اتباع ہو۔ رضائے الٰہی کے لئے ہو اور نتائج کو باذن اللہ مانتے ہوئے اپنی حق تلفی کا خیال نہ آئے۔ اگر کسی کی عداوت عدل سے روک دے تو پھر اللہ تعالیٰ کو ماننے کا ثبوت بھی نہیں ہو گا، اور نتائج کو باذن اللہ بھی نہیں دیکھا جائے گا۔ عدل یہ ہے کہ رضاء الٰہی کے مقابل اپنی پسند ساکن رہے اور فریقین کی بات سننے سے لے کر فیصلے تک ہر مقام پر عادل انہیں حق کے قریب ہونے میں مدد دے اور یہ بتائے کہ حق آپ کی پسند کا نام نہیں ہے، اللہ کی پسند کا نام ہے اور لازم ہے کہ ہم اپنی پسند کو اللہ کی پسند پر قربان کریں اور باادب رہیں۔ عدل ہو تو لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا ڈر زیادہ ہو گا، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ سے ڈرنا بڑا حق ہے کہ وہ ہمارے عمل کی جلوت و خلوت کو جانتا ہے، اور جزا دینے والا ہے۔ جزا کا یقین ہو تو عمل میں کجی نہیں آتی۔

حاصل : انصاف کے ساتھ گواہی دینا معاشرتی زندگی میں حدود اللہ کے احترام کا ثبوت ہے۔ احساس تحفظ اسی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اپنی پسند کو ساکن کیا جائے تو رضاء الٰہی کے مطابق فیصلے کا نام عدل ہوتا ہے۔ جزا دینے والے سے ڈرنا ضروری ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۹

ایمان والوں سے جو صالح عمل کرتے ہیں، اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

ایمان لانا دعویٰ ہے، اور صالح اعمال کی شہادت سے یہ دعویٰ سچا ثابت ہوا کرتا ہے۔ جو لوگ سچے ثابت ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا ہے، اور اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔ بخشش کوتاہیوں کو صاف کر دیتی ہے، اجرِ عظیم سے پاک لوگوں کی صف میں شمار ہو جاتا ہے۔

حاصل : دعویٰ ایمان صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے، سچے لوگوں کی مغفرت کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے، مغفرت کے ساتھ اللہ انہیں بڑا اجر بھی عطا فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾

اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی، وہی دوزخ والے ہیں۔

جولوگ فرمانِ خداوندی کو نہیں مانتے اور فرمان خداوندی پہنچانے والے کو جھٹلاتے ہیں، وہ توفیق ایزدی کی ناشکری کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہوں تو ان کا انجام دوزخ ہو گا، جو ان کے حیات دنیا میں کیئے گئے اعمال کی جزا کا مقام ہو گا۔

حاصل : حق کا انکار اور حق پہنچانے والے کی تکذیب دوزخی ہونے کی نشانی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع ٢

اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب ایک قوم نے قصد کیا کہ تم پر ہاتھ بڑھائیں پھر تم پر سے ان کے ہاتھ روک دئے، اور اللہ سے ڈرو۔ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے۔

کافر جب بھی مومنین پر حملہ کرنے کا قصد کریں، تو انہیں اپنی عددی برتری کے ساتھ ساتھ حربی تیاری کا بھی زعم ہوتا ہے۔ اگر اللہ کسی قوم کو مومنین پر ہاتھ بڑھانے سے روک دے تو یہ اس کی نعمت ہے، اور اس نعمت کو یاد کرنے کی صورت یہ ہے کہ حال پر رضاء الٰہی کے حصول کے لئے ایسی احسن سعی ہو کہ ماضی کی کوتاہیوں کا اعادہ نہ ہو۔ اگر ڈھیل نہ رہے تو اللہ سے ڈرنے کا حق ادا ہو گا۔ جب جہاد کا مقام آجائے، تو پھر اس یقین سے لڑنے کا نام توکل ہے کہ جو اس وقت درکار ہے وہ موجود ہے، اللہ نے دے رکھا ہے، جو آئندہ درکار ہو گا وہ بھی اللہ عطا کرنے والا ہے، اس سے بہتر کوئی علم رکھنے والا نہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ مومنین کی حفاظت فرماتا ہے۔ ڈھیل ہو تو اللہ سے ڈرنے کا ثبوت نہیں ہو گا۔ معطیٔ مطلق کی عطا کو پورا دیکھنا توکّل ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہود میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

تو صبر کرو کہ بے شک اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٢﴾

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کئے۔ اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض دو قرض حسنہ، تو میں تم پر سے تمہارے گناہوں کی نفی کر دوں گا، اور ضرور تمہیں جنتوں میں داخل کروں گا جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا۔

ماضی کے واقعات کا بیان حال پر موجود لوگوں کو عرفان نفس میں مدد دے تو ایسے بیان کو ادب سے سننا چاہئے۔ ایسے بیان سے سننے والوں کے اندر ایک تحریک ہوتی ہے، اور وہ موجود سے مقصود کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ بنی اسرائیل جب بہت پھولے پھلے، ان کی ذریت کو انفرادی طور پر صاحب امر کے قریب رکھنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ نقیب مقرر فرما دئے۔ ان لوگوں کا انتخاب علم الٰہی سے کیا گیا اس لئے یہ سرداری ان کو اللہ ہی نے دی۔ سرداروں کو یہ فرمایا گیا۔ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا وہ یہ تھا کہ تم نماز قائم رکھو گے، زکوٰۃ ادا کرو گے، میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، ان کی تعظیم کرو گے، اور عطاء الٰہی کو رضاء الٰہی کے مطابق تصرف میں لاؤ گے۔ اس عہد پر پورا رہنے کا انعام یہ ملے گا کہ تمہارے گناہوں کی نفی ہو جائے گی اور تمہیں ایسے باغوں میں رکھا جائے گا جہاں بہار کے بعد خزاں کا گزر نہیں ہوتا۔ اس بیان پُر عرفان کے بعد اگر کوئی حق کا انکار کرے گا، تو وہ راحت کی راہ کو چھوڑ دے گا۔ راہ گم کر لینے کے بعد وہ راحت کے حصول کے لئے جیسی بھی کوششیں کرے اسے راحت حاصل نہیں ہوگی۔

حاصل : لوگوں کو انفرادی طور پر پاک لوگوں کے امر کے تابع رکھنے کے لئے، سرداروں کا مقرر کرنا حق ہے۔ یہ تقرر مخلصین کو کرنا چاہئے۔ سرداروں کے اخلاص کی شہادت دینا مقرر کرنے والے پر حق ہے۔ ماننے والوں سے عہد انہی امور پر لیا جائے گا کہ وہ نماز قائم رکھیں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، پاک لوگوں کو مانیں گے، جن کی بات اللہ کی بات ہو گی ان کی تعظیم کریں گے اور عطاء

الٰہی کو رضاء الٰہی کے مطابق تصرّف میں لائیں گے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

تو میثاق توڑنے پر ہم نے انہیں لعنت کی اور ان کے قلوب کو سخت کر دیا۔ کلام کے مواضع میں تحریف کرتے ہیں، اور نصیحت جو انہیں کی گئی تھی اس سے فائدہ اٹھانا بھول گئے۔ اور تم ان کی کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے ہی رہتے ہو، مگر ان میں سے قلیل لوگ۔ تو ان سے عفو اور در گزر کرو۔ بے شک اللہ محسنین کی حب رکھتا ہے۔

نقض میثاق سے رخ غیر کی طرف ہو جاتا ہے، تائید ایزدی کے مقابل، اکثریت کے رویئے کو وقعت دی جاتی ہے۔ جب حق کو مان کر اس کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے تو ایسے بد عہد پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ پھر وہ حق کو قبول کرنے کی استعداد کھو دیتا ہے۔ کلام میں تحریف کرنے والے حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، یہ خیانت ہے اور مومنین اس پر مطلع ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو معاف کرنا اور ان سے در گزر کرنا بھی محسنین کی شان ہے۔ جب ایسے لوگ جنگ کے لئے مومنین کے خلاف نکل پڑیں، مومنین کے دشمنوں کی مدد کریں، پھر ان کو معاف کرنا اور ان سے در گزر کرنا منع ہے۔

حاصل : نقض میثاق سے بد عہد لعنتی ہو جاتا ہے۔ لعنتی کا دل سخت ہوتا ہے۔ وہ حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا کرتا۔ محُسنین ایسے لعنتیوں کو معاف کرتے ہیں اور ان سے در گزر کرتے ہیں۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ

اور وہ جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے میثاق لیا، تو وہ اس نصیحت سے فیضیاب ہونا بھلا بیٹھے، تو ہم نے ان کے مابین قیامت کے دن تک عداوت اور

بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾

بغض ڈال دیا، اور جلد ہی اللہ انہیں بتا دے گا جو وہ بناتے تھے۔

نصاریٰ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کی نصرت قول سے کریں، پھر مال سے کریں اور پھر جان سے کریں۔ لفظی تفاخر دعوے کو سچا ثابت نہیں کیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو بھی پاک ہونے میں مدد دی گئی۔ ان سے بھی عہد لیا گیا کہ یہ نماز قائم رکھیں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، پاک کرنے والوں کی اطاعت کریں گے، ان کی تعظیم کریں گے اور کسی مقام پر بھی ان سے تقدم نہیں کریں گے۔ مگر یہ لوگ بھی خواہشات نفس کی پیروی میں نصیحت کو بھلا بیٹھے۔ جب بھلائی کے علم کی ناقدری ہو تو عداوت اور بغض احاطہ کر لیا کرتے ہیں۔ عداوت سے رویئے میں تخریب آ جاتی ہے۔ بغض سے شبہات مستحکم ہوتے ہیں۔ نصاریٰ میں عداوت اور بغض موجود ہے اور جب تک یہ رہیں گے، تب تک رہے گا۔ جو اس راہ کو چھوڑ دیں گے اور حق کو قبول کرلیں گے، وہ پاک ہو جائیں گے۔ نصاریٰ کو لوگ عداوت و بغض میں مبتلا جانیں اور اپنی حیات کو ان کی زندگی کے موثرات سے بچائیں، تو جلد ہی یہ انجام کو پالیں گے۔

حاصل : لفظی تفاخری صداقت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ جب فلاح کے علم کی ناشکری ہو تو عداوت اور بغض محیط ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی زندگی پر اثر انداز ہونے کا موقع نہیں دینا چاہئے جن کے بارے میں مبتلاء عداوت و بغض ہونے کی اللہ نے شہادت دی ہے۔

يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَٰبِ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾

اے اہل کتاب بےشک ہمارے رسول تمہارے پاس تشریف لائے، کہ تم پر روشن فرماتے ہیں سب کچھ جو تم نے کتاب میں سے چھپا لیا تھا اور بہت کچھ سے عفو فرماتے ہیں۔ بےشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب آئی۔

یہود و نصاریٰ کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمہارے پاس بھی تشریف لائے ہیں، اور اللہ کے فرمان کو اپنی پسند کے مطابق بناتے ہوئے جو کچھ تم نے چھپالیا تھا، اس میں سے بہت کچھ روشن فرماتے ہیں، بہت کچھ سے عفو بھی فرماتے ہیں۔ یہ علم کے پورا ہونے کی سند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نور ہیں اور قرآن پاک کتابِ مبین ہے۔ نور وہ مقصود ہے جس کی طرف چلنا ہے، اور روشن کتاب وہ شریعت ہے جس سے راستہ روشن ہوتا ہے۔ اہلِ کتاب اگر نور اور کتابِ مبین کو مانیں گے تو انہیں فلاح ہو گی۔

حاصل : حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت اہل کتاب کے لئے بھی ہے۔ حضور کا علم

کتب سابقہ سے متعلق بھی پورا ہے۔ نور مقصود ہے اور کتاب مبین مشعل راہ ہے۔

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾

اللہ اس سے اس کو ہدایت دیتا ہے، جس نے سلامتی کی راہوں میں اللہ کے رضوان کی پیروی کی، اور انہیں اپنے اذن سے ظلمات سے نور کی طرف لے جاتا ہے، اور انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

جو حق کو مان لینے کے بعد اللہ کی رضا کے مطابق پاک کرنے والے کے اتباع کو سلامتی کی راہ جانتے ہوئے، اپنی خواہش اور رائے کو اپنی کم علمی کی پیداوار جانتا ہے اور تضاد سے پاک رہتا ہے، اللہ کا فضل اس پر اس قدر ہونے لگتا ہے کہ وہ خوف و حزن سے نکل کر نور کی طرف چلنے لگتا ہے، اپنے اعمال کی صحت کو اس معیار کی نسبت سے دیکھتا ہے جو اس کی پاکیزگی پر شاہد ہوتا ہے۔ اس صراطِ مستقیم کی ہدایت دینے والا اللہ ہی ہے۔ بندے کی شان یہی ہے کہ پاک ہونے کے دعوے کو سچا ثابت کرے اور خلوت و جلوت میں پاک رہے اور پاک کرنے والے کے ساتھ رہے۔

حاصل : جو پاک ہونے کے دعوے کے بعد خلوت و جلوت میں پاک رہے، اور پاک کرنے والے کے ساتھ رہے اس کو ہدایت عطا ہوتی ہے، اس کا رخ ظلمات سے نور کی طرف ہو جاتا ہے۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت دینے والا اللہ ہی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾

بے شک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ فرما دیجیے، پھر اللہ کا کوئی کیا کر سکتا ہے، اگر وہ مسیح ابن مریم اور آپ کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائے۔ اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے اللہ ہی کا مُلک ہے۔ جو چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

جن لوگوں نے مسیح ابن مریم کو معبود کہا وہ کافر ہوئے۔ الوہیت خالقِ کل کی شان ہے اور مسیح ابن مریم جس کی مخلوق ہیں، وہ اللہ ہے، وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ جس اللہ نے مسیح ابن مریم کو پیدا کیا، آپ کی ماں کو پیدا کیا، سب زمین والوں کو پیدا کیا، وہی موت دینے پر قادر ہے۔ اگر وہ اپنی تمام مخلوق کے خاتمے کا ارادہ فرمالے تو اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جس پر کوئی قادر ہو وہ اللہ نہیں ہے۔ تخلیق پر اللہ ہی قادر ہے، وہ جیسے چاہے پیدا فرمادیتا ہے۔ تخلیق کے عمل میں ایک تسلسل ہے، ایک ربط ہے۔ عدم سے وجود اور وجود سے عدم کا مشاہدہ کرنے والے کا حق یہی ہے کہ وہ خالق کل کو مانے اور مخلصین کی طریقت کے مطابق مانے۔

حاصل : مسیح ابن مریم کو اللہ کہنے والے کافر ہیں۔ جس پر کوئی قادر ہو وہ اللہ نہیں ہے۔ جس کا آنا کسی کی قدرت کا ثبوت ہے، جس کا جانا کسی کی قدرت کا ثبوت ہے وہ اللہ نہیں ہے۔ قادرِ مطلق اللہ ہے، خالقِ کل اللہ ہے، مالکِ کل اللہ ہے، اس لئے معبود لاشریک بھی وہی اللہ ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں۔ فرما دیجئے پھر تمہیں تمہارے گناہوں پر وہ عذاب کیوں کرتا ہے۔ بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے۔ جسے چاہے بخشتا ہے جسے چاہے عذاب دیتا ہے۔ اور اللہ ہی کا مُلک ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے۔ اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔

یہود و نصاریٰ اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے اور محبوب جانتے ہیں۔ اس دعوے کا ثبوت کچھ نہیں۔ بیٹے ہونے کا دعویٰ یوں باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے اور بیٹا باپ کی مثل ہوتا ہے۔ اور محبوب ہونے کا دعویٰ یوں باطل ہے کہ عذاب محبوب کی شان کے لائق نہیں ہوتا، اور یہ لوگ عذاب کے دور سے گزرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی ہر شے کو پیدا کیا ہے۔ اسی نے بشر کو بھی خلق فرمایا ہے۔ جو اس کے پیاروں کو چاہتا ہے، انعام یافتہ حضرات کا اتباع کرتا ہے، اللہ اسے بخش دیتا ہے۔ وہ آنے والے وقت میں اپنی من مانی کرنے سے بچ جاتا ہے۔ اس کے سابقہ گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ جو حق کو جان کر اپنی مرضی کرتا ہے، وہ اللہ کے دوستوں کے خلاف ہوتا ہے اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ علیمِ مطلق سے کسی کی کوئی کیفیت چھپی نہیں ہوتی اس لئے اس کی طرف سے دی جانے والی جزا ہمیشہ پوری ہوتی ہے۔ آسمانوں میں، زمین میں اور آسمانوں اور زمین کے مابین ہر شے اللہ کی ہے۔ اور اسی کی طرف واپسی ہوگی جس کی طرف سے آنا ہوا ہے۔ جب آنا، آنے والے کی مرضی کے تابع نہ ہو تو جانے میں اس کی پسند کیا اہمیت رکھتی ہے۔ لانے والا لے جانے پر بھی قادر ہے۔ جس کی قدرت ابتدا میں نظر آتی ہے، انتہا پر نظر آتی ہے، اسی کی قدرت کا احاطہ حال پر بھی ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت ایک وقت کے لئے ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ محبوبِ خدا کو عذاب ہو یہ اس کی شان کے منافی ہے۔ جو مخلصین کا اتباع کرے وہ بخشش کی راہ پر ہے، جو ان کے خلاف ہو وہ عذاب کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے مابین ہے، سب اللہ کا ہے، اسی لئے اس کی رضا ہر مقام پر مقصود ہونی چاہیئے۔

يَٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲ ۸ ع

اے اہل کتاب بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے کہ تم پر روشن فرماتے ہیں، رسولوں کے مدتوں نہ آنے پر، کہ کہیں تم کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے اور ڈر سنانے والا نہ آیا۔ تو بے شک یہ بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ایک مدت تک رسولوں کی تشریف آوری نہیں ہوئی تھی۔ وہ علم جو انبیاء سابقین کی بدولت لوگوں تک پہنچا تھا ماضی کی بات تھی اور اس کے ساتھ بشارت و انذار کا حق ادا کرنے والا شاہد نظر نہیں آتا تھا۔ حال یہ بشارت و انذار سے ہی دعوت فلاح دینے کا حق ادا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حجت تمام کر دی ہے کہ اتباع ہدایت کے ساتھ خوف و حُزن سے نجات کی بشارت اور اتباع خواہش کے انجام بد سے آگاہی عطا فرما دی ہے۔ اب سلسلہ شاہدین حضور سے اس طرح جاری ہوا ہے کہ حضور کی سنت کے مطابق لوگوں تک بشارت و انذار کے روشن بیانات پہنچتے رہیں گے۔ قادر مطلق کی شان ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں لوگوں کے سامنے بشارت و انذار کی روشنی آتی ضرور ہے، تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہیئے۔

حاصل : اہل کتاب کو بھی خوف و حزن سے نجات کی دعوت دینی چاہئے اور من مانی کے انجام سے ڈرانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت غالب رہی ہے اور غالب رہے گی۔ جس سے اس کے عمل کی پوچھ ہوگی اس کے سامنے وہ معیار ضرور آئے گا جو بشارت و انذار کا حق ادا کرے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومن میں ارشاد فرمایا ہے۔

... اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ⑩

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کو ندا کی جائے گی کہ اللہ کی بیزاری اس سے بہت زیادہ ہے جیسے تم اپنی جانوں سے بیزار ہو، جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی تو تم کفر کرتے تھے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم میں انبیاء ٹھہرائے اور تمہیں بادشاہ کیا، اور تمہیں وہ عطا فرمایا جو عالمین سے کسی کو عطا نہ فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ ان کا ماضی بعید و قریب ان کے سامنے رکھا۔ نبی کی تشریف آوری سب سے بڑی نعمت ہے کہ نبی معلم ہوتا ہے، اور علمِ الٰہی ہی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھ سکتا ہے۔ وہ ذریعہ وہ سہارا جس کی بدولت مقصدِ حیات پورا ہوتا ہو، خوف و حزن سے نجات ملتی ہو۔ جس کو تابعین کا معمولی نقصان بھی دکھ دے اور جو فلاح و فوز کی راہ کو ہر وقت منور رکھے۔ اللہ کی ایسی نعمت ہے جس کی بدولت نورِ ہدایت عطا ہوتا ہے۔ شرفِ قیادت بھی اللہ کی نعمت ہے۔ نعمت کو یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نعمت عطا کرنے والے کا شکریہ ادا کیا جائے، نعمت کی تعظیم کی جائے اور اللہ کے پسندیدہ معیار کے مقابل اپنی پسند کو ساکن کر لیا جائے۔ نبوت اور بادشاہت سے جس قدر بنی اسرائیل کو سرفراز فرمایا گیا، اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ہے۔ قوتِ حاکمہ اگر اپنی قوم میں ہو تو حق کی ادائیگی میں بہت آسانی ہوتی ہے۔

حاصل : نبی کی تشریف آوری نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نعمت کو یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے نبی کا اتباع ہو، محبت سے ہو اور ادب سے ہو۔ قوت حاکمہ کی موجودگی بھی نعمت ہے۔ اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾

اے میری قوم ارض مقدّسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے، اور پیچھے نہ پلٹو کہ خسارے پر پلٹو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہاد کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔ ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ۔ بشارت یہ ہے کہ تم غالب رہو گے۔ اللہ نے یہ تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ اگر پیچھے ہٹو گے تو خسارے میں پڑو گے۔ اللہ کی رضا کے مقابل نفس امارہ کے امر کو ماننا پیچھے پلٹنا ہے، اور اس کا حاصل خسارہ ہوتا ہے۔

حاصل : وہ زمین مقدس ہوتی ہے جہاں پاک لوگ رہے ہوں۔ پیچھے پلٹنے کے معنی نفس امارہ کے

امر کو ماننا ہے، اور اس کا انجام خسارہ ہوتا ہے۔

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِنَّ فِيۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِيۡنَ ‌ۖ وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰى يَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا‌ ۚ فَاِنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ ﴿۲۲﴾

کہنے لگے، اے موسیٰ (علیہ السلام) وہاں بڑے جابر لوگ ہیں۔ اور ہم ہرگز وہاں داخل نہ ہوں گے، حتیٰ کہ وہ وہاں سے نکل جائیں۔ پھر اگر وہ نکل جائیں گے تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔

قوم نے دعوت جہاد کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ ارض مقدسہ میں تو بڑے سخت لوگ رہتے ہیں۔ ان سے لڑنا بہت بڑا کام ہے۔ اور یہ ہم سے نہ ہو پائے گا۔ وہ وہاں سے چلے جائیں تو ہم وہاں داخل ہو سکیں گے۔ یہ علمِ الٰہی کے مقابل اپنے مشاہدے کو وزن دینے والوں کا حال ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے شاہد کی آنکھ سے دیکھتے ہیں وہ اس کے فرمان کو ضرور مانتے ہیں۔ ان کو اعتراف ہوتا ہے کہ ان کا مشاہدہ شاہد کے مشاہدے کے سامنے ہیچ ہے۔

حاصل : جو لوگ اپنے شاہد کے مشاہدے کے مقابل اپنے مشاہدے کو وزن دیتے ہیں، ان میں بڑا ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ مشکل مقامات سے بھاگنا ان کا مزاج بن جاتا ہے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمَا ادۡخُلُوۡا عَلَيۡهِمُ الۡبَابَ‌ ۚ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ فَاِنَّكُمۡ غٰلِبُوۡنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۳﴾

دو مردوں نے جو اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اور جن پر اللہ کا انعام تھا، کہا ان پر حملہ کر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ پھر جب تم داخل ہو گئے تو تم ہی غالب رہو گے، اور اگر تم مومن ہو تو اللہ پر توکّل کرو۔

جہاں کمزوری کا اظہار کرنے والے ہوں، وہیں اللہ کے فضل سے حوصلے کا ثبوت دینے والے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جس کو اللہ کا ڈر ہو وہ مخالفین کی کثرت اور قوت سے نہیں ڈرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے دو مردوں نے یہ کہا کہ انجام سے اللہ نے اپنے نبی کی شہادت کے ساتھ آپ لوگوں کو آگاہ فرما دیا ہے، تم ان لوگوں پر حملہ کر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ، داخل ہو گئے تو تم غالب رہو گے۔ جب اللہ نے ارض مقدسہ کو تمہارے لئے لکھ دیا ہے، تو تمہیں مومن ہونے کا ثبوت اللہ پر توکّل کر کے دینا چاہئے۔ توکّل یہ ہے کہ اللہ کی معیت میں کسی مقام پر ضعف کا احساس نہ ہو، اور نصرت ایزدی کے مقابل ہر قوت و

جبروت کو بیچ جانا جائے۔

حاصل : کمزوری کا اظہار کرنے والے لوگوں کے سامنے، حوصلے کا ثبوت دینے والے بھی اپنا حال ضرور بیان کرتے ہیں، اور ان کے دعوے کی روشنی میں دعوتِ فکر و نظر دیتے ہیں، ان کے حصے کا کام انہیں سمجھاتے ہیں، اور نصرت ایزدی کے مقابل کسی قوت کو وقعت نہیں دیتے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

کہنے لگے اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم کبھی اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک وہ وہاں ہیں۔ تو آپ جایئے اور آپ کا رب، پھر آپ دونوں جہاد کیجئے، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

بنی اسرائیل ارض مقدسہ میں رہائش پذیر لوگوں سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم جہاد کو سن کر کہنے لگے کہ ہم کبھی اس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں ہیں۔ وہ بڑے جابر لوگ ہیں۔ ہم میں ان سے لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ آپ جایئے اور آپ کا رب۔ آپ دونوں جہاد کریں، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

حاصل : جو اپنے مشاہدے کے مقابل اپنے شاہد کے مشاہدے کو اہمیت نہ دے وہ حکم عدولی پر اڑ جاتا ہے، عمل کے مقام پر بولنے لگتا ہے، اور شیطان کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

عرض کی اے میرے رب مجھے تو اپنے آپ پر اور اپنے بھائی پر ہی اختیار ہے، تو تُو ہم میں اور قومِ فاسقین میں فرق کر دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے انکار پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ لوگ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی باتیں کرتے ہیں۔ حکمِ خداوندی کو ماننے کی بجائے یہ باتیں بنا رہے ہیں۔ اب اپنے علاوہ جس پر مجھے اختیار ہے وہ میرا بھائی ہے۔ تو تُو ہم میں اور اس فاسق قوم میں فرق کر دے۔ جب کوئی عمل کے مقام پر شاہد کے سامنے بول پڑتا ہے اور آگاہی کے باوجود اپنی ضد پر اڑا رہتا ہے، وہاں شاہد کی معیت کی ناشکری ہو جاتی ہے اور "ساتھ" میں فرق پڑ جاتا ہے۔

حاصل : حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے والے فاسق ہوتے ہیں، اور فاسق کے لئے ہدایت نہیں ہوتی۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ

ارشاد ہوا تو وہ جگہ ان پر چالیس برس تک

سَنَةً ۚ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ﴿٢٦﴾

حرام ہوئی، زمین میں بھٹکتے پھریں گے۔ تو آپ قوم فاسقین پر افسوس نہ کیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شہادت پر کہ یہ لوگ فاسق و سرکش ہیں اور شاہد کو نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا گیا کہ ارض مقدسہ جو ان کے لئے لکھی جا چکی ہے۔ ان پر چالیس برس تک حرام ہوئی۔ یہ اس عرصے میں وہاں داخل نہ ہو سکیں گے۔ زمین میں بھٹکتے پھریں گے۔ دعا کو قبول کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تسکین کے لئے یہی فرمایا : آپ کو ان فاسقوں پر افسوس نہ ہو۔ بھلائی چاہنے والوں کی بھی عجیب شان ہوتی ہے کہ تسلیم و رضا کے دعوے کے بعد جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں اور جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں، ایسے فاسقین پر بھی انہیں افسوس ضرور ہوتا ہے۔ افسوس وہ کیفیت ہے جو بھلائی چاہنے والے کو اس وقت ہوتی ہے، جب کوئی طالب خیر، من مانی کرنے کی بدولت مشقت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور راحت کی طلب کے باوجود راحت سے دور ہونے لگتا ہے۔

حاصل : جو عطائے الٰہی کی ناشکری کرے، شاہد کے حکم کے مقابل من مانی کرے، وہ مشقت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سرگردانی اس کے گلے پڑ جاتی ہے۔ دعوت فلاح دینے والوں کو افسوس اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں، کہ لوگ وقتی تکلیف سے بچتے بچتے دائمی تکلیف کی طرف دوڑنے لگے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَن كَانَ فِي هٰذِهِۦٓ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾

اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں اندھا ہے، اور بھی زیادہ گمراہ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾

اور ان پر آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کی خبر حق سے تلاوت فرمائیے۔ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ایک کی مقبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ کہنے لگا میں ضرور تمہیں قتل کر دوں گا۔ فرمایا اللہ متقین ہی سے قبول کرتا ہے۔

واقعات ماضی کو حق کے ساتھ بیان کرنا یہ ہے کہ سننے والوں کو حال پر پتہ چلے کہ فلاح کا راستہ کیا ہے، اور پہلے گزرنے

والوں کے نقوشِ قدم ان کے لئے کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ راستے کے تعین میں واقعات ماضی کے بیان سے اگر مدد نہ ملے تو وہ بیان حق کے خلاف ہو گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں نے ایک ایک قربانی پیش کی۔ قربانی کا منشاء عنداللہ متقی ہونے کی سند حاصل کرنا تھا تاکہ جو اللہ کے نزدیک مقبول ہے اس کے اتباع سے آسانیاں حاصل ہوں اور تائید ایزدی شامل حال رہے۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوئی، اور قابیل کی قبول نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ قربانی کی قبولیت کی صورت میں واضح فرما دیا گیا۔ قابیل کو یہ فیصلہ پسند نہ تھا کہ فیصلہ کرنے والے کی رضا کے مقابل وہ اپنی پسند کو مانتا تھا۔ جب فیصلہ کرنے والے سے مقابلہ ممکن نہ ہو اور جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہو اس سے ٹکرانا مشکل نہ ہو، پھر مدمقابل کے خاتمے سے اپنی خواہش بھی پوری ہوتی نظر آئے تو انسان مدمقابل سے ٹکرا کر اپنی خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قابیل نے کہا ہابیل میں ضرور تمہیں قتل کروں گا۔ ہابیل نے کہا اللہ سے ڈرنے والوں کی قربانی ہی قبول ہوا کرتی ہے، تم اپنی پسند کو چھوڑ کر اللہ کی پسند کو کیوں نہیں مان لیتے کہ عنداللہ مقبولیت کی یہی راہ ہے۔

حاصل : واقعات ماضی کو حاصل کے ساتھ بیان کرنا حق ہے۔ جہاں کسی کے عنداللہ مقبول ہونے کا ثبوت مل جائے اس کی پیروی کو باعث فلاح ماننا چاہئے۔ اگر اس سے مقابلہ کرنے کا خیال آئے تو جاننا چاہئے کہ یہ فیصلہ کرنے والے کی صریحاً بے ادبی ہے۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

اگر تم اپنا ہاتھ میرے قتل کرنے کو بڑھاؤ گے تو میں اپنا ہاتھ تمہارے قتل کرنے کو نہیں بڑھاؤں گا، مجھے اللہ رب العالمین کا خوف ہے۔

حضرت ہابیل علیہ السلام نے قابیل سے کہا کہ تم اگر اپنا ہاتھ میرے قتل کرنے کو بڑھاؤ گے تو میرا ہاتھ تمہارے قتل کرنے کو نہیں بڑھے گا، مجھے اللہ کا خوف ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ جو جزا پر یقین رکھتا ہو وہ عمل میں اپنی پسند کو شامل نہیں ہونے دیتا، اس لئے برے عمل کے جواب میں وہ برا عمل نہیں کرتا۔ وہی کرتا ہے جس میں اسے اللہ کی رضا نظر آتی ہے۔

حاصل : برے عمل کے جواب میں برا عمل کرنا اللہ سے نہ ڈرنے کا ثبوت ہے۔ پاک بندے پر وہی کرنا حق ہے جس میں اللہ کی رضا موجود ہو۔

اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۚ ﴿۲۹﴾

میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا گناہ اور تیرا گناہ تیرے پلے پڑے تو تُو آگ والوں سے ہو، اور ظالمین کی یہی جزا ہے۔

حضرت ہابیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا گناہ بھی تمہارے سر ہو، تمہارا تو تمہارے سر ہو گا ہی اور تمہارا انجام جہنم ہو، ظالمین کی یہی جزا ہوا کرتی ہے۔ مقتول اگر قاتل کو قتل کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، اور خوفِ خدا سے اپنے عمل کو پورا رکھے تو اس کے گناہ بھی قاتل کے سر پڑ جاتے ہیں، اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو جاتا ہے۔ جو پاک بندے کا قاتل ہو وہ ظالم بھی ہوتا ہے دوزخی بھی ہوتا ہے۔

حاصل : اپنے مخالف کو بھی اس کے انجام سے آگاہ کر دینا چاہیئے، تاکہ اسے جزا کی بھی خبر رہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾

پھر اس کو اس کے نفس نے بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اسے قتل کر دیا، تب خاسرین سے ہو گیا۔

جب انسان کو اپنے نفس کی خوشی مطلوب ہو، تو حق کی روشن نشانی دیکھ کر، اپنے رخ کی عدم صحت کو جان کر اور ظلم کے انجام سے ہونے والے خسارے کی طرف بھاگنے کے یقین کے باوجود مانتا نفس کی ترغیب کو ہی ہے۔ قابیل بھی ان سب مقامات سے گزرا۔ اسے بھائی کی قربانی قبول ہوتی نظر آئی، اپنی قبول نہ ہوتی نظر آئی۔ اس نے بھائی کی شرافت دیکھی اور اس کے اندر رب العالمین کا خوف بھی دیکھا۔ اس نے بھائی کی استقامت اور دائمی پاک دامنی بھی دیکھی۔ وہ ظلم کے انجام سے بھی آگاہ ہوا۔ لیکن پھر بھی اس نے مانا نفس ہی کی ترغیب کو اور اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ انجام کار وہ خسارے میں پڑ گیا۔ راحت کے لئے سعی کرتے ہوئے جب کوئی نفس کی ترغیب کی بدولت مشقت میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو وہ خاسرین سے ہو جاتا ہے۔

حاصل : راحت کی جستجو میں سعی کرتے ہوئے جب کوئی حق کے مقابل اپنے نفس کی ترغیب کو مانتا ہے تو وہ مشقت میں مبتلا ہو کر خاسرین سے ہو جاتا ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ‌ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ‌ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ۚۛ مع

عند المتاخرین ١٢

تو اللہ نے ایک کوّا بھیجا کہ زمین کرید کر اسے دکھائے کہ وہ کیسے اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے۔ کہنے لگا افسوس میں اس کوے جیسا بھی نہ ہوا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پھر نادم ہوا۔

قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کر دیا، تو اپنے نفس کی ترغیب پر عمل کرنے کے بعد اسے خسارے نے گھیر لیا۔ اس کے لئے بھائی کی لاش کو ٹھکانے لگانا مشکل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کوا بھیجا گیا جس نے ایک مردہ کوے کو زمین کرید کر دبایا اور اوپر مٹی ڈال دی۔ یہ سب کچھ قابیل کو دکھانے کے لئے تھا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ قابیل کو اپنے خوب تر

ہونے کا جو زعم تھا، رخصت ہو گیا۔ اسے ندامت ہوئی کہ وہ تو کوے جیسا بھی نہیں ہوا کہ اپنے بھائی کی لاش کو ہی چھپا سکے۔ تب اپنے بھائی کی عظمت کو، اس کے تقوے کو، خوفِ خدا کو، جزا پر یقین کو اس قدر روشن دیکھا کہ اسے اپنے عمل کا نقص نظر آنے لگا۔ نفس کی ترغیب تو ختم ہو چکی تھی، خسارے نے احاطہ کر لیا تھا، اب سوائے ندامت کے کچھ ممکن نہ تھا۔

حاصل : جو حق کے مقابل نفس کی ترغیب کو ہی مانے اسے انجام کار ہمیشہ ندامت ہوتی ہے۔ ندامت وہ کیفیت ہے جو منکر حق کو گھیرتی ہے، جب وہ خلافِ حق کرتے کرتے اصلاح کی حد سے گزر چکا ہوتا ہے اور واپسی ممکن نہیں رہتی۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ؗ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے لکھ دیا کہ جس نے کسی کو قتل کیا بغیر جان کے بدلے کے یا زمین میں فساد کیا تو گویا اس نے جمیع لوگوں کو قتل کیا، اور جس نے ایک کو بچایا اس نے گویا جمیع لوگوں کو بچایا۔ اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے، پھر ان میں سے اکثر اس کے بعد بھی زمین میں اسراف کرنے والے ہیں۔

قتل اول کے ارتکاب کے بعد بنی اسرائیل کے لئے یہ لکھ دیا گیا کہ جس نے کسی کو بغیر جان کے بدلے جان کے قتل کر دیا، یا زمین میں اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے امن و امان کو برباد کیا اور لوگوں کے احساس تحفظ کو احساس عدم تحفظ میں بدل دیا تو اس کے قتل و فساد سے گویا سبھی لوگ متاثر ہوئے۔ اور جس نے ایک جان کو بچایا، کسی کے احساس عدم تحفظ کو احساس تحفظ سے بدلا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچایا۔ عمل کی ان دونوں صورتوں کی اہمیت اب اس قدر بڑی ہے کہ جو برائی کی راہ اختیار کرے گا، وہ اپنی خود سری پر گواہ ہو گا۔ اور جو بھلائی کی راہ اختیار کرے گا، رضائے الٰہی کے علاوہ اسے کچھ مطلوب نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے بشارت و انذار کے لئے رسول بھیجے۔ ان کی صداقت ناقابل تردید تھی۔ حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی اکثریت کا رجحان من مانی کرنے کی طرف ہی تھا۔ یہی اسراف ہے۔

حاصل : قتلِ ناحق اور فساد سے عدم تحفظ کا احساس پھیلتا ہے۔ بچانے کی کوشش کرنے والے سے احساس تحفظ پھیلتا ہے۔ عمل کی دونوں صورتیں بڑی ہیں۔ کسی کو ناحق مارنا جتنا بڑا گناہ ہے، اس کو بچانا اتنی ہی بڑی نیکی ہے۔ حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی اکثریت من مانی کی طرف ہی مائل

رہی ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، ان کی یہی جزا ہے کہ وہ قتل کئے جائیں، یا سولی دئے جائیں، یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دیئے جائیں۔ یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

حق کو جان لینے کے بعد جو لوگ اسراف کرتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لڑنے والے ہیں۔ علمِ الٰہی کے مطابق رہنے سے لوگوں کو دائمی تحفظ کا احساس حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ خلافِ حق کرتے ہوئے علمِ الٰہی کے مقابل اپنے عمل کو جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ مفسد ہوتے ہیں۔ ایسے مفسدین کی جزا کی چار صورتیں ہیں۔ اگر انہوں نے قتل ناحق کا ارتکاب کیا ہو تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ جان تلف کرنے کی دوسری صورتوں میں سولی دی جائے گی۔ رہزنی سے اگر انہوں نے کسی راہ کو غیر محفوظ بنایا ہو تو ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں گے۔ اور اگر وہ ارتکاب جرم سے قبل ہی پکڑ لئے گئے ہوں تو ان کو قید کر لیا جائے گا۔ مفسدین کی دنیا میں رسوائی ہو تو امن و امان مستحکم ہوتا ہے۔ آخرت میں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لڑنے والوں کے لئے بڑا عذاب ہو گا ہی۔

حاصل : حق کو جان لینے کے بعد جو لوگ علمِ الٰہی کے مقابل من مانی کرتے ہیں، یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ لڑنے والے ہیں۔ ان کے جرم کے مطابق ان کی رسوائی ہو تو امن و امان کو استحکام ملتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ ع ۸

مگر وہ جنہوں نے توبہ کی قبل اس کے کہ تم ان پر قدرت پاؤ، تو معلوم رہے کہ اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ لڑنے سے توبہ کر لیں، ان کی زندگی میں ایسی تبدیلی آتی

ہے جو ان کے قول و عمل، علم اور اخلاص میں واضح نظر آتی ہے۔ وہ بات کرتے ہوئے اپنی پسند کا ذکر کرنے کی بجائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ عمل کرتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح راضی ہیں یہ دیکھتے ہیں کہ مخلص کی خدمت کیا ہے۔ اظہار علم میں یہ نہیں چاہتے کہ ان کی فضیلت کا اعتراف کیا جائے، یہ چاہتے ہیں کہ جس حقیقت سے انہیں آگاہ کیا گیا ہے اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور فلاح کی طلب رکھنے والے اس سے سکھ پائیں۔ اور اخلاص کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ ماننے سب پاک لوگوں کو ہیں، پیروی ایک کی کرتے ہیں۔ اور جس کی پیروی کرتے ہیں، اس کے نہ جاننے والوں پر حقیقت کو عیاں کر کے معیت حق کا شرف پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی فلاح پسند ہے۔ اگر کوئی اسراف سے تائب ہو جائے قبل اس کے کہ مومنین کو اس پر قدرت حاصل ہو تو پھر اس کے لئے بخشش اور رحم کا راستہ کھلا ہے۔ جو مومنین کے غلبے سے پہلے توبہ کرے گا اس کا عمل سرکشوں کے عمل سے مختلف ہو گا اور اس پر شہادت بھی موجود ہو گی۔

حاصل : سرکشوں کو قید کرتے وقت ان کی کیفیت کو دیکھنا چاہئے۔ اگر مغلوب ہونے سے پہلے کسی کی توبہ ثابت ہو جائے تو اس کو بخش دینا اور اس پر رحم کرنا مومنین کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد میں ارشاد فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾

اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہیں ثابت قدمی دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

انسان اپنے عمل سے حاصل پر مرتب ہونے والے اثرات کو نظر میں رکھتا ہے اور لوگوں کی پسند کے خلاف کرنے سے ڈرتا ہے۔ لوگوں کی خوشی سے اسے قدر و منزلت کا احساس ہوتا ہے اور لوگوں کی ناخوشی سے بے قدری کا احساس ہوتا ہے۔ جزا دینے والے قادر مطلق کے مقابل لوگوں کا کیا مقام ہے۔ اللہ سے ڈرنا ہی حق ہے۔ خلوت پاک نہ ہو تو جلوت پاک نہیں ہوتی، اور خلوت صرف اللہ کے ڈر سے ہی پاک ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہا ہو اور خوف و حُزن سے نجات دینے کا مرتبہ رکھتا ہو، وہ وسیلہ ہے جو حال پر معیار ہوتا ہے اور قربِ الٰہی کے لئے آسرا ہوتا ہے۔ یہی وسیلہ وصال کا دروازہ ہوتا ہے کہ رضائے الٰہی اس کے علاوہ کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ قول پاک ہو گا تو اسی وسیلے سے، عمل کی اصلاح ہو گی تو اسی وسیلے کی نسبت سے اور یکسوئی کا شرف بھی ہو گا تو اسی وسیلے سے۔ وسیلہ پا لینے کے بعد اپنی پسند کو چھوڑ دینا بڑا کام ہوتا ہے، اور اللہ کی راہ میں یہ جہاد اکبر کیا جائے تو فلاح حاصل ہوتی ہے۔

حاصل : جزا دینے والے سے ڈرنا حق ہے۔ وسیلہ وہ شاہد ہے جو خوف و حُزن سے پاک کرنے کا

مرتبہ رکھتا ہو۔ اس کو ڈھونڈنا حق ہے۔ پالینے کے بعد اپنی پسند کو ساکن کیا جائے تو فلاح ہوتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے اور اس کی مثل اتنا ہی اور بھی ہو کہ یوم قیامت کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے دیں تو ان سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

جو لوگ حق کے انکار کی راہ اختیار کرتے ہیں، وہ اللہ کی دی ہوئی توفیق کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ خوف وحزن سے نجات کی راہ دکھانے والے کے منکر ہوتے ہیں۔ حال پر جو کچھ کیا جارہا ہے قیامت کے دن اسی کی جزا دی جائے گی۔ کافر اس جزا سے بچنے کے لئے اگر زمین کے سارے خزانے اور اس کے ساتھ اتنا کچھ اور بھی دے کر عذاب سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق ختم ہو چکی ہو گی۔ اصلاح کو اختیار کرنے کا وقت گزر چکا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے اور ہر شے کا مالک ہے۔ اس کے ہاں کچھ دے کر جزا سے چھوٹ جانا ناممکن ہے۔ کافر کے لئے اس کے عمل کا نتیجہ المناک عذاب ہو گا۔ نتیجے سے آگاہی ہو جانے کے بعد جبکہ نتیجے کے واقع ہونے کو روکا بھی نہ جاسکتا ہو، اور وہ ہو بھی المناک عذاب کی صورت میں تو پھر اس انجام سے بچنے کے لئے حال میں اس عمل کو چھوڑنا ضروری ہے جس کا انجام المناک عذاب ہو گا۔

حاصل : اللہ کے ہاں کچھ دے کر کوئی عذاب سے چھوٹ نہیں سکے گا۔ المناک عذاب سے بچنے کے لئے حال میں اس عمل کو چھوڑنا ضروری ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اللہ کی رضا کے مطابق خرچ کرنا حیاتِ دنیا میں ممکن ہے، بعد میں یہ ممکن نہ ہو گا۔

يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾

آگ سے نکلنا چاہیں گے اور وہ اس سے نکل نہ پائیں گے، اور ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

کافر فلاح کے خلاف راہ کو اختیار کرتا ہے۔ حال پر اسے خوف وحزن گھیرے رکھتا ہے، آخرت میں اسے آگ کا عذاب ہو گا۔ کافر کو اس کے اعمال کی ہی جزا دی جائے گی۔ اس کے اعمال کے نتیجے سے پیدا ہونے والی آگ جو قیامت سے پہلے خلوت کے درجے میں ہے قیامت کے دن جلوت میں آجائے گی۔ ہر عمل میں شعوری کوشش خلاف حق کرنے کی ہو تو آخرت میں جو

عذاب ہو گا وہ بھی قائم رہنے والا ہو گا اور اس سے نکلنا ممکن نہ ہو گا۔

حاصل : جب ہر عمل میں شعوری کوشش خلاف حق کرنے کی ہو تو آخرت میں ایسا عذاب ہو گا جو قائم رہنے والا ہو گا۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا أَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَٰلًا مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾

اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹو۔ اللہ کی طرف سے ان کے کسب کی جزا رکھی گئی ہے۔ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

حکم خداوندی بلوغت پر شعور کی موجودگی کی صورت میں عائد ہوتا ہے۔ جو حکم کو جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے ناپاک کے، پاک ہونے کی راہ رکھی ہے۔ شریعت نے جو حدود بھی مقرر کی ہیں ان کا منشاء ماننے والوں کو پاک رکھنا ہے اور اگر وہ تجاوز کرنے کی بدولت ناپاک ہو جائیں تو انہیں پاک کرنا ہے۔ جب کوئی بالغ مرد یا عورت کسی دوسرے کے مال کو جسے مالک نے حفاظت سے رکھا ہوا ہو، بغیر مالک کی اجازت کے اور چھپ کر لے جائے اور لے جانے والے کا اس مال پر کوئی حق نہ بنتا ہو، تو یہ چوری ہے۔ چوری کرنے والے کا شعور بھی درست ہو گا اور مال کے مالک کا شعور بھی درست ہو گا۔ چوری ہونے والی شے مالک کے نزدیک ایک اہمیت رکھتی ہے، تو وہ دعویٰ کرتا ہے اور چور کے نزدیک بھی اس کی اہمیت ہو تو وہ اسے چراتا ہے۔ چور اپنے ہاتھ کو عدم توکل کی بدولت خیانت کر کے ناپاک کر لیتا ہے، اور ایک عمل سے بے شمار لوگ اپنے مال کو محفوظ رکھنے کے باوجود بے سکون ہو جاتے ہیں۔ ایک برے عمل سے بہت سا وقت، بہت سی قوت اور سرمایہ فلاحی کاموں میں صرف ہونے کی بجائے بے جا خرچ ہونے لگتا ہے۔ معاشرے میں شکوک و شبہات بڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا یہ رکھی ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، مرد ہو یا عورت۔ جو لوگ عزت اور سکھ سے رہنا چاہتے ہیں، انہیں یہ حکم باعث عزت اور باعث حکمت نظر آتا ہے، اور جو لوگ انسان کے بنائے ہوئے قانون میں عزت اور حکمت دیکھتے ہیں وہ مسلسل خوف و حزن میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں۔

حاصل : جو حقوق العباد کو پامال کرنے کا مرتکب ہو، چھپ کر کسی کی محفوظ شے کو لے جائے جبکہ لے جانے کا حق اسے حاصل نہ ہو، تو حکم خداوندی کے مطابق اس چور کا ہاتھ کاٹ دینا چاہئے۔ اس سے معاشرے کو عزت بھی ملے گی، سکھ بھی ملے گا۔

فَمَن تَابَ مِنۢ بَعْدِ ظُلْمِهِۦ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ

پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کی اور اصلاح کی تو بے شک اللہ اس پر توجہ فرماتا ہے۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے

غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۳۹ والا ہے۔

چوری ظلم ہے۔ اس سے حقوق العباد پامال ہوتے ہیں، اور افراد کے مابین روابط میں شبہات کے لئے جگہ بن جاتی ہے۔ اس ظلم کے ارتکاب کے بعد جس نے توبہ کر لی اور پاک ہو گیا، کسی صالح سے اصلاح لی اور متوکل ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ جب عطاء الٰہی کو ناکافی سمجھا جائے اور نہ ہونے کے مقام پر کھڑے رہنے کی بجائے کسی کے مال کو چھپ کر لے لیا جائے، تو اس بے صبری کی بدولت معیت حق کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ اصلاح کرنے والے کی شان اسی میں ہے کہ جس کی وہ اصلاح کرے اس کو آسرا بھی دے۔ جو پاک ہو جائے اس کے ماضی کا ذکر کرنا بھی درست نہیں ہے۔

حاصل : ظلم کے ارتکاب کے بعد جو تائب ہو اور اصلاح لے، اس کو پاک جانتے ہوئے اس کے ساتھ بخشش اور رحم کا معاملہ کرنا چاہئے۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۴۰

کیا تمہیں علم نہیں کہ آسمان اور زمین اللہ ہی کی سلطنت ہے۔ جسے چاہے عذاب کرے اور جسے چاہے بخش دے۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب اللہ کا ہے۔ بندے بھی سب اللہ کے ہیں۔ وہ اللہ کو مالک مان لیں تو مالک کے سامنے جواب دہی کے یقین سے ان کا رخ درست ہو جاتا ہے۔ اور اگر اللہ کو مالک نہ مانیں تو شیطان کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ مالک کی شان ہے وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دیتا ہے۔ اس کی قدرت کے احاطے سے کچھ باہر نہیں ہے۔ وہ ہر شے کا، ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ اس نے بشارت و انذار کے لئے اپنے بندوں کو بھیج کر بخشش اور عذاب سے لوگوں کو آگاہ کر دیا ہے۔ اب جو حق کو جانتے ہوئے اپنی خواہش کا اتباع کرے گا وہ گمراہ ہو گا اور عذاب میں پڑے گا۔ اگر تائب ہو جائے اور اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان کر دے تو بخشا جائے گا۔ مسلم و مجرم مساوی نہیں ہیں، اس لئے اللہ ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں کرتا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ مالکِ کُل ہے۔ مالک کے حکم کے مطابق اس کی اشیاء کو استعمال نہ کیا جائے تو اس سرکشی کا نتیجہ عذاب ہو گا۔ اس کے مخلص بندوں کو شاہد بنا لیا جائے تو نتیجہ بخشش ہو گا۔ اللہ کی قدرت کے احاطے سے کچھ باہر نہیں ہے۔ کوئی اس کو عاجز کرنے والا نہ ہوا ہے، نہ ہے اور نہ ہو گا۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ لَا يَحۡزُنۡكَ الَّذِيۡنَ اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ
قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن
قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ
سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ
آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ
مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ إِنْ
أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ
تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَن يُرِدِ اللَّهُ
فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ
قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَ
لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾

کفر میں سرعت کرنے والے آپ کو محزون نہ کریں۔ وہ لوگ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے، اور ان کے دل مومن نہیں۔ اور وہ جو یہودی ہیں، جھوٹ بنانے کے لئے کان دھرتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کے لئے جو آپ کے پاس حاضر نہیں ہوئے جاسوسی کرتے ہیں۔ اللہ کی باتوں میں ان کے مواضع کے بعد تحریف کرتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ ملے تو لے لو اور یہ نہ ملے تو حذر کرو۔ اور اللہ جس کے فتنے کا ارادہ کرے آپ اللہ کے ہاں اس کا کچھ نہیں بنا سکتے۔ وہی لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے پاک کرنا نہ چاہا۔ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ کسی کو حق کے انکار کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھ کر اللہ کے حبیب کو رنج ہوتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والا اپنے ہی خواہ سے تعلق نہیں رکھتا مگر ہی خواہ کو اس سے تعلق ہے۔ [illegible] پہ تبلیغ حق کرنے والے کو غم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی شان کو اس قدر بلند کیا ہے کہ قیامت تک آنے والے اس رفعت کو سلام کر کے نورِ ہدایت سے فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ کفر کی طرف دوڑنے والے لوگ وہ ہیں جو منہ سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور دل ان کے مومن نہیں ہیں۔ جس وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کو مانا جائے اگر محبوب ہو تو ایمان دل میں داخل ہوتا ہے۔ دل، دلبر کو دیا جائے تو دل مومن ہوتا ہے۔ جب دل مومن ہو تو پھر [illegible] ہوتی ہے۔ منافق اور یہودی جب حضوری میں ہوتے ہیں تو بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔ ایک منشاء تو حق میں اپنے [illegible] ڈال کر تحریف کرنا اور جھوٹ گھڑنا ہوتا ہے۔ دوسرا منشاء ان لوگوں کو خبریں پہنچانا ہوتا ہے جو دور بیٹھے لوگوں کو ان کی خواہشات سے بدلتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ حکم خداوندی کو اس طرح بدلتے ہیں کہ "امر" کو "نہی" اور "نہی" کو "امر" بنا دیتے ہیں۔ اثبات کو نفی اور نفی کو اثبات بنا دیتے ہیں۔ اس تحریف کا منشاء لوگوں کو راہ حق سے روکنا ہی ہوتا ہے۔ جن کو حضور

حضوری میں بھیجا جاتا ہے۔ انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر بات تمہاری پسند کے مطابق ہو تو لے لو، مان لو اور اگر یہ نہ ہو تو پھر بچو۔ جو لوگ اپنے شاہد کی بات کو اپنی پسند کے حوالے سے مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو پاک کرنا نہیں چاہتا۔ جو اللہ کے محبوب کو محبوب نہ مانتا ہو، اس کے لئے محبوب دعا بھی کرے تو اللہ نہیں مانتا۔ یہ اللہ کی سنت ہے۔ اظہار محبت کی اس بلندی کو روشن فرما کر اللہ تعالیٰ نے انعامات کی بارش کر دی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے جو حق کو ماننے کے دعوے کے ساتھ انکار کی طرف دوڑتے ہیں، دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے۔ آخرت میں انہیں ان کے اعمال کی جزا عذاب عظیم کی شکل میں ملے گی۔

حاصل : اظہارِ محبت کرنے کا علم اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ جو لوگ شاہد کی بات کو اپنی پسند کے حوالے سے مانیں، اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو پاک نہیں کرتا۔ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے، آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہو گا۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

جھوٹ گھڑنے کے لئے جاسوسی کرنے والے بڑے حرام خور ہیں۔ تو اگر آپ کے پاس آئیں تو ان میں فیصلہ فرما دیجئے یا ان سے اعراض کر لیجئے۔ اور اگر آپ ان سے اعراض کر لیں گے تو وہ آپ کو کچھ ضرر نہ دے سکیں گے۔ اور اگر آپ ان میں حکم بنیں تو انصاف سے حُکم فرما دیں۔ بے شک انصاف کرنے والے اللہ کو پسند ہیں۔

منافقین اور کچھ یہودی علم الٰہی کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کے لئے سنتے تو توجہ سے ہیں مگر جب حق ان پر واضح ہو جاتا ہے تو اس میں تحریف کر کے حرام کھاتے ہیں۔ جس کھانے میں رضاء الٰہی کے مقابل اپنی مرضی مقصود ہو اور طاغوت پر ایمان لانا مطلوب ہو وہ حرام ہے۔ ایسے لوگ اگر شاہدِ حق کے حضور فیصلے کے لئے آئیں تو وہ ان میں فیصلہ فرما دیں یا اعراض کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں صورتوں میں رضائے الٰہی ملحوظ ہو گی۔ فیصلہ کرنے والے کی شان یہی ہے کہ وہ انصاف سے حکم کرے۔ انصاف میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی خواہشات کے مقابل انہیں ان کا حق بتانا ضروری ہے۔ انصاف کرنے والے لوگ جہاں بھی ہوں گے، وہاں کسی کی حق تلفی نہ ہو گی۔ جہاں انصاف کرنے والوں کو پسند کیا جائے گا، وہاں اللہ کی رحمت شامل حال رہے گی۔

حاصل : جو لوگ حق کو سن کر اس میں اپنی خواہشات کو ملا کر لوگوں کو سناتے ہیں، وہ بڑے حرام خور ہیں۔ ان کے مابین فیصلہ کیا جائے یا ان سے اعراض کیا جائے، شاہد کو اللہ تعالیٰ کی طرف

سے اس کی اجازت ہے۔ فیصلہ ہو تو فریقین کو ان کا حق دکھایا جائے۔ انصاف کرنے والوں سے [illegible] اللہ محبت [illegible] ہے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور وہ آپ کو کیسے حکم بنائیں گے اور ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حُکم ہے. پھر اس سے پھرے جاتے ہیں، اور وہ ماننے والے نہیں۔

یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت اور نور عطا ہوا وہ تورات کی صورت میں ان کے پاس ہے۔ جب یہ [illegible] کے [illegible] کی طرف دیکھتے ہیں تو حق سے پھر جاتے ہیں۔ اگر ماضی میں حکم خداوندی کو نہیں مانتے تو حال پر بھی [illegible] کے [illegible] اس لئے یہ ماننے والے ہی نہیں۔

[illegible] میں اس کا انکار کرتا رہا ہو وہ حال پر بھی [illegible] حکومت ہی [illegible] کی ہوتی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا ہے۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو ہرانے کی کوشش کرتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

بے شک ہم نے تورات نازل کی کہ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ ہمارے فرمانبردار نبی یہود کو اس کے مطابق حکم دیتے تھے اور ربّانی اور احبار کہ ان سے اللہ کی کتاب کی محافظت چاہی گئی تھی اور وہ اس پر شاہد تھے۔ تو لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، اور میری آیتوں کے بدلے قلیل دام نہ لو۔ اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ مطابق حکم نہ کرے تو وہی کافر ہیں۔

تورات بھی منزّل مِنَ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں ہدایت اور نور رکھا گیا ہے۔ ہدایت سے رضائے الٰہی کا پتہ چلتا ہے اور نور سے راستہ طے کرنے میں مدد ملتی ہے۔ انبیاء سابقین میں سے بہت سے حضرات، یہود کو اس کے مطابق حکم دیتے رہے۔ نبی حکم خداوندی کو عملاً جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس حکم کو جاری رکھنا ربّانی لوگوں کا کام ہوتا ہے اور احبار کے ذمے ہوتا ہے۔ ربانی وہ لوگ ہوتے ہیں جو رب العالمین کی رضا کے مقابل لوگوں کی پسند کو وقعت نہیں دیتے اور کسی کے کچھ نہیں لگتے۔ جو رضائے الٰہی کا طالب ہو اس سے ان کا رشتہ ہوتا ہے۔ احبار وہ ہوتے ہیں جو ربانی حضرات کے احکام کی تعمیل میں ڈھیل نہ کریں اور کاروبار زندگی میں خوف و حزن سے بچنے کی راہ اختیار کریں۔ تورات کی حفاظت ان کے ذمے تھی، اور یہ حضرات اس کے ہدایت اور نور ہونے پر شاہد تھے، یہ دیکھ چکے تھے کہ رضاء الٰہی کے علاوہ راحت کسی مقام پر موجود نہیں۔ اس کے باوجود ان لوگوں نے ارشادِ خداوندی کو لوگوں کی پسند کے مطابق بنا کر ان سے دام وصول کئے اور فرمان خداوندی کو بدل ڈالا۔ جہاں حکمِ خداوندی معلوم ہو اور منصوص ہو مگر فیصلہ اس کے مطابق نہ کیا جائے تو یہ کفر ہے۔ اور ایسا کرنے والا کافر ہے۔ کافر میں تکبر کے ساتھ لوگوں کا ڈر بھی ہوتا ہے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی میں ہدایت اور نور ہوتا ہے۔ فیضیاب ہونے والے اس پر شاہد ہوتے ہیں۔ جب منصوص حکم کو لوگوں کی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے تو یہ کفر ہے اور ایسا کرنے والا کافر ہے۔ کافر میں تکبر کے ساتھ لوگوں کا ڈر بھی ہوتا ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾

اور ہم نے اس میں ان پر فرض کر دیا کہ نفس کے بدلے نفس اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا قصاص۔ پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ اس کے لئے کفّارہ ہے۔ اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

حکم خداوندی راہ راست پر رہنے کے لئے بھی درکار ہوتا ہے، اور جب لوگوں کی خواہشات آپس میں ٹکرا جاتی ہیں اور وہ الجھ جاتے ہیں تو اس الجھاؤ کو سلجھانے کے لئے بھی وہی حکم باعثِ تنویر ہوتا ہے۔ اگر اللہ کے نازل کردہ حکم کا پتہ ہو اور فیصلے میں اس حکم سے مطابقت ملحوظ نہ رکھی جائے تو یہ ظلم ہو گا۔ حکم یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے۔ آنکھ کے بدلے

ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم حکم خداوندی ہے۔ اگر مجروح جان کو معاف کردے تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

حاصل: جب حکم خداوندی معلوم ہو اور فیصلے میں اس سے مطابقت ملحوظ نہ رکھی جائے تو یہ ظلم ہے۔ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم حکم خداوندی ہے۔ مجروح معاف کر دے تو جان کا کفارہ ہو گیا۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾

اور ہم نے ان کے آثار پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا۔ آپ نے تورات کی تصدیق فرمائی جو آپ سے آگے تھی۔ اور آپ کو ہم نے انجیل عطا فرمائی۔ جس میں ہدایت اور نور ہے۔ آپ سے آگے تورات کی مصدق ہے۔ اور متقین کے لئے ہدایت اور موعظت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کے حق اور من اللہ ہونے کی تصدیق فرمائی جو آپ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ تورات کی مصدق ہے اور متقی لوگوں کے لئے اس میں ہدایت اور موعظت ہے۔ حال پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ماضی کی تصدیق کرے اور پاکیزگی کا تسلسل لوگوں کے سامنے لائے۔ انعام حال پر ملتا ہے اور صاحب حال سے ملتا ہے۔ ماضی میں ہو چکا ہوتا ہے۔ حال پر وہ ہو رہا ہوتا ہے۔ متقی لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں اس لئے ہدایت پر شکریہ ادا کرتے ہیں اور موعظت سے ان کے عمل میں استقامت آتی ہے۔

حاصل: حال اپنے ماضی کی تصدیق ضرور کرتا ہے۔ انعام حال پر ملتا ہے اور صاحب حال سے ملتا ہے۔ ہدایت سے راستہ ملتا ہے۔ موعظت سے استقامت آتی ہے۔

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤٧﴾

اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو اللہ نے اس میں نازل فرمایا ہے، اس کے مطابق حکم کریں، اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں تو وہی فاسق ہیں۔

اہل انجیل کو اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت اور موعظت سے نوازا، اگر وہ اس کے مطابق حکم کریں تو یہ ان کے شاکر ہونے کا ثبوت ہو گا اور اگر اس حکم میں اپنی خواہشات کو شامل کر کے حکم کو اپنی پسند کے مطابق بنالیں تو یہ ان کے فاسق ہونے کا ثبوت ہو گا۔ ماضی میں ہمیشہ حال کے متعلق آگاہی بھی ہوتی ہے اور اسے تسلیم کرنے کا حکم بھی ہوتا ہے۔

حاصل : اہل انجیل کو چاہئے کہ اللہ کے نازل فرمائے ہوئے حکم مانیں اور حال پر اپنا حق ادا کریں۔ حکم خداوندی میں اپنی پسند کو داخل کرنا فسق ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ؀ۙ۴۸

اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی، سابقہ کتابوں کی مصدق اور ان پر گواہ، ان میں حکم کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا، اور خلاف حق ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک دستور اور راستہ دیا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک امت ٹھہرا دیتا، لیکن تمہیں اپنی عطا سے دیکھنا چاہتا ہے، تو خیرات میں سبقت کرو۔ تم سب کی مراجعت اللہ ہی کی طرف ہے تو وہ تمہیں بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر قرآن مجید کو نازل فرمایا گیا۔ یہ سابقہ کتب سماویہ کا مصدق ہے اور ان کے مضامین کے مصدق ہونے کی نسبت سے ان پر گواہ بھی ہے۔ اگر ان کتابوں کی کوئی بات قرآن پاک کے ارشادات کے خلاف ہو تو یہ ان کے تبدل کا ثبوت ہو گا۔ قرآن پاک کی حفاظت کی سند موجود ہے۔ اس معیار کی مطابقت سے صداقت کا پتہ چلے گا۔ حکم نازل کرنے والا علیم مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے جو ماضی میں نازل کیا وہ اس وقت پورا تھا، جو قرآن پاک کی صورت میں نازل فرمایا وہ قیامت تک ماننے والوں کے لئے ہدایت اور نور ہے۔ اب ہر حکم کو قرآن پاک کی تصدیق حاصل ہونی چاہئے اور کسی کی خواہش کو فرمان خداوندی کے مقابل کوئی وقعت نہیں دینی چاہئے۔ مخلصین کے ہاں عمل پہلے ہو رہا ہوتا ہے، حکم بعد میں آتا ہے۔ حکم نازل وہیں ہوتا ہے جہاں سے اسے جاری ہونا ہوتا ہے لیکن ہوتا تعلیم امت کے لئے ہے۔ دستور حکم خداوندی اور راستہ اس حکم کو جاری کرنے والے کے نقوش قدم ہیں۔ اللہ اگر ایک ہی دستور رکھ دیتا تو راستہ بھی ایک ہی ہوتا۔ اس سے لوگ ایک امت تو رہتے مگر حال پر حق کو تسلیم کرنے میں ان کے قول، عمل، علم اور اخلاص پر شہادت نہ ملتی۔ اللہ اپنی عطا سے یہ دیکھتا ہے

کہ حال کو تسلیم کرنے والا کسی درجے میں اپنی پسند کی طرف تو نہیں جھکتا۔ یہ اسی صورت ممکن ہے کہ بندہ ہر مقام پر اپنے سابقہ عمل کے مقابل بہتر عمل کرنے کی سعی کرے۔ واپسی تو سب کی اسی مالک کی طرف ہو گی جس کی طرف سے آنا ہوا ہے۔ وہاں ہر ایک پر کھل جائے گا کہ اس نے کیا کیا اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔

حاصل : حال ماضی کا مصدق ہوتا ہے۔ حال کو تسلیم کیا جائے تو صداقت ثابت ہوتی ہے۔ اپنے سابقہ عمل سے بہتر عمل کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔ جب مقصود معلوم ہو تو اس کے مقابل اپنی کوئی پسند نہیں رکھنی چاہئے، ورنہ اختلاف میں مبتلا ہو جانا یقینی ہو جاتا ہے۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۗ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور یہ کہ ان میں اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کے مطابق حکم کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ان سے حذر کرو کہ وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈالیں کسی حکم سے جو اللہ نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہو۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو جان لو کہ اللہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اور بے شک لوگوں میں سے بہت سے فاسق ہیں۔

یہ حکم فرد کے لئے ہے کہ سلامتی حکم خداوندی کی مطابقت میں ہے اور اس کے مقابل کسی کی خواہش کی پیروی میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ جو فرمان خداوندی کے مقابل اپنا الگ راستہ رکھتے ہوں ان سے حذر ضروری ہے کہ ان کے قرب سے فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی ہی ممکن ہے۔ اس حذر کی حقیقت یہ ہے کہ قول و عمل میں رضائے الٰہی کو مقصود بنایا جائے۔ اور اگر کوئی اس رویئے کی بدولت منہ پھیر جاتا ہے، تو وہ جلد ہی دنیا میں اپنے بعض گناہوں کی سزا پانے کے مقام پر پہنچنے والا ہے۔ لوگوں کی اکثریت حکمِ الٰہی کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ حکم الٰہی پر اپنی خواہش کو قربان کرنے والوں کی تعداد کم ہی ہوا کرتی ہے۔

حاصل : حکم وہی درست ہے، فرمان خداوندی سے جس کی تصدیق ہو۔ من مانی کرنے والوں سے حذر ضروری ہے۔ اکثریت بذات خود حق کے مقابل کوئی معیار نہیں ہے، اکثر لوگ فسق ہی میں مبتلا رہتے ہیں۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾

تو کیا جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں۔ اور اللہ سے احسن کس کا حکم ہے، یقین کرنے والوں کے لئے۔

حال پر جو حکم صاحبِ اخلاص کی طرف سے جاری کیا جائے گا وہی حق ہو گا۔ اور اگر ماننے کا دعویدار ماضی کا حوالہ دے تو وہ جہالت کی بات ہو گی اور اس کی اپنی خواہشات کے تابع ہو گی۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے، اس سے بہتر اور کسی کا حکم ہو ہی نہیں سکتا۔ فیض تو یقین والے ہی اٹھائیں گے۔ راستہ طے کرنے سے طے ہوتا ہے، راستے کی باتیں کرنے سے راستہ طے نہیں ہوا کرتا۔ یقین والے حکم کو سن کر وہ کرنے لگتے ہیں جس کا حکم ہوتا ہے۔ بے یقین حکم کو سن کر اسے اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں اور اس طرح الجھتے چلے جاتے ہیں۔

حاصل : حال پر صاحبِ اخلاص کے حکم کو سن کر ماضی کے ساتھ لگنے کی کوشش جہالت ہے۔ علیم مطلق کے حکم کے مقابل کسی حکم میں دائمی فلاح نہیں ہے، اس لئے یقین کرنے والوں کے لئے اس سے احسن کسی کا حکم ہو ہی نہیں سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسرا میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۙ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾

اور ہم نے قرآن پاک میں وہ نازل فرمایا ہے جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالمین کو اس سے خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾

اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

جس دوستی کی بنیاد تقویٰ پر ہو وہ دائمی ہوتی ہے۔ غرض و غایت کے تحت قائم ہونے والے تعلقات وقتی ہوتے ہیں اور ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں ہوتے۔ دوستی کے لائق وہ لوگ ہوتے ہیں، جن کا مقصود اور ہمارا مقصود ایک ہو، جن سے تطابق اور قرب ہمارے لئے باعث عزت ہو۔ یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ خلاف حق کرنے کا مقصد ان کی

دوستی کرتا ہے۔ مسلمانوں سے کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ حق کے مقابل اپنے ظن کی پیروی کرے گا اور انہیں میں سے ہو گا۔ اس ظالم کو ہدایت نصیب نہ ہوگی۔

حاصل : یہود و نصاریٰ کا مقصد خلافِ حق کرنا ہے۔ وہ اسی نسبت سے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ان سے تطابق اور قرب میں کسی کو عزت نظر آئے تو وہ ظالم ہے اور ظالم ہدایت نہیں پاتا۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾

اب تم ان لوگوں کو جن کے قلوب میں مرض ہے، ان کی طرف دوڑتا ہوا دیکھو گے۔ کہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہیں ہم گھیرے میں نہ آجائیں۔ تو قریب ہے کہ اللہ فتح لائے یا اپنی طرف سے امر، تو انہیں اپنے انفس میں چھپائی باتوں پر ندامت ہو۔

جو لوگ یکسو نہیں ہوتے اور حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دیتے ہیں، ان کے قلوب میں مرض ہوتا ہے۔ وہ اللہ کو قادرِ مطلق نہیں جانتے اس لئے اپنی حفاظت کے لئے پریشان رہتے ہیں۔ جن لوگوں سے مسلمانوں کا مقابلہ ہو ان سے تعلقات استوار کرنے میں انہیں ایک عافیت نظر آتی ہے کہ مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی صورت میں امان تو غالب ہی دے سکتا ہے۔ دو طرفہ تعلقات رکھنے والے ندامت سے بچ نہیں سکتے۔ مسلمانوں کو اللہ کی نصرت حاصل ہوتی ہے۔ انہیں فتح حاصل ہو جائے یا ان کے دشمن حق کو قبول کر کے دوست بن جائیں، تو اپنے دلوں میں نفاق رکھنے والوں کا تضاد عیاں ہو جاتا ہے۔ جب تک طرفین کے درمیان چھپنے کی جگہ ہوتی ہے، منافق چھپے رہتے ہیں۔ جب یہ چھپنے کی جگہ نہ رہے تو وہ ندامت سے بچ نہیں سکتے۔

حاصل : جلوت میں مسلمانوں کے ساتھ تعلقات رکھنے والے اور خلوت میں ان کے مخالفین سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے دل میں مرض ہوتا ہے۔ جب طرفین کے درمیان چھپنے کی جگہ نہ رہے تو منافقین کو ندامت ہوا کرتی ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

اور ایمان والے کہتے ہیں کیا یہ وہی لوگ ہیں جو تاکید سے اللہ کی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال

فَأَصْبَحُوا خٰسِرِينَ ﴿٥٣﴾

برباد ہوئے پھر وہ خاسرین سے ہوئے۔

منافقین کا پردہ کھلنے پر ایمان والے حیرت سے یہ کہتے ہیں کیا یہ وہی لوگ ہیں جو تاکید سے قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جو لوگ منافقت میں اپنا بچاؤ دیکھتے ہیں، ان کے ناقابل اعتماد ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور جس راحت کے لئے وہ منافقت کرتے ہیں وہ بھی انہیں حاصل نہیں ہوتی۔

حاصل : منافقوں کا پردہ کھلنے پر ایمان والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ ساتھی وہی ہوتا ہے جو خلوت و جلوت میں ساتھ ہو۔ منافق ناقابل اعتماد ثابت ہو کر اپنے اعمال کو بھی برباد کر لیتا ہے اور خسارے میں بھی پڑتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾

اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا، تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے ہوں گے اور اللہ ان کا پیارا ہو گا، مومنین پر نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

جن لوگوں کی موالات سے منع فرمایا گیا ہے ان کے ساتھ تعلق رکھنے والا دین حق سے پھر جائے گا۔ وہ اپنی سمجھ کو حق کے تابع نہیں رکھتا اس لئے ناشکری کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ ناشکری کرتے والوں کے بعد شکر کرنے والے یقیناً آتے ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ شکر گزار بندے اپنے شاہد کی تعظیم کرتے ہیں، توقیر کرتے ہیں اور اللہ کی قدر کرتے ہیں جیسے اس کی قدر کا حق ہے۔ اللہ کے پیارے ہوتے ہیں چونکہ اللہ کے محبوب کے دوست ہوتے ہیں۔ اللہ انہیں پیارا ہوتا ہے کہ وہ ان کے محبوب کا اللہ ہے۔ مومنین کے ساتھ معاملات میں نرمی روا رکھتے ہیں۔ انہیں مومنین کی حسن نیت کا یقین ہوتا ہے اس لئے ان کی بھول اور کوتاہی میں انہیں مزید کرم سے نوازتے ہیں۔ کافروں کے ساتھ تعلق میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ کافروں کی نیت ہر مقام پر حق کے انکار کی ہوتی ہے، اس لئے جہاں ان کے قول یا عمل سے حسن معاشرت پر منفی اثرات پڑیں ان کے ساتھ سختی کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اللہ کے پیاروں کی شان ہے کہ وہ مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا

خوف ان کے عمل کو متاثر نہیں کرتا۔ انہیں اپنے شاہد سے محبت ہوتی ہے، اور اس محبت سے انہیں اتنی تقویت ملتی ہے کہ بڑے بڑے مشکل مقامات سے گزرتے وقت بھی وہ خوف زدہ نہیں ہوتے۔ لوگوں کی خوشی انہیں اپنے شاہد کی خوشی کے مقابل مطلوب نہیں ہوتی اس لئے کسی کی دوستی ان کی استقامت کو متاثر نہیں کر سکتی۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا کے ساتھ ایسا تعلق رکھتا ہو، وہ اللہ کے فضل والا ہے۔ اللہ جسے چاہے اپنا فضل عطا کرتا ہے۔ چاہتا اسی کو ہے جو اس کے حبیب کو چاہے۔ ہر مقام پر اللہ کی وسعت اور علم کا احاطہ ہے۔ اس لئے اللہ کا فضل طلب کرتے رہنا ہی باعث فلاح دارین ہو سکتا ہے۔

حاصل : ناشکری کرنے والوں کے بعد شکر کرنے والے ضرور آتے ہیں۔ شکر کرنے والے اللہ کے محبوب کے دوست ہوتے ہیں، اس لئے اللہ کو پیارے ہوتے ہیں۔ محبوب الٰہی کو مانتے ہیں، اس لئے محبوب الٰہی کے اللہ کو بھی مانتے ہیں۔ مومنین کے ساتھ نرم، کافروں کے ساتھ سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرنے والے یہ شکر گزار بندے اللہ کے فضل والے ہیں۔ ہر مقام پر اللہ کی وسعت اور علم احاطہ کئے ہوئے ہے، اس لئے طلب فضل میں ہی فلاح ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

تمہارے دوست تو اللہ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جھکے ہوئے ہیں۔

ایمان والوں کے دوست ہیں اللہ، رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ان کی حیات طیبہ میں ادب جلوہ گر رہتا ہے۔ ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ ان کی بات اللہ کے رسول کی بات ہو۔ اللہ کے رسول کی بات اللہ کی بات ہے اور اللہ کی بات حق ہے۔ ایمان والوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہو گی کہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کے دوست ہی ہمارے دوست ہیں۔ اللہ کے دوستوں کی نشانیاں یہ ہیں : وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور رضائے الٰہی کو ادب سے مانتے ہیں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع

اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک حزبُ اللہ ہی غالب ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دوستی ایمان والوں کے ساتھ حال پر دوستی سے ثابت ہو گی اور یہ دوستی یوں ہو گی کہ ایمان والوں کے قول میں شک نہ ہو۔ ان کے عمل کے پیچھے حسن نیت کا یقین ہو۔ تکلیف پہنچے تو ان سے اختلاف نہ کیا جائے اور کسی مقام پر بے صبری کا مظاہرہ نہ ہو۔ حزب اللہ ہی غالب ہیں۔ جو لوگ اپنے ساتھ بیتنے والے امور کو باذن اللہ دیکھ کر شکایت سے پاک رہیں اور اپنا حق اللہ کی رضا کے تحت ادب سے ادا کریں وہ یقیناً غالب رہتے ہیں کہ غالب مطلق کے ساتھ ان کا دائمی تعلق ہوتا ہے۔

حاصل : حزب اللہ کا غلبہ یقینی ہوتا ہے۔ حزب اللہ سے اختلاف بے ادبی اور نامرادی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ میں ارشاد فرمایا ہے :

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾

اے ایمان والو ان لوگوں کو جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں، ان میں سے جنہیں تم سے قبل کتاب عطا ہوئی اور کافر، اپنا دوست نہ بناؤ، اور اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اس دین میں تمام احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور مومن کو ان کا ماننا لازم ہے۔ جب کوئی احکامِ خداوندی میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنی پسند کے ناقص پیمانے سے ناپنے کی کوشش کرے تو وہ دین کو ہنسی کھیل بنانے کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ اہل کتاب سے ہو یا کافر ہو، مومنین کو اسے دوست نہیں بنانا چاہئے۔ اللہ سے ڈرنے والے فرمانِ خداوندی میں شک نہیں کرتے، اور شک کرنے والوں کو دوست بھی نہیں رکھتے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی میں شک کرنے والے اسے ہنسی کھیل بنا لیتے ہیں۔ مومنین شک کرنے والوں کو کبھی دوست نہیں رکھتے۔

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾

اور جب تم نماز کے لئے ندا کرتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل ٹھہرا لیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔

نماز کی اقامت سے پہلے اذان دینا فرمانِ خداوندی سے صاف روشن ہے۔ اگر کوئی اذان کو ہنسی کھیل بنالے تو اس کی بے عقلی پر قرآن پاک کی دائمی گواہی موجود ہے۔ ہنسی کھیل بنانے والوں کو اذان میں عقل نظر نہیں آتی۔ وہ اپنے محدود پیمانے سے لامحدود قدرت کی پیمائش کرنے لگتے ہیں، یہ صریحاً بے عقلی ہے۔

حاصل : جس کی عظمت تسلیم ہو، اس کی بات کو اسی کی سمجھ سے سمجھنا چاہئے۔ اپنی سمجھ کے محدود ہونے کو جب بھی مد نظر نہ رکھا جائے بے عقلی ضرور ہوگی۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ هَلْ تَنقِمُونَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَٰسِقُونَ ﴿٥٩﴾

فرما دیجئے اے اہل کتاب کیا تم کو ہم سے یہی ضد ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور جو اس سے قبل نازل ہوا، اور یہ کہ تم اکثر فاسق ہو۔

[illegible] فرمایا جارہا ہے کہ اپنی خصومت کی بنیاد کو دیکھو۔ کیا تم کو ہم سے یہی ضد ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ قرآن پاک پر ایمان لائے ہیں اور جو اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ تمہاری طرح حکم الٰہی کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کو فسق کہتے ہیں۔ مومنین اور اہل کتاب کے دو الگ روپ ہیں۔ مومنین حال کو بھی مانتے ہیں، ماضی کو بھی مانتے ہیں اور اپنے نفس کی شح سے بچتے ہیں۔ اہل کتاب میں سے اکثر حال کا انکار کرتے ہیں۔ ماضی کا انکار حال کے انکار میں بھی موجود ہے کہ فرمانِ خداوندی میں نہ تضاد ہوتا ہے نہ اختلاف۔ جو حکم خداوندی کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرے، اسے حکم کو ادب سے ماننے والوں کے ساتھ ضد ضرور ہوتی ہے کہ اسے ان کی ملت کی سیسہ پلائی دیوار اپنی خواہشات میں حائل ہوتی نظر آتی ہے۔

حاصل : جو حکم خداوندی کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرے، اسے حکم کو ادب سے ماننے والوں کے ساتھ ضد ضرور ہوتی ہے کہ وہ ان کی ملت کو اپنے راستے میں رکاوٹ جانتا ہے۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ ٱللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ ٱللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ ٱلْقِرَدَةَ وَٱلْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ ٱلطَّٰغُوتَ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ ﴿٦٠﴾

فرما دیجئے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں ان میں کس کی جزا بُری ہے۔ اس کی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب ہوا۔ اور ان میں سے بندر اور سور کر دئے اور طاغوت کے بندے۔ ان کا ٹھکانا بُرا ہے، اور یہی لوگ سیدھی راہ سے بہت

بھکے ہوئے ہیں۔

عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو جس طرح سے استعمال کیا جائے اسی کے مطابق اس کی جزا دی جائے گی۔ جس کی جزا جنت ہو گی وہ اب سیدھی راہ پر ہے، اور جس کی جزا جہنم ہو گی وہ اب سیدھی راہ سے بہکا ہوا ہے۔ ماضی میں جن لوگوں پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر اس کا غضب ہوا وہ عذاب الٰہی سے بندر اور سور بنا دیئے گئے، انہوں نے اللہ کی عبدیت کے مقابل شیطان کی عبدیت کو پسند کیا تھا۔ اگر کوئی ان کی راہ اختیار کرے گا تو وہ اس نتیجے کو بھی ضرور پہنچے گا جس کو وہ لوگ پہنچے تھے۔

حاصل : کسی پر اس کا حال روشن کرنے کے لئے اسے یہ دکھانا چاہیئے کہ اس راہ پر چلنے والے پہلے کس انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ شیطان کی عبدیت کی حقیقت سیدھی راہ سے بھٹکنا ہے اور اس کا انجام بُرا ٹھکانا ہو گا۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾

اور جب تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، اور وہ آتے وقت بھی کافر تھے اور جاتے وقت بھی کافر تھے۔ اور اللہ سب سے بڑا علم رکھتا ہے جو چھپا لیتے ہیں۔

ایمان والوں کے ساتھ استہزا کرنے والے جب مخلصین سے ملتے ہیں تو انہیں یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ بھی ایمان والے ہیں حالانکہ ان کے قلوب میں نہ ایمان تھا، نہ ہے۔ جس کا دل حق کے انکار پر ٹک جائے وہ جہاں بھی ہو کافر ہے۔ مخلصین کی خدمت میں حاضری سے فائدہ تو اسی کو ہو سکتا ہے جو ان کی رفعت کا معترف ہو۔ جو ان کو کمتر جانتا ہو، حقیر جانتا ہو، ان کا مذاق اڑانے کا سامان اکٹھا کرنے آیا ہو وہ آتے ہوئے بھی کافر ہوتا ہے، جاتے ہوئے بھی کافر ہوتا ہے۔ اور وہ جس کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرے، علیم مطلق سے وہ بالکل مخفی نہیں ہوتی۔ اللہ اس کیفیت سے اپنے پاک بندوں کو آگاہ کرتا رہتا ہے۔

حاصل : جو مخلصین کی عیب جوئی کے ارادے سے آئے، اور اپنے طور پر استہزا کا سامان سمیٹ کر جائے وہ آتے ہوئے بھی کافر ہوتا ہے، جاتے ہوئے بھی کافر ہوتا ہے۔ اللہ سے کچھ مخفی نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنے پیاروں کو منافقین کی واردات سے آگاہ کر دیا کرتا ہے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾

اور تم ان میں سے کثیر کو گناہ اور عدوان اور حرام خوری میں دوڑتا ہوا دیکھو گے۔ بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں۔

ایمان کا دعویٰ کرنے والے اہل کتاب جو اپنی کیفیت قلبی کو چھپانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں، عملاً ان کو گناہ اور عدوان پر دوڑتے ہوئے اور حرام خوری کرتے دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے اعمال کی برائی ان کے دعوے کو باطل کر دیتی ہے۔ گناہ کا تعلق اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ جب خلاف حق کرنے کی رغبت میں حدود اللہ کا احترام نہ کیا جائے۔ عدوان جلوت میں حدود اللہ کا عدم احترام ہے۔ حرام خوری کی حقیقت دھوکے سے لوگوں کا مال کھانا ہے۔ جہاں عمل اس یقین سے ہو رہا ہو کہ رب العالمین دیکھ نہیں رہا اور اگر موجودہ ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والے رزق کو چھوڑ دیا گیا تو جائز ذرائع کے انتظار میں شاید اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت ہی آ جائے۔ وہاں جو بھی ہو گا بہت برا ہو گا۔

حاصل : خلوت و جلوت میں پاکیزگی اور اکل حلال ایمان والوں کی شان ہے۔ گناہ، زیادتی اور حرام خوری ایمان کے نہ ہونے کی نشانیاں ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

ان کے ربّانی اور احبار انہیں گناہ کی بات اور حرام خوری سے کیوں منع نہیں کرتے۔ بے شک بہت ہی بُرا کر رہے ہیں۔

ربانی وہ لوگ ہوتے ہیں جو رب العالمین کو کفیل جانتے ہوئے اپنی ذات سے فارغ رہتے ہیں، دوسروں کے لئے توکل کے چراغ روشن کرتے ہیں اور لوگوں کی خوشی کے مقابل اپنے رب کی خوشی کی طرف جھکتے ہیں۔ احبار وہ لوگ ہیں جو حق کا علم رکھتے ہیں، اس کے حق ہونے پر وہ گواہ ہوتے ہیں۔ ایسے حضرات پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو گناہ کی باتوں اور حرام خوری سے منع کریں۔ اگر وہ لوگوں کی خوشی کو اللہ کی رضا کے مقابل وقعت دیں تو یہ بہت ہی برا کام ہو گا۔

حاصل : ربانی اور احبار حضرات پر لازم ہے کہ وہ گناہ کی باتوں اور حرام خوری سے لوگوں کو منع کریں۔ لوگوں کی خوشی کو اللہ کی رضا کے مقابل وقعت دینا بہت ہی بُرا کام ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ

اور یہودی کہنے لگے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ ان کے ہاتھ بند ہو جائیں اور ان کے ایسا کہنے پر لعنت ہے۔ بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔ اور ان میں سے اکثر کو اس سے جو آپ کی طرف آپ کے رب نے نازل فرمایا، طغیان و کفر ہی بڑھے گا۔ اور ہم

الْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۶۴﴾

نے ان کے مابین قیامت تک عداوت و بغض ڈال دیا ہے۔ جب کبھی جنگ کی آگ سلگاتے ہیں اللہ اس کو بجھا دیتا ہے، اور زمین میں فساد کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں۔ اور اللہ مفسدین کو پسند نہیں کرتا۔

یہودی یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، وہ عطا نہیں کرتا، ہمیں انفاق کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ انتہائی بے ادبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر ایک پر محیط ہے۔ کوئی قدرت اس کی قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کا علم، علم مطلق ہے. اس لئے اس سے بڑا پالنے والا کوئی نہیں ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی اس پر لعنت ہے۔ جس کی ربوبیت سے ماننے والے بھی پل رہے ہیں اور نہ ماننے والے بھی پل رہے ہیں، اس معطیٔ مطلق کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ اس کا علم ہی کائنات کے توازن کو پورا رکھ سکتا ہے۔ وہ اپنی ذات سے بے نیاز ہے۔ جو بھی کرتا ہے مخلوق کی بھلائی کے لئے کرتا ہے، جیسے باران رحمت سے باغ میں تازگی اور گندگی کے ڈھیر پر تعفن میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو رحمت، اپنے ارشادات کی صورت میں نازل فرمائی ہے، وہ غیر کا رخ رکھنے والوں کے اندر طغیان و کفر کو بڑھاتی ہے۔ یہ لوگ کبھی ایک دل نہیں ہو سکتے۔ ان کے اندر ان کی سرمایہ پرستی کی وجہ سے عداوت اور بغض نے گھر کر لیا ہے اور یہ تاقیامت رہے گا۔ عداوت جلوت میں دوسروں کو کمتر ثابت کرنے کی سعی ہے. اور بغض برتر نظر آنے والے سے قلبی عدم تعلق ہے۔ سرمایہ پرست قیامت تک اسی مرض میں مبتلا رہیں گے۔ جب کبھی یہودی جنگ کی آگ سلگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کافروں کو مرعوب کر کے اسے بجھا دیتا ہے اور اگر یہ مومنین کے درمیان افتراق کی کوشش کر رہے ہوں تو طرفین کو رجوع الی اللہ ہونے کا شرف ہو جاتا ہے، اور اللہ کے فضل سے لڑائی کی آگ بجھ جاتی ہے۔ افراد کے مابین شکوک و شبہات پیدا کرنا زمین میں فساد کرنا ہے، اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حاصل : جو عطائے خداوندی کو پورا نہ جانے اور کہے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، وہ لعنتی ہے۔ لعنتی ہمیشہ بخیل ہوتا ہے۔ بخیل کو اپنی پسند اتنی عزیز ہوتی ہے کہ حق کو سن کر اس کے اندر طغیان و کفر ہی بڑھتا ہے۔ سرمایہ پرست لوگوں کے اندر عداوت و بغض تاقیامت رہے گا۔ یہودی جب جنگ کی آگ سلگائیں، مومنین کو اسے ٹھنڈا کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے کہ یہ اللہ کے "ساتھ" ہونے کی نشانی ہے۔ افراد کے مابین شبہات پیدا کرنا زمین میں فساد کرنا ہے، اور مفسد اللہ کو پسند نہیں ہوتے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہوں کی نفی کر دیتے، اور انہیں نعمت

جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿٦٥﴾ کے باغوں میں داخل کرتے۔

اگر اہل کتاب ایمان لائیں اور پرہیز گاری کریں تو حال پر حق کو مان لینے کی وجہ سے ان کے ماضی کے گناہوں کی نفی ہو جائے گی۔ انہیں حال پر بھی اطمینان ہو گا، آخرت میں بھی راحت ملے گی۔ ایمان کے دعوے کے ساتھ حدود اللہ کا احترام لازم ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے وہ معطئ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور جسے معطئ کا ساتھ مل جائے، نعمتیں اس کا طواف کرنے لگتی ہیں۔

حاصل : جو حال پر سچا ثابت ہو جائے، اس کے ماضی کے گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے، اسے معطئ کا ساتھ حاصل ہو جاتا ہے۔ جسے معطئ کا ساتھ مل جائے، نعمتیں اس کا طواف کرنے لگتی ہیں۔

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ لَاَ كَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ‌ؕ مِنۡهُمۡ اُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ‌ ؕ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ سَآءَ مَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿٦٦﴾ ع

اور اگر وہ تورات اور انجیل پر قائم رہتے اور اس پر جو ان کی طرف ان کے رب نے نازل فرمایا، تو انہیں اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھانے کو ملتا۔ ان میں سے کچھ لوگ سیدھی راہ پر ہیں، اور ان کی اکثریت برے عمل کر رہی ہے۔

اہل کتاب اگر تورات اور انجیل کے احکامات پر قائم رہتے تو یقیناً اس حال کو بھی مانتے جس کی آگاہی ان کتب مقدسہ میں تھی۔ اگر یہ حال کو مانتے تو یہ اس کی صداقت کے شاہد بھی بنتے۔ اس صورت میں انہیں جو انعام ملتا اس کے مقابلے میں آیات کی تحریف سے ملنے والا فائدہ بہت ہی قلیل ہے۔ جو معطی کی رضا کو مان لے اور اپنی خوشی کو اس رضا سے اس طرح جوڑے کہ یک جان دو قالب والی صورت ہو تو معطی اپنے ساتھی کو یہ شرف عطا کر دیتا ہے کہ اس سے کچھ حساب نہیں لیتا۔ اللہ تعالیٰ معطئ مطلق ہے اس کی شان سے ہی ہر شان زندہ رہ سکتی ہے۔ مگر کسی شان کا یہ مقام نہیں کہ اللہ کی شان کا احاطہ کر سکے۔ اہل کتاب اگر ماضی میں احکامات خداوندی کے حوالے سے حال پر قرآن پاک اور اللہ کے شاہد کی تصدیق کرتے تو انہیں وہ ملتا، جو اب نہیں مل رہا۔ اوپر سے جو ملتا ہے اس کی حقیقت خلوت ہے اور نیچے سے جو ملتا ہے اس کی حقیقت جلوت ہے۔ خلوت کا مقام پہلے ہے جلوت کا بعد میں ہے۔ جو لوگ اہل کتاب سے سیدھی راہ پر ہیں وہ بڑے برکت والے لوگ ہیں مگر ہیں کم۔ اکثریت تو اللہ کی رضا کے مقابل من مانی کی مرتکب ہوتی ہے۔ جس سے حق کی شہادت متوقع ہو وہ اگر خلاف حق کرے تو اس کا عمل بہت برا ہوتا ہے۔

حاصل : جو ماضی میں حق کو مانتا رہا ہو لازم ہے کہ وہ حال پر بھی حق کو مانے۔ جو معطی کے ساتھ یک جان دو قالب ہو جائے اس سے کچھ حساب نہیں لیا جاتا۔ معطی مطلق کی شان کا احاطہ ممکن نہیں۔ جو حق کے مطابق رہے وہ سیدھی راہ پر ہے جو حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرے وہ بڑے عمل والا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾

اور بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر مثال بیان فرمائی کہ وہ نصیحت مانیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾

اے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پہنچا دیجئے جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو آپ نے اس کا بھیجا ہوا کچھ نہ پہنچایا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ بے شک اللہ قومِ کافرین کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی فرمایا گیا ہے، اس پر عمل کرنے والے ہمیشہ فلاح پاتے رہے ہیں، اس کا انکار کرنے والے خسارہ اٹھاتے رہے ہیں۔ حکم کا نزول تو حکم نافذ کرنے والے پر ہی ہونا تھا، اس لئے اس کا پہنچانا بھی اسی کا فرض منصبی تھا۔ اگر کوئی بھی حکم مخلوق کی طرف پہنچنے سے رہ گیا تو حق رسالت کی ادائیگی نہیں ہوئی۔ حکم پہنچانے والے کی اپنی ذات سامعین کے سامنے ہوتی ہے۔ حکم کو سن کر کچھ لوگ حال کو مان لیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو ماضی کی تعلیمات ان کی خواہشات کے حوالے سے کھینچ لیتی ہے، اور وہ حکم پہنچانے والے کو ساکن کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ یہ کوشش بتدریج ہوتی ہے، اور ترغیب سے شروع ہو کر غلبے کے امکان تک جاری رہتی ہے۔ مخالفین حق اسباب ضرور جمع کر لیتے ہیں، جن کی موجودگی میں انہیں اپنا غلبہ یقینی نظر آتا ہے۔ اگر مخالفین کی کثرت اور تیاری کو دیکھتے ہوئے تبلیغِ حق متاثر ہو جائے تو پھر اللہ کے نزدیک تبلیغ ہوئی ہی نہیں۔ جو حق کی تبلیغ کرتا ہے وہ مالک کل کے ساتھ ہے، اس کے مقابل ہر کثرت اور ہر تیاری مغلوب ہونے والی ہے، اسی یقین سے حق تبلیغ ادا ہو سکتا ہے۔ لوگ اگر تبلیغ حق میں سدراہ بنیں تو ان کو حاصل توفیق بھی عطائے الٰہی ہے۔ وہ اپنے دوست کو لوگوں سے ضرور بچاتا ہے، اور کافروں کو غلبے اور فلاح کی راہ نہیں دیتا۔

حاصل : تبلیغ حق اسی یقین سے ممکن ہے کہ مالک کل کے ساتھ کے مقابل ہر کثرت اور ہر تیاری مغلوب ہونے والی ہے۔ اللہ اپنے دوست کو لوگوں سے بچاتا بھی ہے اور اللہ کافروں کو ہدایت بھی نہیں دیتا۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ

فرما دیجئے۔ اے اہل کتاب تم کسی شے پر بھی نہیں جب تک تم تورات اور انجیل اور

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

جو تمہاری طرف تمہارے ربّ نے نازل فرمایا، پر قائم نہیں ہوتے۔ اور ان میں اکثر کو اس سے جو آپ کی طرف آپ کے ربّ سے نازل ہوا طغیان و کفر ہی بڑھے گا۔ تو آپ کو قوم کافرین پر افسوس نہ ہو۔

اہل کتاب کا دعویٰ کہ وہ اللہ کے دوست ہیں، کوئی حقیقت نہیں رکھتا، جب تک یہ لوگ تورات، انجیل اور قرآن پاک کو ماننے پر قائم نہیں ہو جاتے۔ جب حق کے مقابل ان کی اپنی پسند زیادہ وقعت رکھتی ہو تو حق کو سن کر ان کے اندر طغیان و کفر ہی بڑھے گا۔ جو نور سے بھاگے گا وہ ظلمات کی طرف ضرور بڑھتا جائے گا۔ حق پہنچانے والے کی شان یہی ہے کہ وہ حسن و خوبی سے حق پہنچا دے۔ اگر کسی کے اندر اس سے طغیان و کفر بڑھتا ہے تو پھر اس پر افسوس بھی نہ کیا جائے۔

حاصل : اللہ کی دوستی کا دعویٰ تبھی سچا ہو گا، جب احکامِ خداوندی پر قائم رہا جائے گا۔ جو اپنی پسند سے جڑ جائے گا اس کے اندر حق کو سن کر طغیان و کفر ضرور بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے کہ حق پہنچانے والے کو اس پر افسوس نہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾

بے شک ایمان والے اور یہودی اور صابی اور نصاریٰ جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائیں اور صالح عمل کریں تو نہ ان پر خوف ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

ایمان والے وہ لوگ ہیں جو امیین میں سے اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ یہودی، صابی اور نصاریٰ یہ سب بنی اسرائیل ہیں۔ بنی اسمٰعیل ہوں یا بنی اسرائیل مفلح اسی طرح ہو سکتے ہیں کہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائیں اور صالح عمل کریں۔ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانا یہ ہے کہ احکام خداوندی کو ادب سے مانا جائے اور حدود اللہ کا اس طرح احترام ہو کہ ساتھیوں میں سے کسی کو حدود اللہ سے تجاوز کرنے کا خیال بھی نہ آئے۔ صالح عمل وہ ہوتا ہے، جس پر صالحین شاہد ہوں۔ جب اللہ کا حکم مانا جائے اور اس کے محبوب کا اتباع کیا جائے تو خوف و حزن سے دائمی نجات ہو جاتی ہے۔ خوف و حزن سے نجات اتنا بڑا انعام ہے کہ حیاتِ دنیا میں اس طرح حاصل ہونے والی راحت اور کسی بھی سامان سے اور کسی بھی طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جستجو سب کو اسی راحت کی ہے، مگر حاصل اسی کو ہوتی ہے، جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور صالح عمل کرے۔

حاصل : بنی اسمٰعیل ہوں یا بنی اسرائیل، خوف و حزن سے نجات اسی طرح ممکن ہے کہ اللہ اور یوم

آخر پر ایمان لائیں اور صالح عمل کریں۔ خوف و حزن سے نجات اس اطمینان کا نام ہے کہ مومن کے لئے جو حال پر ہو رہا ہے وہ باذن اللہ ہے اور مومن کی بھلائی کے لئے ہے، جو آئندہ ہو گا وہ بھی باذن اللہ ہو گا اور یقیناً اس کی بہتری کے لئے ہو گا۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾

بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے۔ جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول وہ بات لے کر آیا جو ان کے انفس کی خواہش نہ تھی تو ایک فریق نے تکذیب کی اور ایک فریق لڑنے لگا۔

بنی اسرائیل سے میثاق بھی لیا گیا تھا کہ وہ احکام الٰہی کو مانیں گے اور احکام الٰہی کی اطاعت میں مخلصین کو شاہد بنائیں گے۔ کسی مقام پر بھی اپنی خواہش کا اتباع نہ کریں گے اور نفس کی شح سے بچتے رہیں گے۔ مگر اس میثاق کے باوجود جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول وہ بات لائے جو ان کے انفس کی خواہش کے خلاف تھی تو ان لوگوں نے اپنے نفس کی شح کو ہی مانا اور ایک گروہ اللہ کے رسول کی تکذیب میں لگ گیا اور ایک گروہ نے ان صاحب کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا۔ تکذیب قول کی حد تک ہوتی ہے، لڑنا عمل کے درجے میں آتا ہے۔ بنی اسرائیل نے ابطال میثاق کی اتنی مثالیں قائم کی ہیں کہ اس میثاق شکنی پر مرسلین کی اکثریت گواہ رہی ہے، اور مرسلین قیامت کے دن بھی بنی اسرائیل کی میثاق شکنی پر گواہی دیں گے۔

حاصل : میثاق شکنی بنی اسرائیل کا طریق زندگی تھا اور ہے۔ جو اپنی خواہش کا اتباع کرے گا، وہ تبلیغِ حق کرنے والے کی تکذیب کرے گا یا عملاً اس سے لڑے گا۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

اور سمجھے کہ کچھ دیکھا نہ جائے گا تو اندھے اور بہرے ہو گئے۔ پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی، پھر بھی ان کی اکثریت اندھی اور بہری ہی ہوئی۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو عمل وہ کرتے ہیں۔

توفیق عطا کرنے والا جب استعمال کی احسن صورت کو بھی روشن فرما دے تو پھر یہ دیکھتا ہے کہ حسنِ عمل میں اس کی رضا کے

علاوہ تو کچھ موجود نہیں۔ جب توفیق پانے والا حق کو عملاً دیکھ کر من مانی کرے تو وہ اندھا ہے۔ ایسے لوگوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔ اور جب حق کو سن کر ان سنا کر دیا جائے تو یہ بہرے ہونے والی بات ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حالات، واقعات کی ایسی صورت بنا دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ بڑا واضح نظر آتا ہے۔ اور رجوع الی اللہ ہونے کے علاوہ فلاح کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے بعد جب دوبارہ حالات کی عمومی صورت لوٹ آئے تو پھر اکثریت من مانی کی طرف ہی رجوع کرتی ہے۔ یہ پھر حق کو نہ ماننے اور نہ سننے والی کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ سے نہ کسی کی نیت مخفی ہے اور نہ کسی کا عمل مخفی ہے۔ جو خود اندھا اور بہرہ بن کر من مانی کرے گا وہ اپنے عمل کا نتیجہ دیکھ کر کانپ کانپ جائے گا مگر بچ نہ سکے گا۔

حاصل : جو حق کو سن کر اور صاحب حق کے حال کو دیکھ کر بھی من مانی میں لگا رہے وہ اندھا اور بہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے عرفان نفس کا مقام اس کی زندگی میں آتا ہے۔ جو قادر مطلق کو مان لے۔ اسے فلاح حاصل ہو جاتی ہے، جو پھر من مانی کرنے لگے وہ خسارے میں رہ جاتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ ٧٢

بے شک وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے، کافر ہیں۔ اور مسیح (علیہ السلام) نے فرمایا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور ظالمین کو کوئی نصرت دینے والا نہیں۔

علم الٰہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ مخلصین کی زبان پاک کی بدولت لوگوں تک پہنچتا ہے۔ ماننے والے حقائق کو مخلصین کی تعلیمات کی روشنی میں مانتے ہیں۔ کسی مقام پر بھی ان کی بات مخلصین کی شہادت سے خالی نہیں ہوتی۔ جو بات مسیح علیہ السلام نے نہیں فرمائی اور ہے بھی مسیح علیہ السلام کے متعلق اور ان کی تعلیمات کے منافی، تو وہ قیاس کرنے والوں کا قیاس ہے اور قطعاً خلاف حق ہے۔ مسیح ابن مریم نے تو فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا ربّ ہے۔ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے اس پر جنت حرام ہے، آگ اس کا ٹھکانا ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار بھی نہیں ہو سکتا۔ جب مسیح علیہ السلام بھی اسی ربّ کے مربوب ہیں جو بنی اسرائیل کا ربّ ہے اور ربّ العالمین ہے، تو انہیں اللہ کہنا یقیناً شرک ہے اور ظلم عظیم ہے۔ مشرک پر جنت حرام ہے۔ دوزخ اس کا ٹھکانا ہے۔ اس کی مدد کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اللہ کی عبادت یہ ہے کہ اس کے احکامات کو مانا جائے، اس کے شاہدین کا اتباع کیا جائے، نفع و ضرر کو باذن اللہ جانتے ہوئے رضائے الٰہی کے لئے

مخلوق کے ساتھ معاملہ کیا جائے اور نفس کی شح سے بچنے میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔

حاصل : اللہ کی عبادت نفس کی شح سے بچ کر شاہد کا اتباع کرنے کا نام ہے۔ اللہ کی عبادت شرک سے پاک ہونے کی سند ہے۔ مربوب کبھی معبود نہیں ہو سکتا۔ مشرک پر جنت حرام ہے، اس کا ٹھکانا آگ ہے، اور اس کا ظن اسے حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾

بے شک کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں بے شک اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ اور معبود تو نہیں مگر وہی معبود واحد۔ اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے، تو ان میں سے کافروں کو المناک عذاب پہنچے گا۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت بی بی مریم اور حضرت مسیح ابن مریم کو الوہیّت میں شمار کر کے اللہ کو تین میں کا تیسرا کہتے ہیں وہ کافر ہیں۔ عیسائیوں کی اکثریت کا عقیدہ یہی ہے۔ اس اعتبار سے ان لوگوں کا کفر مومنین سے مخفی نہیں رہنا چاہئے۔ حضرت بی بی مریم علیہا السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور مسیح علیہ السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ مخلوق ہمیشہ مربوب ہوتی ہے۔ جو خود مربوب ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ معبود وہ ہے جس کی رضا ہر زمانے میں، ہر ایک کو، ہر مقام پر مطلوب ہو۔ جو علیم مطلق ہے، جو نفع و ضرر پر قادر مطلق ہے، جس سے کسی کی کوئی کیفیت مخفی نہیں ہے. جس کے علم سے عالمین میں ربوبیت کا عمل جاری ہے اور جو ہر عامل کو اس کے اعمال کی جزا دے گا. وہ وحدہ لاشریک اللہ ہے۔ اگر شرک کی باتیں کرنے والے باز نہ آئے تو وہ کافر المناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ جو الوہیّت میں مخلوق کو شریک کرے وہ کافر ہے، اور المناک عذاب کی طرف جا رہا ہے۔ مشرک کا ساتھ باعث عذاب ہوتا ہے۔

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾

تو کیوں نہیں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور اس سے استغفار کرتے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ روشن ہے کہ موت و حیات کو پیدا کرنے والا ایک ہے، اور ہر ایک جو اس دنیا میں آیا ہے، وہ اس مالکِ کل کی طرف جائے گا بھی۔ وہاں فلاح اس کو ہو گی جو اس حیاتِ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اپنی کوتاہیوں پر بخشش طلب کرے۔ اللہ کو اپنی مخلوق اتنی عزیز ہے کہ اس نے کبھی سزا میں جلدی نہیں کی۔ بخشش و رحمت کے دروازے اتنے بڑے اور پر نور ہیں کہ ہر بشر

کو نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے گزرے تو فلاح پاتا ہے، ورنہ دروازے تو لوگوں کا انتظار ہر روز کرتے ہیں۔ بخشش و رحمت کا مالک، طالب بخشش سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اس کے ماضی کے گناہوں کی نفی کر دیتا ہے۔

حاصل : جو اپنے حال کو دیکھے، ماضی کو دیکھے، اسے مستقبل میں اللہ کی قدرت کاملہ واضح نظر آتی ہے۔ وہ اگر اللہ کی طرف رجوع کرے، استغفار کرے تو اللہ اس کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔ جس کو اللہ بخش دیتا ہے، اس کی خطاؤں کی نفی ہو جاتی ہے۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾

مسیح ابن مریم (علیہ السلام) تو رسول ہی ہیں۔ آپ سے قبل بہت سے رسول ہو چکے، اور آپ کی ماں صدیقہ ہے، دونوں طعام کھاتے تھے۔ نظر کرو ہم ان کے لئے کیسی نشانیاں بیان فرماتے ہیں۔ پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے قبل بھی اللہ نے کئی رسول بھیجے ہیں۔ معبود وہ ہے جس نے رسول بھیجے ہیں۔ رسولوں نے لوگوں کو عبدیت کی تعلیم دی ہے، اور معبود کا ماننا سکھایا ہے۔ حضرت بی بی مریم علیہا السلام بھی پاک بی بی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہیں۔ معبود نہ کسی سے پیدا ہوتا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوتا ہے۔ طعام کھانا بھی معبود کی شان نہیں ہے۔ عبد کے لئے طعام ہے۔ طعام سے جسم کی نمود بھی ہوتی ہے اور جب جسم عمر کے اعتبار سے ایک خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے، تو قوت کو بحال رکھنے کے لئے طعام استعمال ہوتا رہتا ہے۔ معبود کی شان کے خلاف ہے یہ بات کہ وہ اپنی تخلیق سے قوت حاصل کرے۔ جو کسی سے لے اور دے وہ معبود نہیں ہوتا۔ جو کسی سے نہ لے اور سب کو دے وہی رب العالمین معبود ہے۔ ان کو اس بات کی سمجھ تو آتی ہے مگر تین میں کا تیسرا کہنے سے باز نہیں آتے۔ نشانیاں دیکھ کر بھی اوندھے جاتے ہیں۔

حاصل : رسول بھیجنے والا معبود ہی ربّ العالمین ہے۔ جو کسی سے نہ لے اور سب کو دے اسی کے علم اور انداز سے کائنات زندہ اور متحرک ہے۔

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾

فرما دیجئے کیا اللہ کے مقابل اس کی عبادت کرتے ہو، جو نہ تمہارے ضرر کا مالک ہے اور نہ نفع کا، اور اللہ ہی سب سے بڑا سننے

والا، علم والا ہے۔

ضرر و نفع کا مالک ہونا، معبود کی شان ہے۔ ضرر یہ ہے کہ عامل اپنی دانست میں راحت کے لئے کوشاں ہو مگر نتیجتاً راحت سے دور رہے اور نفع یہ ہے کہ نتیجہ اس کی توقع کے مطابق ہو۔ مالک حقیقی وہ ہے جسے کسی نے مالک نہیں بنایا۔ جسے اللہ نے شاہد بنایا ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا کہ وہ خود معطیٔ مطلق کی منشاء کے مطابق رہ کر حقوقِ عبدیت کو ادا کرنے پر فائز ہے۔ مالک کی شان ہے کہ وہ سنتا ہر ایک کی ہے اور کرتا جو بھی ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔ ہر ایک کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ اللہ کے مقابل کوئی ضرر اور نفع کا مالک ہے ہی نہیں، اس لئے اور کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : معبود کی شان ہے کہ وہ نتیجے کا مالک ہے۔ ضرر کی صورت ہو یا نفع کی، ہوتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مالک سنتا سب کی ہے مگر کرتا وہی ہے جو اس کی مشیّت ہو۔ اس کی ربوبیّت علم مطلق سے ہوتی ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾

فرما دیجئے اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، اور ایسے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے قبل گمراہ ہوئے اور کثیر کو گمراہ کیا، اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

اہل کتاب نے انبیاء کرام کی تعلیمات کو انبیاء کرام کے مقابل وقعت دی اور ان حضرات علیہم السلام سے تقدم کرتے رہے۔ یہ دین میں غلو ہے۔ اگر شاہد کا اتباع مقصود ہو تو دین میں غلو کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اور اگر شاہد کو معیار ماننے کی بجائے اور اس کی معیت و اطاعت میں رضائے الٰہی کے حصول کو یقینی جاننے کی بجائے اس علم کو مقصود بنالیا جائے جو شاہد سے حاصل ہوتا ہے، تو پھر دین میں غلو ضرور ہو گا۔ گمراہ لوگوں کی خواہشات کی پیروی، گمراہی کا باعث ہوتی ہے۔ جو لوگ مخلصین کے نقوشِ قدم کے علاوہ کوئی راہ اختیار کرتے ہیں وہ سیدھی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ راحت کی جستجو میں جو لوگ من مانیاں کرنے کی بدولت خوف و حزن میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ جس راستے پر چلنے سے خود انہیں راحت نہیں ملی اس راہ پر چلنے کی ترغیب، بہت بڑی برائی ہے۔

حاصل : معلم سے محبت ہو تو اس کی تعلیمات میں غلو نہیں ہو سکتا۔ راحت کی جستجو کرتے کرتے جو لوگ خوف و حزن میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ جو راہ مخلصین کے نقوش قدم سے منور ہو وہی سیدھی راہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِى ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾

اور ہم نے یہ کتاب آپ پر اسی لئے نازل فرمائی ہے کہ آپ لوگوں پر روشن فرما دیں جس بات میں اختلاف کریں اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے ہے۔

لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ ﴿٧٨﴾

حضرت داوٗد (علیہ السلام) نے اور حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں پر لعنت کی۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گزرے ہوئے تھے۔

بنی اسرائیل میں حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا ہوئی۔ ان حضرات نے [illegible] سے تمثیل کا راستہ دکھایا۔ حق کو مان لینے والوں کو انعامات کی بشارت دی اور [illegible] جن لوگوں نے انکار کیا وہ نافرمانی اور حد سے تجاوز کے مرتکب ہوئے۔ ایسے لوگوں پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لعنت فرمائی۔ نافرمانی یہ ہے کہ حق کے مطابق عمل نہ کیا جائے اور حد سے تجاوز یہ ہے کہ جس بات سے منع کیا جائے، وہی کی جائے۔ یہ لعنتی لوگوں کی نشانی ہے۔

حاصل : لعنتی لوگوں سے بچنا ضروری ہے، قولاً بھی اور عملاً بھی۔ مخلصین کے حکم کو نہ ماننا نافرمانی ہے اور [illegible] کے حکم کے خلاف کرنا حد سے تجاوز کرنا ہے، یہ لعنتی لوگوں کی نشانیاں ہیں۔

كَانُوا۟ لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ ﴿٧٩﴾

جو بُرے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے۔ بہت ہی بُرا کرتے تھے۔

جب رضائے الٰہی کے مقابل انسان کی بنائی ہوئی معاشرتی قدروں کو واجب الاحترام بنالیا جائے اور خوفِ خدا کے مقابل لوگوں کی پسند ناپسند کا ڈر پیدا ہو جائے تو پھر بُرے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرنا طریقِ زندگی بن جاتا ہے، اور بشارت و انذار کی باتوں کو پرانی باتیں کہہ کر لوگ اپنی خواہشات کی پیروی میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ جب ساتھیوں کی روک ٹوک کو بُرا کہا جائے اور روک ٹوک کو ناممکن بنانے کی کوشش کی جائے تو یہ انتہائی برائی ہوتی ہے۔

حاصل : ساتھیوں کی روک ٹوک کو غنیمت جاننا چاہئے۔ بُرائی سے روک ٹوک کو ناممکن بنانے کی

کوشش انتہائی برائی ہے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِى الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾

تم ان میں سے کثیر کو کافروں سے دوستی کرتے ہوئے دیکھو گے۔ انہوں نے اپنے لئے کیا ہی بُری چیز آگے بھیجی کہ اللہ کا ان پر غضب ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ اللہ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں، وہ اللہ کے دوستوں کو دوست بناتے ہیں۔ جو لوگ کافروں کو دوست بناتے ہیں وہ آخرت کے عملاً منکر ہوتے ہیں۔ عملاً آخرت کے منکر کا عمل ہمیشہ اس کی خواہش کے تابع ہوتا ہے اور برا ہوتا ہے۔ یہ برا عمل اپنا نتیجہ تو پائے گا، اور یہ برا عمل اللہ کے غضب کا باعث ہو گا اور ہمیشہ رہنے والے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

حاصل : جنہیں اللہ کی رضا مطلوب نہ ہو وہ بُرا کرتے ہیں۔ یہ بُرائی ان کے لئے اللہ کے غضب اور عذاب کا باعث ہو گی۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِىِّ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾

اور اگر وہ اللہ اور نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور جو ان کی طرف نازل ہوا، اس پر ایمان لاتے تو کافروں سے دوستی نہ کرتے، ولیکن ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لانا اور اللہ کی نازل فرمائی ہوئی کتاب پر ایمان لانا، حق کو تسلیم کرنے کا دعویٰ ہے۔ جو لوگ حق کو مانتے ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ حق کا انکار کرنے والے حق کو ماننے والوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی کو حق کے تسلیم کرنے کا دعویٰ بھی ہو اور وہ کافروں سے دوستی بھی رکھتا ہو، تو وہ فاسق ہو گا، اور فاسق کو ہدایت نہیں ملتی۔

حاصل : حق کو تسلیم کرنے والے حق کے منکرین کو کبھی دوست نہیں بناتے۔ دعویٰ ہو تسلیم حق کا اور دوستی ہو کافروں سے، تو یہ علامت فسق ہو گی۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ

ضرور تم ایمان والوں سے عداوت میں اشدّ یہود کو پاؤ گے اور مشرکوں کو پاؤ گے۔ اور

أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٨٢﴾

تم ضرور ایمان والوں سے مودّۃ میں اقرب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبّر نہیں کرتے۔

[illegible] کئی لوگوں کو ہو سکتی ہے۔ مگر اس عداوت میں اشد یہود اور مشرک ہوا کرتے ہیں۔ [illegible] کی حیات طیبہ عملاً اس علم کی نفی کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے، [illegible] لوگوں سے متنفر کرتا ہے۔ خوف خدا سے دوری اور تکبر۔ ان لوگوں کو اپنا احتساب کرنے سے [illegible] ایمان والوں کے ناکام بنانے پر ہی لگاتے رہتے ہیں۔ یہ عداوت کی انتہا ہے کہ اپنی [illegible] کو مقصود بنانے کی بجائے۔ اپنے دشمن کی ناکامی کو ہی مقصدِ حیات [illegible] تو وہ عمر بے جان ہو جاتا ہے۔ ایمان والے لوگوں سے [illegible] ایمان والوں سے قریب ہوں گے وہی دوستی [illegible] سے اختلاف ان کا مقصد حیات نہیں ہوا کرتا۔ جہاں صفات ملتی [illegible] جو اپنے قول و عمل کو حق کے مطابق بنانے کا رخ رکھتے ہیں۔ [illegible] کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں، اور اسی تعارف میں انہیں سکینہ ملتا ہے۔ تکبر دوستی کو [illegible] کام ٹھہر جائے وہاں زندگی میں محاسن کی نمود کا عمل رک جاتا ہے۔ [illegible]

[illegible] سے عداوت میں اشد یہود و مشرکین ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی سب [illegible] میں صرف ہوتی ہیں۔ نصاریٰ دوستی میں قریب ہوتے ہیں۔ [illegible]

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾

اور جب سنتے ہیں جو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف نازل فرمایا گیا، تو عرفانِ حق کی بدولت تم ان کی آنکھوں کو ابلتا ہوا پاؤ گے۔ عرض کرتے ہیں، اے ہمارے ربّ ہم ایمان لائے، تو ہمیں

شاہدین کی معیت میں لکھ لے۔

علم، درویشی اور عدم تکبّر یہ تینوں صفات حسنہ جہاں ہوں گی، عرفانِ حق وہاں یقیناً ہو گا۔ اور جہاں حق کو اس کے طالب پالیں تو ان کی آنکھیں شکریئے کے آنسوؤں سے ابل پڑتی ہیں۔ وہ عرض کرنے لگتے ہیں، اے ہمارے پالنے والے اور ہمارے سنبھالنے والے ہم ایمان لاتے ہیں، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو تیری طرف سے نازل فرمایا گیا ہے وہی حق ہے اور اسی کے اتباع میں خوف و حُزن سے نجات ممکن ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ تیری عطائے بے بہا کے شکریہ کا حق ہم سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ہماری التجا ہے کہ اپنے کرم سے ہمیں شاہدین کے ساتھ لکھ لے، ہمارا حال بھی شاہدین کے ساتھ ہو اور ہم مستقبل میں بھی انہی حضرات کے ساتھ اٹھائے جائیں۔

حاصل : علم، درویشی اور عدم تکبّر، عرفانِ حق کے لئے لازم ہیں۔ جس سے حق عطا ہو اس کی تکریم کی طریقت یہ ہے کہ دل سے اس کے حضور عطائے الٰہی کا شکریہ ادا کیا جائے اور شاہدین کے ساتھ کی دعا کی جائے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا، اور ہمیں طمع ہے کہ ہمیں ہمارا ربّ قوم صالحین کے ساتھ داخل کرے۔

زبان طعن دراز کرنے والوں کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق کو تسلیم نہ کریں جو ہمارے پاس آیا ہے۔ یہ حق اس کا مصدق ہے جو ہمارے پاس پہلے سے ہے، اور جو ہمارے پاس پہلے ہے وہ اسی کی بشارت دیتا ہے۔ ہم رضائے الٰہی کے مقابل اپنی مرضی کرنے کے انجام سے ڈرتے ہیں اور طمع کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارا رب صالح لوگوں کے ساتھ رکھے۔

حاصل : معترضین کو جواب دیتے وقت اپنا حال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ صالحین کی شان بھی بیان کرنی چاہئے اور ان کی معیت کے عزم کا اظہار بھی کرنا چاہئے۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

تو اللہ نے انہیں اس کہنے کی بدولت جنت دیئے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ محسنین کی جزا ہے۔

محسنین وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کو قبول کرتے ہیں، معطی اور معطیٔ مطلق کا شکریہ ادا کرتے ہیں، معترضین کو جواب دیتے وقت اپنا حال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ صالحین کی شان واضح کرتے ہیں اور ان کی معیت کو سب سے بڑا انعام جانتے ہیں۔ ان محسنین کے بیان حق کے بدلے انہیں جنت حاصل ہوں گی جن میں دائمی بہار ہوگی۔ یہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ ان سے راضی ہوا۔

حاصل : حق کو بیان کیا جائے۔ معترضین کو جواب دیتے وقت اپنا حال سنایا جائے، صالحین کا ساتھ رہے تو ایسے محسنین کے لئے دائمی راحت کی بشارت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی، وہ دوزخ والے ہیں۔

منکرین حق کا انکار کرتے ہیں۔ حق کے مقابل میں نفی کر کے راحت تلاش کرتے رہتے ہیں۔ نشانیاں ان کے سامنے ہوتی ہیں تو ان سے محبت نہیں ہوتی ہے۔ مگر منکرین کو ان نشانیوں سے محبت نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں۔

حاصل : جب اپنی خواہشات کو معبود بنایا جائے تو حق کا انکار بھی ہوتا ہے۔ اللہ کی نشانیوں کی تکذیب بھی ہوتی ہے۔ اس کا انجام دوزخ ہے۔

شہادت : منکروں کے بارے میں سورۃ النمل میں فرمایا گیا ہے۔

بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ ۝٦٦

بلکہ ان کے علم کا سلسلہ آخرت تک پہنچ گیا، بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝

اے ایمان والو! طیّبات کو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال فرمائی ہیں، حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے نہ بڑھو۔ بےشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے۔ اس کے ادب و عبدیت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی مقرر کردہ حدود کا احترام ہو اور حدود کے احترام میں اپنی پسند راہ نہ پائے۔ جو چیزیں اللہ نے حلال فرما دی ہیں، ان کو ایمان والے اگر حرام ٹھہرا لیں گے تو یہ لذائذ سے

اجتناب کی کوشش ہوگی۔ مگر یہ کوشش بے جا ہوگی کہ علیم مطلق نے محبت سے کسی شے کو بندوں کے لئے حلال فرمایا ہو، اس میں افادیت رکھی ہو، کہ لوگ حق کی احسن ادائیگی میں اس شے سے تمتع کریں، اور بندے کم علمی کی بدولت اس شے کے استعمال سے ہی دور رہیں۔ کسی شے کو استعمال کرتے وقت بندے کی پسند اور ناپسند کو ساکن رہنا چاہیئے۔ منشاء رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیئے۔ جب تک کسی شے کو خود کھا کر نہ دیکھ لیا جائے اس کا اللہ کی راہ میں لائق استعمال ہونا روشن نہیں ہوتا۔

حاصل : اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام اللہ کے پیاروں کی شان ہے اور نشانی ہے۔ اللہ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرنے والا بے ربط ہو جاتا ہے اور یہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ علیم مطلق کا علم ہی ہر مقام پر پورا ہوتا ہے۔

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور کھاؤ جو اللہ نے تمہیں حلال طیّب رزق دیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تمہارا ایمان ہے۔

حلال اور طیب رزق عطائے الٰہی ہے۔ اس کا کھانا اطاعت الٰہی ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہنے کی صورت یہ ہے کہ کسی شے کی موجودگی استکبار کا باعث نہ بنے، استعمال میں خواہش کی پیروی نہ ہو اور اطاعتِ الٰہی ملحوظ خاطر رہے۔

حاصل : حلال طیّب رزق عطائے الٰہی ہوتا ہے۔ استکبار سے بچنا اللہ سے ڈرنے کی صورت ہے اور اللہ سے ڈرتے رہنا ایمان کی علامت ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

تمہاری قسموں کی لغویّت میں اللہ تم سے مواخذہ نہیں فرماتا، ولیکن جن قسموں کو تم نے مضبوط کیا ہو ان کا مواخذہ تم سے ہو گا۔ تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو طعام دینا، اپنے اہل کو جو کھلاتے ہو اس کے اوسط میں سے، یا انہیں کپڑے دینا، یا ایک گردن چھڑانا۔ تو جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھے۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب حلف

اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝۸۹

اٹھاؤ۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اسی طرح اللہ تم سے اپنی آیات بیان فرماتا ہے، تاکہ تم شکر کرو۔

[illegible] قسم کھانے والے کے ساتھ کوئی وعدہ نہ کیا جا رہا ہو اور محض اپنے قیاس کی صحت کو وزن دینے کے لئے قسم کھائی [illegible] قیاس درست نہ ہو تو ایسی قسم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت نہیں ہوتی۔ مگر اس قسم پر ضرور گرفت ہوتی [illegible] کسی کام کا پختہ ارادہ کر کے کھائی جائے اور جس کے سامنے قسم کھائی جائے اسے وہ عہد معلوم ہو۔ اگر ایسی قسم درست نہ [illegible] تو کفارے میں دس مسکینوں کو اس طرح کا کھانا کھلانا لازم ہے جیسا اپنے اہل کو عموماً کھلایا جاتا ہو، [illegible] کی ضرورت ہو یا کسی مقروض کا قرض ادا کرنا لازم ہے۔ اور اگر یہ تینوں باتیں ممکن نہ ہوں تو تین دن کے مسلسل روزے رکھے جائیں گے۔ یہ کفارہ بیان کردہ قسموں کا کفارہ ہے۔ اپنی قسموں کی حفاظت کا تقاضا یہ ہے کہ قسم کھانے کے موقع کو دیکھا جائے [illegible] قسم کھائی جائے۔ جب قسم کھائی جائے تو پھر اس کے پورا کرنے کو بھی اپنا حق سمجھا جائے اور اس حق کی [illegible] اللہ کا کرم ملاحظہ ہو کہ اس نے کمال محبت سے جو چیزیں ہمارے لئے [illegible] پر گرفت نہیں ہوتی۔ بے موقع قسم کھالیں تو اس پر [illegible] کی صورت بھی بیان فرمادی ہے۔ شکر اس بات کا ادا کرنا چاہئے [illegible] اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو کتنے لوگوں کا قول درست رہتا۔

حاصل: لغو قسم پر مواخذہ نہیں ہے۔ حلفاً قسم کھائی جائے تو اس کی حفاظت لازم ہے۔ پوری نہ ہو تو دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا، جیسا اپنے اہل کو دیا جاتا ہے، لازم ہے، یا انہیں کپڑے دیے جائیں گے اور اس عمل میں لینے والوں کی ضرورت کو بھی دیکھا جائے گا، یا کسی مقروض کا قرض ادا کیا جائے گا۔ یہ سب نہ ہو سکے تو تین دن کے متواتر روزے رکھے جائیں گے۔ اللہ نے [illegible] قول کو پاک رکھنے کا کیا اہتمام کیا ہے۔ اس پر اللہ کا شکر کرنا چاہئے۔ قول درست نہ ہو تو عمل [illegible] کوئی صورت ہی نہیں۔

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰

اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی عمل ہیں، تو ان سے اجتناب کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب ناپاک اور شیطانی عمل ہیں، اور شیطان ایمان والوں کا دشمن ہے۔ اس لئے [illegible] لوگوں کو لازم ہے کہ وہ ان شیطانی اعمال سے اجتناب کریں۔ لوگ ہمیشہ راحت کی تلاش میں ایسا کرتے ہیں۔

ان اعمال سے وقتی طور پر کسی کو خوشی مل بھی جائے تو اس وقتی خوشی کے بعد کوفت ہی کوفت ہوگی اور فلاح سے دور ہونے کا احساس بھی ہوگا۔ جب انسان حقوق العباد کو تلف کرنے لگے تو معاشرتی زندگی میں لوگوں کو عدم تحفظ کی تاریکی خوفزدہ کرنے لگتی ہے۔

حاصل : شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب شیطانی عمل ہیں اور ایمان والوں کو ان سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ ان سے اجتناب میں ہی فلاح ہے۔ معاشرتی زندگی میں عدم تحفظ کا احساس لوگوں کو خوفناک تاریکی تک لے جاتا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّوۡقِعَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِی الۡخَمۡرِ وَ الۡمَیۡسِرِ وَیَصُدَّکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَہُوۡنَ ﴿۹۱﴾

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تمہارے مابین عداوت و بغض واقع ہو، اور وہ تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے، تو اب تم باز آئے۔

شیطانی عمل کا منشا ہمیشہ لوگوں کے اندر فساد کا بیج بونا ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں اصلاح مطلوب ہو وہاں شیطانی اعمال سے اجتناب لازم ہے۔ معاشرتی قدروں کا لحاظ لوگوں کی اہلیت، صلاحیت اور اہمیت کو قائم رکھتا ہے۔ شراب سے جو نشہ پیدا ہوتا ہے اس سے نفس امارہ کو اتنی قوت ملتی ہے کہ برائی کرنے کی اہلیت بہت بڑھ جاتی ہے اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی صلاحیت بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس عدم توازن سے شرابی کی ذات کو بھی نقصان ہوتا ہے اور اس کے ماحول میں لوگوں کو اس سے عداوت بھی ہو جاتی ہے۔ برے عمل سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ عداوت سے حسنِ ظن ختم ہو جاتا ہے۔ حسن ظن ختم ہو جائے تو بغض پیدا ہونے لگتا ہے۔ جوئے سے ایک کا فائدہ بہت سے لوگوں کے نقصان پر قائم ہوتا ہے۔ جہاں خواہشات کا ٹکراؤ ہو وہاں عداوت ضرور پیدا ہوتی ہے، اور عداوت کے بعد بغض بھی پیدا ہوتا ہے۔ جہاں شیطان کا ساتھ ہو جائے وہاں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے رک جانا بھی یقینی ہوتا ہے، اور اللہ کے ذکر میں اطمینان قلب ملتا ہے اور نماز سے پاکیزگی عطا ہوتی ہے۔ جو عمل ہمارے معبود کو پسند نہ ہو ہمیں فوراً اس سے باز آجانا چاہئے۔

حاصل : شراب اور جوئے سے معاشرے میں عداوت و بغض پیدا ہوتا ہے، اللہ کے ذکر اور نماز سے غفلت ہو جاتی ہے۔ شیطانی عمل اللہ کو ناپسند ہیں۔ جو ہمارے معبود کو ناپسند ہے وہ ہمیں بھی ناپسند ہے۔ جو ہمارے معبود کو ناپسند ہے ہم اس سے باز آئے۔

وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۹۲﴾

اور اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور حذر کرو۔ تو اگر تم پھر جاؤ گے تو معلوم رہے کہ ہمارے رسول پر

واضح پہنچا دینا ہی ہے۔

اللہ کی اطاعت میں عمل ضروری ہے۔ علیم مطلق کی اطاعت سے بڑی بندے کے لئے کوئی شان ہو ہی نہیں سکتی۔ دعویٰ عبدیت کو اطاعت الٰہی اس پر شاہد ہو تبھی وہ دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول کی اطاعت ہمیں اپنے معبود کے قریب کر دیتی ہے اور یہی صراط مستقیم ہے۔ اطاعت رسول میں کسی مقام پر ہماری سوچ کو مانع نہیں ہونا چاہئے ورنہ حق معیت حاصل نہیں ہو سکے گی۔ اور عدم معیت ہو گی تو حق سے پھر جانا یقینی ہو گا۔ اور نقصان پھر جانے والے کا ہی ہو گا۔ اس لئے اطاعت رسول میں اپنی سوچ کو دخل دینے سے بچتے رہو۔ رسول کی شان تو یہی ہے کہ حکم اللہ کا ہے۔ ادائیگی میں معیار اکمل اس کی ذات پاک ہے۔ جہاں قول حق بھی پہنچ جائے۔ عملاً بھی کر کے دکھا دیا جائے اور طالبین کو اس سے فائدہ بھی پہنچے تو یہ ہے تبلیغ۔

حاصل: اللہ کی اطاعت دعویٰ عبدیت کو سچا ثابت کرتی ہے۔ اللہ کے رسول کی اطاعت میں اپنی پسند کے پیچھے جانے سے بچنا لازم ہے۔ جہاں اطاعتِ رسول میں من مانی کی جائے گی حق سے پھر جانا یقینی ہو گا اور یہ بات اللہ کے رسول سے بالکل نہیں ہو گی کہ آپ کے ذمے تو صریحاً پہنچا دینا ہی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

ایمان والے اور صالح عمل کرنے والوں پر جو انہوں نے چکھا اس کا گناہ نہیں، جب وہ تقویٰ کریں اور ایمان رکھیں اور صالح عمل کریں۔ پھر ڈریں اور ایمان رکھیں، پھر ڈریں اور نیک رہیں۔ اور اللہ محسنین کی حُب رکھتا ہے۔

اگر حال یہ ہو کہ ایمان صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہو رہا ہو تو ماضی کی کوتاہیوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ مگر یہ لازم ہے کہ حال یہ اللہ کا ڈر رہے۔ احکامِ خداوندی کی اطاعت کی جائے اور صالحین کے نقوشِ قدم کو صراط مستقیم مانا جائے۔ اس کے بعد تقویٰ اور ایمان یہ ہے کہ حدود اللہ کا احترام اس طرح ہو کہ کسی کوتاہی کو معمولی کہہ کر اختیار نہ کیا جائے۔ اللہ کا ڈر رہے اور ایمان ہو کہ ہمیں جنت و جہنم میں دیکھنے والا ضرور ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دے گا۔ اس کے بعد تقویٰ اور احسان یہ ہے کہ اللہ کے ڈر کی وجہ سے کوئی بات ایسی نہ کی جائے، کوئی عمل ایسا نہ کیا جائے، جس سے ساتھیوں کو اس ماضی کی طرف رغبت ہو جس کو اللہ نے ختم بھی کر دیا ہے۔ معاف بھی کر دیا ہے۔ احسان کیا جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ محسن خود بھی پاک رہے اور دوسروں کو بھی پاک رکھے۔ جس کی بری عادت ختم ہو جائے اور وہ نیک ہو جائے وہ یقیناً اللہ کو پسند ہوتا ہے۔

حاصل: حال اچھا ہو جائے تو اللہ ماضی کی کوتاہیاں معاف کر دیتا ہے۔ تقویٰ اور ایمان کے مدارج

ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ حکمِ حق کو مانا جائے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ پیچھے آنے والوں کا راستہ آسان کیا جائے۔ ساتھیوں کو آسانیاں عطا کرنا اللہ کے پیاروں کی شان ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ (9) میں ارشاد فرمایا ہے کہ مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے دوست ہیں، بھلائی کا امر کرتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾

یہی لوگ ہیں جن پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾

اے ایمان والو اللہ تمہیں اس شکار سے کہ جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچتے ہوں دیکھے گا، کہ اللہ سے بن دیکھے ڈرنے والے واضح ہو جائیں۔ پھر اس کے بعد جو حد سے بڑھے تو اس کے لئے المناک عذاب ہے۔

حکم دینے والا احکم الحاکمین، ماننے والے کی صداقت کو دیکھ لے تو ماننے والا فلاح پا جاتا ہے۔ ماننے والے کی پسند اسے آسانی سے حاصل ہو سکتی ہو اور اس کے حصول کی کوشش سے اسے منع کر دیا جائے تو ماننے والے کے لئے یہ بڑا امتحان ہوتا ہے۔ ایسے ہی حالتِ احرام میں مومنین کے لئے شکار کو ممنوع فرمایا گیا اور انہیں آگاہ کیا گیا کہ یہ دیکھنے کے لئے کہ کون اللہ سے بن دیکھے ڈرنے والے ہیں، ایمان والوں کے پسندیدہ جانوروں کو جن کا وہ شکار کرنا چاہتے ہوں، ان کے اس قدر قریب کر دیا جائے گا کہ ان کے ہاتھ اور نیزے شکار تک بآسانی پہنچ سکیں گے۔ جس نے حد کا احترام کیا وہ اللہ کے نزدیک سچا ہو گا، اور جس نے اس حد کا احترام نہ کیا وہ حد سے بڑھنے کی وجہ سے المناک عذاب میں گرفتار ہو گا۔

حاصل : حالت احرام میں شکار کرنے والے حد سے بڑھنے کی بدولت المناک عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس حکم کی اطاعت خواہشِ نفس کے خلاف ہو، اسی حکم کے ماننے سے بندہ برگزیدہ بنتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا

اے ایمان والو جب تم احرام میں ہو تو شکار نہ مارو۔ اور تم میں سے جو اسے عمداً مارے

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ

تو اس کی جزا یہ ہے کہ ویسا ہی مویشی دے دے۔ کہ تم میں سے دو عدل کرنے والے اس کا حکم کریں۔ یہ قربانی کعبے کو پہنچے، یا کفارہ دے مساکین کا کھانا، یا اس کے برابر روزے رکھے۔ تاکہ اپنے کام کا وبال چکھے۔ جو ہو چکا اللہ نے معاف کیا۔ اور جو اعادہ کرے گا اس سے اللہ انتقام لے گا۔ اور اللہ عزت والا انتقام لینے والا ہے۔

[illegible] نے حد کو ملحوظ نہیں رکھا۔ اس کے پاک ہونے کے لئے [illegible] قیمت معلوم کر کے اسی قیمت کا قربانی کا جانور لے کر مکہ [illegible] یا اسی رقم سے جس قدر مساکین دو وقت کا کھانا کھا سکتے ہیں، [illegible] کا مزہ چکھنے کا موقع ملے گا اور حدود اللہ کے احرام میں پوری پوری احتیاط پیش [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہوا اور جس نے حکم خداوندی کے جاری ہونے کے بعد ایسا کیا، [illegible] اللہ کی مقرر کردہ حد کو توڑا۔ یقیناً اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے [illegible] اللہ کی مقرر کردہ حد کو توڑا ہو۔ اس کو ایسا جانی نقصان ہو سکتا ہے جس کے تصور سے ہی اس کے رونگٹے [illegible]۔

حاصل: حالتِ احرام میں شکار منع ہے۔ جس سے عمداً ایسا ہو جائے وہ اس کی قیمت کا جانور مکہ [illegible] کے لئے بھیجے یا اسی رقم کو مساکین کے طعام پر خرچ کرے۔ یا اسی رقم سے جس قدر مساکین دو وقت کا کھانا کھا سکیں اتنے ہی روزے رکھے۔ ماضی کا کیا اللہ نے معاف کیا، اب جس نے حالتِ احرام میں شکار کیا اس سے اللہ انتقام لے گا، اور اللہ سے بڑا انتقام اور کوئی نہیں لے سکتا۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

تمہارے لئے بحری شکار اور اس کا کھانا حلال ہے، تمہارے لئے اور مسافروں کے لئے متاع ہے۔ اور تم پر برّی شکار جب تک تم احرام میں ہو حرام ہے۔ اور اللہ

اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۹۶﴾

سے ڈرو جس کی طرف تمہارا حشر ہو گا۔

جو شکار بحری ہے، اس کی پیدائش پانی میں ہوتی ہے، اس کے لئے لوازمات زندگی پانی میں ہوتے ہیں۔ اور جو شکار برّی ہے وہ خشکی پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے لوازمات زندگی خشکی پر موجود ہوتے ہیں۔ بحری شکار حالت احرام میں جائز ہے۔ خود بھی استعمال کیا جائے دوسرے مسافروں کو بھی دیا جائے۔ مگر برّی شکار حالت احرام میں حرام ہے۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ اس کی مقرر کردہ حد کا احترام کیا جائے۔ اس نے توفیق دی ہے، اس نے متاع دی ہے، اس سے بڑھ کر ہماری بھلائی کسی کو عزیز نہیں، اسی کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف جانا ہو گا۔

حاصل : حالت احرام میں بحری شکار حلال ہے، خود بھی کھایا جائے دوسروں کو بھی کھلایا جائے۔ برّی شکار حالت احرام میں حرام ہے۔ جس کی طرف جانے سے رک جانا ہمارے بس میں نہ ہو، اس سے ڈرنا بڑا حق ہے۔

جَعَلَ اللّٰہُ الۡکَعۡبَۃَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّہۡرَ الۡحَرَامَ وَالۡہَدۡیَ وَالۡقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِکَ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۹۷﴾

اللہ نے کعبہ کو لوگوں کے قیام کے لئے بیت الحرام ٹھہرایا ہے اور حرمت والے مہینہ اور حرم کی قربانی اور جن جانوروں کے گلے میں نشانی پڑی ہو۔ یہ اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ کو علم ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور یہ کہ اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

کعبہ اللہ کا گھر ہے اور لوگوں کے لئے جائے امان ہے۔ اس کا احترام اس حد تک ہونا چاہئے کہ وہاں موجود تمام لوگوں کو خدائی مہمان سمجھا جائے، دوسری تمام اشیاء کی موجودگی میں علم الٰہی کے حوالے سے حکمت کا یقین رکھا جائے، اور اپنے آپ کو لوگوں کا خادم جانا جائے۔ اگر کوئی ذاتی نقصان بھی ہو جائے تو گھر والے کی شان کے پیش نظر ادباً خاموش رہا جائے۔ حج کے مہینے میں بھی امن رہے، تاکہ کعبہ شریف کی طرف آنے والوں اور واپس جانے والوں کو سلامتی کا یقین رہے۔ وہ جانور جس کو حرم شریف میں ذبح ہونا ہے، ان سے بھی مہربانی کا رخ رکھا جائے، اور جن جانوروں کے گلے میں نشانی آویزاں ہو ان کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ ان ساری باتوں کے اندر اتنا بڑا علم ہے کہ اس سے نہ صرف مسلمانوں کی شان بلند ہوتی ہے، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی ظلمات سے نور کی طرف آنے میں مدد ملتی ہے۔ ہر شے کا علم رکھنے والے کی کوئی بات علم سے خالی نہیں، حکمت سے خالی نہیں، پتہ اسے چلتا ہے جو حدود اللہ کا احترام کرنے کے باوجود اعتراف کرتا رہے کہ اس سے ادب کا حق ادا نہیں ہوا۔

حاصل : کعبہ شریف لوگوں کے لئے جائے امان ہے۔ دائمی امان کا یہ مقام مرکز سکون ہونے کے اعتبار سے لوگوں کو سکون دیتا ہے۔ امن و سلامتی کو ہر مقام پر مرکز سکون سے نسبت ہونی چاہئے۔ حج کے مہینے کا، حرم کو جانے والی قربانیوں کا، اور جن جانوروں کے گلے میں نشانی آویزاں ہو، لحاظ ضروری ہے۔ سلامتی کی صورت ممکن ہے کہ ہر شے کا علم رکھنے والے کے علم کو ہر مقام پر سلام کیا جائے اور غیب سے ڈرا جائے۔

اعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾

معلوم رہے کہ اللہ کا عقاب شدید ہے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

سب سے زیادہ ہر شے کا علم رکھنے والا جب کسی کو پکڑے تو اس کی گرفت انتہائی شدید ہوتی ہے، کہ پکڑے جانے والے کو نہ اس گرفت سے نکل بھاگنے کا علم بھی نہیں ہوتا، طاقت بھی نہیں ہوتی۔ جہاں کوتاہی کا اعتراف کر کے اصلاح کو اختیار کر [illegible]

حاصل : [illegible] سب سے بخشش والا رحم مانگتے ہوئے خود لوگوں کو معاف کرتے [illegible]

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾

رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر تو پہنچا دینا ہی ہے۔ اور اللہ کو علم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان یہی ہے کہ حکم اللہ کا ہو اور عملی نمونہ آپ کی ذات پاک ہو۔ صبر و شکر کے [illegible] کے مطابق خلوت و جلوت میں اگر کوئی اپنی پسند کی راہ [illegible] کو اس کے کئے کی جزا دینے والا ہے۔

حاصل : حق پہنچا دینے والا کسی کے اعمال کے لئے جوابدہ نہیں ہے۔ خلوت و جلوت میں ہمارے اعمال کا علم رکھنے والا علیم مطلق ہے۔ اس لئے خلوت و جلوت میں پاک رہنا حق ہے۔

قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ

آپ فرما دیجئے خبیث اور طیب مساوی نہیں، اگرچہ تمہیں خبیث کی کثرت عجیب لگے۔ تو اللہ سے ڈرتے رہو اے سمجھ دارو

یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تا کہ تم فلاح پاؤ۔

جس شے کا استعمال عقاب شدید کو دعوت دے وہ خبیث ہے۔ جو شے پاک ہے اور اللہ نے اسے ہمارے لئے حلال فرمایا ہے وہ طیّب ہے۔ ناپاک اور پاک کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ جو فیصلہ علم مطلق سے ہو وہ صحیح ترین اور ناقابل ترمیم ہوتا ہے۔ اگر کسی کو ناپاکی کی کثرت متاثر کرتی ہے، تو اس کی نظر علم سے خالی ہو گی، اور سوچ بھی سیدھی نہیں ہو گی۔ اللہ سے ڈرنے والے، طیّب کی قلت کو خبیث کی کثرت کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں۔ فلاح اسی میں ہے کہ جزا دینے والے مالکِ کُل کا ساتھ رہے ہر مقام پر۔

حاصل : خبیث علم الٰہی کی رو سے ہمارے لئے نقصان دہ اور طیّب علم الٰہی کی رو سے ہمارے لئے مفید ہے۔ نقصان دہ اور مفید کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ خبیث کی کثرت اگر کسی کو مرعوب کرتی ہے تو اس کی سوچ سیدھی نہیں ہوتی۔ فلاح حدود اللہ کے احترام میں ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف (7) میں ارشاد فرمایا ہے۔ وہ جو ہمارے بھیجے ہوئے امّی نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اتباع کریں گے، جسے تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے، وہ انہیں بھلائی کا امر دے گا، اور برائی سے منع کرے گا، اور طیّبات کو ان کے لئے حلال ٹھہرائے گا، اور خبائث کو ان پر حرام کرے گا، اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے، اتارے گا۔
فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٥٧﴾
تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کا اتباع کریں جو اس کے ساتھ نازل ہوا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿١٠١﴾

اے ایمان والو ایسی اشیاء کے بارے میں سوال نہ کرو کہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری لگیں، اور اگر نزولِ قرآن کے وقت پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ اور اللہ انہیں معاف کر چکا ہے، اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

ایمان والوں کا حق ہے کہ وہ سوال کرتے وقت حال پر اپنی مشکلات کے حوالے سے سوال کریں۔ ماضی میں جو ہو چکا ہے اللہ نے وہ معاف کر دیا ہے۔ اگر ماضی کو، جس کا تعلق پاکیزگی سے نہ رہا ہو حال پر بیان کیا جائے گا تو وہ یقیناً بُرا لگے گا، پھر حق

[illegible] سے کیا مدد مل سکتی ہے۔ نزولِ حق کے وقت اگر کوئی سوال کیا جائے گا تو وہ بات خود ظاہر کر دی جائے گی۔ [illegible] کہ حق بیان فرمانے والے سے جو بھی پوچھا جائے گا اس کا ارشاد عین حق ہو گا۔ اگر وہ کسی کو برا لگے تو حال پر [illegible] کسی حد تک ضرور متاثر ہو گا۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ بخشنے والا حلم والا ہے۔ وہ ماضی کی کوتاہیوں کو معاف بھی کر دیتا ہے [illegible] ان کے بیان کو بھی پسند نہیں فرماتا۔

حاصل : ایمان والوں کا سوال حال پر ہونا چاہئے اور حال سے متعلق ہونا چاہئے۔ جس کو معاف کیا جائے اس کی کوتاہی کو بیان کرنے سے اجتناب بہتر ہے۔

قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ۝

تم سے قبل ایک قوم نے یہ پوچھا پھر اس کا انکار کرنے لگے۔

[illegible] سے بہت [illegible] سے پوچھنے کی ضرورت کم ہی ہوتی ہے۔ جو ارشاد ہوتا ہے اس کی تعمیل میں کہیں تذبذب [illegible] کے ذریعے ہوتا ہے۔ یہ یقین بہرحال رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس [illegible] سے مر تصدیق کروانا چاہتا ہے۔ خواہش کی اس طرح [illegible] نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پوچھا۔ آپ نے بتانے کا حق [illegible] کے مطابق [illegible] کی بجائے حق کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کی [illegible]۔

حاصل : بہت پوچھنے والے عموماً اپنی خواہش کی تصدیق چاہنے میں لگے ہوتے ہیں۔ یہ راستہ بھی کفر کی طرف جاتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِن بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۙ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

اللہ نے مقرر نہیں کیا بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، ولیکن کافر اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھتے ہیں، اور وہ اکثر عقل نہیں کرتے۔

تمام جانور اللہ نے انسان کے لئے بنائے ہیں۔ ان سے رضاء الٰہی کے مطابق خدمت لی جائے تو حق ادا ہو گا۔ جو حلال ہیں ان کا دودھ پیا جائے، گوشت کھایا جائے، تو یہ عطائے الٰہی کا شکریہ ادا کرنے والی بات ہو گی۔ عطائے الٰہی کا شکریہ ادا کرنا نعمت کی برکت کو برقرار رکھنے کا راز ہے۔ کافروں نے اپنے بعض جانوروں کو جو عموماً اونٹ، گائے، بکری قسم کے تھے، عطائے الٰہی جانتے ہوئے اور اپنی معیشت کی بنیاد سمجھتے ہوئے حرمت کا درجہ دے دیا تھا۔ یہ تشریح یقیناً اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے کے

مترادف ہے اور بے عقلی کی بات ہے۔ جس جانور نے خاص تعداد میں بچے دئے ہوں، اس کا کان چیر کر اسے چھوڑ دیتے تھے۔ اس سے اسے یہ تقدس مل جاتا تھا کہ پھر اس سے کوئی خدمت نہیں لی جاتی تھی، اور اسے باعث برکت جان کر جہاں سے وہ چاہے کھانے پینے کی اجازت دے دیتے تھے، یہ "بحیرہ" تھا۔ کسی مشکل میں منت مان کر کسی جانور کو "سائبہ" بنا دیتے تھے۔ یہ شکریہ ہوتا تھا اس بات کا کہ منت پوری ہو گئی ہے اور اس جانور سے بھی نفع اٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا۔ جس جانور سے مسلسل مادہ بچے پیدا ہوتے رہیں، اس کو "وصیلہ" کہہ کر چھوڑ دیتے تھے۔ اس سے بھی نفع حاصل کرنا حرام تھا۔ اگر کسی نر جانور کے نطفہ سے مقررہ تعداد میں بچے پیدا ہو جاتے تو اسے "حامی" کہہ کر آزاد کر دیتے تھے۔ ان باتوں میں بے عقلی یہ ہے کہ اللہ نے ان جانوروں کو ان کے لئے بنایا ہے اور افترٰی باندھنے والے اپنے آپ کو ان جانوروں کے لئے جانتے ہیں۔ جس جانور کو اللہ نے جس منشاء کے لئے بنایا ہے اسے اسی طرح استعمال کیا جائے تو اس جانور کے منشاء تخلیق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔ دودھ دینے والے جانور کا دودھ نہ لیا جائے تو جانور کو بھی نقصان ہو گا اور دودھ کی بھی ناشکری ہو گی۔ سواری کے کام آنے والے جانور سے سواری کا کام نہ لیا جائے تو یہ بھی ناشکری ہو گی۔ ذبح ہونے کے لائق جانور کو ذبح نہ کیا جائے تو یہ بھی ناشکری ہو گی۔

حاصل : اللہ نے جانوروں کو انسان کے لئے بنایا ہے، انسان کو جانوروں کے لئے نہیں بنایا گیا۔ اپنی پسند کو رضائے الٰہی کہا جائے تو یہ اللہ پر افترٰی باندھنے کے مترادف ہے۔ کسی نعمت سے کماحقہ استفادہ عقلمندی ہے، اور عدم استفادہ بے عقلی ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٠٤﴾

اور جب ان سے فرمایا جائے، آؤ اس طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف، کہتے ہیں ہمیں وہی بہت ہے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے آباء کو نہ علم ہو اور نہ وہ ہدایت والے ہوں۔

جن لوگوں کے طریق زندگی میں عقل سے تضاد کو دور کرنا، معمول نہیں ہوتا، ان کو جب حق کی طرف بلایا جاتا ہے اور حق کو بیان کرنے والے کی طرف بلایا جاتا ہے، تو وہ کہتے ہیں ہمارے لئے وہی بہت ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے۔ جس کی پیروی کی جائے اس میں علم و ہدایت کی موجودگی کو دیکھنا لازم ہے۔ علم کی موجودگی، عملاً حق کی ادائیگی کے بعد حاصل ہونے والی راحت سے واضح ہو گی، اور ہدایت کی موجودگی خوف و حزن سے نجات میں روشن ہو گی۔ یہ دونوں مقامات جہاں آباء کی زندگی میں نظر آئیں، ان کی اطاعت بھی لازم ان کا اتباع بھی حق ہو گا۔

حاصل : بے عقل کو جب حق کی طرف بلایا جائے تو وہ اپنے آباء کے ساتھ لگے رہنے پر مصر ہوتا

ہے۔ آباء کی زندگی میں اگر علم اور ہدایت موجود ہو تو ان کی اطاعت بھی حق، اتباع بھی حق، ورنہ دونوں ناحق ہوں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾

اے ایمان والو تم اپنی فکر رکھو۔ جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہیں ضرر نہ دے گا۔ تم سب کا مرجع اللہ ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو عمل تم کرتے تھے۔

اپنی فکر رکھنے کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے قول کو سیدھا رکھا جائے، عمل کو کجی سے بچایا جائے، دعوت خیر کے ساتھ بھلائی کا حکم ہو اور برائی سے منع کر دیا جائے تو حقِ تبلیغ پورا ہو جاتا ہے۔ ہدایت پر رہنے والے کو کوئی گمراہ، ضرر نہیں دے سکتا۔ اس لئے ایمان والوں کو لازم ہے کہ وہ اپنی متوازن زندگی میں کسی گمراہ کو اثر انداز نہ ہونے دیں۔ آئے سب اللہ کی طرف سے ہیں، اس لئے مراجعت بھی سب کی اسی کی طرف ہوگی۔ جزا دینے والا ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ خلوت و جلوت میں ہر ایک کا ہر عمل اللہ کے سامنے ہے۔

حاصل : اپنی فکر رکھنا یہ ہے کہ اپنے قول کو سیدھا رکھا جائے اور اعمال صالح ہوں۔ ہدایت پر رہنے والے کو ضرر دینا کسی گمراہ کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی مالک کل کی طرف مراجعت ہوگی۔ اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ خلوت و جلوت میں [illegible] تو اللہ تعالیٰ کو ماننے کا حق ادا ہو گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ

اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو تمہارے مابین دو عدل کرنے والوں کو وصیّت کے وقت گواہ ہونا چاہئے۔ یا اگر تم زمین میں سفر پر ہو تو تمہارے سوا دو اور ہوں، پھر تمہیں موت کی مصیبت آجائے۔ ان دونوں کو نماز کے بعد روکو۔ اگر تمہیں شک ہو تو اللہ کی

بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

قسم کھائیں کہ ہم اس کے بدلے کچھ نہیں لیں گے اگرچہ قرابت بھی ہو، اور ہم اللہ کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے، ایسا ہو تو ہم بے شک گنہگاروں سے ہیں۔

ایمان والوں کے لئے یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت وصیت پر دو عدل کرنے والوں کو گواہ بنالیا کریں۔ اس سے شکوک و شبہات کی بیخ کنی ہوتی رہے گی، اور لوگوں کو ایک دوسرے کے مزید قریب ہونے کا شرف ہو گا۔ حالت سفر ہو تو کبھی ایسا موقع بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان گواہ نہ مل سکیں، اس صورت میں دوسرے لوگوں کو گواہ بنالیا جائے گا۔ اگر وصیت میں لوگوں کو شک ہو جائے، تو گواہوں سے یہ کہنا حق ہے، کہ وہ قسم کھائیں۔ اس کا منشاء بھی شک کا خاتمہ ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کے بعد گواہوں کو روک لیا جائے اور ان سے قسم کھانے کو کہا جائے۔ وہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہیں کہ ہم گواہی بیچنے والے نہیں ہیں، اور ہم کوئی جانبداری نہیں کریں گے اگرچہ ہماری قرابت بھی ہو، اور ہم اللہ کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے، ایسا کریں تو ہم بے شک گناہگار ہیں۔

حاصل : موت کے وقت وصیت پر دو عدل کرنے والوں کو گواہ بنانا حق ہے۔ حالت سفر میں اگر مسلمان گواہ نہ مل سکیں تو دوسروں کو گواہ بنانا جائز ہے۔ اگر وصیت پر شک گزرے تو مسلمان گواہوں کو نماز کے بعد روک کر ان سے شہادت لینی چاہئے۔ شہادت میں ترتیب بیان وہی ہو جس کا اللہ نے حکم فرمایا ہے۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

پھر اگر پتہ لگ جائے کہ وہ دونوں گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان کی جگہ دو دوسرے گواہ کھڑے ہوں، ان میں سے کہ جن کی حق تلفی ہوئی ہو۔ تو دونوں قسم کھا کر کہیں کہ ان دونوں کے مقابل ہماری گواہی زیادہ حق ہے، اور ہم حد سے نہیں بڑھے، ایسا ہو تو بے شک ہم ظالم ہوئے۔

اگر وصیت کے وقت موجود گواہ جانبداری کے مرتکب پائے جائیں اور ان کی شہادت مشکوک ہو جائے، تو میت کے عزیزوں میں سے کہ جن کی حق تلفی ہوئی ہو، دو گواہ کھڑے ہوں، اپنا مشاہدہ بیان کریں اور اجتماع میں یہ گواہی دیں کہ مشکوک

گواہوں کے مقابل ہماری گواہی زیادہ حقیقی ہے، اور ہم حد سے بڑھنے والے نہیں ہیں، ایسا ہو تو ہم ظالم ہوئے۔ یہ بیان جو سابقہ گواہوں کے بیان کی تردید پر مبنی ہو بالکل واضح ہو، اور یہ پہلی گواہی کے مقابل اپنی وقعت کو ثابت کرے، اور بیان دینے کے بعد یہ دونوں گواہ اللہ کی قسم کھائیں، اور ترتیب بیان وہی ہو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ یہ قانونِ شہادت اتنا مستحکم ہے کہ اس میں کمزور شہادت کی بنا پر کسی کی حق تلفی کا امکان نہیں رہتا۔

حاصل : اگر پتہ لگ جائے کہ وصیت کے موقع پر موجود گواہوں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، تو جن کی حق تلفی ہوئی ہو ان میں سے دو گواہ کھڑے ہو کر حقیقت بیان کریں، پھر قسم اٹھائیں کہ اللہ کی قسم ہماری گواہی زیادہ حقیقی ہے، اور ہم حد سے نہیں بڑھے ایسا ہو تو ہم ظالم ہوئے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

یہ قریب تر ہے اس کے کہ ٹھیک گواہی دیں، یا خوف کھائیں کہ ان کی قسموں کے بعد قسمیں ان کی تردید نہ کر دیں۔ اور اللہ سے ڈرو اور سنو۔ اور اللہ قوم فاسقین کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس قانون شہادت میں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت رکھی ہے کہ گواہی دینے والے ٹھیک گواہی دیتے ہیں۔ اپنی قسموں کی تردید کرنے والی قسموں کا خوف بھی اعتدال کو قائم رکھتا ہے۔ اس طرح بیان کی صحت بالکل قائم رہتی ہے اور الفاظ کے حوالے اور لہجے بھی شہادت میں درست رہتے ہیں۔ جس بات کو زور دے کر کہا گیا ہو اس کو زور سے اور جس کو بغیر زور سے بیان کیا گیا ہو اس کو بغیر زور کے بیان کیا جاتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے ہی حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں، اور اللہ کے فرمان کو سنتے ہیں جیسے اس کے سننے کا حق ہے۔ ایسا یقین رکھتے ہیں کہ غلط بیانی سے کوئی نتائج کو اپنے حق میں مفید بنانے کی کوشش کرے تو اس کا اللہ تعالیٰ پر یقین ہی نہیں ہے۔

حاصل : قانون شہادت کو اللہ نے استحکام دیا ہے۔ اس سے گواہی کا وہ معیار قائم ہوتا ہے کہ جس میں کسی کی حق تلفی کا امکان ہی معدوم ہو جاتا ہے۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ حدود اللہ کا احترام کیا جائے۔ سننا یہ ہے کہ حق کو جیسے سنا جائے ویسے ہی کہا جائے۔ جو حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہمیشہ رسوا ہوتے ہیں۔ عزت کی راہیں ان پر مسدود کر دی جاتی ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم میں فرمایا ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۶۰

تو صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، اور تمہیں سبک نہ کر دیں جو یقین نہیں رکھتے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا پھر فرمائے گا، تمہیں کیا جواب ملا۔ عرض کریں گے ہمیں علم نہیں، بے شک تو سب غیبوں کا علم رکھنے والا ہے۔

جمیع مرسلین احکام خداوندی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق لوگوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ پیغام سب کا یہی تھا کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اطاعت رسول میں تمہارے لئے فلاح ہے، یقین رکھو تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ قیامت کے دن مرسلین سے یہ پوچھا جائے گا بتایئے آپ حضرات کو ارشاد خداوندی کی تبلیغ پر کیا جواب ملا۔ مقصد کی وحدانیت کی بدولت ہی مرسلین کا وجود واحد ہے۔ اس لئے سوال بھی سب سے ایک ہو گا۔ علیم مطلق کے حضور اپنے علم کو لاعلمی ماننا کمال ادب ہے۔ جواب ایک ہو گا۔ بے شک یا اللہ تو سب غیبوں کا علم رکھنے والا ہے۔ ہر ظاہر ایک غیب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور وہی غیب اس ظاہر کی حقیقت ہوتا ہے۔ اس لئے سب غیبوں کے جاننے والے سے کوئی مقام مخفی نہیں رہ سکتا۔

حاصل : قیامت کے دن مرسلین کی جماعت سے پوچھا جائے گا، تمہیں کیا جواب ملا۔ وہ کمال ادب سے عرض کریں گے، یا اللہ ہمیں علم نہیں، بے شک تو سب غیبوں کا علم رکھنے والا ہے۔ بہتر جاننے والے کے سامنے اپنے علم کو ہیچ جاننا ادب ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ

جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم، اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میری نعمت کو یاد کرو۔ جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی تو نے پالنے میں لوگوں سے کلام کیا اور بڑی عمر میں، اور جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی، اور جب تم میرے اذن سے پرندے کی صورت بناتے تھے، پھر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے اذن سے اڑنے لگتا اور میرے اذن سے تم اندھے اور برص والے کو اچھا کرتے تھے،

بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ فَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١١٠﴾

اور جب تم میرے اذن سے مُردوں کو نکال کھڑا کرتے تھے، اور جب تم بنی اسرائیل کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو میں نے انہیں تم سے روکا، اور ان میں کے کافر کہنے لگے یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمائے گئے اور ان کی والدہ محترمہ پر جو کرم کیا گیا اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ قیامت کے روز ان احسانات کے بیان کا منشا اس اختلاف کا خاتمہ ہو گا جو آپ کے عہد میں ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں پیدا ہو گیا۔ معجزات اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات ہیں جن کی فوقیت کا انکار ممکن نہ ہو اور جن کی وضاحت سے انسان مطمئن ہو۔ پہلا انعام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے تائید ہے۔ اس تائید سے آپ کی شان لوگوں پر واضح ہوئی۔ پالنے میں آپ نے لوگوں سے کلام فرمایا تو اسی تائید سے اور کہولت میں اگر آپ لوگوں سے خطاب فرمائیں گے تو اسی تائید سے [illegible] آپ کے کلام کا [illegible] روشن ہو گا۔ دوسرا انعام کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم [illegible] حق ادا کر سکتے ہیں۔ تیسرا انعام یہ [illegible] لگتا تھا۔ یہ سب کچھ باذن اللہ ہوتا تھا۔ پرندے [illegible] باذن اللہ ہو تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی علوم پر علم الٰہی کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو نوازتا رہتا ہے۔ چوتھا انعام اندھے اور برص والے کو اچھا کرنے کا شرف ہے۔ یہ شرف بھی علم الٰہی کی اس حد کو واضح کرتا ہے، جس کو چھونا کسی علم سے قطعاً ناممکن ہے۔ پانچواں انعام مُردوں کو زندہ کرنے کا شرف ہے۔ یہ مرتبہ قدرت الٰہیہ کو لوگوں کے مشاہدے میں اس طرح لاتا ہے کہ انہیں بعث بعد الموت کے انکار سے [illegible] لازم ہے۔ اور چھٹا انعام یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت [illegible] بنی اسرائیل نے چاہا آپ پر زیادتی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا۔ یہ سب انعامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان [illegible] ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان عطاء الٰہی کی بدولت ہے، اور [illegible] الٰہی کی بدولت ہو۔ کافروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کو دیکھ کر، ان کی اطاعت سے فرار حاصل کرنے کے لئے، ان روشن نشانیوں کو جادو کہا، جو نشانیاں آپ کی صداقت کی اسناد تھیں۔

حاصل : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس سے تائید دی گئی۔ معجزات میں آپ کا پالنے میں کلام فرمانا اور کہولت میں کلام فرمانا ہے، کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم ہے، پرندوں کی صورت بنا کر، ان میں پھونک مار کر انہیں باذن اللہ اڑانا ہے، اندھے اور برص والے کو باذن اللہ اچھا کرنا ہے، مُردوں کو باذن اللہ زندہ کرنا ہے اور بنی اسرائیل کی شرارتوں سے آپ کی حفاظت ہونا ہے۔ نہ ماننے والے حق کو صداقت کی اسناد کے ساتھ دیکھ کر اسے جادو کہہ دیتے ہیں۔ ان کا منشاء

صداقت کو تسلیم کرنے کی بجائے راہ فرار اختیار کرنا ہوتا ہے۔ جادو سے یہ کچھ نہ کبھی ہوا ہے، نہ کبھی
ہو گا۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈال دیا کہ مجھ پر ایمان لائیں اور میرے رسول پر ایمان لائیں، عرض کرنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص دوست تھے، آپ سے محبت رکھنے والے لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے
دل میں ڈال دیا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے بعد، کفر، فسق اور عصیان سے
کراہت کے مقامات بھی آتے ہیں۔ حواریوں نے ادب سے عرض کیا۔ یااللہ ہم ایمان لائے تجھ پر اور تیرے رسول پر اور تو گواہ
رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

حاصل : اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا شرف بھی اللہ کا فضل ہے۔ ماننے والوں پر حق
ہے کہ وہ خیر کی طرف بلانے والے کو شاہد بنائیں اور اس کے حضور تسلیم کریں کہ وہ مسلمان ہیں۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾

حواریوں نے عرض کیا اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا ربّ ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے۔ فرمایا اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات باہرات کو دیکھ کر حواریوں نے اپنی طلب کو حضرت کے سامنے رکھتے ہوئے یہ عرض
کیا اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا رب یہ کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے، اور اس طرح ہمیں بے سبب رزق عطا
ہو۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ اللہ سے ڈرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ عطائے الٰہی کو علیم مطلق کی عطا جاننا لازم ہے۔ اگر اس کی
شکل کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی طلب ہو تو یہ بات ایک کمزوری کو ظاہر کرتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کو ماننے والوں کی شان کے
منافی ہوتی ہے۔

حاصل : اپنی طلب کو بیان کرتے ہوئے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اپنی پسند ہر مقام پر حق کے تابع
رہے، یہ تقویٰ ہے۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

عرض کرنے لگے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے قلوب کو اطمینان ہو، اور ہمیں علم ہو کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا، اور ہم اس پر گواہ رہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تقوے کی نصیحت سن کر حواریوں نے عرض کیا۔ جس مائدہ کی ہم نے درخواست کی ہے اس کی طلب کا منشاء یہ ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں۔ ہمیں اطمینان قلب حاصل ہو، آپ کی صداقت کا ہمیں علم ہو جائے، اور ہم اس پر گواہ رہیں۔ اپنی پسند کے حصول کو صاحب حق کی صداقت کی علامت ٹھہرالینا بڑا خطرناک کام ہے۔ صداقت کی علامت کو دیکھ کر اپنی پسند ساکن نہ ہو تو تباہی اس طرح مسلط ہو جاتی ہے کہ پھر اسے روکا نہیں جاسکتا۔

حاصل : حسن طلب اپنی جگہ۔ مگر صاحب حق کی صداقت کی علامت کو دیکھ کر اپنی پسند کو ساکن رکھنا بہت ضروری ہے۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

عیسیٰ ابن مریم نے دعا فرمائی اے اللہ! ہمارے رب، ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما کہ وہ ہمارے اول و آخر کے لئے عید ہو اور تیری طرف سے نشانی ہو، اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

حواریوں کی درخواست پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ یا اللہ تو ہی ہمارا رب ہے، ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ وہ ہمارے لئے بھی عید ہو اور ہمارے بعد آنے والوں کے لئے بھی عید ہو۔ اور جس نعمت کو میری صداقت کی نشانی کے طور پر مانگا گیا ہے۔ اس نشانی کو عطا فرما، اور ہمیں رزق دے کہ تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ طالبِ رزق کی ضروریات جسمانی بھی سامنے ہوں، ضروریات روحانی بھی سامنے ہوں۔ عطا کرنے والا معطیٔ مطلق ہو اور احتیاج بھی کوئی نہ رکھتا ہو، یہ ہے خیرالرازقین کی شان۔ جس دن اللہ کے کرم سے اطمینان قلب حاصل ہو اس دن کو عید کے طور پر منانا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے ہوتا ہے، اس سے تعلق باللہ مستحکم ہوتا رہتا ہے۔

حاصل : بندہ رازق ہونے کا حق تبھی ادا کر سکتا ہے کہ خیرالرازقین سے ڈرتا رہے۔ جس دن اطمینان قلب حاصل ہو اس دن کو عطاء الٰہی کی یاد منانے کا دن یعنی عید ٹھہرانا اظہار عبدیت ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۵

اللہ نے فرمایا۔ بے شک میں تم پر اتارتا ہوں، تو اس کے بعد جو تم میں کفر کرے گا، تو بے شک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہانوں میں کسی کو نہ دوں گا۔

کسی بات کو جب صاحبِ حق کے لئے علامت صداقت ٹھہرالیا جائے، پھر وہ مشاہدے میں آجائے، تو یہ انتہائی احتیاط کا مقام ہوتا ہے۔ پھر تسلیم ایسی ہونی چاہئے کہ کبھی شک کا مقام نہ آئے، ناشکری کا مقام نہ آئے۔ جو اپنی تسلیم سے منکر ہو جاتا ہے اسے یقیناً انوکھا عذاب دیا جاتا ہے۔ حواریوں کو مائدۃ عطا کرنے سے پہلے یہ آگاہی عطا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل کمال ہے کہ اس میں عذاب سے بچنے کی راہ دکھادی گئی ہے۔

حاصل : کسی بات کو کسی صاحبِ حق کی صداقت کی نشانی ٹھہرا کر، مشاہدے کے بعد تسلیم کرنے کی بجائے اس کا انکار کر دیا جائے، تو یہ انوکھے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔

شہادت : جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی صداقت کی نشانی مانگی اور آپ نے عصا مبارک کو زمین پر رکھ دیا جبھی وہ اژدہا بن گیا، اور یدبیضا بھی دکھایا تو اس نے اس صداقت کو تسلیم کرنے کی بجائے اسے جادو کہا اور جادوگروں کو مقابلے کے لئے جمع کیا۔ اس مقابلے میں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے میدان میں یہ کہا:

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (الشعراء)

ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کا ربّ ہے۔ فرعون نے کہا تم موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہو، ان کے رب پر ایمان لاتے ہو، میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ، دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی دوں گا۔ انہوں نے کہا یہ کچھ نقصان نہیں ہو گا، ہمیں اپنے ربّ کی طرف پلٹنا ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کا تعاقب کرتے ہوئے فرعون اور اس کے ساتھی غرق ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ کسی فرد یا جماعت کے بس میں نہیں ہے، اس لئے اس کے احکامات کو ماننے کے علاوہ سلامتی کسی جگہ ممکن نہیں ہے۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم، کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے مقابل مجھے اور میری ماں کو معبود

إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾

ٹھہراؤ۔ عرض کریں گے، پاکی ہے تجھے، مجھے لائق نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہو تو تجھے ضرور علم ہو گا۔ تجھے علم ہے جو میرے جی میں ہے اور مجھے علم نہیں جو تیرے جی میں ہے۔ بے شک تو ہی سب غیبوں کا علم رکھنے والا ہے۔

[illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد دلانے کے بعد ان سے پوچھا جائے گا، [illegible] کو لوگوں کے لئے معبود ٹھہرایا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ [illegible] مجھے یہ لائق نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق [illegible] کہ وہ اس میں کچھ اور شامل کرے۔ یا اللہ اگر میں [illegible] وہ تیرے سامنے ہے۔ جو تیرے جی میں ہے مجھے اس کا [illegible] حضرت بی بی مریم علیہا السلام کو، [illegible] لوگوں کی طرف بھیجے گئے نبی سے۔ یہ شہادت دلوا کر ان کے کذب پر اللہ کے رسول کو گواہ بنایا [illegible]

[illegible] کے حوالے سے لوگ من مانی کرنے لگیں، وہاں انجام کار اس سچے کو ان [illegible] ہے۔ سچے کو لازم ہوتا ہے کہ وہ وہی کہے جو حق ہے۔ سچے کی شان کے [illegible]

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾

میں نے ان سے نہیں کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے امر دیا تھا، کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے سنبھال لیا، تو تیری ہی نگاہ ان پر تھی اور تو ہر شے پر گواہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ میں نے تو لوگوں سے وہی کہا جس کا تو نے مجھے امر دیا تھا۔ میرا پیغام تو یہی تھا کہ اللہ ہی معبود ہے جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ جب میں نے اپنی عبدیت ان پر واضح کر دی تھی تو پھر الوہیت کے دعوے کا تو امکان ہی ختم ہو گیا۔ اس سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو جب آپ لوگوں میں موجود تھے اللہ کا شریک نہیں ٹھہرایا گیا۔ جب آپ کو اللہ نے اٹھالیا اور بنی اسرائیل کی شرارتوں سے آپکو بچالیا، تو بعد میں ان لوگوں نے آپ کو الوہیت کے درجے پر دیکھنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ ہر شے پر نگاہ رکھتا ہے۔

حاصل : عقیدہ تثلیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد گھڑا گیا۔ اختلاف کی بیخ کنی کے لئے اپنا حال بیان کرنے کے بعد اس مقام کی نشان دہی کرنی چاہئے۔ جہاں سے برائی کی ابتدا ہوئی ہو۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر انہیں بخش دے تو بے شک تو عزت والا حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا حال بیان کرنے کے بعد یہ عرض کیا۔ یا اللہ یہ لوگ جو عقیدہ تثلیث رکھتے ہیں، اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر انہیں بخش دے تو بے شک تو عزت والا حکمت والا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ تیرے فیصلے کے خلاف زبان کھولے۔ تو جو بھی کرے تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ علم مطلق سے ہوتا ہے۔ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ماننے والے اور نہ ماننے والے مساوی نہیں ہیں وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ کیا قابل معافی ہے اور کیا قابل معافی نہیں ہے اس کا بھی وہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ مالک ہے۔ وہ کسی کو سزا دے، یا اسے بخش دے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس کے ہر کام میں زبردست حکمت ہوتی ہے۔ مسلم اور مجرم اس کے نزدیک مساوی نہیں ہیں۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ

اللہ نے فرمایا، آج کے دن صادقین کو ان کا صدق نفع دے گا۔ ان کے لئے جنت ہیں جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہی

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾ عظیم کامیابی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا حال بیان کرنے کے بعد عقیدہ تثلیث والوں کے متعلق یہ عرض کیا۔ یااللہ تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر انہیں بخش دے تو، تو عزت والا حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ آج کے دن سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ جن لوگوں نے توفیق ایزدی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کیا وہ صادق ہیں۔ ان کی صداقت کا انعام ان کے لئے جنت ہیں۔ اور یہ ایسا انعام ہے کہ اس میں راحت ہی راحت ہے، اور دائمی بہار ہے۔ ان کی صداقت سے اللہ راضی ہوا اور یہ اللہ کی عطا سے راضی ہوئے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔ ان کی عظیم کامیابی کی شان دیکھئے کہ دنیا میں خوف و حزن سے نجات ملی اور آخرت میں وہ مقام ملا جو رضائے الٰہی سے تعلق رکھتا ہے اور دائمی ہے۔

حاصل: قیامت کے دن سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ وہ اس مقام پر رہیں گے، جو ان کی صداقت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہو گا۔ رضائے الٰہی کے حصول کو ہی عظیم کامیابی کہتے ہیں۔ ناصحین سے محبت رکھی جائے تو اللہ راضی ہوتا ہے۔ ناصحین، محبین کی پاکیزگی پر شاہد ہو جائیں تو کیسے بچے رہ سکتے ہیں۔

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢٠﴾

اللہ ہی کا ملک ہے، آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت کل ہے۔ آسمان ہوں، زمین ہو، اور آسمان و زمین کے مابین کوئی مقام ہو سلطنت سب اللہ کی ہے۔ اس سلطنت میں تمام اشیاء اللہ کی مرتب کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ جب ہر شے پر اس کی قدرت ہے تو ہر شے کے استعمال میں اللہ کی مرضی کے خلاف رخ سے بچنا بھی ضروری ہے۔

حاصل: تمام کل میں اللہ کی رضا ہر جگہ مقصود ہونی چاہئے۔ اور ہر شے کے استعمال میں اللہ کی رضا کو مد نظر رکھنا چاہئے کہ بندے کو اس کے رخ کے مطابق جزا ملے گی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۙ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾

اور ہم قرآن میں وہ نازل فرماتے ہیں جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ اور اس سے ظالموں کو خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

حمد اللہ ہی کی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا، اور ظلمات اور نور کو ٹھہرایا۔ پھر کافر اپنے ربّ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق کرنے والا لاشریک ہے اور معبود ہے۔ حمد اسی کی شان ہے۔ اس نے ہر ایک کو پیدا کیا ہے وہی سب کا ربّ ہے۔ شان ربوبیت میں بھی لاشریک ہے، کہ ہر ایک کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ پالنے کے عمل کے دو مقامات ہیں۔ ایک خلوت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور ایک جلوت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ یہاں ظلمات کی حقیقت خلوت ہے، اور نور کی حقیقت جلوت ہے۔ ظلمات میں ہی پیدائش کے ابتدائی مراحل طے ہو سکتے ہیں، اور اس کے بعد افزائش، نور کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ اب وہ حالات جن میں زندگی کا عمل جاری ہے اور جو ہر باشعور انسان کے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں، ہر انسان پر یہ واضح کرتے رہتے ہیں کہ خالق کل ایک ہے اور لاشریک ہے۔ باقی سب ظلمات اور نور سے استفادہ کرنے والے ہیں۔ لوازمات زندگی بنانے والے کے ساتھ برابری کا تصور، انتہائی بے علمی کی بات ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور عالمین کی ربوبیت اللہ کی شان ہے۔ ظلمات اور نور، تخلیق کے لئے لوازمات کا درجہ رکھتے ہیں، اور تمام مخلوق کو ان کی احتیاج ہے۔ لوازمات حیات کا بنانے والا ایک ہے، اس سے برابری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ②

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر اجل مقرر کی۔ اور اس کے نزدیک اجل مسمّٰی ہے، پھر بھی تم شک کرتے ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔ ان کی غذا کو بھی بالواسطہ اور بلاواسطہ مٹی سے پیدا کیا۔ ان کی ذریت بھی زمین سے فیض یاب ہو رہی ہے، اور جب تک اللہ نے مہلت رکھی ہے تب تک ہوتی رہے گی۔ جس زمین پر ہماری

زندگی کا مدار ہے اس کے بنانے کے دعوے میں بھی اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ پھر اس نے ہر زندگی کی ایک حد مقرر کی ہے، یہ اس کی اجل ہے، اور عمل کے لئے دئے گئے وقت کا کلی طور پر خاتمہ اجل مسمّٰی ہے۔ فرد کی زندگی اور موت کے مراحل عام مشاہدے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح سارے جہان کو یوم جزا سے پہلے، عمل کے میدان سے گزار دیا جائے گا۔ انسان کو اگر کائنات کی زندگی کی اکائی مان لیا جائے، تو اس اکائی کے بارے میں مشاہدہ، کل کے بارے میں شک کو ختم کر دیتا ہے۔ اب اگر کوئی شک کرے تو یہ اپنے آپ پر اور اپنے ماحول پر نظر نہ کرنے والی بات ہے۔

حاصل : انسان کی زندگی اور موت اس کائنات کی اکائی کی زندگی اور موت ہے۔ اس لئے اس کل کی زندگی بھی ایک مقام پر ختم ہو گی، اور اس کے بعد جزا کا دن ہو گا۔ اور جزا کے دن کا یقین ہو جائے تو عمل کی ٹیڑھ ختم ہو جاتی ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

اور آسمانوں میں اور زمین میں وہی اللہ ہے، تمہارے چھپے اور ظاہر کا علم رکھتا ہے اور اسے علم ہے جو کسب تم کرتے ہو۔

آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہے، اور آسمانوں میں اور زمین میں وہی معبود ہے۔ خلوت و جلوت کا پورا علم رکھنے والا ہے۔ نیت کیا تھی، عمل کیا ہوا، اللہ تعالیٰ کو اس کا پورا علم ہے۔ معبود ہی جانتا ہے کہ اس کی عبدیت کا حق ادا ہو رہا ہے یا عبودیت کے نام سے کچھ اور ہو رہا ہے۔ کسب ہمیشہ ایک نیت سے ہوتا ہے، جو کسب کرنے والے کے دل کی بات ہوتی ہے۔ اگر کسی کسب میں مخلوق کا ڈر خالق کے ڈر کے مقابل زیادہ ہو تو کسب ناقص ہوتا ہے۔ اور اگر کسی کسب میں اللہ کی رضا لوگوں کی خوشی کے مقابل زیادہ عزیز ہو تو کسب پاک ہوتا ہے۔ جزا دینے والا کسب کی حقیقت کو جانتا ہے، اس لئے جزا پر یقین رکھنے والا اپنے کسب کو پاک رکھتا ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے اور ظاہر کا علم رکھتا ہے۔ کسب جو بھی ہو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔ جب جزا دینے والا کسب کی حقیقت کو جانتا ہے، تو کسب کی حقیقت کا پاک ہونا ضروری ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④

اور ان کے پاس کوئی بھی نشانی ان کے رب کے پاس سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔

اللہ کی نشانیاں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں مدد دینے کے لئے ہوتی ہیں۔ کافروں کا رخ غیر اور غرور کا

ہوتا ہے، اس لئے وہ ہر نشانی کو دیکھ کر اس سے منہ پھیر لیا کرتے ہیں۔ اللہ کی نشانی سے منہ پھیرنے کا عمل اسی وقت ہوتا ہے، جب حق کے مقابل اپنی خواہش کو سلام کیا جائے۔

حاصل : جو حق کے مقابل اپنی خواہش کو سلام کرتا ہو، وہ اللہ کی نشانیوں سے اعراض کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ حق کو دیکھ کر اس سے منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا رخ باطل کی طرف کر لیتا ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝٥

تو بے شک انہوں نے حق کی تکذیب کی جب وہ ان کے پاس پہنچا۔ تو جلد ہی انہیں خبر ہوا چاہتی ہے جس کا وہ استہزاء کرتے تھے۔

کافروں کے سامنے جب بھی حق کو بیان کیا جائے، یہ اس کو جھٹلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور جب انہیں یہ بتایا جائے کہ انسان کو اس کے اعمال کی جزا ملے گی، تو وہ اس بات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذاق اڑانے کی کوشش اپنے ساتھیوں کو شوکت نفس میں مدد دینے کے لئے ہوتی ہے۔ مگر جب عمل کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو جائے گا، تو کافروں کو خبر ہو جائے گی کہ انہوں نے خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیا ہے، اور جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ ناقابل تردید حقیقت ہے۔

حاصل : حق کی تکذیب اور جزا کا استہزاء کافر ہی کرتے ہیں۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے پورا ہونے کے بعد جزا کا انکار ممکن نہیں رہتا۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝٦

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ان سے قبل ہم نے کتنی سنگتیں ہلاک کر دیں۔ انہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تمہیں نہیں دیا، اور ان پر ہم نے آسمان سے زور کا مینہ بھیجا، اور ہم نے ان کے نیچے نہریں جاری کر دیں۔ پھر ہم نے انہیں ان کے گناہوں پر ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسرے قرن اٹھا دئے۔

لوگ اپنے آباء کو ضرور دیکھتے ہیں اور آباء کے بیانات کے حوالے سے اوپر بھی دیکھتے ہیں۔ ماضی میں ہلاک ہونے والی

امتوں کی قوت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے، کہ جو کام وہ معمولی اور چھوٹے اوزاروں سے کر گئے ہیں، اتنے بڑے کام اب اتنے وقت میں بڑے بڑے ہتھیاروں سے بھی نہیں ہو پاتے۔ اللہ نے ان لوگوں کو باران سے نوازا، اور زیر زمین پانی سے ان کی نباتات کو بڑھوتری دی۔ زیر زمین پانی کی سطح نباتات کی پیدائش کے عمل میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سطح کو بہت اوپر لے آئے تب بھی زمین آباد نہیں رہتی، اور زیر پانی کی سطح کو اللہ بہت نیچے لے جائے تب بھی زمین برباد ہو جاتی ہے۔ اور زمین میں جسے بھی جماؤ ملتا ہے، زمین کی پیداواری صلاحیت اس جماؤ کی بنیاد ہوتی ہے۔ جب بھی کسی قرن نے حق کی تکذیب کو اپنا شعار بنایا، وہ لوگ گناہ کی راہ پر دوڑنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا، اور ان کے بعد اللہ نے دوسرے لوگوں کو اٹھان دی۔

حاصل : کوئی بھی متاع، کوئی بھی توفیق، اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی۔ پہلے لوگوں کو اللہ نے زمین میں زیادہ جماؤ دیا تھا، اگر حق کی تکذیب سے ان کا نشان مٹ گیا ہے تو کم جماؤ والوں کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞

اور اگر ہم تم پر قرطاس میں لکھا ہوا نازل فرماتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مس کرتے، جب بھی کافریہی کہتے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

حق کا نزول تو علم الٰہی سے ہوتا ہے، اور اللہ کے محبوب پر ہوتا ہے۔ علیم مطلق جس طرح بھی عطا فرمائے اس حال پر اس سے بہتر کا تصور محال ہوتا ہے۔ اگر کاغذ پر لکھا ہوا بھی نازل فرمایا جائے اور کافر اس کو چھو کر بھی دیکھ سکتے ہوں، جب بھی کافر اس کو کھلا جادو کہہ کر اپنی خواہشات کو معبود بنانے سے باز نہیں آتے۔

حاصل : کافر عطائے الٰہی کو نہیں مانتے، اور حق کو اپنی خواہشات کے خلاف جانتے ہوئے اسے جادو کہہ دیتے ہیں۔ جادو کہہ کر اس کی اطاعت سے انکار کرنا مقصود ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۞

اور کہنے لگے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اور اگر ہم فرشتہ نازل فرماتے، تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی۔

کافروں کا یہ کہنا کہ ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ فرمان خداوندی کے ساتھ ان پر نازل ہوتا، اور وہ اسے مانتے،

محض ان کا گمان ہے۔ سنت الٰہی کو دیکھا جائے تو وہ یہی رہی ہے کہ جب بھی کسی قوم نے حق کو ماننے کے لئے کسی نشانی کی شرط لگائی ہے، اور اس نشانی کو پاکر حق کا انکار کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا کام تمام کر دیا ہے، پھر اسے مہلت نہیں دی گئی۔

حاصل : جو اپنی تسلیم سے پھر جائے، اس کا کام تمام ہو جاتا ہے، پھر اسے مہلت نہیں دی جاتی۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾

اور اگر ہم (نبی) کو فرشتہ ٹھہراتے، جب بھی اسے مرد ہی بناتے، اور انہیں وہی شبہ ہوتا جس میں اب پڑے ہوئے ہیں۔

نبی کا بشر ہونا اللہ کا اتنا بڑا کرم ہے کہ مخلصین ہمیشہ اس کرم کا شکریہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ بشر ہی قول، عمل، علم اور اخلاص، چاروں مقامات پر شاہد ہو سکتا ہے۔ نبی بشر ہو تو وہ لوگوں کے لئے ہر مقام پر نور وہدایت کا قاسم ہو سکتا ہے۔ فرشتہ ہو تو کئی مقامات پر اس کا اتباع بشر کے لئے محال ہو گا۔ جہاں تک کافروں کا تعلق ہے، وہ اس صورت میں بھی اسی شک میں پڑتے جس میں اب پڑے ہوئے ہیں، اس لئے کہ فرشتے کو بھی مرد ہی بنا کر بھیجا جاتا۔

حاصل : رسول کا بھیجنے والا علیم مطلق ہے، اس لئے اس سے بہتر کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ کافروں کے شبہے کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ رسول، فرشتے کیوں نہیں، بلکہ بنیاد یہ ہے کہ کافر اعمال کی جزا کا انکار کرتے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

اور آپ سے قبل بھی رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا، پھر تمسخر کرنے والوں کو اسی چیز نے گھیر لیا جس کا استہزاء کرتے تھے۔

معاندین کی فرمائشیں پوری بھی کر دی جائیں تو یہ ایمان لانے والے نہیں ہوتے۔ ان کو اپنی خواہشات کی تکمیل اتنی عزیز رہی ہے کہ پہلے بھی راہ حق دکھانے والوں کا استہزاء کیا جاتا رہا ہے۔ یہ نشانیاں طلب کرتے رہے ہیں، پھر یہ نشانیاں پاکر، ان کی صداقت کو ناقابل تردید دیکھ کر جادو کہہ دیتے رہے ہیں۔ جس حق کا یہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی غالب ہوتا رہا ہے اور انکار کرنے والوں کی جڑ ہمیشہ کٹتی رہی ہے۔ کافروں کے رخ کے بارے میں یہ ارشاد کہ یہ پہلے برباد ہونے والوں کی راہ اختیار کر رہے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حقِ رسالت کے کماحقہ ادا ہونے کی سند بھی ہے۔

حاصل : جب لوگ آخرت پر یقین نہ رکھتے ہوں تو حق کی کسی نشانی کو نہیں مانتے۔ جہاں حق کا انکار ممکن نہ ہو اسے جادو کہہ دیتے ہیں۔ پھر جس حقیقت کا وہ مذاق اڑایا کرتے رہے ہوں وہی تائید ایزدی کی وجہ سے ان کی بیخ کنی کا باعث بن جاتی ہے۔

شہادت : حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد اور سنگت پیدا کی گئ۔ انہی میں سے ایک رسول ان کی طرف بھیجا گیا۔ اللہ کے رسول نے فرمایا۔ اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ قوم کے سردار جنہیں اللہ نے دنیا کی زندگی میں بہت کچھ دیا تھا، کفر کرنے لگے اور آخرت کی حاضری کو جھٹلانے لگے۔ کہنے لگے کہ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ تو نہیں مگر تمہاری طرح کا بشر، جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے اور اگر تم اپنے جیسے کسی بشر کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔ اللہ کے رسول کا مذاق اڑانے والے، تکذیب کرنے والے، عذاب میں پکڑے گئے۔ ان پر ایک چنگھاڑ آئی۔

فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

تو ہم نے انہیں گھاس کوڑا کر دیا۔ تو دور ہوں ظالم لوگ۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ (المومنون)

پھر ان کے بعد ہم نے اور سنگتیں پیدا کیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾

فرما دیجئے، زمین میں سیر کرو، پھر نظر کرو، مکذبین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

دعوت فکر و نظر دینے کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ کسی کو اپنے پیش رو کے انجام سے آگاہی میں مدد دی جائے۔ ماضی میں جو لوگ زمین پر بڑا جماؤ رکھنے والے ہوئے ہیں اور تکذیبِ حق کے مرتکب ہوئے ہیں، انہوں نے اگر انذار سے فائدہ نہیں اٹھایا تو ان کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوا ہے۔ زمین میں ان کی حیثیت کے آثار بھی موجود ہیں، ان کے انجام کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔ تکذیب حق کا جو انجام پہلے ہو چکا ہے وہی ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ جس کو اس انجام سے بچنا مطلوب ہو وہ تکذیبِ حق سے بچ جائے۔

حاصل : زمین میں سیر کرتے وقت آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں اور دیکھنا یہ چاہئے کہ حق کو جھٹلانے والوں کا انجام پہلے کیا ہو چکا ہے۔ اس سے عبرت پکڑنا بھلے لوگوں کی نشانی ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ

فرما دیجئے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے۔ فرمایئے اللہ کا ہے۔ اس نے اپنے ذمے رحمت لکھ لی ہے۔ یقیناً تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا، اس میں کچھ

خَسِرُوٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ شک نہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا تو وہ ایمان نہیں لاتے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ سب اللہ کا ہے۔ زندگی کے تمام مقامات پر لوازمات اللہ تعالیٰ ہی مہیا کرتا ہے۔ رحمتِ خداوندی کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ پیدا کرنے سے موت دینے تک ہر مقام پر اس کی رحمت دیکھنے والوں کو نظر آتی ہے۔ پیدائش بذات خود بھی رحمت ہے، پرورش بھی رحمت ہے، شعور بھی رحمت ہے، شعور کی موجودگی میں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا عطا ہونا بھی رحمت ہے۔ مکذبین حق کو مہلت دینا اور عقوبت میں تعجیل نہ کرنا بھی رحمت ہے۔ پھر جو تضاد سے پاک ہونے کی کوشش کریں، انہیں توبہ اور انابت کی توفیق دینا بھی رحمت ہے۔ اجل کا مقرر کرنا بھی رحمت ہے، اعمال کی جزا کے لئے وقت مقرر کرنا بھی رحمت ہے، عمل کے لئے دی گئی مہلت میں سزا دے کر کسی کو رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دینا بھی رحمت ہے اور کسی کو عبرتناک سزا دے کر دوسروں کو انجام بد سے بچنے کی راہ دکھانا بھی رحمت ہے۔ نہ ہونے کے مقام سے کسی کو گزارنا بھی رحمت ہے کہ اس سے زندگی کے حقائق معلوم ہوتے ہیں، ہونے کے مقام پر کسی کو فائز کرنا کہ وہ عطاء الٰہی کا شکریہ ادا کر سکے، یہ بھی رحمت ہے اور سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ اس نے بندوں کی آسانی کے لئے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھیجا ہے کہ آپ سے محبت کی بدولت ان کے اندر وسعت قلب آئے اور نور ہدایت کے چراغ اس قدر روشن ہوں کہ دین حق تمام ادیان پر غالب آئے۔ جس نے اپنی رحمت سے یہ سب اہتمام کیا ہے، وہ قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کرے گا، انہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ جن لوگوں نے وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر ترجیح دی ہو، انہیں کبھی ناصحین سے محبت نہیں ہوتی۔ وہ ایمان نہیں لاتے۔ خسارہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ جو اپنے لئے خسارے کو مقدر کرے، خسارہ اسے کیوں چھوڑے گا۔

حاصل : آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اللہ کا ہے۔ اس لئے کسی مقام پر غرور کرنا جائز نہیں۔ اپنی کجی کو دور کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہی ہو رہی ہوتی ہے کسی کو پتہ لگے یا نہ لگے۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ ناصحین سے محبت نہ ہو تو ایمان قلب میں داخل نہیں ہوتا اور خسارے کا تسلط بھی نہیں ٹوٹتا۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ اسی کا ہے جو لیل و نہار میں سکون پاتا ہے، اور وہی سننے والا علم والا ہے۔

اللہ نے اپنی رحمت سے رات اور دن کو تمہارے سکون کے لئے اور اللہ کا فضل ڈھونڈنے کے لئے بنایا ہے، اور تاکہ تم شکر کرو۔ 28 : 73 رات کا آرام اور دن میں اللہ کے فضل کی تلاش، دونوں بسنے کے لئے ضروری ہیں۔ ہر بات کو سننے والا اس کے پیچھے نیت کا بھی علم رکھتا ہے، اس لئے صرف قول کو درست رکھنا اور نیت کو پاک نہ رکھنا کسی کو فائدہ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا اہتمام اتنا عظیم ہے کہ ہر بسنے والا اس سے استفادہ کرتا ہے اور اس کے معمولات اسی اہتمام کی بدولت ہی جاری ہوتے ہیں۔

حاصل : رات کا سکون کے لئے بنایا جانا اور دن کا اللہ کے فضل کی تلاش کے لئے بنایا جانا بھی اللہ کی رحمت ہے۔ ہمارے قول کو بھی پاک ہونا چاہیئے اور نیت کو بھی پاک ہونا چاہیئے۔ ہر آواز کا سننے والا، اللہ ہے۔ اس لئے سنانے والے کو ہر مقام پر حدود اللہ کا احترام لازم ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

فرما دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی اور کو دوست بناؤں، اسی نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور وہ کھلاتا ہے اور کھانے سے پاک ہے۔ فرما دیجئے کہ مجھے سب سے پہلے تسلیم کرنے کا اور مشرکین سے نہ ہونے کا امر ہے۔

سب سے بڑے مہتمم کے مقابل کسی کو دوست بنانا شرک ہے اور سب سے بڑے مہتمم کے دوست کو دوست بنانا شرک سے پاک ہونا ہے۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اور مخلوق کے لئے کھلانے کا ایسا بندوبست کیا ہے کہ اس بندوبست میں اللہ کی کوئی غرض نہیں ہے۔ اور اس بندوبست کے ساتھ کوئی شرط بھی نہیں رکھی گئی۔ پھر اللہ نے کسی شے کو اپنے لئے مخصوص نہیں کیا۔ شرک کرنے والے اپنے دین کی طرف بلائیں، تو انہیں یہ کہنا چاہیئے کہ حق پہنچانے والے کی حیثیت سے مجھے سب سے پہلے تسلیم کرنے کا امر ہے، اور مجھے امر ہے کہ مشرکین سے نہ ہونا۔ مشرکین کا دین ان کی پسند کا نام ہے اور اسلام اللہ کی رضا کا نام ہے۔

حاصل : مشرکین کی دعوت کے جواب میں یہ کہنا چاہیئے، میں کیوں غیر اللہ کو دوست بناؤں، تبلیغ حق کے منصب کے ساتھ مجھے سب سے پہلے تسلیم کرنے کا امر ہے، اور مشرکین سے نہ ہونے کا امر ہے۔ میرا دین اللہ کی رضا ہے، اپنی خواہش کا اتباع میرا دین نہیں ہے۔

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

فرما دیجئے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے یومِ عظیم کے عذاب کا خوف ہے۔

دعوتِ حق دینے والے کو جب کوئی فرمانِ الٰہی کے مقابل، خواہشات نفس کی طرف بلائے، تو حق کی طرف بلانے والے کی شان اسی طرح واضح ہوتی ہے کہ وہ کہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ نافرمانی کرنے والے کو اس کے انجام سے آگاہی کی یہ صورت بہت احسن ہے۔ جس دن عذاب سے بچ نکلنے کی، کافروں کے لئے کوئی سبیل نہیں ہوگی اور ان کا چھپا اور ظاہر سب ان کے سامنے آجائے گا اور انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دی جائے گی، یقیناً

وہ دن بڑا دن ہو گا۔

حاصل : دعوت حق دینے والے کو جب خواہشاتِ نفس کی طرف بلایا جائے تو اسے کہنا چاہئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے یومِ عظیم کے عذاب کا ڈر ہے۔

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

اس دن جس سے عذاب ٹل گیا تو بے شک اس پر اللہ کا رحم ہوا، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

قیامت کے دن جس سے عذاب ٹل گیا، یقیناً اس پر اللہ کا رحم ہوا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ حیاتِ دنیا میں جو اللہ سے ڈرتا رہے گا، اس کے اندر ادب موجود رہے گا۔ وہ اطاعت حق ضرور کرے گا، مگر کسی زعم میں مبتلا نہیں ہو گا، بلکہ اللہ سے رحم کا طالب ہو گا۔ جو حال پر اللہ سے رحم کا طالب ہے۔ آخرت میں بھی اسی پر رحم ہو گا۔ عظیم کامیابی یہ ہے کہ قیامت کے دن مُفلحین میں شمار ہو جائے۔

حاصل : یومِ عظیم میں جس سے عذاب ٹل گیا، اس پر اللہ کا رحم ہوا، وہ مرحوم ہوا، اور اسے کامیابی ملی۔ اس کامیابی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

اور اگر اللہ تمہیں کوئی سختی پہنچائے تو اللہ کے سوا کوئی اس کا کھولنے والا نہیں، اور اگر تمہیں خیر پہنچائے تو وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

قادر مطلق کے فرمان کی خلاف ورزی کرنے والا آگاہ رہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے کوئی سختی پہنچائے تو کسی کی مدد اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اللہ ہی اس سختی کو دور کرے تو وہ دور ہو گی۔ اگر وہ بھلائی عطا کرنا پسند کرے، تو بھی وہ مالک کل ہے۔ وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

حاصل : قادرِ مطلق سختی بھیج دے تو اس سختی کا اس کی ذاتِ اقدس کے علاوہ کوئی کھولنے والا نہیں۔ وہ بھلائی عطا کر دے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ مالک کل کی نافرمانی سے بڑا اور کوئی خسارہ نہیں۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر، اور وہی حکمت والا خبر رکھنے والا ہے۔

[illegible] کے سوا کوئی کھول نہیں سکتا. جو انہیں بھلائی عطا کرے تو کوئی [illegible] کے نور میں حکمت بھی موجود ہوتی ہے اور اسے ہر حال [illegible] اور ان کے ماضی، حال اور مستقبل کی پوری [illegible]

[illegible] کے نور میں حکمت و خبر دونوں موجود ہوتے ہیں۔

[illegible]

فرما دیجئے سب سے بڑی شہادت کس کی ہے۔ فرما دیجئے اللہ میرے اور تمہارے مابین گواہ ہے، اور مجھ پر یہ قرآن وحی فرمایا گیا ہے کہ تمہیں اس سے ڈر سناؤں اور جس کو یہ پہنچے۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے بھی معبود ہیں۔ فرما دیجئے میں یہ گواہی نہیں دیتا. فرما دیجئے وہ معبود تو ایک ہی ہے اور میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

[illegible] بڑی شہادت اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ جو ہر حال کی خبر رکھنے والا [illegible] ہے۔ جو اس گواہی کو مان لے اس کے عمل میں روشنی کا آنا ضروری [illegible] کہ اللہ میرے اور تمہارے مابین گواہ ہے۔ حضور اکرم [illegible] کہ حضور کی زبان پاک سے اور آپ کے بعد شاہدین سے یہ [illegible] سے قرآن کی اس وقت کوئی راہ نہیں ہوگی اور انہیں ان کے اعمال کی پوری [illegible] شریک ٹھہراتے ہیں انہیں یہ پوچھنا چاہئے. کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے [illegible] یہ گواہی بے حقیقت ہوتی ہے۔ مشرکین سے اس سوال کے بعد [illegible] ساتھ کوئی شریک نہیں ہے. وہی معبود ہے. وہی عالمین کو علم سے پالنے والا ہے، [illegible] جن کو تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو. میں ان سے بیزار ہوں کہ تمہارے [illegible] خیال ہیں اور جن سے تعلق رکھتے ہیں۔

[illegible] کی شہادت ہی سب سے بڑی شہادت ہے۔ وہی شاہد و مشہود کے مابین گواہ

ہوتا ہے۔ تبلیغ حق کا منشاء انجام سے آگاہی ہے۔ مشرکین سے یہ پوچھنا چاہئے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ پھر خود یہ گواہی دینی چاہئے کہ معبود وہی ہے جو لاشریک ہے اور میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ آپ کو پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو خسارے میں ڈال چکے ہیں تو وہ ایمان نہیں لاتے۔

یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے انبیاء سابقین کی تعلیمات کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہچانتے ہیں اور یہ پہچان اس یقین کے مماثل ہے۔ جو بہت سے مشرکوں میں سے کسی کو اپنے بیٹے کو پہچانتے وقت ہوتا ہے۔ اپنے بیٹوں کی شکل، حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرتے کرتے یہ مقام بھی آتا ہے کہ انہیں دور سے پہچاننا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ انبیاء سابقین نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں اس قدر روشن نشانیاں بیان فرمائی تھیں کہ اب اہل کتاب کے لئے خاتم النّبیین کے بارے میں کسی شک میں پڑنا ممکن ہی نہیں۔ مگر جو لوگ حق کے مقابل اپنی خواہشات کو مانتے ہوں، انہیں یہ طلب ہوتی ہے کہ حق ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو خسارے میں ڈال چکے ہوتے ہیں اور وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔

حاصل : اہل کتاب انبیاء سابقین کی تعلیمات کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پوری طرح پہچانتے ہیں۔ ایمان اس لئے نہیں لاتے کہ حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی طلب رکھتے ہیں۔ اس کا انجام خسارہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص میں ارشاد فرمایا ہے۔ فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر قیامت تک دن ہی رکھے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہیں رات لادے جس میں آرام کر سکو۔ تو کیا تم دیکھتے نہیں۔ (72) اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن ٹھہرائے کہ رات کو آرام کرو اور دن میں اللہ کا فضل ڈھونڈو اس لئے کہ تم شکر کرو۔(73) اور جس دن انہیں ندا کرے گا۔ پھر فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔ (74)

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور ہر گروہ میں سے ہم ایک گواہ نکال کر فرمائیں گے، اپنا برہان لاؤ، تو جان لیں گے کہ حق اللہ ہی کا ہے اور ان سے وہ افتریٰ جو وہ کرتے تھے گم ہو جائے گا۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے، بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ پر کذب سے افتریٰ باندھنا یہ ہے کہ اس وحدہٗ لاشریک کے متعلق اپنے گمان کو حق جان لیا جائے اور اللہ نے اس کے کہنے کی سند نازل نہ فرمائی ہو۔ یہ سب سے بڑا ظلم ہے کہ جس کی قدرت کا احاطہ ممکن نہ ہو اس کو تعین میں لانے کی کوشش کی جائے۔ جب اس کی نشانیاں سامنے آئیں اور یہ واضح ہو رہا ہو کہ پیغام لانے والا بھی سچا ہے، اس کا لایا ہوا پیغام بھی حق ہے، پھر اس کا انکار کر دیا جائے محض اس لئے کہ داعی کا طریقِ زندگی سننے والے کی پسند کے خلاف ہے، تو یہ بھی بڑے ظلم کی بات ہے۔ ظالم فلاح نہیں پاتے۔ حیات دنیا میں اسے خوف و حزن گھیرے رکھتا ہے۔ آخرت میں اسے بڑا عذاب ملے گا۔

حاصل: اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والا اظلم ہوتا ہے۔ اس کی نشانیوں کو جھٹلانے والا بھی اظلم ہوتا ہے۔ ظلم کرنے والے کو حال پر خوف و حزن گھیرے رکھتا ہے۔ آخرت میں اسے عذاب کی مار پڑے گی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝

اور جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے، پھر مشرکوں سے فرمائیں گے، کہاں ہیں تمہارے شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔

[illegible] کہ ان کے معبود آخرت میں ان کے کام آئیں گے۔ قیامت کے دن جب سب کو اکٹھا کیا جائے گا [illegible] شرک کرنے والوں [illegible] کہاں ہیں تمہارے شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔ جو حال پر [illegible] آخرت میں [illegible]۔ اپنے بنائے ہوئے معبود نہ حال پر کسی کام کے ہوتے ہیں، نہ آخرت میں کسی کام کے ہوں گے۔

حاصل: اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والے مشرکین سے حشر کے دن فرمایا جائے گا، کہاں ہیں تمہارے شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔ جو حال پر نتائج کا مالک ہے، وہی آخرت میں جزا دینے والا ہے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾

پھر ان کا کچھ فتنہ نہ رہا سوائے اس کے کہ بولے ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا ربّ ہے،

ہم مشرک نہیں تھے۔

مشرکین کو جب مرسلین کی صداقت قیامت کی صورت میں نظر آئے گی تو انہیں اپنے زعم کے باطل ہونے کا یقین ہو جائے گا۔ پھر ان سے کوئی بات بن نہ پڑے گی اور وہ اپنے باطل عقائد سے ہی منکر ہونے کی قسم کھالیں گے۔ مگر وہاں تو دعویٰ کافی نہیں ہو گا، اور اعمال نامہ اس دعوے کے ابطال کو ثابت کر دے گا۔

حاصل : قیامت کے دن مشرکین سے سوائے اپنے عقائد سے انکار کے، کچھ بن نہ پڑے گا۔ جس عقیدے سے آخرت میں انکار ناگزیر ہو اس عقیدے کو حال پر چھوڑ دینے میں ہی عافیت ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

دیکھو اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا اور گم گئے ان سے جو افترٰی وہ گھڑتے تھے۔

انجام کو دیکھ کر مشرک جب اپنے عدم شرک پر قسم کھالیں گے تو یہ اپنے آپ پر جھوٹ باندھنے والی بات ہو گی اور جو افترٰی وہ حیاتِ دنیا میں گھڑتے ہیں ان کا کہیں پتہ نشان نہ ملے گا۔ جو عقائد حقائق کے خلاف ہوں، وہ نہ حال پر کسی کو فائدہ دے سکتے ہیں، نہ آخرت میں کوئی فائدہ دے سکیں گے۔

حاصل : جس انجام سے آگاہی ہو گئی ہو اور وہ مطلوب نہ ہو تو اس انجام سے بچنے کی کوشش ابھی کرنی چاہیے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور ان میں سے کچھ تمہاری طرف کان لگائے رکھتے ہیں، اور ہم نے ان کے قلوب پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ نہ سمجھیں، اور ان کے کانوں میں بوجھ۔ اور اگر سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی ایمان نہ لائیں گے۔ حتیٰ کہ جب تم سے مجادلہ کرنے کو آتے ہیں تو کافر کہتے ہیں، یہ تو نہیں مگر پہلوں کی کہانیاں۔

جو لوگ حق و صداقت کی روشن نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود حق سنانے والے کی بات کو عیب جوئی اور اعتراض کرنے کی

غرض سے سنتے ہیں وہ ماننے کے لئے نہیں سنتے۔ حق سے اعراض کی بدولت ان کے قلوب پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ سمجھانے والے سے محبت نہ ہو تو اس کی بات کو سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔ جہاں قلب پر پردہ پڑ جائے وہاں کانوں میں ایسا بوجھ پڑ جاتا ہے کہ حق سنائی ہی نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کے سامنے اگر حق کی صداقت کو واضح کرنے والی سب نشانیاں بھی رکھ دی جائیں، تو وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔ وہ تو اپنی خواہشات کی پرستش کرتے ہیں۔ جو باتیں ان کی خواہشات کے خلاف ہوتی ہیں، ان کا انکار کر دیتے ہیں، اور انہیں پہلوں کی کہانیاں کہہ کر پہلو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس بیان میں عبرت موجود ہو اور اسے پہلوں کی کہانیاں کہہ کر اعراض کر لیا جائے، تو اعراض کرنے والوں پر خسارے کو محیط ہوتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : عیب جوئی کرنے والے بھی سنتے ہیں، مگر انہیں سمجھانے والے سے محبت نہیں ہوتی اس لئے ان کے قلوب پر خواہشات کے پردے پڑ جاتے ہیں اور انہیں سمجھ نہیں آیا کرتی۔ کان اپنی پسند کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔ جہاں رخ ہی خیر کو قبول کرنے کا نہ ہو، وہاں سب نشانیاں دیکھ کر بھی ان کا انکار ہی کیا جاتا ہے اور بیان حق کو پہلوں کی کہانیاں کہہ کر پہلو تہی کی جاتی ہے۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

اور وہ اس سے روکتے ہیں، اور اس سے بھاگتے ہیں، اور اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں۔

حق کو سننے اور ماننے والوں کو روکنا، اور اسے قبول کرنے سے بھاگنا ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔ اگر اس بات کا شعور ہو تو ہلاکت سے بچنے کی کوشش لازم ہے۔ جس راہ پر پہلے چلنے والے ہم سے زیادہ قوت رکھتے تھے، زیادہ متاع رکھتے تھے، اس کے باوجود ان کی نافرمانی کی بدولت ان پر ہلاکت وارد ہوئی، اسی راہ پر چلتے ہوئے سابقہ واقعات سے سبق نہ لینا بڑی بے شعوری کی بات ہے۔

حاصل : حق کو ماننے سے دوسروں کو روکنا اور خود اس سے بھاگنا بے شعوری کے ساتھ ہلاکت کو گلے لگانے والی بات ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ وُقِفُوا۟ عَلَى ٱلنَّارِ فَقَالُوا۟ يَـٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِـَٔايَـٰتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾

اور کبھی تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کئے جائیں گے، تو پکاریں گے۔ اے کاش ہمیں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے ربّ کی آیات کی تکذیب نہ کریں اور ہم مومنین سے ہوں۔

حق کا مذاق اڑانے والے، دوسروں کو حق سے روکنے والے اور خود اس سے دور بھاگنے والے جب عذاب کے سامنے

کھڑے کئے جائیں گے تو اس وقت پکاریں گے۔ اے کاش عمل کے لئے دی گئی مہلت ہمیں لوٹا دی جائے، تو ہم اپنے ربّ کی نشانیوں کو کبھی نہ جھٹلائیں، اور ان سے اسی طرح فائدہ اٹھائیں جیسے مومنین ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس وقت ان کے پکارنے سے انہیں کچھ حاصل نہ ہو گا۔

حاصل : عمل کے لئے دیے گئے وقت کو، وقت دینے والے کی منشاء کے مطابق استعمال کرنا ہی افسوس سے بچنے کی صورت ہے۔ آخرت میں افسوس کچھ فائدہ نہ دے گا۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

بلکہ ان پر کھل گیا جو اس سے قبل چھپاتے تھے، اور اگر لوٹا دیے جائیں تو پھر بھی وہی کام کریں گے جس سے منع کئے گئے تھے، اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

دوسروں کو حق سے روکنا اور خود اسے قبول کرنے سے بھاگنا جن کا طریق زندگی ہوتا ہے، وہ ہمیشہ ان باتوں کو چھپاتے رہتے ہیں جن سے اصلاح اعمال کی ترغیب ملتی ہو اور انجام سے آگاہی ہوتی ہو اور خواہشات کے مقابل حقائق کی اہمیت روشن ہوتی ہو۔ جب ایسے لوگوں کو عذاب کے سامنے لایا جائے گا تو جن باتوں کو یہ چھپایا کرتے تھے وہ ان پر کھل جائیں گی۔ اس وقت یہ لوٹائے جانے کی بڑی طلب رکھیں گے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ناصحین سے محبت نہ ہو تو ایمان قلب میں داخل نہیں ہوتا، اعمال کا صالح ہونا تو اگلا مقام ہے۔ اس لئے اس خوفناک انجام کو دیکھ کر بھی ان کی اصلاح نہیں ہو گی۔ اگر لوٹا دیئے جائیں تو پھر بھی یہ وہی کریں گے جس سے منع کئے گئے تھے۔ منع کرنے والے سے محبت ہو تو جھوٹ سے نجات ممکن ہوتی ہے۔

حاصل : جھوٹ تبھی وجود سے رخصت ہوتا ہے جب سچے سے محبت ہو جائے۔ دھوکا دینے والے یہاں بھی جھوٹے ہیں، آخرت میں بھی جھوٹے ہوں گے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور کہنے لگے ہمارے لئے تو دنیا کی زندگی ہی ہے اور ہمیں اٹھنا نہیں۔

بعث بعد الموت کا انکار، خواہشات کے اتباع کی طرف رغبت دلانے کے لئے بہت ضروری ہوتا ہے اس لئے کافر ہمیشہ سے موت کے بعد جزا کے لئے اٹھائے جانے کا انکار کرتے رہے ہیں۔ حیاتِ دنیا جس کی عطا ہے، حیاتِ آخرت بھی اسی کی طرف سے ہو گی۔ حیاتِ دنیا میں بھی عدم سے وجود بنتا ہے، اسی بنانے والے کی قدرت موت کے بعد اٹھانے پر بھی بالکل قادر ہے۔

حاصل : جس نے پہلے عدم سے وجود بنایا ہے، اس کو دوبارہ بنا کر اٹھانا آسان ہے۔ حیاتِ آخرت کا انکار حیاتِ دنیا کو نہ جاننے کی بناء پر ہوتا ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾

اور کبھی تم دیکھو جب اپنے ربّ کے سامنے کھڑے کیئے جائیں گے۔ فرمائے گا کیا یہ حق نہیں۔ عرض کریں گے کیوں نہیں، ہمیں اپنے ربّ کی قسم۔ فرمائے گا تو چکھو عذاب اس لئے کہ تم کفر کرتے تھے۔

جس انجام سے لوگوں کو حیاتِ دنیا میں آگاہ کر دیا جاتا ہے، کافروں کو اس کے سامنے کھڑا کر کے پوچھا جائے گا، کیا یہ حق نہیں۔ وہ عرض کریں گے، ہمیں اپنے رب کی قسم یہ ضرور حق ہے۔ فرمایا جائے گا تو پھر تم اپنے کفر کا بدلہ، یہ عذاب چکھو۔ اللہ تعالیٰ اپنے مرسلین کی صداقت کو منوا کر ہی کافروں کو عذاب کرے گا۔ جس عذاب کے سامنے کھڑے کیئے جانے سے بچ جانا محال ہو اور جس حقیقت کو عمل کے لئے دی گئی مہلت میں ہی تسلیم کرنا فائدہ دے اسے تسلیم کرنے میں دیر کرنا اچھا نہیں ہوتا، کہ اس طرح توفیق بھی ختم ہو جاتی ہے، مہلت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

حاصل : جس عذاب سے آخرت میں بچنا ممکن نہ ہو گا، اس سے بچنے کی کوشش ابھی کرنی چاہیئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور میں ارشاد فرمایا ہے۔

لَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ ۚ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٤٦﴾

بے شک ہم نے صاف بیان کرنے والی نشانیاں نازل فرمائیں، اور اللہ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۚ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٣١﴾

بے شک خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا، حتیٰ کہ ساعت ان پر اچانک آ گئی۔ پکارنے لگے، ہائے ہمیں حسرت ہے کہ ہم نے اس میں تفریط کی، اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہیں۔ خبردار کتنا بُرا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

جو لوگ حیاتِ دنیوی کے بعد حیاتِ اخروی کا انکار کرتے ہیں، وہ جزا دینے والے سے ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔ جزا

دینے والا مالکِ کل ہے۔ اس نے جو توفیق حیات دنیا کے ساتھ دی ہے، یہ دیکھنے کے لئے دی ہے کہ کون اس کے فرمان کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور کون اس کے فرمان کے خلاف کرتا ہے۔ جو معطئ مطلق کے فرمان کے خلاف کرتا ہے، وہ یقیناً خسارے میں ہے کہ جو کچھ وہ حیات دنیا میں چاہتا ہے اسے ملتا تو باذن اللہ ہی ہے البتہ آخرت کے انکار سے اس کے اعمال بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے روز ان لوگوں کو بڑی حسرت ہوگی اور اپنے رویئے پر بڑا تاسف ہو گا۔ مگر یہ حسرت اور افسوس بے وقت ہو گا، کہ اس وقت عملاً اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ ہر ایک کے اعمال اس کے ساتھ جائیں گے۔ کافر اپنے اعمال کا حاصل اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہوں گے۔ یہ بوجھ بہت برا ہو گا کہ بہت زیادہ بھی ہو گا اور یہی ان کے جلانے کا سامان بھی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہو گا۔

حاصل : اللہ سے ملنے کا انکار بڑا خسارہ ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کے بعد اپنی تقصیر کا پتہ کافر کے لئے باعث تاسف و تحسر ہو گا۔ کافر اپنی پیٹھ پر اپنے جلانے کا سامان لادے ہوئے ہوں گے۔ جو بوجھ کسی کو ایسے دکھ میں مبتلا کر دے، جس کا دور کرنا بھی ممکن نہ ہو، وہ بوجھ بہت بُرا بوجھ ہوتا ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور حیاتِ دنیا تو نہیں مگر کھیل کود۔ اور تقویٰ کرنے والوں کے لئے دار آخرت بہتر ہے۔ تو کیا عقل نہیں کرتے۔

حیات دنیا کو اگر وقتی خوشی پر ہی ختم کر لیا جائے تو یہ کھیل کود میں عمر گزار دینے کے مترادف ہے۔ آخرت کے انکار سے صرف وقتی خوشی ہی حاصل ہو سکتی ہے، اس کے بعد خسارہ ہی خسارہ رہ جاتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہے کہ وہ دارِ آخرت کو سامنے رکھتے ہیں اور اعمال کی جزا کا یقین رکھتے ہیں۔ جزا دینے والے کی رضا ملحوظ ہو تو دارِ آخرت کی بہتری معلوم ہوتی ہے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جزا دینے والے کے ڈر سے کوئی حیات دنیا میں غافل نہ ہو۔

حاصل : حیاتِ دنیا کو وقتی خوشیوں کی نذر کر دینا عقل کی بات نہیں۔ جزا دینے والے کا ڈر ہر مقام پر ساتھ رہنا چاہئے۔ متقین کو دارِ آخرت میں دائمی خوشی حاصل ہو گی، ان کے لئے اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

ہمیں علم ہے کہ ان کی باتیں تمہیں حزن دیتی ہیں، تو وہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے ولیکن ظالم اللہ کی نشانیوں کا انکار

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ کافروں کی باتیں حق پہنچانے والے کے لئے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ شاہد کو جھٹلانا، اللہ کی شخص کا عمدا انکار ہوتا ہے۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار ظالم لوگوں کا طریقِ زندگی ہے۔

حاصل : کافروں کی باتیں حق پہنچانے والے کے لئے تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار ظالم لوگوں کا طریقِ زندگی ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور تم سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی گئی تو انہوں نے اس تکذیب اور ایذا پر صبر کیا، حتیٰ کہ انہیں ہماری نصرت ملی۔ اور اللہ کے کلمات کوئی بدلنے والا نہیں، اور مرسلین کی خبریں تمہیں پہنچ چکی ہیں۔

مرسلین کو جھٹلانا کافروں کا اصولِ زندگی رہا ہے۔ پہلے بھی یہ لوگ اللہ کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے ہیں اور انہیں ایذا دیتے رہے ہیں۔ ان کی کوشش یہ رہی ہے کہ اللہ کے رسول مع اپنے ساتھیوں کے، کافروں کی ملت میں لوٹ آئیں۔ مرسلین نے ہمیشہ ان کی تکذیب وایذا پر صبر کیا ہے، اور انہیں ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ منکر عذاب میں گرفتار کر لئے گئے اور اللہ کے رسول مع ساتھیوں کے فلاح پانے والے ہوئے۔ اللہ کے کلمات بدلا نہیں کرتے۔ اس کا فرمان ہو کر رہتا ہے۔ پہلے مرسلین کا انکار کرنے والے جس انجام کو پہنچ چکے ہیں، اب بھی منکر اسی انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔ پہلے مرسلین کی خبریں تو صریحاً پہنچ چکی ہیں۔ اس لئے اگر کوئی حق کے انکار کی راہ کو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو وہ اس انجام سے بھی آگاہ رہے جس سے پہلے مکذبین بچ نہیں سکے۔

حاصل : تبلیغِ حق کرنے والوں کو تکذیب وایذا پر صبر کرنا چاہئے۔ اللہ کی مدد آنے تک اپنا حق ادا کرتے رہنا چاہئے۔ حق کا انکار کرنے والے عذاب میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنا بہت ضروری ہے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ

اور اگر ان کا اعراض کرنا تم پر گراں ہے، پھر تمہیں استطاعت ہے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ، تو

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ | کرتے ہیں۔

[illegible] ہے۔ کافروں کی باتیں حق پہنچانے والے کے لئے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ شاہد کو جھٹلانا، اللہ کی [illegible] ہے۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار ظالم لوگوں کا طریقِ زندگی ہے۔

حاصل : کافروں کی باتیں حق پہنچانے والے کے لئے تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار ظالم لوگوں کا طریقِ زندگی ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور تم سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی گئی تو انہوں نے اس تکذیب اور ایذا پر صبر کیا، حتیٰ کہ انہیں ہماری نصرت ملی۔ اور اللہ کے کلمات کوئی بدلنے والا نہیں، اور مرسلین کی خبریں تمہیں پہنچ چکی ہیں۔

[illegible] ہے۔ پہلے بھی یہ لوگ اللہ کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے ہیں اور انہیں ایذا دیتے رہے ہیں۔ [illegible] کہ اللہ کے رسول اپنے ساتھیوں کے کافروں کی ملت میں لوٹ آئیں۔ مرسلین نے [illegible] ایذا پر صبر کیا ہے۔ اور انہیں ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ منکر عذاب میں گرفتار کر لئے گئے اور [illegible] والے ہوئے۔ اللہ کے کلمات بدلا نہیں کرتے۔ اس کا فرمان ہو کر رہتا ہے۔ پہلے [illegible] ہیں۔ اب بھی منکر اسی انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔ پہلے مرسلین کی خبریں تو صریحاً [illegible] کرتا ہے تو وہ اس انجام سے بھی آگاہ رہے جس سے پہلے مکذبین [illegible]

حاصل : حق [illegible] کرنے والوں کو تکذیب و ایذا پر صبر کرنا چاہئے۔ اللہ کی مدد آنے تک اپنا حق ادا کرتے رہنا چاہئے۔ حق کا انکار کرنے والے عذاب میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنا بہت ضروری ہے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ

اور اگر ان کا اعراض کرنا تم پر گراں ہے، پھر تمہیں استطاعت ہے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ، تو

بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

ان کے لئے نشانی لے آؤ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا۔ تو تم جاہلوں سے نہ ہو۔

النصف

لوگوں کی بھلائی چاہنا صاحبانِ حق کی شان رہی ہے اور رہے گی اس لئے ان کے اعراض سے بھلائی چاہنے والوں کو دکھ ضرور ہوتا ہے۔ شاہدین کو اللہ تعالیٰ اس دکھ میں دیکھ کر فرماتا ہے کہ تمہیں کافروں کے منہ پھیرنے سے دکھ ہوتا ہے تو اس صورت حال سے بچ سکنے کی استطاعت کو دیکھو۔ تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرو یا آسمان میں زینہ، پھر ان کے لئے نشانی لے آؤ۔ یہ لوگ جو موجودہ نشانیوں کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے، ان کو کسی نشانی سے بھی ایمان نصیب نہ ہو گا۔ اگر اللہ خواہش کی پیروی کے امکان کو ختم کر دیتا تو بھی لوگ سیدھی راہ پر رہتے۔ مگر اللہ نے یہ نہیں چاہا، بلکہ اس نے یہ چاہا ہے کہ جو حق کے اتباع کی سعی کرے اسے اس کی اطاعت شعاری کا انعام دیا جائے اور جس نے اپنی خواہش کی پیروی سے گمراہی کی راہ لی ہو، اسے اس کی نافرمانی پر سزا دی جائے۔ اس لئے مشیتِ ایزدی کو دیکھنا حق ہے۔ اگر اپنا حق ادا کیا جا چکا ہے اور حکمِ خداوندی پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس کا عملی نمونہ بھی دکھا دیا گیا ہے تو اس طریقِ زندگی سے راحت پانے والے شاہد ہوتے ہیں کہ انہیں خوف و حزن سے نجات مل گئی ہے۔ پھر اگر کوئی حق سے اعراض کرتا ہے، تو اس کے لئے نشانیوں کے دیکھ لینے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی طلب کی ہوئی نشانیاں بھی اس کے سامنے آجائیں گی تو انہیں جادو کہہ کر وہ منہ پھیر جائے گا۔

حاصل : حق سے اعراض کرنے والوں کی خواہشات کے مطابق نشانیاں دکھانے سے، انہیں کبھی فائدہ ہوا ہے، نہ ہو گا۔ اس لئے شاہدین، لاحاصل کوشش کو جہالت جانتے ہیں۔ شاہدین، اصلاح کے امکان کی حد کو خوب جانتے ہیں اور اسی حد تک ان کی کوشش جاری رہتی ہے۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

مانتے تو وہی ہیں جو سنتے ہیں۔ اور اللہ مُردوں کو اٹھائے گا، پھر اس کی طرف مراجعت کریں گے۔

۱- وقف غفران ۲- وقف منزل

سننے کا حق یہ ہے کہ سنانے والے کی صداقت کا اعتراف ہو، صادق کی بات میں کسی جگہ تضاد کا خیال بھی نہ آئے، سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو اپنی مشکل کو اس طرح بیان کیا جائے کہ سنانے والے کا ادب ملحوظ خاطر رہے اور اپنی پیدائش کی مقصدیت کا یقین ایسا ہو کہ معبودِ لاشریک کی رضا مقصود ہو اور خوف و حزن سے نجات مطلوب ہو۔ ایسے سننے والے ہی مانتے ہیں۔ کافر حیات دنیا میں اپنی خواہشات کے ساتھ اس قدر جڑے ہوئے ہیں کہ یہ جزا سے بالکل غافل ہیں۔ جس دن ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اس دن انہیں مرسلین کی صداقت کا بڑا یقین ہو گا۔ مگر یہ یقین تو عمل کی صحت کے لئے مددگار تھا اور عمل ہو چکا ہے۔ تب اس یقین سے صرف حسرت ہی پیدا ہو سکے گی۔ اللہ سے ملنے کا انکار کرنے والوں کو جب اس کی طرف لوٹنا پڑے گا، تو انہیں بڑا تاسف ہو گا۔

حاصل : ہدایت وہی ہے جو سنتا ہے۔ جزا کا منکر قیامت کے دن مانے گا مگر اس وقت اس کا ماننا اسے فائدہ نہیں دے گا۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

اور کہتے ہیں اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی۔ فرما دیجئے اللہ نشانی نازل کرنے پر قدرت رکھتا ہے، لیکن وہ اکثر لاعلم ہیں۔

جو نشانی کافروں کی طرف سے طلب کی جائے، اس نشانی کے نازل کرنے کی اللہ یقیناً قدرت رکھتا ہے مگر اس نشانی کے انکار کے ساتھ ہی کافروں کی جڑ کا کٹ جانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جو نشانیاں کافروں کے سامنے ہیں، ان سے اگر رجوع الی اللہ ہونے میں مدد نہیں لی جا رہی، تو بھی فلاح کا راستہ ضرور کھلا ہوتا ہے۔ مگر اپنی مطلوبہ نشانی کو پا کر اس کا انکار کر دیا جائے تو پھر راستہ بند ہو جاتا ہے۔ کافروں کو یہ علم نہیں کہ ان کی طلب انہیں ہلاکت کے گڑھے کی طرف دھکیل رہی ہے۔

حاصل : کافروں کی مطلوبہ نشانی نازل ہو جائے تو پھر انکار کی صورت میں ان کی جڑ کٹتے دیر نہیں لگی۔

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾

اور زمین میں کوئی چلنے والا نہیں اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے دو پروں پر اڑتا ہے مگر تمہاری مثل امتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں چھوڑی۔ پھر وہ اپنے رب کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ جس مقصد کے لئے کسی شے کو پیدا کیا گیا ہے، اس مقصد سے اعراض وانحراف اس شے کے بس میں نہیں ہوتا۔ زمین میں چلنے والے جانور ہوں یا پرندے، اپنی اپنی نوع میں ایک اجتماعی زندگی بھی رکھتے ہیں۔ ان میں بھی ہر فرد کا کام ایک جیسا نہیں ہوتا بلکہ ان کی اجتماعی زندگی میں کام اس طرح تقسیم کر دیا گیا ہے کہ لوازمات زندگی کے اہتمام کے ساتھ بقاء نسل کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔ ساتھیوں کی حفاظت بھی ہر امت کے کچھ افراد کے ذمے ہوتی ہے۔ جیسے ایک چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں کو دیکھ کر کہا یَا أَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ ۔ اے چیونٹیو اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، کہیں بے خبری میں تمہیں لشکر کچل نہ دیں۔ اب اگر جانوروں کو دیکھا جائے تو ان کی زندگی میں ایسی نشانیاں موجود ہیں، جن پر نظر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، علم مطلق، قدرت کاملہ اور ہر نوع کی مقصدیت کا پتہ لگتا ہے۔ اس پتے کے بعد اپنے

منشاء زندگی کو ماننے کے لئے مزید نشانیوں کی طلب نہیں رہ جاتی۔ قرآن پاک میں مثالیں بیان فرمانے سے حقائق کو واضح کرنا مقصود ہے، اور اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ وہ تمام جزا پانے والے جن کے سامنے مرسلین نے بشارت و انذار کا حق ادا کر دیا ہے، اپنے رب کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے۔ جانوروں کو انسان کے لئے بنایا گیا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس لئے کسی جانور کو اس کے عمل کی پوچھ نہیں ہوگی۔ جہاں منشاء تخلیق سے اعراض کا مقام ہی موجود نہ ہو، وہاں کسی گرفت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

حاصل : زمین میں چلنے والے جانور ہوں یا پرندے، ہر نوع میں انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعیت بھی صاف نظر آتی ہے۔ منشاء تخلیق کو پورا کرتے ہوئے اور کبھی کوتاہی نہ کرتے ہوئے جانوروں کو دیکھ کر، انسان کو اپنے منشاء تخلیق پر نظر کرنی چاہئے اور جزا کے یقین کے ساتھ اپنے اعمال کی اصلاح کی راہ لینی چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی وہ ظلمات میں بہرے اور گونگے ہیں۔ اللہ جسے چاہے گمراہ کرے، اور جسے چاہے صراطِ مستقیم پر ڈال دے۔

جو لوگ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں، وہ اللہ سے ملنے کا انکار کرتے ہیں۔ اپنے منشاءِ حیات کی بات سننا نہیں چاہتے۔ ان لوگوں کی زندگی میں ایسا اندھیرا ہوتا ہے کہ ان کے ہر عمل پر بے یقینی کا احاطہ ہوتا ہے۔ حق بیان کرنے والے سے عدم تعلق بھی اس کی تکذیب کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ جہاں یہ پتہ نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہئے، وہاں ظلمات ہے۔ جہاں حق بیان کرنے والے کی بات کو سنا ہی نہ جائے وہاں بہرا پن ہے۔ اور جہاں اس سے سنا نہیں جائے گا، وہاں اس سے پوچھا بھی نہیں جاسکے گا، یہ گونگا پن ہے۔ یہ سب گمراہی کے لوازمات ہیں۔ جو اپنے منشاء حیات کو جاننا چاہے وہ سنتا ہے۔ جہاں مزید روشنی درکار ہو وہاں اپنے شاہد سے پوچھتا ہے اور اپنے ناصح سے ایسی محبت رکھتا ہے کہ تعمیلِ ارشاد میں اس کی اپنی خواہشات حائل نہیں ہوتیں۔ ایسے مشہود کو اللہ حب النّاصحین کی بدولت صراط مستقیم پر ڈال دیتا ہے۔

حاصل : اللہ کی نشانیوں کا انکار، ظلمات میں ہونے کا، بہرے اور گونگے ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ جو اللہ کے محبوب کو نہیں چاہتا اسے گمراہی ملتی ہے، جو اللہ کے محبوب کو چاہتا ہے، اسے سیدھی راہ ملتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ

فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا تم پر ساعت آجائے تو کیا غیر اللہ

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٠﴾ کو پکارو گے، اگر تم سچے ہو۔

منشاء حیات کا انکار کرنے والے اگر اپنے اعمال کی بدولت عذاب میں پکڑے جائیں تو اس سے بھاگ جانا ان کے بس میں نہ ہو گا۔ اور اگر ان پر قیامت آجائے تو بھی یہ اسے روک نہیں سکیں گے۔ اس وقت کیا یہ ان معبودوں کو پکار سکیں گے جن کو یہ اب پوجتے ہیں اور اگر اس وقت ان معبودوں کو پکارنا ممکن نہ ہو گا تو پھر ان کے انکار کا صحیح وقت یہی ہے جو حال پر میسر ہے۔

حاصل : جس تعلق کے انجامِ بد کو روکنا ممکن نہ ہو، اس تعلق کو فوراً ختم کر دینا ضروری ہے۔

بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِن شَاءَ وَتَنسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿٤١﴾ ع

بلکہ اسی کو پکارتے ہو، پھر وہ اگر چاہتا ہے تو جس کے لئے اسے پکارتے ہو اسے کھول دیتا ہے، اور تم بھول جاتے ہو جن کو شریک ٹھہراتے تھے۔

حیاتِ دنیا میں اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو تم اللہ ہی کو پکارتے ہو کسی اور کو پکارنا اس وقت ممکن ہی نہیں ہوتا۔ وہ اگر چاہے تو مصیبت کو کھول دیتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ ہمیں رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دینے کے لئے حیاتِ دنیا میں عذاب بھی کرتا ہے۔ جو قدرتِ الٰہی کے احاطے کو دیکھ کر اور اپنے عجز کو جان کر رضائے الٰہی کی راہ کو اختیار کرے وہ فلاح پا جاتا ہے۔ مصیبت کے وقت ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ جن کو لوگ اللہ کا شریک بتاتے ہیں، وقتِ مصیبت انہیں بالکل بھول جاتے ہیں۔ جب حیاتِ دنیا میں مصیبت کے وقت اللہ کے سوا کسی کو پکارنا ممکن نہیں ہوتا تو حیاتِ آخرت میں اپنی حیثیت کو سمجھنا بالکل آسان ہے۔

حاصل : حیاتِ دنیا میں مصیبت کے وقت مشرکین کو وہ سب بھول جاتے ہیں جنہیں وہ اللہ کا شریک جانتے ہیں۔ آخرت میں انہیں غیر اللہ سے کیا فائدہ ہو گا۔ انسان کے اپنے تجربات میں اس کے سمجھنے کے لئے اللہ نے [illegible] رکھا ہوا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (16) میں ارشاد فرمایا ہے۔ اور شرک کرنے والے قیامت کے دن جب اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب یہ ہیں، ہمارے وہ شریک جن کو تیرے مقابل ہم پکارتے تھے۔ تو وہ ان پر بات پھینکیں گے کہ تم بے شک جھوٹے ہو۔

وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾

اور اس دن عاجزی سے اللہ کی طرف گریں گے اور گم ہو جائیں گے ان سے جو بناوٹیں وہ کرتے تھے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ اور بے شک ہم نے تم سے قبل امتوں کی

فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

طرف (رسول) بھیجے۔ پھر انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ گڑگڑائیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے امم سابقہ میں یہی ہوا ہے کہ ان کی طرف بھی رسول بھیجے گئے۔ انہوں نے ان مرسلین کو جھٹلایا اور ان کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو لاشریک نہ مانا. بعث بعدالموت کا انکار کیا اور اپنی مرضی کے مطابق راہ عمل کا انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے راہ عمل کی حقیقت ان پر واضح کرنے کے لئے ان لوگوں کو سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ گڑگڑائیں۔ عذابِ اکبر سے پہلے عذاب ادنیٰ چکھانا اسی لئے ہوتا ہے کہ لوگوں کو رجوع الی اللہ ہونے میں مدد ملے۔ گڑگڑانا اس اعتراف کے ساتھ ہوتا ہے کہ قادرِ مطلق کی قدرت کے احاطے سے کچھ باہر نہیں ہے اور ہماری سختی اور تکلیف کو وہی دور کر سکتا ہے، ہم نے اس کی رضا کے خلاف کیا ہے، ہمیں اس پر ندامت ہے۔ اللہ کا کرم دیکھئے کہ ہر انسان کی زندگی میں اسے واضح طور پر اللہ کی قدرت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ پھر اگر وہ اپنے تضاد کو دور کرنے کی سعی نہ کرے تو اس کے اعمال صحیح نہیں ہوں گے۔

حاصل : گڑگڑانے سے اللہ کی قدرت کاملہ کا اعتراف اور اپنے ناقص اعمال پر ندامت کا اظہار ہوتا ہے۔ رجوع الی اللہ ہونے کے لئے حالات و واقعات کو مخصوص شکل دینا بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

تو کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر سختی آئی تو گڑگڑائے ہوتے. ولیکن ان کے قلوب تو سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو زینت دی۔

کافروں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے شیطان یہ بھی کرتا ہے کہ ان کے اعمال کو ان کی نگاہ میں بھلا کر کے دکھاتا ہے۔ جب ان پر سختی اور مصیبت کا مقام آتا ہے تو وہ گڑگڑانے کی بجائے، اظہار ندامت کی بجائے اور اپنی بے چارگی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے احاطے کو دیکھنے کی بجائے، اپنے اعمال کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ کس مقام پر کیا کمی رہ گئی ہے، یعنی نتیجہ کیوں حسب منشاء نہیں ہوا۔ اس مقام پر وہ اپنی خواہش کی تکمیل میں زیادہ زور لگانے لگتے ہیں۔ اس سے ان کے قلوب سخت ہو جاتے ہیں اور وہ اصلاح سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔ اگر سختی کے وقت گڑگڑاتے اور اپنی خواہشات کے مقابل اللہ کی رضا کا رستہ اختیار کرتے تو اس میں ان کی فلاح تھی۔

حاصل : جب منکرین حق سختی اور مصیبت میں پکڑے جاتے ہیں، تو شیطان ان کے اعمال کو ان کے سامنے ایسی زینت دے کر رکھتا ہے کہ انہیں اپنے اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے اعمال میں جہاں احتیاط کی کمی نظر آتی ہے، وہاں وہ مزید سخت ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اصلاح سے دور ہوتے رہتے ہیں۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿٤٤﴾

تو جب انہوں نے نصیحتوں کو بھلا دیا تو ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیئے۔ حتیٰ کہ جب انہیں اس پر فرحت ہوئی جو انہیں ملا۔ پھر ہم نے انہیں اچانک پکڑا تب وہ ناامید رہ گئے۔

جن لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ وہ نصیحتوں کو بھلا دیتے ہیں۔ شے والے کے مقابل انہیں شے عزیز ہوتی ہے اور یہ طلب اتنی شدید ہو جاتی ہے کہ انہیں کسی وقت بھی خوف و حزن سے نجات نہیں ملتی۔ پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر شے کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جس بات میں ان کے لئے فرحت ہوتی ہے وہی انہیں عطا ہو جاتی ہے۔ طلب اشیاء میں وہ اس قدر کھو جاتے ہیں کہ ان کو نصیحتوں سے کوئی رغبت ہی نہیں رہتی۔ پھر انہیں اچانک پکڑ لیا جاتا ہے۔ اب وہ خیر کو قبول کرنے کی [illegible] سے ناامید ہو جاتے ہیں۔

حاصل : [illegible] دیکھ کر فرحت کا اظہار [illegible] کے بعد اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ [illegible]

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٥﴾

تو ظلم کرنے والے لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور حمد اللہ ہی کی ہے جو ربّ العالمین ہے۔

اللہ تعالیٰ [illegible] اپنے اندر فلاح کی سند رکھتا ہے۔ جو اس کے فرمان کے خلاف کرتے ہیں وہ ظالم [illegible] حاصل کر کے فرحت پاتے ہیں تو ان ناقابل اصلاح [illegible] مٹ جاتے ہیں کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ اس میں دیکھنے اور سننے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو پالتا ہے اور اپنے علم سے پالتا ہے جو علمِ الٰہی کا انکار کرتے کرتے حد سے گزر جاتے ہیں ان کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ سلامتی تمام مقامات پر صرف اور صرف علمِ الٰہی میں ہی موجود رہتی ہے۔

حاصل : ظالم کی جڑ کاٹنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جب وہ حد اصلاح سے گزر جاتا ہے تو اللہ کو اس کی جڑ کاٹتے کوئی دیر نہیں لگتی۔ سلامتی تمام مقامات پر علم الٰہی میں ہی موجود رہتی ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُم

فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر اللہ تمہارے کان اور آنکھیں لے لے اور تمہارے قلوب پر

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہیں یہ لا دے۔ نظر کرو ہم کیسے کیسے نشانیاں بیان کرتے ہیں، پھر بھی وہ کنارہ کرتے ہیں۔

جو معطیٔ مطلق ہے وہ اپنی عطا کو واپس لے لے تو بھی اسے کوئی پوچھنے والا نہیں اور اسے عاجز کرنا بھی ممکن نہیں۔ کان آلہ سماعت ہونے کی وجہ سے بڑی نعمت ہے کہ کسی شے کی طرف راغب ہونے کے لئے اس کی صفات کا سننا ضروری ہے۔ سننا ہی ممکن نہ رہے تو اشیاء کی طرف رغبت کا ایک دروازہ بند ہو جائے گا۔ دیکھنے سے اشیاء میں امتیاز کرنا ممکن ہوتا ہے اور اس آلے سے بھی فرحت کے حصول میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اگر یہ آلہ ہی چھن جائے تو فرحت کا ایک دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور جب قلب پر مہر کر دی جائے تو وقتی فائدے اور دائمی فائدے کو سامنے پا کر وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر قربان کر دینے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ اس عطاء الٰہی کی بدولت ہی دنیا میں بڑائی کے دعوے ممکن ہوتے ہیں۔ اگر اللہ یہ نعمتیں واپس لے لے تو کون اس کے سوا لوٹانے پر قادر ہے۔ جب کوئی ایسا نہیں ہے تو پھر ان نعمتوں کو عطا کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے اور شکریہ یہی ہے کہ ان نعمتوں کو معطی کی منشاء کے مطابق تصرف میں لایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے یہ واضح فرمایا ہے کہ جن آلات کو تم نافرمانی کرتے ہوئے استعمال کر رہے ہو، یہ آلات اس قادر مطلق کی عطا ہیں جو ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ واپس لے لے تو تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ اس بات کو سن کر بھی اگر ان نعمتوں کے استعمال کے رخ میں تبدیلی نہیں آتی تو پھر یہ حق سے کنارہ کرنے والی بات ہے۔

حاصل : کان، آنکھ کی بدولت اشیاء میں امتیاز ممکن ہوتا ہے۔ قلب تقدیم و تاخیر کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر یہ نعمتیں چھن جائیں تو اللہ کے سوا کون لوٹا سکتا ہے۔ عطا کو معطیٔ مطلق کے منشاء کے مطابق استعمال کرنا حق ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک آئے یا کھلم کھلا تو ظالم لوگوں کے سوا کون ہلاک ہو گا۔

اللہ کا عذاب جب آتا ہے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں ہو سکتا۔ وہ اچانک آ جائے یا اس کی علامات پہلے ظاہر ہو رہی ہوں، آتا انہی پر ہے جو فرمانِ الٰہی کا مذاق اڑاتے رہے ہوں اور اس کو جھٹلاتے رہے ہوں۔ پہلے ظالموں کے ساتھ یہ ہو چکا ہے، اس لئے ظالموں کو اپنی ہلاکت کی خبر سے آگاہ رہنا چاہئے۔

حاصل : ظالموں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا کہ وہ توفیق کی موجودگی میں ظلم و عدوان سے بچ

جائیں۔ بہت ضروری ہے۔ انہیں یہ پتہ چل جائے کہ وہ ہلاکت کی طرف بڑھ رہے ہیں تو یقیناً وہ رک بھی سکیں گے اور اپنا رخ بھی بدل لیں گے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اور ہم مرسلین کو نہیں بھیجتے مگر بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے۔ تو جو ایمان لائے اور اصلاح لے تو ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

مرسلین کی شان یہی رہی ہے کہ وہ راہ فلاح اختیار کرنے والوں کو ان کے انجام خیر کی بشارت دیتے ہیں اور حق کی تکذیب کرنے والوں کو ان کے انجام بد سے ڈراتے ہیں۔ وہ بشارت و انذار کے وقوع پذیر ہونے پر شاہد ہوتے ہیں۔ جو ان سے محبت رکھے اسے ایمان لانے کا شرف ہوتا ہے۔ جو اپنی سوچ کو ان کے فرمان کے تابع رکھے وہ صالح ہو جاتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں ایسے لوگوں کو خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ آخرت میں یہی فلاح پانے والے ہیں۔

حاصل : بشارت و انذار کا حق ادا کرنے والے کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ جو ان سے محبت رکھے اسے ایمان لانے کا شرف ہوتا ہے۔ جو اپنی سوچ کو ان کے فرمان کے تابع رکھے وہ صالح ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی انہیں عذاب ملے گا، اس لئے کہ وہ فسق کرتے تھے۔

عذاب آیات الٰہی کی تکذیب سے ہے۔ حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کے مرتکب ہوں تو فاسق کہلاتے ہیں۔ فسق کرنے والے عذاب الٰہی کی طرف بڑھتے رہتے ہیں، حتی کہ عذاب انہیں ڈھانپ لیتا ہے۔ دنیا میں یہ عذاب خلوت کا درجہ رکھتا ہے۔ آخرت میں یہ جہنم کا درجہ رکھے گا۔

حاصل : حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرنے والے عذاب کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ فاسق کو ہدایت نہیں ملا کرتی۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ

فرما دیجئے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں

مَلَكٌ ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾

غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی آتی ہے۔ فرما دیجئے کیا اندھے اور دیکھنے والے برابر ہوں گے۔ تو کیا تم تفکر نہیں کرتے۔

بشارت وانذار کا حق ادا کرنے والے علمِ الٰہی رکھتے ہیں۔ علم الٰہی رکھنے والے کا مرتبہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اس کی زبان پاک سے بھی کبھی یہ نہیں نکلتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں کسی کی کمی دور کر سکتا ہوں۔ اگر خزانے تقسیم کرنا ہی مرسلین کی شان ہوتی تو مادی فوائد حاصل کرنے والوں کو حق کے انکار کی مجال ہی کہاں ہو سکتی تھی۔ مگر اس طرح وہ اپنی خواہشات سے مزید جڑ جاتے۔ اللہ کے رسول نے کبھی یہ تمہیں فرمایا کہ میں علم غیب رکھتا ہوں اور تمہیں تمہاری خواہش کے مطابق نفع و نقصان کی خبر دے سکتا ہوں جس کی بدولت تم نقصان سے بچتے رہو اور نفع حاصل کرتے رہو۔ ایسا ہوتا تو رسول کے انکار کے معنی تو مادی فائدے کا انکار تھا جو خواہش کی پیروی کرنے والوں کے لئے محال ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں فرشتہ ہوں اور بشریت سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ایسا ہوتا تو لوگوں کے سامنے اس زندگی کا نمونہ پیش کرنا محال تھا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ ہاں اللہ کے رسول نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جاتا ہے میں اس کا اتباع کرتا ہوں۔ اللہ کی رضا ہر مقام پر میرا مقصود ہوتی ہے۔ رضائے الٰہی کا علم رکھنے کے درجے میں شاہد کی حیثیت سے جو میں دیکھ رہا ہوں وہ دوسروں کو نظر نہیں آتا اور دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ تفکر کا مقام یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت سے اور اتباع سے، ماننے والے خوف و حُزن سے نجات پا جاتے ہیں، مکذبین چاہے جس درجے میں بھی ہوں، خوف و حزن ان پر محیط رہتا ہے۔

حاصل : مادی فوائد کا حصول اور اپنی خواہش کے مطابق نفع و نقصان کا علم ہی اگر کسی صاحب حق کے اتباع کی شرط ٹھہر جائے تو نہ اس صاحب حق سے محبت ممکن ہوتی ہے نہ ایمان کا شرف ہوتا ہے۔ اگر کسی صاحب کی زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ کے علاوہ کسی اور سند سے جاری ہے تو وہ صاحب لائق اتباع نہیں۔ شاہد ان نتائج پر گواہ ہوتا ہے، جو تبشیر وانذار کی صورت میں اس کی زبان پاک سے بیان ہوتے ہیں۔ دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے برابر نہیں ہوتے۔ دیکھنے والے فلاح کی راہ پر ہوتے ہیں، نہ دیکھنے والے خسارے کی راہ پر ہوتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٤﴾

اور اپنے ربّ کی طرف رجوع لاؤ اور اسے مان لو قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ ہو۔

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾

اور اس سے ان لوگوں کو خبردار کر دیجیے جنہیں خوف ہے کہ وہ اپنے ربّ کے حضور پیش ہوں گے، اس طرح کہ اللہ کے مقابل نہ ان کا کوئی دوست ہو گا اور نہ شفاعت کرنے والا، تاکہ وہ تقویٰ کریں۔

ہدایت سے فیضیاب ہونے والے لوگ اپنے ایمان کو فرمائشی معجزات دکھائے جانے پر موقوف نہیں رکھتے۔ انہیں ڈر ہوتا ہے کہ [illegible] انہیں توفیق دی ہے۔ جزا کے لئے اس کے حضور پیشی ضرور ہوگی۔ وہاں اللہ کی رضا کے بغیر نہ کوئی دوست ہو سکتا ہے نہ کوئی شفاعت کر سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو خبردار کرنے سے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ متقی ہو جائیں گے۔ تقویٰ کرنے والا [illegible] کہ اس کا مقصود رضائے الٰہی رہے اور اپنی خواہش کی پیروی سے بچتا رہے۔

[illegible] کے حضور پیشی کا یقین ہو تو اپنے قول کو پاک رکھنا ممکن ہوتا ہے۔ [illegible] پاک ہو سکتا ہے۔ پاک عمل میں مقصود رضائے الٰہی ہوتا ہے، خواہش کی [illegible]۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾

اور جو لوگ صبح و شام اپنے ربّ کی رضا چاہتے ہوئے اسے پکارتے رہتے ہیں، انہیں دور نہ کرو۔ تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں۔ پھر تم انہیں دور کرو تو ظالموں سے ہو گے۔

وسعتِ مال کے حوالے سے لوگوں کی تکریم کرنے والوں کو جہاں مال کی کمی نظر آجائے وہاں انہیں بہت سے عیوب بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ کہیں ایسے لوگوں کو غرباء میں صفائی کا فقدان نظر آتا ہے، کہیں ان کے الفاظ اور لہجے پر انہیں اعتراض ہوتا ہے۔ کہیں ان کے رویئے میں انہیں تضاد نظر آتا ہے۔ یہ غرباء اگر صبح و شام رضائے الٰہی کے لئے ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں تو یقیناً یہ اس لائق ہیں کہ تبلیغ حق کرنے والوں کا قرب انہیں حاصل رہے۔ یہ اللہ کی رضا کا علم ہو جانے پر اپنی خواہش کی پیروی سے بچنے والے لوگ ہیں۔ انہیں ہدایت نفع دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کو ہدایت کے قاسم سے دور کرنا ظلم ہے۔ یہ حکم تبلیغ حق کے آداب سے متعلق ہے اور تعلیم امت کے لئے ہے۔

حاصل : ہدایت کی طلب رکھنے والوں کو تبلیغ حق کا فریضہ سرانجام دینے والوں سے دور کرنا ظلم ہے۔ جس بات کی ہم سے پوچھ نہیں ہوگی، اس کے بارے میں زبان کھولنا ہمارا حق نہیں ہے۔ قول سیدھا ہو تو عمل کی اصلاح ہوتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوٓا أَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنۢ بَيْنِنَا ؕ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِينَ ﴿۵۳﴾

اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے لئے فتنہ بنایا کہ یہ لوگ کہیں، کیا ہم میں سے یہی ہیں جن پر اللہ نے کرم کیا ہے۔ کیا اللہ شکر کرنے والوں کا بڑا علم رکھنے والا نہیں ہے۔

دولت مندوں کو دیکھنے کی ایک صورت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی رکھی ہے کہ یہ غرباء کو کیسے دیکھتے ہیں۔ جہاں تکریم کا معیار ہی دولت کی مقدار ہو وہاں غرباء کے ساتھ استہزاء ضرور ہوتا ہے اور جب ان غرباء کی زبان پاک سے عطائے الٰہی پر اظہار اطمینان کیا جاتا ہے تو دولتمند ان پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہتے ہیں، کیا ہم میں سے یہی لوگ اللہ کے فضل و کرم کے لائق ٹھہرے ہیں۔ علیم مطلق ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ جو لوگ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لاتے ہیں، ان کا بھی سب سے بڑا علم رکھنے والا اللہ ہی ہے، اور کون ہیں فضلِ خدا کے حق دار یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے۔

حاصل : علیم مطلق کا کرم ہمیشہ علم سے ہوتا ہے۔ جس پر کرم ہو رہا ہو اس کا استحقاق کسی کو نظر نہ آئے تو یہ اس کا ضعفِ نظر ہے۔ کرم یہ ہے کہ عطائے الٰہی کو علمِ الٰہی سے پورا دیکھا جائے اور رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لاکر اللہ کا شکر بھی ادا کیا جائے۔

وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ أَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۢ بَعْدِهٖ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهٗ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵۴﴾

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ حاضر ہوں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، تو ان سے فرما دیجئے کہ تم پر سلام ہو، تمہارے ربّ نے اپنے ذمے رحمت لکھ لی ہے، کہ تم میں سے جو کوئی جہالت سے برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور صالح ہو جائے، تو بے شک اللہ بخشنے والا

رحم فرمانے والا ہے۔

یہ لوگ جو اللہ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، ان کا منشاء رضائے الٰہی کے لئے سعی کرنا ہوتا ہے۔ یہ جب بھی شاہد کی مجلس اقدس میں حاضر ہوں تو ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ انہیں صراط مستقیم پر رہنے کے لئے مزید استقامت حاصل ہوتی ہے۔ ان کے لئے فرمایا گیا ہے کہ انہیں بتا دیجئے کہ تم پر سلام ہو، اللہ نے تمہارے لئے اپنے ذمے رحمت لکھ لی ہے، جو کم علمی کی وجہ سے تم میں سے برائی کا مرتکب ہو، پھر اس کے بعد تائب ہو جائے اور صالحین سے اصلاح لے، تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اس پر مزید رحم فرمائے گا۔ اس ارشاد سے یہ روشن ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں، ان پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ ان سے بھول ہو جائے تو انہیں بخشش کے ساتھ مزید رحمت سے نوازا جاتا ہے، کہ وہ توبہ کے ساتھ اصلاح کو قبول کرنے میں دیر نہیں کرتے۔

حاصل : اللہ نے جن لوگوں کے لئے اپنے ذمے رحمت لکھ لی ہے، ان پر رحم کرنا تمام مومنین کا حق ہے۔ ایسے لوگوں سے بھول ہو جائے تو اصلاح کے بعد انہیں مزید مہربانی سے نوازنا حق ہے۔ جو بندے جہالت کے ساتھ برائی کر بیٹھیں، پھر توبہ کر لیں اور صالحین سے اصلاح لیں، سنت الٰہی کے مطابق ان کے ساتھ بخشش و رحم کا رویہ رکھنا فرض ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٥٥﴾

اور اسی طرح ہم آیات کو مفصل بیان کرتے ہیں، کہ مجرمین کا راستہ واضح ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کو روشن کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح فرما دیا جاتا ہے کہ مجرمین کا طریقہ کیا ہے۔ مجرمین کی مثالیں بیان کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیا نہیں ہونا چاہئے۔ تفصیل کی حقیقت یہی ہے کہ دونوں مقامات بیان [illegible] ہے۔

حاصل : تفصیل بیان کرتے ہوئے دونوں حقائق کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ کیا ہونا چاہئے اور کیا نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ مجرمین کا راستہ واضح ہو تو عقل کی موجودگی میں اس سے کراہت کا اہتمام بھی ضروری ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزخرف میں ارشاد فرمایا ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٣﴾

تو مضبوط تھامے رہو اسے جو تمہاری طرف وحی کی گئی، بے شک تم صراط مستقیم پر ہو۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ

فرما دیجئے جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

ہو، مجھے ان کی عبادت سے منع فرمایا گیا ہے۔ فرما دیجئے میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا، ایسے ہو تو میں بھٹک جاؤں اور ہدایت والوں سے نہ رہوں۔

کافروں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ حق کی تبلیغ کرنے والے ان کی ملت کی طرف لوٹ آئیں اور تبلیغ حق کرنے والے ہمیشہ اس کے جواب میں کراہت کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ اپنے بنانے والے کے مقابل اپنے بنائے ہوئے کو معبود بنانا خلافِ عقل ہے اور ظلم عظیم ہے۔ خود ظلم سے بچنا اور دوسروں کو ظلم سے منع کرتے رہنا پاک لوگوں کی شان ہوتی ہے۔ جن کو بھی اللہ کے مقابل پکارا جاتا ہے، وہ تو معبود ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے اور اگر کہیں فرعون کی طرح کوئی دعویٰ کر بیٹھے تو حیاتِ دنیا میں ہی لوگ اس کی کذب بیانی کو جان لیتے ہیں. حیاتِ آخرت میں تو اس کے لئے دائمی عذاب ہو گا ہی۔ اگر تبلیغ حق کرنے والے، لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے لگیں تو ان کا بھٹکنا اور ہدایت سے دور ہونا بالکل واضح ہے۔ مگر یہ محال ہے کہ جن کو صراطِ مستقیم پر ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے معیار بنا کر بھیجا ہے، وہ کسی کی یا اپنی خواہش کی پیروی کریں۔ وہ تو رضائے الٰہی کو ہی ہر مقام پر مقصود جانتے ہیں۔ بھٹکنے سے خوف پیدا ہوتا ہے اور ہدایت سے دوری باعث حزن ہوتی ہے۔ خوف و حزن سے نجات ہو تو راحت حاصل ہوتی ہے۔ یہ راحت کسی مقام پر بھی بندے کے توازن کو بگڑنے نہیں دیتی۔

حاصل : کافر بھی راحت کے لئے کوشاں رہتے ہیں، مگر من مانی کرنے کی وجہ سے انہیں راحت کی بجائے خوف و حُزن ہی ملتا ہے۔ راحت پاک لوگوں کے قدم بہ قدم ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ تبلیغ حق کرنے والے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کریں۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾

فرما دیجئے میں اپنے ربّ کی روشن نشانی پر ہوں اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ میرے پاس نہیں جس کی تم تعجیل کر رہے ہو۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے۔ حق بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

شاہد کو بشارت و انذار کا مرتبہ عطا فرما کے بھیجا گیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ فرما دیجئے میں اپنے رب کی روشن نشانی پر ہوں اور تم اس کو جھٹلاتے ہو۔ روشن نشانی یہ ہے کہ رضائے الٰہی ہی ہر مقام پر فرد اور جماعت کی زندگی میں توازن قائم رکھ سکتی ہے، باقی سب راستے افراط و تفریط سے تعلق رکھتے ہیں۔ تم اس کا انکار کرتے ہو اور اپنی ہلاکت کو حق کے تسلیم کرنے کے لئے علامت صداقت ٹھہرا رہے ہو۔ اس میں تمہیں فلاح کیسے ہوگی۔ حکم اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ حق بیان فرماتا

[illegible] کے حال کے مطابق اس کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اس کے فیصلے میں اس کی [illegible] اس لئے اس سے بہتر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔

[illegible] کا حق ہے۔ وہ عذاب کی جلدی کریں تو انہیں [illegible] اور اس سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

فرما دیجئے اگر میرے پاس ہوتی وہ جس کی تمہیں تعجیل ہے تو میرے اور تمہارے مابین کام تمام ہو چکا ہوتا، اور اللہ ظالموں کا بڑا علم رکھتا ہے۔

[illegible] کہ اگر یہ حق ہے جس کی ہم تکذیب کر رہے [illegible] میرے پاس ہوتا جس کی تمہیں جلدی ہے [illegible] اس نے عذاب کو شاہدین کے پاس نہیں رکھا، [illegible] حق کی صداقت کی نشانی ماننے کو تیار ہوتے تو [illegible] وہ ظالموں کا بڑا علم رکھتا [illegible] اس سے بڑا کوئی علم رکھنے والا نہیں۔

[illegible] وہاں عقل کی کوئی بات نہیں رہ جاتی۔ [illegible] اللہ سے بڑا کوئی نہیں ہو سکتا۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، انہیں وہی جانتا ہے۔ اسے علم ہے جو بر و بحر میں ہے۔ اور جو پتّا گرتا ہے وہ اس کا علم رکھتا ہے، اور زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی رطب اور نہ کوئی یابس جو کتابِ مبین میں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَاۗىِٕنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ اور کوئی شے نہیں جس کے

ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے ایک معلوم انداز سے ہی اتارتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کے خزانے سب اللہ کے ہیں۔ کس حال پر لوگوں کو معرفت الٰہی میں کیا آسانیاں عطا کرنی ہیں یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسے علم ہے جو خشکی میں ہے اور جو پانی میں ہے۔ پتّا بھی اگر جھڑتا ہے تو اسے اس کا علم ہے۔ زمین کے اندر کوئی دانہ کہیں ہو اللہ کو اس کا علم ہے۔ کوئی تر اور کوئی خشک ایسا نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو۔ کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ انسان جس بات کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے، وہ یہی ہے کہ اس نے توفیق ایزدی کو منشاء ایزدی کے مطابق استعمال کرتے ہوئے نفس امارہ کے امر کا انکار کیا، یا رضائے الٰہی کا علم ہونے کے باوجود نفس امارہ کے امر کو مانتا رہا۔ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں اللہ کی مدد سے اور اس کے علم سے آسانی حاصل نہ ہو سکتی ہو۔ رضائے الٰہی کے خلاف کرنے والا توفیقِ ایزدی کو بھی ضائع کر لیتا ہے اور خوف و حُزن کے احاطے میں بھی گھر جاتا ہے۔

حاصل : غیب کی کنجیاں علیمِ مطلق نے اپنے پاس رکھی ہی اس لئے ہیں کہ معرفتِ الٰہی میں لوگوں کو جو جو آسانیاں کسی حال پر عطا کرنی ضروری ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی رہیں۔ اللہ کا علم ہر مقام پر انسان کی مدد کر سکتا ہے اور دوسرا کوئی علم ہر مقام پر کسی کا مددگار نہیں ہو سکتا۔ مقام کوئی ہو مقصود، رضائے الٰہی ہونا چاہیئے۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ ع ۵ / ۱۳

اور وہی ہے جو رات کو تمہیں وفات دیتا ہے اور علم رکھتا ہے جو دن میں تم کر چکے ہو، پھر تم کو اس میں اٹھا دیتا ہے کہ اجل مسمّٰی پوری ہو، پھر اسی کی طرف مراجعت ہو گی، پھر تمہیں خبر دے گا جو عمل تم کرتے ہو۔

رات کو اللہ نے سکون کے لئے بنایا ہے۔ رات کو نیند میں اپنے جسم کے احوال انسان کے تصرف میں نہیں ہوتے۔ اس وقت جب اپنے حال سے بھی اور اپنے ماحول سے بھی بے خبری ہو اللہ تعالیٰ ہی انسان کو سنبھالتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی وفات ہے۔ اس سے پہلے انسان نے جو دن میں کیا ہو وہ بھی اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ توفیق ایزدی کو بیداری کی حالت میں خلاف حق استعمال کرنے والے کو، نیند میں پکڑ کر ختم نہیں کر دیا جاتا، اسے نیند کے بعد پھر اٹھا دیا جاتا ہے کہ اس کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو جائے۔ وہ اپنے حال کی اصلاح کی طرف مائل ہو تو یہ روز مرہ زندگی میں سونا جاگنا ہی اس کے لئے اللہ کی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں سے یہ روشن ہو جاتا ہے کہ انسان کو حیاتِ دنیا کے بعد حیات آخرت میں اس کے اعمال کی جزا کے لئے اٹھایا جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت ہو گی تو وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی خبر دے گا۔

حاصل : روزمرہ زندگی میں سونا، جاگنا نہیں سلایا جانا اور اٹھایا جانا کہنا حق ہے اور سلایا جانا اور اٹھایا

یہ بھی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ موت کے بعد اٹھایا جانا روزمرہ زندگی سے ہی ثابت ہے۔ جب اٹھایا جائے تو اللہ کو یاد کرنا چاہئے اور اس کی رضا کو حالت بیداری میں ہر مقام پر ملحوظ رکھنا چاہئے۔ جو [illegible] باعث ندامت ہو سکتے ہیں ان سے بچنے کا یہی وقت ہے۔

تشریح : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لئے کہیں نور نہیں۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝

وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور ان پر حفاظت کرنے والے بھیجتا ہے، حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے، ہمارے بھیجے ہوئے اسے وفات دیتے ہیں، اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔

[illegible] عبدیت کے منافی ہے۔ اللہ کے غلبے [illegible] شاہد بنایا جائے۔ غالب حقیقی [illegible] حفاظت کرتا ہے اور اس کے اعمال کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ اس طرح عامل کی [illegible] حفاظت کی حقیقت یہ ہے کہ قوت عمل کو اللہ کے بھیجے ہوئے سنبھالا دیتے رہتے ہیں۔ اس [illegible] چاہئے۔ موت کے وقت اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے امر الٰہی [illegible] وفات دیتے ہیں۔ کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ جو لوگ [illegible] کی طرح نہیں ہوتی۔ فلاح پانے والے پاک لوگ [illegible] اللہ ملتے ہیں۔ مقصود رضائے الٰہی ہو اور نتائج کو [illegible] ہوتا ہے۔

حاصل : مالک حقیقی ہی غالب حقیقی ہے۔ عامل اور عمل دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ قوت کار کردگی جس کی حفاظت کی بدولت قائم ہے اور موت تک قائم رہتی ہے، اس کی منشاء کے خلاف قوت عمل استعمال ہو تو اس سے بڑی ناشکری کوئی نہیں ہوگی۔ اللہ کے بھیجے ہوئے امر الٰہی کے مطابق وفات دیتے ہیں اور کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا

پھر اپنے مولائے حقیقی کی طرف پھیرے جائیں

لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

گے۔ خبردار رہو، حکم اسی کا ہے، اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا ہے۔

بعداز وفات مولیٰ حقیقی کی طرف واپسی کا یقین ہو، تو جزا کے یقین کے ساتھ عمل کا صالح ہو جانا بھی ضروری ہے۔ اور اگر عمل صالح نہیں ہے تو جزا کا یقین بھی نہیں ہے، مولیٰ حقیقی کی طرف واپسی کا یقین بھی نہیں ہے۔ توفیق دینے والا ہی حاکمِ مطلق ہے اور جو حکم اللہ کے حکم کے تحت نہیں ہے وہ حکم ہی نہیں ہے۔ سب سے جلد حساب کرنے والے کی شان یہ ہے کہ اس کے بھیجے ہوئے، ہر ایک کا، ہر لمحے حساب تیار کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح جزا دینے میں حساب کی تیاری مانع نہیں ہو سکتی۔

حاصل : واپسی مولیٰ حقیقی کی طرف ضرور ہوگی۔ جو حکم، اللہ کے حکم کے تحت نہیں ہے، مومنین کے لئے وہ حکم ہی نہیں۔ کسی کا حق ادا کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

فرما دیجئے کون ہے جو تمہیں برّ و بحر کی ظلمات سے نجات دیتا ہے۔ اسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ، کہ اگر ہمیں اس سے نجات دے تو ضرور ہم شکر کریں گے۔

ظلمات میں خطرات کا احساس قلوب کو مضطرب کرتا ہے۔ خشکی ہو یا تری ظلمات میں گھر جانے کی صورت میں انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ بے بس ہو جائے تو موقع کی مناسبت سے گڑگڑا کر بھی نجات دینے والے کو پکارتا ہے اور آہستہ بھی اسے پکارتا ہے۔ اور اس پکارنے کے ساتھ ایک عہد بھی ہوتا ہے کہ اگر اس مشکل سے نجات ہو جائے تو شکر ادا کیا جائے گا اور شکر کرنے میں کوتاہی نہیں ہوگی۔ جب کوئی "ساتھ" برّ و بحر کی ظلمات میں گھر جانے کی صورت میں کام نہ آئے تو ایسے "ساتھ" کو فوراً چھوڑ دینا حق ہے۔

حاصل : برّ و بحر کی ظلمات سے نجات دینے والا ہی سب سے بڑا دوست اور ساتھی ہے، ظلمات میں گھر جانے کی صورت میں جس کے علاوہ کسی کو پکارنا ممکن نہیں ہوتا۔ اپنے عہد کو پورا کرنا حق ہے۔ شکر اور من مانی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

فرما دیجئے اللہ تمہیں اس سے نجات دیتا ہے اور ہر کرب سے، پھر تم شریک ٹھہراتے ہو۔

ظلمات سے نجات طلب کرتے وقت (جب بے بسی پوری طرح محیط ہو چکی ہو) اللہ کے سوا کسی کو پکارنا ممکن نہیں ہوتا۔

[illegible] ہی مصائب و آلام سے نجات دیتا ہے، وہی کرب سے نجات دیتا ہے۔ انسان کی کوشش تو راحت کے حصول کے لئے ہی [illegible] ہے۔ مگر اپنی خواہشات کی پیروی سے وہ دکھوں میں مبتلا ہوتا جاتا ہے۔ جب بے آسرا ہو کر اللہ کو پکارتا ہے اور اللہ اسے نجات [illegible] دیتا ہے تو پھر اللہ کے مقابل کوئی دوسرا آسرا دیکھنا شرک ہے، اور انتہائی ظلم ہے۔

حاصل : انسان کے اپنے مشاہدات سے اس پر یہ واضح ہوتا رہتا ہے کہ ظلمات سے نجات دینے والا، کرب سے نجات دینے والا، اللہ ہی ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی دوسرا آسرا ڈھونڈا جائے تو یہ صریحاً ظلم ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

فرما دیجئے اسے قدرت ہے کہ وہ تم پر اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے، یا تمہیں لڑا دے گروہ گروہ کر کے اور بعض کو بعض کی سختی چکھا دے۔ نظر کرو ہم کیسے آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔

[illegible] ہے۔ پہلے لوگوں پر اوپر سے عذاب آچکے ہیں۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی آچکے ہیں۔ [illegible] قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو زلزلے نے پکڑ لیا۔ [illegible] ہے۔ گروہ بندی سے ہونے والی بربادی معاشرے کو تہس نہس کر کے رکھ دیتی [illegible] قبول کر لیتے ہیں اور خواہشات کا ٹکراؤ خانہ جنگی تک پہنچ جاتا [illegible] ہے کہ ہم اپنی پسند کو باعث زحمت اور اللہ کی پسند کو باعث [illegible] دکھ دیکھ رہے ہیں۔ گروہ [illegible]

حاصل : اللہ کی قدرت کو دیکھتے رہنا سمجھداروں پر لازم ہے۔ عذابِ الٰہی سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے اور گروہ بندی سے بچنے کی سعی کرنی چاہئے۔ حق کے مقابل اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کی اہمیت نہ بڑھنے دی جائے، تو گروہ بندی کو روکا جا سکتا ہے۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾

اور تمہاری قوم نے اس کی تکذیب کی اور حق وہی ہے۔ فرما دیجئے میں تم پر وکیل

نہیں ہوں۔

قوم اگر ارشادِ خداوندی سے فیضیاب نہ ہو اور حق کو سن کر بھی اپنی خواہشات کی پیروی سے باز نہ آئے اور معاشرتی زندگی کو تباہ کرنے والے اسباب کو ختم نہ کرے تو پھر حق تو واقع ہو کر رہے گا۔ رسول کے ذمے کسی کی حفاظت نہیں لکھی گئی، حق کا پہنچانا لکھا گیا ہے۔

حاصل : اگر کوئی آگاہی سے فائدہ اٹھائے تو اس میں اس کا بھلا ہوتا ہے۔ حق پہنچانے والے کے ذمے کسی کو بچانا نہیں ہوتا۔

لِكُلِّ نَبَإٍ مُّسْتَقَرٌّ ۚ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾

ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے، اور جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

آگاہی کے ساتھ مہلت کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس مہلت میں فیض حاصل کرنے والے، فیض پا سکیں۔ مہلت ایک معین وقت کے لئے ہی ہوتی ہے۔ جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے، تو پھر اس خبر کا وقوع پذیر ہونا یقینی ہوتا ہے۔ جس عذاب سے آگاہ کیا گیا ہے، انکار کرنے والوں کو اس کا پتہ لگتے دیر نہیں لگے گی، مگر مہلت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ پتہ کسی کام نہیں آئے گا۔

حاصل : سب سے بڑا خبر دینے والا بڑا اکرم کرتا ہے کہ آگاہی کے ساتھ مہلت بھی دیتا ہے۔ اسی مہلت میں فیضیاب ہونا ممکن ہوتا ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۚ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں، تو ان سے اعراض کرو، حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔

جو لوگ ارشادِ خداوندی پر عمل پیرا شاہدین کے حوالے سے حکم خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں، وہ حق کو ماننے والے لوگ ہیں۔ اور جو لوگ حق کو اپنی سوچ کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، یہ آیات میں جھگڑا کرنے والے لوگ ہیں۔ ان سے اعراض کرنا حق ہے۔ جب یہ کسی دوسری بات میں مصروف ہو جائیں تو ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت ہے اور اگر بھول ہو جائے اور آیات میں جھگڑنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھنے کا حکم یاد نہ رہے تو یاد آنے پر فوراً وہاں سے اٹھ بیٹھنا حق ہے۔ یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس بیٹھنا منع ہے، یہ بُرائی سے دور رہنے کی صورت ہے۔ مگر بُرے سے دور رہنا تبلیغ حق کی راہ کو

مسدود کر دیتا ہے۔

حاصل : بُرائی سے دور رہنا ضروری ہے۔ آیات میں جھگڑنے والوں کے پاس بیٹھنا جب تک وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں منع ہے۔ بھول ہو جائے تو یاد آنے پر فوراً حکم خداوندی پر عمل کرنا چاہئے۔

وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَلَٰكِن ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٦٩﴾

اور تقویٰ کرنے والوں پر ان کے حساب سے کچھ نہیں، ولیکن نصیحت دینا، تاکہ وہ باز آجائیں۔

مومن متقی کے لئے طعن و استہزاء کرنے والوں کے پاس بیٹھنا بہرصورت مضر ہوتا ہے، کہ اسے اپنی حفاظت کا علم بھی [illegible] ہے۔ مگر تقویٰ کرنے والوں کا یہ حق ضرور ہے کہ وہ طاعنین کو نصیحت دیتے رہیں [illegible] تاکہ وہ اس برے عمل سے باز آجائیں۔ نصیحت دینے کے لئے یہ [illegible] سے پیدا ہونے والی حرارت ناصح کی موَدّت کو بڑھاوا دے۔ ناصح کو استقامت سے [illegible] بغیر بھاگ جائے، اس کی اس سے پوچھ نہیں ہوگی۔

حاصل : ناصح متقی کا کام ہے، استقامت سے اس حق کو پہنچاتے رہنا جو اس کے ذمے ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس سے فیض حاصل کئے بغیر بھاگ جاتا ہے تو اس کی اس سے پوچھ نہیں ہوگی، مگر ناصح کبھی [illegible]۔

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وَذَكِّرْ بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ لَهُمْ شَرَابٌ

اور انہیں چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیا ہے، اور انہیں حیاتِ دنیا نے فریب دیا ہے۔ اور اس سے نصیحت کرو تاکہ کوئی نفس اپنے کئے میں گرفتار نہ ہو، کہ اللہ کے مقابل اس کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ شفاعت کرنے والا۔ اور اگر سارے بدلے دے تو اس سے نہ لئے جائیں۔ وہی لوگ ہیں جو اپنے

مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع

کئے میں گرفتار ہوئے، انہیں پینے کو گرم پانی اور المناک عذاب ہے، اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

جن لوگوں کو حیاتِ دنیا نے فریب دیا ہے، وہ ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیتے ہیں۔ ان کی طرف متوجہ رہنے سے حال پر ملی ہوئی توفیق کماحقہ استعمال نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے ایسے لوگوں پر توجہ مرکوز کرنا بے جا ہے۔ حق یہ ہے کہ نصیحت عمومی ہو اور ہر نفس اس سے آگاہ ہو جائے کہ اسے اس کے اعمال کی جزا ضرور ملے گی اور جزا دینے والے کے سامنے کافر کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ شفاعت کرنے والا۔ کافر اس وقت سارے بدلے دینے کو بھی تیار ہو تو قبول نہ کئے جائیں گے۔ حیات دنیا میں اللہ کی دی ہوئی توفیق کو کھیل تماشے میں برباد کر دینا انتہائی ناعاقبت اندیشی ہے۔ ایسے لوگ اپنے کئے میں گرفتار ہو جائیں گے۔ انہیں پینے کو گرم پانی ملے گا اور ان کے لئے المناک عذاب ہو گا۔ اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔ حق کا انکار کرنے والے، ناصحین کے ساتھ جو رویہ رکھتے ہیں، اسی سے ان کا مستقبل تشکیل پاتا ہے۔ جو فلاح کا انکار کرے وہ عذاب میں گرفتار نہ ہو، یہ ممکن نہیں۔

حاصل : جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے ان پر توجہ مرکوز کرنا بے جا ہے۔ نصیحت عمومی ہو اور اس طرح ہو کہ ہر نفس اپنے اعمال کی جزا سے آگاہ رہے، جس وقت کافر کو نہ کوئی حمایتی ملے گا، نہ شفاعت کرنے والا اور نہ کوئی بدلہ ہی قبول ہو گا۔ جو فلاح کا انکار کرے، عذاب اسی کے لئے ہوتا ہے۔ یہ عذاب حال پر خفی ہوتا ہے، مستقبل میں جلی ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾

اور کبھی تم دیکھو جب ملائکہ کافروں کو وفات دیتے ہیں، مار رہے ہوتے ہیں ان کے مونہوں پر اور ان کی پیٹھوں پر، اور کہتے ہیں چکھو جلنے کا عذاب۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗۤ

فرما دیجئے کیا ہم اللہ کے مقابل ان کو پکاریں جو ہمیں نہ نفع دے سکتے ہیں، نہ ضرر۔ اور کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہے، اس کی طرح جسے شیاطین نے زمین میں

[illegible] يَدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

حیران کیا ہے، اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں۔ فرما دیجئے اللہ ہی کی ہدایت، ہدایت ہے اور ہمیں امر ہے کہ ربّ العالمین کو تسلیم کریں۔

[illegible] کے لئے اس میں فرقان بصورت انعام موجود ہوتا ہے۔ رویئے [illegible] بیان فرمائیں ہیں۔ شرک کی دعوت کے جواب میں یہ [illegible] راہِ راست سے ہٹنے والی بات ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے [illegible] سے نجات دی ہے۔ اب الٹے پاؤں حیرانی کی طرف پھر جانا ممکن نہیں۔ یہ تو [illegible] حیران ہو رہا ہو، پریشان ہو رہا ہو اور اس کے ہی خواہ اسے راہ راست کی [illegible] درست کرے گا اور حیرت کی تاریکی سے [illegible] جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے [illegible] کرتے رہتے ہیں۔ جسے حیرانی، پریشانی [illegible] امرِ الٰہی کو تسلیم کرتے ہیں۔

[illegible] ضروری ہے۔ دوست کی پکار میں اللہ [illegible] دشمن کی پکار ہمیشہ اس کے استکبار کو ظاہر کرتی ہے۔ ہدایت یافتہ پر لازم [illegible] امرِ الٰہی کے تسلیم کرنے کا دعویٰ کرے اور امرِ الٰہی کو ادب سے [illegible]

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرو، اور وہی ہے جس کی طرف تمہیں اکٹھے ہونا ہے۔

[illegible] نماز کا قائم کرنا لازم ہے۔ اللہ سے ڈرنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ کی پسند کو پسند [illegible] نہ جانا جائے کہ جزا کے لئے اسی مالک کل کے سامنے پیشی ہو گی، توفیق دینے والے [illegible] پر نظر رہے تو غفلت کا مقام ہی نہیں آتا۔

[illegible] نماز قائم کرنا اور اللہ سے ڈرنا ہمہ وقتی ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی پر نظر رہے تو [illegible] نہیں آتا۔ جسے اللہ کا ڈر ہو وہ غافل نہیں ہو سکتا۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۭ ﴿۷۳﴾

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، اور جس دن فرمائے گا "ہوجا" تو وہ ہو جائے گی۔

آسمانوں اور زمین کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور ایک وقت تک کے لئے پیدا کیا ہے۔ حیاتِ دنیا میں آسمان اور زمین اپنا اپنا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح زندگی کا عمل جاری رہتا ہے۔ جب عمل کے لئے رکھی گئی کل مہلت ختم ہو جائے گی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کو واقع ہونے کا حکم ہو گا۔ احکم الحاکمین کا حکم ہوتے ہی قیامت برپا ہو جائے گی۔ قیامت کے واقع ہو جانے کے بعد کسی کا حق کو مان لینا، اسے نفع نہیں دے گا۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کے خالق کی رضا ملحوظ خاطر رہے اور قیامت کے واقع ہونے کا یقین ہو تو کسی مقام پر فرد کی زندگی میں کجی نہیں آتی، نہ کسی مقام پر اجتماعی زندگی میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کی اہمیت کو روشن کرتے رہنا چاہئے۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

قول اسی کا حق ہے، اور اسی کی سلطنت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا۔ غیب اور شہادت کا علم رکھتا ہے، اور وہی حکیم و خبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول حق ہے۔ اسی معیار سے ہر مقام پر حق اور ناحق کے درمیان حد فاصل کو روشن کرنا چاہئے۔ جو بات اس حق کے خلاف ہو، وہ کبھی حق نہیں ہو سکتی۔ حیات دنیا کی حد تک اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جو توفیق دی ہے، اس توفیق کی بنا پر بعض لوگ بڑے بن بیٹھتے ہیں، زمین میں استکبار کرتے ہیں اور لوگوں کو محکوم بناتے ہیں۔ مگر جس دن صور پھونکا جائے گا، اس دن سلطنت صرف مالک حقیقی کی ہو گی، باقی سب اپنے اپنے اعمال کی جزا پانے والے ہوں گے۔ جزا دینے والے سے کچھ مخفی نہیں، وہ چھپے کا بھی علم رکھتا ہے، ظاہر کا بھی علم رکھتا ہے۔ اس لئے خلوت و جلوت میں اسی کی رضا مقصود رہنی چاہئے۔ اس کی رضا مقصود رہے تو حکمت کا پتہ ملتا ہے اور اس کی خبر ملتی ہے۔ ورنہ بے خبری میں ہی توفیق ضائع ہوتی رہتی ہے۔

حاصل : حق، اللہ کا فرمان ہے۔ اسی معیار سے ہر مقام پر ٹھیک اور نہ ٹھیک کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ قیامت کے دن جزا دینے والے کی ہی سلطنت ہو گی۔ چھپے اور ظاہر، ہر مقام پر رضائے الٰہی مقصود رہے تو حکمت کا بھی پتہ چلتا ہے، خبر بھی ملتی ہے۔ ورنہ بے خبری میں ہی توفیق ایزدی ضائع ہوتی رہتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے

اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾

باپ آزر سے کہا کیا آپ اصنام کو معبود بناتے ہیں، بے شک میں آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدیق نبی ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔ اور نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اللہ کے دشمن کے لئے مغفرت طلب کرے۔ چاہے اللہ کا دشمن اس کے قریبی ہی سے کیوں نہ ہو۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے، تو آپ اس سے الگ ہو گئے۔ (9:113) سورۃ ابراہیم میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لئے مغفرت طلب کی۔ سورۃ توبہ میں اسی مغفرت طلبی کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا تھا مگر ایک وعدہ کے سبب جو اس سے کر چکے تھے۔ پھر جب آپ پر واضح ہو گیا۔ [illegible] کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ آپ اس سے الگ ہو گئے (114) اس سے یہ روشن ہو گیا کہ یہ مغفرت طلبی اس وقت سے پہلے کی ہے جب آپ پر یہ واضح ہوا کہ آزر اللہ کا دشمن ہے۔ آزر کو اپنی قوم کی سرداری بھی حاصل تھی، اس لئے حضرت [illegible] بت بھی نفسانی خواہشات سے بنتا ہے۔ بت [illegible] اس طرح انسان اپنی بنائی ہوئی شے کو ماننے لگتا ہے اور اپنے [illegible] واضح نہیں ہوتی۔ اگر انہیں مطلوبہ نتائج حاصل [illegible] حاصل نہ ہوں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ بت یا بتوں کی [illegible] اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے۔ اگر یہ مان لیں کہ جس مقصد کے لئے وہ کوشاں ہیں، وہ مقصد [illegible] لے جانے والا ہے اور نفع و نقصان پر قدرت رکھنے والی ذات اقدس خالق کل کی ہے، تو پھر کسی بت کی کوئی [illegible] ہر بچہ پاک پیدا ہوتا ہے۔ ارحام میں صورت گری بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ اللہ نے کسی کو ناپاک پیدا [illegible] سے ناپاک ہوا۔ نسب پر فخر کرنا حق نہیں ہے، کہ کسی کا نسب اس کی تجویز سے نہیں بنتا۔ سب لوگوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکریم کے لئے مقرر کردہ معیار، تقویٰ ہے [illegible] دی گئی ہے۔ اس کے مطابق ان سے تقویٰ کی پوچھ ہوگی۔

حاصل : اگر باپ کی طریقت میں رضائے الٰہی سے دوری نظر آئے، یا سردار، لوگوں کو خواہشات کے جال میں پھنسا رہا ہو، تو ایسے موقع پر مصلح پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مشاہدے کو بیان کرے اور یہ کہے کہ وہ اپنے باپ یا سردار کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی اور اس لئے کہ آپ یقین

والوں سے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عین الیقین ہونے کا مرتبہ عطا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھائے۔ یہ مشاہدہ دل کی آنکھوں سے ہوتا ہے۔ زندگی کے حقائق، قلب کی تنویر کے بعد ہی واضح ہوتے ہیں اور یہ تنویر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ وہ جسے چاہے عطا کر دیتا ہے۔ مگر اسی کو عطا کرتا ہے، جس کا قلب غیر اللہ سے پاک ہو۔ انعام یافتہ، عین الیقین کے مقابل ظن و تخمین سے بات کرنے والے ہمیشہ بے ثبات ہوتے ہیں۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کے سامنے اپنے خیال کی بات کرنا بڑی ناشکری ہے۔

حاصل: حقائق کا دیکھنا، دل کی آنکھوں سے ہوتا ہے۔ عین الیقین ہونے کا مقام اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾

پھر جب آپ پر رات نے اندھیرا کیا، آپ نے ایک ستارہ دیکھا۔ کہنے لگے، یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے میں غائب ہو جانے والوں کی حُبّ نہیں رکھتا۔

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دیکھ لینے کے بعد اور صاحبِ یقین ہونے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عنداللہ جو مقام تھا، اس کے متعلق بات کرتے ہوئے ان کا مشاہدہ اور یقین بہرحال پیش نظر رہنا چاہئے۔ جن لوگوں کو آپ کواکب پرستی کی ظلمت سے نکالنا چاہتے تھے، ان کے عقائد آپ پر واضح تھے۔ آسمانوں سے رزق کا ملنا قرآن پاک سے ثابت ہے۔ ستاروں کا اثر نباتات پر بھی ہوتا ہے، حیوانات پر بھی ہوتا ہے۔ پالنے کے عمل میں ستارے کے حصے کو دیکھنا شرک نہیں ہے۔ ستارہ پرستوں کو یہ احساس دلانا کہ غائب ہو جانے والا، ڈوب جانے والا، اپنی ذات میں دوام کے نہ ہونے کو ثابت کر رہا ہے اور مربوب کی موجودگی ربوبیت کے دوام کا تقاضا کرتی ہے۔ ڈوب جانے والے تو اپنے عمل سے اپنے عجز کو ثابت کر رہے ہیں، اس لئے ان کو قادرِ مطلق ماننا اور معبود ماننا خلاف حق ہے۔

حاصل: جس کو مشکل سے نجات دلانا مقصود ہو، اس کی مشکل کا علم ضرور ہونا چاہئے۔ راہنمائی کرنے والے کی شان یہی ہے کہ جس عقیدے کی وجہ سے لوگ گمراہ ہو رہے ہوں، اس کا نقص ان پر واضح کرے، مگر ان پر چوٹ نہ مارے بلکہ اپنا حال بیان کرے۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ

پھر جب چاند کو دیکھا، کہنے لگے یہ میرا ربّ

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنۡ لَّمۡ یَهۡدِنِیۡ رَبِّیۡ لَاَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷۸﴾

ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہنے لگے اگر میرا ربّ مجھے ہدایت نہ دے تو میں گمراہ لوگوں سے ہو جاؤں گا۔

چاند کے زندگی پر اثرات، قدیم زمانہ سے انسان کے علم میں ہیں اور کواکب پرستی کرنے والے چاند کو مصنوع جاننے کے باوجود اسے معبود مانتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں یا چاند کو پہلے بھی نکلتے اور ڈوبتے دیکھا تھا۔ مگر قوم کے عقائد کی حقیقت ان پر روشن کرنے کے لئے آپ نے چاند کو رب کہا۔ ربّ کہتے ہوئے، آپ کو یہ یقین تو تھا کہ یہ ڈوب جائے گا، مگر اس کے ڈوب جانے تک آپ نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ یہ اقرار اس تضاد کو واضح کرنے کے لئے تھا، جس کو وہ قوم نظرانداز کر رہی تھی۔ ڈوب جانے کا مشاہدہ کر لینے کے بعد آپ نے فرمایا: اگر میرے ربّ نے مجھے ہدایت نہ دی تو میں ضرور گمراہوں سے ہو جاؤں گا۔ گمراہی کی یہ نشان دہی اپنے اندر دعوت فکر و نظر رکھتی ہے۔

حاصل: عقائد میں تضاد کو واضح کرنا بڑے علم اور حوصلے کا کام ہے۔ راہنمائی کرنے والا اپنی رفتار کو لوگوں کی رفتار سے ملائے، تبھی ان میں راہنمائی کرنے والے کی رفتار سے چلنے کی سکت پیدا ہو سکتی ہے۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ هٰذَاۤ اَکۡبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ ﴿۷۹﴾

پھر جب سورج کو جگمگاتے دیکھا، کہنے لگے، یہ میرا ربّ ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا، کہنے لگے، اے میری قوم جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔

سورج کے زندگی پر اثرات کا علم جیسے جیسے بڑھتا جائے، اس کے بنانے والے کا شکریہ ادا کرتے رہنا حق ہے۔ کم علمی کی وجہ سے لوگ شے کو ماننے لگتے ہیں، مالک حقیقی کو نہیں مانتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام زندگی کے عمل میں سورج کے حصے کو جانتے تھے اور فیض رسانی میں اس کی بڑائی بھی سامنے تھی۔ آپ نے کواکب پرستوں کو مصنوع سے صانع کی طرف چلانے کے لئے سورج کے غروب ہونے تک اس کی ربوبیت کے اعتراف سے آسرا دیا اور جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا اے میری قوم جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، یہ تو اپنی مرضی سے تقدیم و تاخیر پر بھی قادر نہیں ہیں۔ میں ان سے بیزار ہوں۔ ماننے کے لائق تو وہی صانع ہے جس نے یہ سب بنائے ہیں۔ اس بات سے سننے والوں کو تضاد سے پاک ہونے کے لئے راستہ ضرور ملتا ہے۔ فائدہ تو اسی کو ہو سکتا ہے جو تضاد سے پاک ہونا چاہئے۔

آگے بڑھنے میں اسے مدد دینی چاہئے۔ شے پر رک جانے والے کو مالک حقیقی تک پہنچنے میں مدد دینا ہی حیاتِ دنیا میں انسانوں کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۸۰﴾

میں نے اپنا رُخ اس کی طرف کیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، حنیف ہو کر، اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔

قوم کے عقائد سے بیزاری کے اظہار کے بعد آپ نے انہیں خیر کا رخ دکھایا اور فرمایا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے میں اپنا رخ اسی لاشریک کی طرف کرتا ہوں۔ مالک کل ہی میرا معبود ہے۔ میں کسی مملوک کو معبود نہیں مانتا۔ یکسو ہونا، حنیف کی شان ہے۔ حنیف یہ یقین رکھتا ہے کہ اشیاء سب اس کے لئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

حاصل : شاہد کے لئے "نہ ٹھیک" بتانے کے بعد "ٹھیک" بتانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ حنیف کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اشیاء سب اس کے لئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جس کے سامنے حق کو ماننے کے لئے ایک سے زائد معیار ہوں، وہ شرک سے بچ نہیں سکتا۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور آپ کی قوم آپ سے جھگڑنے لگی۔ فرمایا کیا اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، تو اس نے مجھے ہدایت دی۔ اور مجھے ان کا خوف نہیں ہے جنہیں تم اس کا شریک بتاتے ہو، الا یہ کہ میرا ربّ جو چاہے۔ میرے ربّ کا علم ہر شے پر وسیع ہے۔ تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے مشرکانہ عقائد سے بیزاری کا اظہار کیا تو وہ لوگ آپ سے جھگڑنے لگے، اور اپنے تصورات معبود کے مطابق اللہ کی صفات بیان کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، حالانکہ جو راہ میں تمہیں دکھا رہا ہوں وہ راہ مجھے اسی لاشریک نے دکھائی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ میرے رویئے کی بدولت تمہارے شریک ناراض ہو جائیں گے اور یہ بات میرے لئے مصائب و آلام کا باعث ہو گی تو جان لیجئے مجھے اس کا قطعاً خوف نہیں۔ مجھ پر جو مقام بھی آیا وہ میرے ربّ کی منشاء کے مطابق ہو گا اور علم الٰہی کی رو سے وہ میرے لئے باعث رحمت مزید ہو گا۔ میرے رب ہی

کا علم ہر شے پر وسیع ہے۔ جن حالات میں کسی علم کا عطا کرنا اسے پسند ہو وہ حالات بھی علیم مطلق ہی پیدا کر سکتا ہے۔ میری پسند کبھی میری راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ تم کیوں نہیں مان لیتے کہ نتائج کا مالک اللہ ہی ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

حاصل : جب کوئی اللہ کے بارے میں اپنے گمان کو بنیاد بنا کر اندھیرا پھیلا رہا ہو تو وہاں اپنے مشاہدے کو بیان کرنا چاہئے، اپنے حال کو بیان کرنا چاہئے۔ تکلیف ہو یا راحت، اس سے حاصل ہونے والے علم کو نصیحت ماننے والوں کے سامنے رکھنا چاہئے، یہ بھی ایک طرح کی سخاوت ہوتی ہے۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور مجھے تمہارے شریکوں کا خوف کیوں ہو، اور تم انہیں اللہ کا شریک ٹھہرانے سے ڈرتے نہیں، جس کی اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ تو فریقین میں سے امن کا بڑا حق دار کون ہے، اگر تمہیں علم ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے آپ کو بتوں کے ابطال سے منع کیا اور انہیں ڈرانے کی کوشش کی کہ اگر تم ان کے بارے میں اپنے رویئے کو درست نہ کرو گے تو تمہیں نقصان ہو گا۔ آپ نے فرمایا مجھے ان کا خوف بالکل نہیں ہے۔ یہ تو نفع و نقصان پر قادر ہی نہیں ہیں۔ یہ کسی کو نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں، اس لئے ان کے ماننے سے کسی کو امن بھی نہیں مل سکتا۔ آپ کی قوم اللہ کو مانتی تھی اور بتوں کو، اس کا شریک ٹھہراتی تھی۔ آپ نے فرمایا : تم اللہ سے ڈرتے نہیں کہ اس کے بارے میں وہ باتیں کہتے ہو جو بے سند ہیں۔ وہ مالک کل ہے، وہی جزا دینے والا ہے اور جب عمل اس کے فرمان کے خلاف ہو تو جزا عذاب ہی ہو گی۔ اگر تمہیں علم ہے تو یہ دیکھو کہ اللہ کے عذاب کا مستحق کون ہے اور امن کا حق دار کون ہے۔ عذاب تو اسی کو ہو گا جو اللہ کے فرمان کے خلاف کر رہا ہے اور امن اس کو ہو گا جو اللہ کے فرمان کو ادب سے مانتا ہے۔

حاصل : علم کا دعویٰ کرنے والوں کو یہ دکھانا چاہئے کہ وہ کس رخ پر جا رہے ہیں اور اللہ نے اس رخ کے صحیح ہونے کی کوئی سند نازل فرمائی ہے یا نہیں۔ جس کا عمل فرمان خداوندی کے خلاف ہو اس کا دعویٰ علم بے حقیقت ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان سے ظلم کو نہ ملایا، انہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

ایمان حب الناصحین سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کو ماننا، جیسے اس کے مخلص بندے اسے مانتے ہیں اور مخلصین کا ہر مقام

ساتھ رکھنا، تاکہ کسی جگہ اپنی خواہش کے اتباع کی وجہ سے گمراہی نہ پیدا ہو، ایمان والوں پر لازم ہے۔ شرک، ظلم عظیم ہے اور شرک یہ ہے کہ جس کے حوالے سے اللہ کو مانا جارہا ہے، کلیتہً ہر مقام پر اللہ کو اسی کے حوالے سے نہ مانا جائے، بلکہ کسی جگہ اللہ کو اپنی خواہش کے مطابق اور شاہد کی تعلیم کے خلاف بھی مانا جائے، جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہ فرمائی ہو۔ شرک کا مقام وہیں آیا کرتا ہے جب اپنے معلم کے ساتھ اور اپنے پاک کرنے والے کے ساتھ محبت نہ ہو۔ شاہد سے محبت ہو تو شرک ممکن نہیں ہوتا اور محبت نہ ہو تو شرک سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ جو شرک سے بچ جائے اس کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہے۔ جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا رہے، وہ گمراہ ہے اور امن سے دور جارہا ہے۔

حاصل : ایمان کو شرک سے بچانا ہی باعث امن اور باعث ہدایت ہوتا ہے۔

شہادت : حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے سرکشی کی اور صالح علیہ السلام کو نہ مانا جیسے ماننے کا حق تھا۔ آپ نے انہیں آگاہ کیا کہ تم پر عذاب آجائے گا۔ وہ اس سے بے خوف رہے۔ انہیں عذاب نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ آپ نے ان سے منہ پھیرا اور فرمایا :

يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ﴿٧٩﴾

اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچایا اور تمہیں نصیحت کی ولیکن تمہیں ناصحین سے محبت ہی نہ تھی)۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾

اور یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آپ کی قوم پر عطا فرمائی۔ ہم درجات بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں۔ بے شک تمہارا ربّ حکمت والا علم والا ہے۔

صاحبو! حجت وہ دلیل ہوتی ہے جس سے اللہ کے مقبول بندے اپنے مخاطب کو ایسے مقام پر پہنچنے میں مدد دیتے ہیں جہاں سے وہ اپنے موقف کے نقص کو دیکھ سکے۔ جسے اللہ تعالیٰ حجت عطا فرمائے اس کے درجات میں رفعت آنے لگتی ہے۔ رفعت درجات اللہ کے چاہنے ہی سے ممکن ہوتی ہے اور اللہ کے چاہنے میں ہمیشہ حکمت بھی موجود ہوتی ہے، علم بھی موجود ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ حجت عطا فرمادے تو اس کا منشاء رفعت درجات ہوتا ہے۔ اللہ جس کا درجہ بلند کرے اسی کو بلند ماننا چاہیئے، اس میں حکمت بھی موجود ہوتی ہے، علم بھی موجود ہوتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور ہم نے آپ کو اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) عطا کیے۔ ان سب کو ہم نے راہ دکھائی۔ اور اس سے قبل نوح (علیہ السلام) کو راہ دکھائی اور اس کی ذریت سے داوٗد (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) اور ایوب (علیہ السلام) اور یوسف (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کو۔ اور ہم محسنین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حجت عطا فرمانے کے ساتھ اور رفعت درجات کے انعام کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑھاپے میں حضرت اسحاق علیہ السلام عطا فرمائے اور ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بنی اسرائیل کے جدامجد ہیں، اور نبوت ایک مدت تک بنی اسرائیل میں ہی رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام آدم ثانی بھی کہلاتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جد ہیں۔ حضرت داوٗد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام صبر کے اعتبار سے روشنی کا مینار ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواہش نفس سے جڑی ہوئی جاہ و حشمت کے مقابل قید کو پسند کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے ساتھیوں کے مظالم سے نجات دلائی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا اور اپنے بھائی کا اس طرح ادب کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر حکم خداوندی کے مطابق تشریف لے گئے اور بنی اسرائیل نے بت پرستی شروع کر دی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں بت رو کا گروہ باز نہ آئے. اس حال میں بھی آپ نے بنی اسرائیل کو تفرقے سے بچایا۔ یہ سب محسنین ہیں۔ اللہ نے اپنے کرم سے ان سب حضرات گرامی قدر کو اپنی راہنمائی سے نوازا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسن عمل کی ایسی جزا دی جاتی ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ اس لئے بادشاہی کی صورت میں بھی خدمت خلق ہو اور اس جذبے کے ساتھ ہو کہ لوگ استکبار سے محفوظ رہیں، صبر کی صورت میں بھی عطائے الٰہی کو پورا دیکھا جائے اور حرف شکایت سے زبان و جسم آلودہ نہ ہوں، خواہش نفس کی پیروی کے ساتھ حاصل ہونے والی ہر سہولت پر پاؤں رکھ کر رضائے الٰہی کو مقصود بنایا جائے، مشکل مقامات پر اپنے ساتھیوں کو حوصلہ دیا جائے اور علم سے ان کی رہنمائی کی جائے اور جب خلافت ملے تو لوگوں کو تفرقے سے بچایا جائے، تو یہ سب حسن عمل کی

صورتیں ہیں۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٦﴾

اور زکریا (علیہ السلام) اور یحیٰ (علیہ السلام) اور عیسٰی (علیہ السلام) اور الیاس (علیہ السلام) سب صالحین سے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں اسرائیلی روایت کے مطابق جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے پناہ لینے کی بجائے درخت سے پناہ مانگی، قرآن پاک میں ان کے شبہات کے ازالے کے لئے سند نازل فرمائی گئی ہے اور حضرت زکریا علیہ السلام کے صالح ہونے کی اللہ نے شہادت دی ہے۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام بھی صالح ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام بھی صالح ہیں۔ ان حضرات کے متعلق اگر کسی نے اپنے گمان سے کوئی برائی منسوب کی ہے تو وہ صریحاً گناہگار ہے۔

حاصل : صالحین کے متعلق بات کرنے کا حق اسی کو ہوتا ہے جو اپنی خواہش کی پیروی نہ کرتا ہو اور ان کے علم سے آگاہ ہو۔ جو صالحین کی راہ پر نہ ہو اس کا صالحین کے متعلق بیان ہمیشہ بے حقیقت ہوتا ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾

اور اسماعیل (علیہ السلام) اور یسع (علیہ السلام) اور یونس (علیہ السلام) اور لوط (علیہ السلام)۔ اور ان سب کو ہم نے عالمین پر فضیلت دی۔

بنی اسرائیل کے ان لوگوں نے جو حق کے مقابل من مانی کرنے کی طرف راغب تھے، ایسی کہانیاں جوڑ کر سنائیں کہ لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ نبی بڑے علم والے لوگ ہوتے ہیں، اللہ کے بہت قریب ہوتے ہیں، مگر ان سے بھی ایسے اعمال سرزد ہوتے رہے ہیں جو اللہ کے فرمان کے خلاف ہوتے ہیں۔ ایسی کہانیاں سنانے کا منشاء ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کو نبی کے اتباع کے مقابل من مانی کرنے کی طرف رغبت ہو اور برائی اتنی کثرت سے ہونے لگے کہ اس کو رسم و رواج کا درجہ مل جائے اور برائی کرنے والے کی بجائے برائی کو روکنے کی سعی کرنے والا لوگوں کے غضب کا نشانہ بنے۔ ان سب انبیاء کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ انہیں بڑی فضیلت سے نوازا گیا۔ اب اگر کوئی روایت ان کی شان اور فضیلت کو کم کرتی ہوئی معلوم ہو تو وہ قطعاً غلط ہو گی اور لائق نفرت ہو گی۔ اللہ کے فرمان کے مقابل، کسی کے بیان کو اہمیت دینا، ایمان باللہ کے نہ ہونے کو ثابت کرتا ہے۔

حاصل : اللہ نے جس کو فضیلت دی وہی فضیلت والا ہے۔ صاحبِ فضیلت کے بارے میں ایسی بات کرنے والا، جس سے فضیلت کی نفی ہوتی ہو، لائقِ نفرت ہے۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾

اور ان کے آباء سے اور ان کی اولادوں سے اور بھائیوں سے، اور ہم نے انہیں پسند کیا اور انہیں صراطِ مستقیم کی طرف راہ دی۔

ان حضرات گرامی قدر کے آباء میں سے بھی ان کی اولادوں میں سے بھی اور ان کے بھائیوں میں سے بھی اللہ نے حسنِ عمل والوں کے درجات بلند کئے، انہیں پسند کیا اور صراطِ مستقیم ان پر روشن فرمایا۔ صراط مستقیم وہ راستہ ہوتا ہے جس پر چل کر خوف و حُزن سے نجات ملے اور اطمینانِ قلب حاصل ہو۔ پاک رہنے کی سعی کرنا بندے کا حق ہے اور صراطِ مستقیم دکھانا اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ صراطِ مستقیم پر چلنے والے سے محبت ہو جائے تو کفر، فسق اور عصیان سے کراہت ہو جاتی ہے اور مشقت بھی معاف ہو جاتی ہے۔

حاصل : پاک رہنے کی سعی کرنا بندے کا حق ہے۔ صراطِ مستقیم دکھانا اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ صراطِ مستقیم پر رہنے والوں کو پریشانی نہیں ہوا کرتی۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

یہ اللہ کی ہدایت ہے، اپنے بندوں سے جسے چاہے دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے۔

جو لوگ ہدایت یافتہ ہوئے ہیں، انہیں اللہ ہی نے ہدایت دی ہے۔ اور یہ سب انبیاء کرام کی اطاعت و اتباع کرنے والے لوگ تھے۔ انبیاء وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے اپنا شاہد بنا کر بھیجا۔ ان کے اعمال میں نقص کا تصور بھی انتہائی بے ادبی ہے۔ یہ بات، ان کی ہے جو انبیاء سے تعلق رکھتے تھے، کہ اگر یہ لوگ شرک کرتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے۔ ماننے والے کی شان یہی ہے کہ اپنے شاہد کے اتباع میں کسی مقام پر من مانی نہ کرے کہ یہی شرک ہے اور اس سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ جب حال اور ماضی میں تعلق نہ رہے تو سابقہ اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

حاصل : ہدایت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اپنے شاہد کے اتباع میں من مانی کرنا شرک ہے اور شرک سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۹۰﴾

یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائی۔ تو اگر یہ لوگ اس کا انکار کریں، تو ہم نے اس کے لئے ایسے لوگ لگا رکھے ہیں جو اس کا انکار نہ کریں۔

جن لوگوں کو اللہ نے کتاب عطا فرمائی، حکم عطا کیا اور نبوت کی روشنی سے سرفراز کیا، انہوں نے حق کا شکریہ ادا کیا تو اللہ نے انہیں پسند کیا۔ اگر انبیاء کرام کو ماننے والے کسی جگہ من مانی کرتے اور کسی جگہ حق کو مانتے رہتے تو یقیناً ان کے ماضی اور حال کا تعلق ٹوٹ جاتا اور اعمال بے حقیقت ہو جاتے۔ اسی طرح اگر حال پر سننے والے اس حق کا انکار کریں گے، تو ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو حق کو مانیں گے جیسے ماننے کا حق ہے۔ منکرین کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اس لئے کہ وہ شرک کرتے ہیں۔ جن کے اعمال ضائع ہو رہے ہوں ان کا سب کچھ اکارت جا رہا ہوتا ہے اور وہ جلد ہی مغلوب ہو جاتے ہیں۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے جلد ہی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ ان کے بعد تسلط انہیں ملتا ہے جو حق کو مانتے ہیں، جیسے ماننے کا حق ہوتا ہے۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع ۸ / ۱۶

یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، تو تم انہی کی اقتداء کرو۔ فرما دیجئے میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا۔ یہ تو عالمین کے لئے نصیحت ہے۔

قرآن پاک کا عالمین کے لئے نصیحت ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہی تمام عالمین کے لئے معیار مطلق ہو جائے گا۔ اگر کوئی اس کے احکام کو مانتا ہے تو اس میں اس کا بھلا ہے اور اس بھلے کا اس سے کوئی اجر طلب نہیں کیا جاتا۔ جیسے پہلے پاک لوگوں نے اپنے شاہد کے اتباع میں کسی جگہ من مانی سے شرک کا ارتکاب نہیں کیا، ویسے ہی اب بھی پاک لوگوں کا یہ حق ہے کہ وہ انہی کی راہ پر چلتے رہیں۔ فلاح کبھی شرک میں نہ ہوئی ہے، نہ ہو سکتی ہے۔

حاصل : حق کو بیان کرنے والے کو کبھی اجر کا سوال نہیں کرنا چاہئے۔ نصیحت کو ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں۔ اگر حال پر موجود لوگوں کے رویئے سے مایوسی ہو رہی ہو، تو آنے والے لوگوں کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ماننے والے ہوں گے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں فرمایا ہے:

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرتا رہے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللّٰهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ ۗ قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ ۖ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۖ وَعُلِّمْتُم مَّا لَمْ تَعْلَمُوا أَنتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ۖ قُلِ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٢﴾

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسے اس کی قدر کرنا حق ہے، جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ فرما دیجئے کہ وہ کتاب جو موسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے، لوگوں کے لئے نور و ہدایت تھی، کس نے نازل فرمائی، جس کو تم نے ورق ورق کر کے دکھلایا اور بہت سا مخفی رکھا، اور تمہیں وہ علم دیا گیا جو نہ تمہیں معلوم تھا اور نہ تمہارے باپ دادا کو۔ فرما دیجئے اللہ نے، پھر انہیں ان کی بے ہودگی میں کھیلتا چھوڑ دیجئے۔

یہود کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ مجادلہ کرتے ہوئے جب یہاں تک کہہ دیں کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا تو رب العالمین کی تنزیل کا انکار، حقائق کا انکار کرنے والی بات ہے۔ ان سے یہ پوچھا جائے کہ اگر اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں فرمایا تو جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے اور جس میں لوگوں کے لئے نور تھا، ہدایت تھی، جس کو تم نے ورق ورق کر دیا، جس کا کچھ حصہ لوگوں کو دکھاتے ہو اور بہت سا ان سے مخفی رکھتے ہو، جس بات کا بیان کرنا تمہارے مفاد میں نہ ہو اس کو بیان نہیں کرتے، اور تورات میں تمہیں اس علم سے نوازا گیا جو تمہیں بھی پہلے حاصل نہ تھا اور تمہارے آباء کو بھی نہ تھا، تو یہ تورات کس نے نازل فرمائی۔ یہ معطیٔ مطلق کی بے قدری ہے کہ اس کی عطا سے استفادہ بھی کیا جا رہا ہو اور اس کا انکار بھی کیا جا رہا ہو۔ جہاں سوال کیا جائے، وہاں جواب دینے والا اگر حق کی طرف نہ آرہا ہو تو خود ہی جواب دے کر بات کو پورا کر دینا چاہیئے اور حق کے منکرین کو بے ہودگی میں کھیلتے چھوڑ دینا چاہیئے۔

حاصل : مجادلے میں جب کوئی حق کا انکار کرتے کرتے اس بنیاد کی ہی نفی کر دے، جس پر کھڑا ہو کر وہ بات کر رہا ہو تو پھر اپنے سوال کا جواب خود ہی دے کر بات کو پورا کر دینا چاہیئے۔ جس علم کی بدولت ہمیں جہالت سے نجات ملی ہو اس کے عطا کرنے والے کی قدر کرنا بڑا حق ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور یہ مبارک کتاب ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے، ان کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے ہیں اور اس لئے کہ ام القریٰ اور جو اس کے گرد ہیں، کو ڈر سنایا جائے۔ اور جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں، اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

قرآن پاک برکت والی کتاب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے پہلی آسمانی کتابوں کا مصدق بنا کر نازل فرمایا ہے۔ اگر پہلی کتابوں کا کوئی حصہ قرآن پاک کے بیان کے خلاف ہو تو یقیناً وہ حصہ اہل کتاب کی ذاتی اغراض کی وجہ سے بدل دیا گیا ہے۔ فرمانِ خداوندی کا منشاء لوگوں کو پاک رکھنا ہے، خواہش کی پیروی سے روکنا ہے اور مخلصین کے نقوش قدم سے صراط مستقیم کو روشن کرنا ہے۔ یہی پہلے تھا، یہی اب ہے۔ اس میں تضاد کا کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ عالمین کے انذار کے لئے ہے اور اس انذار کی ابتدا تمام بستیوں کی ماں سے ہو رہی ہے اور یہیں سے یہ عالمین تک پہنچ پائے گی۔ مکہ مکرمہ ساری دنیا کا مرکز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو بیت اللہ کے لئے پسند فرمایا ہے۔ جس بات میں بھی اللہ کی مخلوق کی بھلائی ہو، اسے مکہ مکرمہ سے شروع ہونا چاہئے۔ قبول عام کے لئے کسی بھی کام کی ابتدا کا صحیح مقام سے ہونا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن پاک کو وہی لوگ مان سکتے ہیں جنہیں یہ یقین ہو کہ ان کا ایک منشاء حیات ہے اور توفیق ایزدی کے استعمال کے مطابق انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اپنے حال اور اعمال پر نظر رکھنے والے یہ لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ نمازوں کی حفاظت کی صورت یہ ہے کہ نمازوں کے مقررہ اوقات سے پہلے یہ بندے نماز کی نیت سے وضو کرتے ہیں اور ادائیگی کے لئے تیار رہتے ہیں۔ نہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں نہ خفی آواز سے پڑھتے ہیں، بلکہ اس کے درمیان کی راہ اختیار کرتے ہیں اور نماز کے بعد اپنی زبان کو شوکت نفس سے بچاتے ہوئے قول سدید کے درجے میں رکھتے ہیں اور اعمال کو استکبار سے بچاتے رہتے ہیں۔ جہاں اپنی شان بلند ہوتی ہوئی معلوم ہو اپنے معلم اور شاہد کا شکریہ ادا کرنے لگتے ہیں۔ اس سے ان کے درجات میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

حاصل : قرآن پاک برکت والی کتاب ہے۔ حق کی تصدیق کے لئے یہی نہ بدلنے والا معیار ہے۔ بھلائی کرنا بڑے علم کا کام ہے۔ ابتدا صحیح مقام سے ہو تبھی کماحقہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ جو آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ غافل نہیں ہے۔ جو غافل نہیں ہے وہ قرآن پاک کو مانتا ہے اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر

اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۗ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۤئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ۗ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾

کذب سے افترٰی باندھے یا کہے مجھے وحی ہوئی ہے اور اسے کچھ وحی نہ ہوئی ہو، اور کہے کہ میں ابھی نازل کرتا ہوں، اس کی مثل جو اللہ نے فرمایا۔ اور اگر تم دیکھو کہ جب ظالم موت کی سختیوں میں ہوں اور ملائکہ اپنے ہاتھ بڑھا کر کہہ رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تمہیں خواری کا عذاب ملے گا اس لئے کہ تم اللہ کے متعلق ناحق باتیں کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبّر کرتے تھے۔

جو فرمان خداوندی کے خلاف حکم کرے وہ ظالم ہوتا ہے اور جو اللہ پر کذب سے افترٰی باندھے وہ اظلم ہوتا ہے۔ جو اپنے آپ کو اس درجے پر مامور بتائے جو اللہ نے صاحب وحی کو عطا فرمایا ہے اور اللہ کی طرف سے اسے کچھ وحی نہ ہوتی ہو، تو وہ اظلم، باتوں کو ہی دین سمجھ رہا ہوتا ہے اور فرمان خداوندی کے مقابل بات بنانے کی کوشش کرتا ہے مگر اس کی کوشش اسے کاذب ثابت کرتی ہے اور مفتری ثابت کرتی ہے۔ جو لوگ کسی بات کے حاصل پر نظر رکھتے ہوں وہ کبھی ایسے لوگوں کی باتوں کو وقعت نہیں دیتے۔ اللہ کا فرمان علم مطلق سے ہے جو اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا فرمان اپنے اندر بشارت و انذار رکھتا ہے کہ یہ جزا دینے والے کی شان ہے جو اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے فرمان میں خوف و حزن سے نجات کا راستہ موجود ہے، جو اس فرمان کے مثل لانے والوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ جو فرمان خداوندی کی اہمیت سے آگاہ نہ ہو وہی ایسی بے ہودہ بات کر سکتا ہے، کہ وہ اس کی مثل لا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں پر موت کا وقت آتا ہے تو ان کو سب افترٰی بھول جاتا ہے۔ وہ توفیق ختم ہو رہی ہوتی ہے جس کی بدولت یہ باتیں بنایا کرتے تھے اور جب فرشتے یہ کہتے ہیں نکالو اپنی جانیں، آج تمہیں خواری کا عذاب ملے گا، اس لئے کہ تم اللہ کے متعلق ناحق باتیں کرتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کرتے تھے، اس وقت ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والا ظالم ہوتا ہے اور اللہ کے متعلق ناحق باتیں بنانے والا اظلم ہوتا ہے۔ اظلم متکبر ضرور ہوتا ہے۔ اس کی بات میں حاصل کلام کو تلاش کیا جائے تو اس کا دعویٰ جلد ہی جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے۔ مفتری موت کے وقت ذلت کے عذاب میں مبتلا ہوا کرتا ہے اور دیکھنے والوں کے لئے اس میں عبرت موجود ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

اور بے شک تم ہمارے پاس فرداً فرداً

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰكُمۡ وَرَآءَ ظُهُوۡرِكُمۡ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمۡ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّهُمۡ فِيۡكُمۡ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدۡ تَّقَطَّعَ بَيۡنَكُمۡ وَضَلَّ عَنۡكُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۹۵﴾ ع

آئے جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار خلق فرمایا تھا اور تم پیچھے چھوڑ آئے ہو جو سامان ہم نے تم کو دیا تھا، اور ہم تمہارے ساتھ شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جو تمہارے زعم میں تم میں شریک تھے۔ بے شک تمہارے مابین تعلق منقطع ہو گیااور گم ہو گئے تم سے، جن کا تمہیں زعم تھا۔

جیسے پیدائش فرداً فرداً ہوئی ہے، ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی بھی فرداً فرداً ہوگی۔ جس سامان سے حیات دنیا میں بڑا تعلق ہوتا ہے وہ بھی ساتھ نہیں جا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا کہ تم تو اسی طرح اکیلے آئے ہو جیسے دنیا میں اکیلے پیدا ہوئے تھے اور جو سامان تمہاری زندگی میں تمہیں دیا گیا تھا وہ بھی سب پیچھے چھوڑ آئے ہو اور تمہارے ساتھ شفاعت کرنے والے بھی نہیں ہیں جن کو تم اللہ کا شریک مانتے تھے اور جن کے متعلق تمہیں گمان تھا کہ مرسلین کے احکام کی خلاف ورزی کا گناہ وہ معاف کرا دیں گے۔ اب ان کے ساتھ تمہارا کچھ تعلق نہیں رہ گیا۔ یہ سب تعلق در حقیقت تمہارا اپنا گمان تھا جو تم سے گم ہو گیا ہے۔ اس وقت ان کو مرسلین کی صداقت میں کوئی شک نہیں ہو گا۔ یہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ مگر عمل کے لئے دی گئی مہلت لوٹائی نہیں جائے گی، اس لئے توبہ لائق ساعت نہیں ہوگی۔

حاصل : جیسے فرداً فرداً اس دنیا میں بغیر کسی سامان کے آنا ہوا ہے، ویسے ہی فرداً فرداً اس دنیا سے اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی ہو گی۔ وہ سامان جو دنیا میں حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دیا جانا منظور نہ ہو تو اس کا حصول قطعاً ناممکن ہو۔ پھر خواہش کی پیروی کر کے اسی سامان کو ناپاک ہاتھ سے لینے کی بجائے پاک رہ کر پاک ہاتھ سے لینا چاہئے۔ کسی کا گمان اسے حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ جو تعلق تقوے پر قائم نہ ہو وہ دائمی ہو ہی نہیں سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد (13) میں ارشاد فرمایا ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی، وہ اس پر خوش ہوتے جو تمہاری طرف نازل ہوا، اور ان گروہوں میں سے کچھ اس کے بعض سے منکر ہیں۔ فرما دیجئے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشۡرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيۡهِ اَدۡعُوۡا وَاِلَيۡهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

مجھے تو یہی امر ہے کہ اللہ کی عبدیت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤں۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے پھرنا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾

بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ یہ ہے تمہارا اللہ تو تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لئے یہ بیان فرما کر لوگوں کو شرک سے پاک ہونے کی راہ دکھائی ہے۔ دانہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو اس کے اگنے کے لئے مناسب نمی، مناسب ماحول اور مناسب درجہ حرارت لوازمات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دانے کو موزوں وقت پر پھاڑنا اور اس سے پودے کو پیدا کرنا علیم مطلق ہی کا کام ہے۔ گٹھلی کی سختی کو دیکھنے والے جب اس سے پودے کو اگا ہوا دیکھتے ہیں، تو انہیں یہ خیال آتا ہے کہ اس کو پھاڑ کر اس سے بہت ہی نازک پتوں کو پیدا کرنے والا تخلیق کا مطلق علم رکھتا ہے۔ کن مدارج سے گٹھلی کو گزارا گیا، کیسے اس کے اندر خوراک کے ذخیرے کو پودے کے اگنے میں استعمال کیا گیا، جیسے جیسے انسان اس عمل تخلیق کے مدارج کو جانتا جائے صانع حقیقی کی شان ارفع اس پر روشن ہونے لگتی ہے۔ زندگی کا عمل جاری ہی اس طرح ہے کہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالا جا رہا ہے۔ بیج سے پودے کا اور پودے سے بیج کا پیدا ہونا، انسان کے مشاہدے میں ہو، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرے، یہ کتنی عجیب بات ہے۔

حاصل : دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا خالقِ کل ہے۔ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنا اسی کے علم کی شان ہے۔ بعث بعد الموت کا انکار مشاہدے میں آنے والے حقائق کا انکار ہے۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾

صبحوں کا نکالنے والا، اور اس نے رات سکون کے لئے اور شمس و قمر حساب کے لئے بنائے، یہ تقدیر ہے زبردست علم والے کی۔

رات کی تاریکی سے صبح کو نکالنے والا اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ رات کو اس نے ہمارے سکون کے لئے بنایا ہے۔ اگر رات کو آرام نہ کیا جائے تو قوت کارکردگی گھٹنے لگتی ہے اور فرائض منصبی کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے۔ اہتمام کرنے والے پر قربان جائیں، ماننے والوں کے لئے ہی نہیں، نہ ماننے والوں کے لئے بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ شمس و قمر کو حساب کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس سے معاملات کو حسن و خوبی سے ادا کرنے کے لئے اور وعدوں کو وفا کرنے کے لئے اوقات کا تعین ممکن ہوا ہے۔ وقت کا شمار غروب آفتاب سے ہوتا ہے۔ اس لئے پہلی نماز، نماز مغرب ہے۔ زبردست علم والے کی قائم کردہ تقدیر میں کبھی فرق نہیں آتا۔ شمس و قمر کا اپنی حرکات کے اعتبار سے جاری رہنا اور کائنات میں اپنے حصے کو باقاعدگی سے ادا کرتے رہنا صانع حقیقی کی شان کو واضح ضرور کرتا ہے۔ کوئی مصنوع سے استفادہ کرتے رہنے کے باوجود صانع کی طرف نہ جھکے تو اس سے بڑی ناشکری کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل : صبح کو اللہ کا ذکر کرنا چاہئے۔ رات کو آرام کرنا ضروری ہے۔ جو کام رات میں ہی کئے جا سکتے ہیں ان کے علاوہ رات کو کچھ نہیں کرنا چاہئے۔ شمس و قمر کو حساب کے لئے بنایا گیا ہے۔ کام کرتے وقت علم سے اندازہ کرنا بہت ضروری ہے، تاکہ خوبی کا تسلسل قائم رہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٨﴾

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے ٹھہرائے کہ بر و بحر کی ظلمات میں ان سے راہ پاؤ۔ ہم نے علم والے لوگوں کے لئے اپنی نشانیوں کو مفصّل فرمایا۔

سفر انسانی ضرورت ہے اور اس کے لئے راستے کا تعین بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ راستے کو دن کی روشنی میں ایسی چیزوں کے حوالے سے متعین کیا جاتا ہے جو اپنے محل پر قائم رہنے والی ہوں۔ رات کو راستے کا تعین ستاروں کے حوالے سے ہی ممکن ہوتا ہے، چاہے یہ تعین بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ ہو۔ خشکی ہو یا سمندر، راستے کے تعین کے لئے اللہ کا مقرر کردہ معیار فائدہ اٹھانے والوں کے کام آتا ہے۔ جو لوگ علم والے ہیں وہ اس تفصیل سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

حاصل : برّ و بحر کے اندھیروں میں راستے کا تعین ستاروں کے حوالے سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ علم والے اللہ کی نشانیوں سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٩﴾

اور وہی ہے جس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا، تو پھر ایک تمہارا ٹھکانا ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی جگہ۔ بے شک ہم آیات کو سمجھ والوں کے لئے مفصل کرتے ہیں۔

تمام انسانوں کو اللہ نے نفس واحدہ سے پیدا کیا ہے۔ نفس واحدہ کے بعد اس کا جوڑا بنایا گیا اور پھر اللہ نے علم مطلق سے بقاء نسل کی صورت مقرر فرمادی۔ ٹھکانا ہے رہنے کی جگہ، اور قبر ہے امانت رکھے جانے کی جگہ، یہ بھی انسانی ضروریات ہیں۔ سمجھ دار لوگ اس بات پر نظر رکھتے ہیں کہ ٹھکانا بہرصورت ایک وقت کے لئے ہے۔ اس لئے ٹھکانے کو ایسا نہیں بنانا چاہئے، جس سے تفاخر کا اظہار ہو، کیونکہ یہ نفس واحدہ سے پیدا ہونے کے احساس کو قائم نہ رکھنے والی بات ہوگی۔ ٹھکانا ایسا ہو کہ اپنے فرائض بطریق احسن ادا کئے جاسکیں، پاکیزگی کے لئے جو صفائی ضروری ہوتی ہے، وہ ضرور ہو اور پاکیزگی کے بغیر صفائی کہیں مقصود نہ ہو۔ ٹھکانا بناتے وقت بھی قبر میں جانے کو یاد رکھا جائے تو پھر ٹھکانا بنانے میں غیر ضروری کاموں سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔ قبر امانت

رکھے جانے کی جگہ ہے۔ اس کی حرمت کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ حفاظت کا حق اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ قبرستان آبادی کی نسبت سے ہو۔ اس میں جانوروں کا گزر ممکن نہ ہو۔ وہاں سایہ دار درخت ہوں اور راستے پہلے بنا لئے جائیں جن پر چلنا ممکن ہو، قبریں بعد میں بنتی رہیں۔

حاصل: نفس واحدہ سے پیدائش کا احساس قائم رہنا چاہئے۔ ٹھکانا بنانے میں غیر ضروری کاموں سے بچنا تبھی ممکن ہوتا ہے، جب قبر بھی پیش نظر ہو۔ قبرستان سے متعلق تمام امور سمجھدار لوگوں کے ہاتھ رہیں تو حفاظت بھی ہوتی رہتی ہے اور اطمینان بھی رہتا ہے کہ تقدس قائم رہے گا۔

وَهُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِۦ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّٰتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَٰبِهٍ ۗ انظُرُوٓا إِلَىٰ ثَمَرِهِۦٓ إِذَآ أَثْمَرَ وَيَنْعِهِۦٓ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا۔ تو ہم نے اس سے اُگنے والی ہر شے نکالی، پھر اس سے ہم نے سبزی نکالی تو اس سے دانے نکالتے ہیں، ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے، اور کھجور کے گابھے سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی۔ اس کے ثمر کی طرف نظر کرو، جب ثمر آئے، اور اس کا پکنا۔ بےشک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے۔

آسمانی پانی بابرکت ہوتا ہے اور زمین کو زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جس قدر اس کی اہمیت واضح ہوتی جائے گی اسی قدر اس کے معطی کی شان کا علم ہوتا جائے گا۔ زمین میں اگنے والی ہر شے انسان کے کام آتی ہے، چاہے وہ اس کے استعمال میں بلاواسطہ آئے چاہے بالواسطہ آئے۔ بہت سی چیزوں کی اہمیت انسان کے علم میں ہے، ایسی بھی چیزیں ہیں جن کی اہمیت ابھی تک انسان پر واضح نہیں ہے۔ مگر مالکِ کل کی شان بے مثل ملاحظہ ہو کہ اس نے بندوں کے لئے پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ غلے کو دیکھو، بیج بویا جاتا ہے اس سے پودا اگتا ہے، اس کی پرورش ہوتی ہے، اللہ کی قدرت سے اس میں دانے بنتے ہیں۔ کس حسن اور ترتیب سے ایک دانہ دوسرے پر چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ دانوں کی حفاظت کے لئے ہر دانے پر خول ہوتا ہے۔ ایک ایک رکن کو دیکھتے جاؤ، صانع حقیقی کے علم کی شان واضح ہوتی جائے گی۔ کھجور کی گٹھلی سے پودے کا نکلنا، دانے سے پودے کے نکلنے کے عمل سے مختلف ہے۔ پھر اس پودے کے ایک عمر کو پہنچ جانے کے بعد اس کے پھلنے کا مقام آتا ہے، اور اس کے گابھے سے پھل کے گچھے جھکے

ہوئے ہوتے ہیں۔ انگور کے گچھوں کو بھی دیکھو، زیتون اور انار کو بھی دیکھو۔ ان سب پھلوں میں کئی باتیں ملتی جلتی ہیں اور کئی مختلف بھی ہیں۔ یہ حقیقت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ یہ سب کچھ از خود نہیں ہو رہا، بلکہ کرنے والے کے کرنے سے ہو رہا ہے۔ جب پھل لگنے لگتا ہے تو اس وقت مادہ پھولوں پر نر پھولوں سے ذرات خصوصی، قدرت کے مقرر کردہ ذریعوں سے پہنچتے ہیں۔ پھر پھل بنتا ہے اور آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے اور پکتا رہتا ہے۔ ایمان والے یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ کی عطا ان کے علم کی بدولت نہیں ہے، اللہ کے فضل کی بدولت ہے۔ پھر جس طرح ہر بیج سے پھل بنتا ہے، اسی طرح خیر و خوبی کے بیج بونے سے خیر و خوبی کا پھل آئے گا، اور اللہ کی رضا کے لئے جہاں معاملہ کیا جائے گا، خیر کا بیج بویا جائے گا، اس کا ثمر بنے گا اور لوگ فیضیاب ہوں گے۔ بیج بونے والا، بوتے وقت بھی پھل کو دیکھ رہا ہوتا ہے، دوسروں کو پھل تبھی نظر آتا ہے جب وہ عملاً لگ چکا ہو۔

حاصل : آسمان سے پانی برسے تو زمین زندہ ہوتی ہے۔ ہر اگنے والی شے کے محل استعمال کو جاننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ غلے اور پھلوں کی غذائی اور دوائی اہمیت کو جان کر معطی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ خیر و خوبی کے بیج بوتے وقت یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ ہو گا۔ بیج بونے والا اجر کے سوال سے پاک رہے تو اس کا عمل فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۲ ۱۸

اور جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور وہ اللہ کے پیدا کردہ ہیں، اور بے علمی سے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑتے ہیں۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔

جنّ اللہ کی مخلوق ہیں اور آگ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ انسان جب حق کے مطابق زندگی گزارنے سے حذر کرنے لگیں تو پھر وہ شیطان کی بندگی کرنے لگتے ہیں۔ پہلے انسان کے اندر ناحق کے لئے طلب پیدا ہوتی ہے، اس طلب کو پورا کرنے والا شیطان معلوم ہوتا ہے، اور پھر اس شیطان کو نتائج پر قادر مان کر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جن بھی مخلوق ہیں۔ اس لئے خالق کی عطا کردہ توفیق سے ہی ان کی زندگی کا عمل جاری ہے۔ نتائج ہمیشہ باذن اللہ ہوتے ہیں۔ خالقِ کل نے اس کا مقام ہی نہیں رکھا کہ اس کے سوا کوئی نفع و ضرر کا مالک ہو۔ جو انسان کے لئے ہے، ملتا اس کو وہی ہے، چاہے وہ اللہ کو مانتے ہوئے پاک ہاتھ سے لے لے اور چاہے شیطان کو مان کر ناپاک ہاتھ سے لے لے۔ جو لوگ اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، ان کی بے علمی دیکھو کہ ان کے مشاہدے میں یہ بات آتی رہتی ہے کہ اولاد والدین کی مثل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بے مثل ہے، اس کی کوئی بیوی نہیں ہے، اس کے کوئی بچے نہیں ہیں۔ بیٹے اور بیٹیوں کے ٹھہرانے سے نعوذ باللہ اللہ کی اولاد کا سلسلہ لامتناہی ہو گیا، یہ بڑی بے ہودہ باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور ایسی باتوں سے برتر ہے۔ خالقِ کل مخلوق نہیں ہو سکتا اور کسی مخلوق کی مثل بھی نہیں ہو سکتا۔ تخلیق کے عمل کو دیکھتے جاؤ، اوپر جاتے جاتے معلوم ہو گا کہ صورتیں بنانے والا خود کوئی صورت نہیں رکھتا۔ صورت

ہمیشہ متعین ہوتی ہے اور وہ وحدہ لاشریک تعین سے پاک ہے۔

حاصل : جہاں حق کے خلاف کرنے سے انسانوں کو زندگی کا عمل آسان ہوتا نظر آنے لگے، وہاں شیطان کی عبادت کا راستہ ہموار ہونے لگتا ہے۔ خالق کل صورت رکھے یہ ممکن ہی نہیں۔ مشرک کے بے علم ہونے کی اللہ نے سند نازل فرمائی ہے، اس لئے مشرک کو کبھی معلم نہیں ماننا چاہیئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا ہے:
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾
اسے علم ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾

آسمانوں اور زمین کا بنانے والا۔ اس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے، اس کی کوئی بیوی نہیں۔ اور اسی نے ہر شے خلق فرمائی ہے، اور وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

آسمانوں اور زمین کو بنانے والا، اللہ تعالیٰ ہے اور لاشریک ہے۔ یہ اتنی بڑی تخلیق ہے کہ اس کے خالق کی طرف نہ جھکنا انتہائی ناشکری ہے۔ اس تخلیق کی پہلے کوئی مثل موجود نہیں تھی۔ اس کے بنانے کے لئے کوئی آلات استعمال نہیں ہوئے۔ یہ تخلیق جس علم سے ہوئی ہے، اس کا احاطہ کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ تخلیق ہمیشہ خالق کے علم کی بدولت ہوتی ہے، اور اسی کے علم سے اپنے فعل کو قائم رکھتی ہے۔ آسمانوں اور زمین کو جو جو کام سپرد کیئے گئے ہیں، حکم الٰہی کے مطابق ٹھیک ٹھیک سرانجام دیئے جا رہے ہیں۔ حکم دینے والا ماضی، حال مستقبل میں ایک ہو تو اس کے ساتھ اولاد کا کوئی تعلق ممکن ہی نہیں۔ جس کا بچہ ہو گا، اس پر موت بھی آئے گی۔ جس پر موت آئے گی اس کی ملکیت دائمی نہیں ہو سکتی۔ جس کی ملکیت دائمی نہیں وہ اللہ نہیں ہے۔ بچہ جب بھی کسی باپ سے منسوب کیا جائے تو بچے کی ماں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کے لئے بیٹے، بیٹیاں گھڑے ہیں، ان کو تدبر کرنے کا موقع دیا جا رہا ہے کہ دیکھو تو سہی کس قدر بے جوڑ بات کر رہے ہو۔ جس نے ہر شے خلق فرمائی ہے وہی ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ ہر شے کو اس کے مقصد تخلیق کے دائرہ کار میں رکھنا اتنا بڑا کام ہے کہ اسے وحدہ لاشریک اللہ ہی کر سکتا ہے۔ ورنہ کائنات میں نظم موجود رہ ہی نہیں سکتا تھا۔

حاصل : جس کی اولاد ہو گی اسے موت بھی آئے گی، جسے موت آئے اس کی ملکیت دائمی نہیں ہوتی۔ اگر بچے کے باپ کا ذکر کیا جائے تو ماں کا بھی کیا جانا چاہیئے۔ ہر شے کو پیدا کرنے والا ہی علیم مطلق ہے، اس لئے ہر شے کے استعمال میں خالقِ کل کے علم سے استفادہ ضروری ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾

یہ ہے اللہ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر شے کا خالق ہے، تو اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر شے پر وکیل ہے۔

آسمانوں اور زمین کا بنانے والا زندگی کے عمل میں ان کے حصے کی تقدیر کرنے والا۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ اللہ ہے اور تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ سجدہ اسی کو ہے، جو لاشریک ہے اور خالق کل ہے۔ اللہ کی عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ قول میں بھی اللہ پاک کی رضا مقصود ہو اور عمل میں بھی اللہ پاک کی رضا مقصود ہو۔ کم علمی سے بھول ہو جائے تو وہ الگ بات ہے، مگر زبان کو حرکت دیتے وقت اللہ کی رضا پر نظر رہے، تو قول پاک رہتا ہے اور اعضا کو حرکت دیتے وقت رضاء الٰہی ملحوظ رہے تو عمل پاک رہتا ہے۔ اگر زبان پاک نہ ہو اور عمل پاک نہ ہو تو چاہے پڑھا کچھ جائے وہ عبادت نہیں ہے۔ وکیل نگہبان ہوتا ہے۔ ہر شے کا خالق ہی علیم مطلق ہو سکتا ہے۔ اور علیم مطلق ہی ہر شے کی حفاظت کر سکتا ہے۔ کوئی بھی شے جو اپنے منشاء تخلیق کو پورا کر رہی ہے، لازم ہے کہ اس کی حفاظت ہو، اس کی نگہبانی ہو۔ اس کی اہمیت سے شعور کی موجودگی میں انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تو پھر ہر شے کو استعمال کرتے وقت اس کا شکریہ ضرور ادا کرنا چاہئے جس کے علم کی بدولت وہ شے بنی، جس کے علم کی بدولت وہ شے مفید ہوئی، جس کی نگہبانی کی بدولت وہ بہ حفاظت استعمال کرنے والے تک پہنچی۔ معطیٔ مطلق کا شکریہ ادا کرنے سے جو برکت حاصل ہوتی ہے، وہ کسی دوسرے طریق سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

حاصل : زبان پاک ہو اور اعمال صالح ہوں تو اللہ کی عبادت ہو رہی ہے، ورنہ کچھ پڑھا پڑھایا جائے وہ اللہ کی عبادت نہیں ہے۔ ہر شے کو استعمال کرتے وقت اللہ کا شکر کرنا چاہئے۔ کسی شے کے بنانے سے لے کر اس کے استعمال میں آجانے تک تمام مقامات پر اس کی حفاظت کرنی چاہئے۔ اس سے اللہ کے ہر شے پر وکیل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، اور اسے آنکھوں کا ادراک ہے اور وہ بڑا لطیف خبر رکھنے والا ہے۔

جس کا تعین ممکن نہ ہو، اس کا ادراک ممکن نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تعین سے برتر ہے۔ اس لئے آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آنکھیں اس مرئی شے کو دیکھ سکتی ہیں، جس سے روشنی ٹکرا کر روشن آنکھوں میں داخل ہو۔ اللہ ضرور سب آنکھوں کا بنانے والا ہے، اس لئے سب اس کے سامنے ہیں۔ کسی بھی حالت میں کوئی آنکھ اس سے اوجھل نہیں ہے۔ دیکھنے والے کے اندر کی کیفیت بھی اور اس کا زاویہ نگاہ بھی اللہ کے سامنے ہے۔ وہ اتنا لطیف خبر رکھنے والا ہے کہ دیکھنے والے کا دیکھنا بھی اس کے سامنے ہوتا ہے اور دیکھنے والے کی نیت بھی اس کے سامنے ہوتی ہے۔

حاصل : تعین ممکن ہو تو ادراک ممکن ہوتا ہے۔ ہر شے کو ایک اندازے سے بنانے والا کلی ادراک رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنے والے کو بھی دیکھتا ہے اور دیکھنے والے کی نیت کی بھی خبر رکھتا ہے، اس لئے ہمارا دیکھنا کبھی رضائے الٰہی کے خلاف نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ہمارا دیکھنا رضائے الٰہی کے تابع نہ ہو تو پھر ہم نے اس بات کو نہیں مانا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَ مَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۵﴾

بے شک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے آنکھیں کھولنے والی نشانیاں آچکیں، تو جس نے دیکھا تو اپنے لئے، اور جو اندھا بنا تو یہ بھی اسی پر ہے، اور میں تم پر حفیظ نہیں ہوں۔

ہر بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ایسا ہے کہ بندے کو اس کے اپنے تجربات اور مشاہدات کے حوالے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نفع اور نقصان دونوں باذن اللہ ہیں۔ اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب اسے کوئی بات منظور ہوتی ہے تو اس کے اسباب خود بخود بننے لگتے ہیں. اور کام بغیر مشقّت کے ہو جاتا ہے۔ جب اسے منظور نہ ہو تو اسباب کی موجودگی بھی مطلوبہ نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ توفیق ہر مقام پر معطئ مطلق ہی عطا کرتا ہے۔ اس کی عطا کو اپنی خواہش کے مطابق تصرف میں لانے والا خوف و حزن میں گھرتا چلا جاتا ہے، اور اس کی عطا کو معطی کی رضا کے مطابق تصرف میں لانے والا راحت پاتا ہے۔ آنکھ میں دیکھنے کا مقام ہو تو یہ ضرور نظر آتا ہے کہ زندگی کا عمل پالنے والے کے علمِ مطلق سے جاری ہے اور جسے لوگ اپنا کمال سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ محض اللہ کے فضل کی بدولت ہوتا ہے۔ جو اللہ کے فضل کو اپنی منصوبہ بندی کا کمال سمجھے اور تکبر کرنے لگے وہ اندھا ہے۔ دیکھنے والے کے دیکھنے سے دیکھنے والے کو فائدہ ہو گا۔ اندھے بن جانے والے کو اس کا اندھا پن نقصان دے گا۔ ہدایت و انذار کا حق ادا کرنے والے کے ذمے یہ نہیں ہے کہ کسی کو جبراً فلاح تک پہنچا دے۔ جس عمل میں عامل کی رضا شامل نہ ہو وہ اس کا اجر نہیں ہوتا۔ اس لئے دین میں اکراہ کا کوئی مقام نہیں رکھا گیا۔

حاصل : بصائر وہ روشن نشانیاں ہیں جو ہر بندے کو اس کے اپنے تجربات اور مشاہدات کے حوالے سے معبود کے ماننے میں مدد دیتی ہیں۔ جو اپنے تجربات اور مشاہدات کے باوجود معبود کو ماننے کی بجائے استکبار کرے۔ وہ اندھا ہے۔ دین میں اکراہ کا مقام نہیں رکھا گیا، اس لئے جبراً کسی کو فلاح تک پہنچانا، جبکہ اسے اپنے نفع اور نقصان کا شعور بھی ہو، بے جا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَ لِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ

اور ہم اسی طرح آیات میں تصرّف فرماتے ہیں اور تاکہ وہ کہیں آپ نے تو پڑھا ہے اور

يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اس لئے کہ علم والوں کے لئے یہ واضح ہو۔

آیات کو کھول کر بیان کرنا راستے کو روشن کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جو لوگ حاصل کلام پر نظر نہیں رکھتے، وہ صرف الفاظ کو اہمیت دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کم فہمی ہمیشہ مثالی ہوتی ہے۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ مکرمہ میں لوگوں کے درمیان رہے، کہیں سے کوئی درس نہیں لیا، کہیں سے کوئی اکتساب نہیں کیا۔ اعلان نبوت تک حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھتے رہنے کے باوجود آپ کی زبان پاک سے حق کو بیان ہوتے دیکھ کر انہیں یہی خیال آیا کہ یہ بیان کسی نے سکھا دیا ہے۔ اس کے خلاف علم والوں نے یہ دیکھا کہ اس روشن بیان میں طریق زندگی کو اس قدر منور کر دیا گیا ہے کہ قول ہو یا عمل بشارت وانذار کی موجودگی میں راہ راست بالکل واضح ہے۔ حق و باطل کے درمیان حد فاصل اس قدر واضح ہے کہ خواہش کے اتباع سے بچنے والے کو کبھی شکوک کی ظلمات گھیر نہیں سکتیں۔ معرفت کی طلب ہو تو اپنے مشاہدات سے اپنے رب کی، آنکھیں کھولنے والی نشانیاں ضرور نظر آتی ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے روشن بیان سے بھی لوگ اپنے اپنے ظرف کے مطابق متاثر ہوتے ہیں۔ حاصل کلام پر نظر نہ رکھنے والے الفاظ میں پھنسے رہتے ہیں، اور حاصل کلام پر نظر رکھنے والوں کو روشن بیان سے تقویت ملتی ہے، اور وہ علم حقیقی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٧﴾

اس کا اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے ربّ نے وحی فرمائی، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور مشرکین سے اعراض کرو۔

جو اللہ نے نازل فرمایا ہے وہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔ حق کا اتباع کرنے سے راحت حاصل ہوتی ہے اور معبود کو ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر کسی جگہ اپنی مرضی کر لی جائے اور کسی جگہ اللہ کو مانا جائے تو زندگی تضاد کا شکار ہو جاتی ہے۔ تضاد سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ مشرکین سے اعراض کیا جائے اور مومنین کبھی مشرکین کی زندگی سے کوئی حوالہ نہ دیا کریں۔

حاصل : اللہ کے فرمان کو ماننے میں ہی فلاح ہے۔ یہی اللہ کو معبود ماننے کا ثبوت ہے۔ مشرکین کی زندگی سے اعراض ایسے ہو کہ وہاں کوئی بات قابل حوالہ نظر نہ آئے۔ قول ان کے قول سے ملتا جلتا نہ ہو، اعمال ان کے اعمال سے ملتے جلتے نہ ہوں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان پر حفیظ نہیں ٹھہرایا، اور

نہ آپ ان پر وکیل ہیں۔

اس بات کو اگر کوئی یوں سمجھے کہ جب اللہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ شرک کریں تو پھر مشرک [illegible] یا قصور ہے، تو یہ صریحاً بےادبی ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں کو خواہش [illegible] نہ دی جاتی تو شرک کا ارتکاب محال ہوتا۔ مگر اسی توفیق کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال [illegible] سارا شرف و فضیلت انسان کو مل سکتا ہے۔ توفیق کو استعمال کرنا بندے کے ذمے ہے، اور اسی کی بند [illegible] ی دی جائے گی۔ شاہد کا یہ مقام نہیں رکھا گیا کہ وہ بشارت و انذار کا حق ادا کرنے کے بعد کسی کو اس کے انجام سے بچانے کی کوشش کرے۔

حاصل : اگر خواہش کی پیروی کی توفیق انسان کو حاصل نہ ہوتی تو شرک کا ارتکاب محال ہوتا۔ مگر یہی توفیق اگر معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال ہو تو شرف و فضیلت کا باعث بنتی ہے۔ اس لئے یہ توفیق عطائے الٰہی ہے۔ شاہد کے ذمے نہ تو کسی کو بالجبر خیر کی راہ پر رکھنا ہے، نہ کسی کو اس کے انجام سے بچانا ہے۔ اس کا حق یہی ہے کہ وہ ماننے والوں کو اور نہ ماننے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کر دے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾

اور انہیں بُرا نہ کہو جن کو اللہ کے مقابل یہ پکارتے ہیں، کہ وہ بے علمی اور عداوت سے اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر امت کے سامنے ان کے عملوں کو زینت دی، پھر انہیں اپنے ربّ کی طرف مراجعت کرنی ہے، تو وہ انہیں بتا دے گا جو عمل وہ کرتے تھے۔

کافروں کے ساتھ جو اللہ کے مقابل دوسرے معبودوں کو پکارا کرتے ہیں جب بھی بات ہو تو مومنین کو یہ احتیاط بالکلیہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ وہ ان کے معبودوں کے بارے میں اپنی قلبی کیفیت کو اس طرح بیان کریں کہ کافروں کی عداوت اور بے علمی ان کے اندر حدت نہ پیدا کر دے۔ ورنہ اس کے دو نقصان ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ وہ کافر سننے کے مقام سے ہٹ جائیں گے۔ دوسرے وہ اپنی بے علمی اور عداوت کے اظہار کی بدولت حق سے مزید دور ہو جائیں گے۔ اپنے عقائد کے ساتھ ہر امت کو ایک لگاؤ ہوتا ہے اور انہیں اپنے اعمال بڑے بھلے لگتے ہیں۔ یہ زینت جو منکرین حق کو اپنے اعمال میں نظر آتی ہے حقیقی نہیں ہوتی۔ اس کی بنیاد آخرت کا عدم یقین ہوتا ہے۔ یہ زینت اللہ کی رضا کے خلاف کسی حوالے سے اپنے لئے امتیازات تلاش کرنے والوں کو ہی نظر آیا کرتی ہے۔ جب یہ اپنے رب کی طرف لوٹیں گے، تو وہ انہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ حقیقت میں معاشرتی

زندگی کے حوالے سے اس امت کے اعمال اچھے ہیں، جس میں استکبار کے لئے کوئی گنجائش موجود نہ ہو اور جس میں لوگوں کی تکریم تقوے کے حوالے سے ہو۔

حاصل : منکرین حق کے ساتھ بات کرتے وقت ان کی بے علمی اور عداوت کو ساکن رکھنا ضروری ہے، ورنہ وہ دور بھی ہوں گے، گستاخی بھی کریں گے۔ معاشرتی زندگی میں استکبار کی گنجائش نہ ہو اور لوگوں کی تکریم تقوے کے حوالے سے ہو تو یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ صورت ہو گی۔ ورنہ جو بھی ہو گا لوگوں کی اپنی پسند کے تحت ہو گا اور معاشرتی امن کو کم کرنے کا باعث بنے گا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَاۗءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۰

اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکید سے، کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے۔ فرما دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں، اور تمہیں کیا پتہ کہ جب وہ نشانیاں آئیں گی تو یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

جو لوگ حق کو ماننے کے لئے نشانیاں طلب کرتے ہیں. وہ بڑے زور سے قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی جسے وہ طلب کرتے ہوں آجائے تو وہ حق پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی نشانی طلب کرے اور اس کی مطلوبہ نشانی اس کے سامنے آجائے تو پھر اس نشانی کے دیکھ لینے کے بعد حق کے منکر کی بیخ کنی میں کبھی دیر نہیں کی جاتی۔ اس لئے نشانیاں عطا کرنے والا علیم مطلق سب سے بڑا جاننے والا ہے کہ لوگ نشانی کو دیکھ کر ایمان لانے والے ہیں یا انکار کرنے والے ہیں۔ وہ اگر کافروں کی مطلوبہ نشانی عطا نہیں فرماتا تو یہ بھی انہیں رعایت دینے کی صورت ہے۔

حاصل : مومنین کی شان یہی ہے کہ وہ حق کے منکرین کو ان کی طلب سے جو بدلتی بھی رہتی ہے، بندھا ہوا دیکھیں۔ ایمان تو وہی لایا کرتے ہیں جن پر حق کے مطابق ہونے کی اہمیت واضح ہو۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱۱

اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں، جیسے کہ وہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے، اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے کرتے اپنی خواہش کی پیروی پر اڑ جاتے ہیں ان کے قلوب پر مہر کر دی جاتی ہے۔ ان کی آنکھیں حق سے پھر جاتی ہیں۔ حق کو سن کر جو انکار وہ پہلے کر چکے ہوتے ہیں وہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔ پھر حق کے سننے سے ان کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حاصل : جو دل کی آنکھوں سے بصائر کو دیکھ کر قادر مطلق پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے ساتھ بندھا رہتا ہے، اس کا دل اور آنکھیں حق سے پھر جاتی ہیں۔ انکار میں جلد بازی یہ ثابت کرتی ہے کہ سننے کا حق پوری طرح ادا نہیں ہوا۔ جسے اللہ سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دے مومنین کا اس سے کیا واسطہ رہ جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء (17) میں ارشاد فرمایا ہے، جو یہ جلد والی چاہے ہم اسے جلد دے دیتے ہیں، جو چاہیں جسے چاہیں، پھر اس کے لئے جہنم ہوگی کہ اس میں جائے گا، مذمت کیا ہوا، دھکے کھاتا ہوا۔

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ﴿١٩﴾

اور جو آخرت چاہے اور اس کے لئے سعی کرے، سعی کرنا، اور ہو مومن تو انہی کی سعی مشکور ہوئی۔

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿١١١﴾

اور اگر ہم ان کی طرف ملائکہ نازل فرماتے اور مُردے ان سے کلام کرتے اور ہم ہر شے ان کے سامنے اٹھا لاتے، تب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ اللہ چاہتا۔ ولیکن وہ اکثر جاہل ہیں۔

لوگوں کی مطلوبہ نشانیاں لا کر دکھانے سے بھی وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔ ان کا نفس ان کی خواہشات کو ابھارتا رہتا ہے اور یہ ایسا مسلسل عمل ہوتا ہے کہ کسی ایک مطالبے پر وہ ٹکتے ہی نہیں۔ اگر آسمان سے ملائکہ آکر رسالت کی تصدیق کریں اور مُردے ان سے کلام کریں اور اللہ کے فرمان کی تصدیق کریں اور ہر شے ان کے سامنے ایسے آئے کہ بعث بعد الموت ان کے مشاہدے میں آجائے، تب بھی یہ حق کو ماننے والے نہیں، مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت کا اہل وہ ہوتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے۔ جاہل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں لاتے، اس لئے شبہات میں ہی توفیق ایزدی کو ضائع کرتے رہتے ہیں۔

حاصل : جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے کی نیت نہ رکھتا ہو، وہ منیب کا اتباع نہیں کیا کرتا۔ وہ اپنی مطلوبہ نشانیاں پا کر بھی ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔ ایمان اور جہالت کبھی ایک وجود میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے عدو کیے ہیں شیاطین انس و جنّ، جو ایک دوسرے کو بناوٹی باتیں سکھاتے ہیں فریب دینے کے لئے۔ اور اگر تمہارا ربّ چاہتا تو وہ یہ نہ کر پاتے، تو انہیں ان کے افتراء پر چھوڑ دو۔

انبیاء کرام کی شان یہی تھی کہ انہوں نے کسی مقام پر اپنی بات نہیں کی۔ ہمیشہ اللہ کی بات کی اور اجر کے سوال کے بغیر کی۔ ان کے عدو چاہے وہ انسان تھے یا جنّ ہمیشہ اپنی باتیں کرتے رہے۔ لوگوں کو ان کی خواہشات میں پھنسانے کی کوششیں کرتے رہے تاکہ وہ جہنم میں جائیں۔ شیاطین اللہ کے بندوں کے دشمن ہوتے ہیں اور دشمنی کرنے کا طریقہ اختیار کرتے وقت، لوگوں کی خواہشات کو، ان کے علم کو اور ان کی کراہت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ جو بات بھی شیاطین کی طرف سے لوگوں کو سکھائی جاتی ہے اس میں غرور کا ہونا یقینی ہے۔ غرور کی وجہ سے لوگ اپنے لئے امتیازات تلاش کرنے لگتے ہیں، اور دوسروں کے مقابل استکبار کرنے لگتے ہیں اور استکبار سے پھر سبھی گناہ پیدا ہونے لگتے ہیں۔ جس توفیق کی بدولت یہ غرور کرتے ہیں وہ اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ لوگوں کو بناوٹی باتیں سنا کر، ان کے اندر ذاتی ترقی کی طلب پیدا کر کے، حق سنانے والوں کو بے فہم ثابت کر کے اور اپنے مقام سے مرعوب کر کے لوگوں کو اپنی پیروی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اگر اللہ انہیں توفیق ہی نہ دیتا، تو یہ کیا کر سکتے تھے۔ توفیق کو استعمال کرنے کے اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہ حق کو سن کر اس کا انکار کرتے ہیں۔ انہیں ان کی بناوٹوں میں چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ حق کو ماننے کی اہلیت کھو چکے ہوتے ہیں۔

حاصل : انبیاء کرام کے دشمنوں کو دوست بنانا خسارے کو اپنے لئے مقدر کرنے والی بات ہے۔ اللہ کے دشمن کی بات میں کبھی خوفِ خدا نہیں ہوتا۔ جس بات کا منشاء رضائے الٰہی سے دوری ہو اس کو کبھی نہیں ماننا چاہئے۔ جو لوگ اپنا سب کچھ حق کے انکار پر لگا دیتے ہیں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور اس لئے کہ اس کی طرف ان کے دل جھکیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور وہ اس پر راضی ہوں اور کیئے جائیں جو وہ کر رہے ہیں۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے دل ہی اعداء اللہ کی طرف جھکا کرتے ہیں اور دل جس کی طرف جھک جائے

اس کو ماننے میں کبھی تامل نہیں ہوتا۔ جس کا دل گناہ پر راضی ہو وہ دل کا اندھا ہوتا ہے اور ضدی ہوتا ہے۔ گناہ کرتے کرتے وہ بناوٹی باتیں بنانے والے کے ساتھ اتنا جڑ جاتا ہے کہ توفیق کے خاتمے کو بھی یاد نہیں رکھتا اور بناوٹی باتیں بنانے والے کی غرض وغایت کو تو دیکھتا ہی نہیں۔ اصلی بات ہمیشہ وہی ہوتی ہے جس کو سن کر اپنے حصے کا کام معلوم ہو، جس کے کرنے کی صورت میں انجام کی بشارت معلوم ہو اور نہ کرنے کی صورت میں انجام کا ڈر بھی ہو۔ ایسی بات پر عمل ہو جائے تو اس سے حقیقی علم حاصل ہوتا ہے جس سے عامل کا ایمان، ایمان بالغیب سے ایمان بالشہادت کے درجے میں آجاتا ہے اور ساتھیوں کی رہنمائی کی اہلیت میں برکت آتی ہے۔ بناوٹی بات وہ ہوتی ہے جس میں دوسروں کے اندر نقائص ثابت کر کے اپنی بڑائی کو منوانے کی طلب موجود ہو، بات بے سند ہو، قیاس پر مبنی ہو، بات کرنے والا اپنے تجربے کی بنا پر شہادت نہ دے سکتا ہو، بات کرنے والے کو جزا کا یقین نہ ہو، بات کرنے والے کا استکبار بڑھتا چلا جائے اور پڑھنے، سننے والوں کے پلے کچھ بھی نہ پڑے۔ بناوٹی باتیں بنانے والے اپنے کام میں اتنے راضی ہوتے ہیں کہ توفیق ایزدی کو اس میں ضائع کر لیتے ہیں۔

حاصل : اصلی بات کو وہی مانتے ہیں جو جزا کا یقین رکھتے ہوں۔ جس دل میں حق کے ساتھ عداوت ہوگی وہ شیطان کی طرف ضرور جھکے گا اور بناوٹی باتوں میں گھرتا چلا جائے گا۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٥﴾

تو کیا غیر اللہ کو حکم بناؤں اور وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی۔ اور جنہیں ہم نے کتاب عطا کی انہیں معلوم ہے کہ یہ بالحق تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے، تو تم شک لانے والوں سے نہ ہو۔

آخرت پر ایمان نہ لانے والے ہی قلباً شیطان کی طرف جھکتے ہیں۔ وہ جب حق بیان کرنے والوں سے جھگڑتے ہیں تو ان کی کوشش ہوتی ہے کہ حق کے متعلق بحث اور مناظرے کا فیصلہ کرنے کے لئے کسی ایسے کو چنا جائے جو حق کو ماننے والا نہ ہو۔ فیصلہ کرنے والا ہمیشہ وہ ہونا چاہئے جو فریقین کے موقف کو جانتا ہو اور اختلاف کو سند کے ساتھ ختم کر سکتا ہو۔ حق کا منکر تو قیاس کے دائرے سے نکل ہی نہیں سکتا، اس لئے اسے حق کے متعلق بات کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جب بات علمِ مطلق کی ہو، تو پھر علیم مطلق کے سوا کوئی فیصلے کرنے کا حق دار نہیں۔ قرآن پاک مفصل کتاب ہے۔ انسانوں کو فرد کی سطح سے لے کر جماعت کی ہر سطح تک ہدایت حاصل کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ ہدایت کی طلب ہو تو اس سے راستہ مل سکتا ہے۔ تزکیہ عطا کرنے والے شاہد کا ساتھ ہو تو خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ اہل کتاب کو معلوم ہے کہ قرآن پاک ربّ العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے، مگر وہ اس بات کو چھپانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور شک پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جو ان کے پیدا کردہ شک میں مبتلا ہو جائے وہ بناوٹی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شک نہ کرنے کا امر فرد کے لئے ہے۔

جو لوگ اس مقام پر شک نہ کرنے کے امر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منسوب سمجھتے ہیں، انہیں یہ جاننا چاہئے کہ جسے اللہ نے شاہد بنا کر بھیجا ہے، جو لوگوں کو تزکیہ عطا کرتا ہے، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسا علم عطا کرتا ہے جو پہلے موجود نہیں تھا، اس ذات بابرکات کے اندر تو شک کا مقام ہو ہی نہیں سکتا۔ حق بھی تو اسی ذات پاک کے قلب مبارک پر نازل ہوا ہے۔ جہاں حق نازل ہوا ہے وہاں شک کی گنجائش قطعاً محال ہے۔

حاصل : علم مطلق کی بات ہو تو علیم مطلق ہی حکم ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک میں تفصیل موجود ہے۔ دیکھنے کی طلب ہو تو راستہ مل جاتا ہے۔ اہل کتاب کو معلوم ہے کہ قرآن پاک ربّ العالمین کا فرمانِ حق ہے۔ شک کرنے سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی خواہش کی پیروی نہ کی جائے اور مقصود ہر مقام پر رضائے الٰہی ہو۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۶﴾

اور تمہارے رب کی بات پورے صدق و عدل کی ہے۔ اس کے کلمات کا کوئی بدلنے والا نہیں، اور وہی سننے والا علم والا ہے۔

پوری بات وہی ہوتی ہے، جس کے پیچھے علم یقین موجود ہو، جس کو کوئی بدلنے والا نہ ہو اور جس میں کہنے والے کی کوئی ذاتی غرض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی علم والا نہیں، اس کی بات کو بدلنا کسی کے بس میں نہیں اور اس کی کسی بات میں اس کی کوئی غرض بھی نہیں۔ اس لئے جہاں بھی صدق و عدل سے بات کی جائے گی وہ اللہ کی بات کے تحت ہو گی۔ پوری بات کرنے والا، بالیقین سنانے والوں کی سنتا ہے اور علم سے فیصلہ کرتا ہے۔

حاصل : حکم کی بات صدق و عدل پر مبنی ہونی چاہئے۔ فریقین میں سے سنانے والوں کی بات لازماً سنی جائے اور فیصلہ علم سے کیا جائے تو لوگوں کو معاملات میں پورا رہنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور اگر تم زمین میں اکثریت کی مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔ وہ تو اپنے ظن کی ہی پیروی کرتے ہیں اور وہ صرف اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

عام لوگوں کی نظر میں اکثریت کی رائے کا دباؤ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ اسے قانون کا درجہ دے دیتے ہیں، اور اگر کسی کو اس اکثریت کی رائے پر حق کے حوالے سے اعتراض ہو تو اس قانون کی مدافعت بھی کرتے ہیں، مگر ثبوت یہی ہوتا ہے کہ جب اکثریت یہ کرتی ہے تو یہ غلط کیسے ہو سکتا ہے۔ اکثریت کی رائے خواہشات نفسانی کے تابع ہوتی ہے اور حق لوگوں کی خواہشات کے

مطابق ہو ہی نہیں سکتا. اس لئے اکثریت کی رائے حق کے خلاف ہوتی ہے۔ سب سے بڑا کام ہے ہی یہی کہ اپنی خواہش کی پیروی کی بجائے حق کی پیروی کی جائے۔ اگر اکثریت کو وقعت دی جائے گی اور اکثریت کے حوالے سے راہ عمل کا تعین کیا جائے گا تو اللہ کی راہ سے گمراہی ضرور ہوگی۔ اکثریت تو اپنے گمان کو مانتی ہے، اور گمان پر کبھی شہادت موجود نہیں ہوتی۔ اس لئے ظن کی پیروی کرنے والے اٹکلیں ہی دوڑاتے رہتے ہیں۔ جس کی فضیلت کا اعتراف ہو اسی کی تکریم ممکن ہوتی ہے۔ جس کی تکریم کی جائے اس سے علم حاصل ہو سکتا ہے اور علم حاصل ہو تو گمان اور اٹکل سے چھٹکارا ہوا کرتا ہے۔ جس ذات پاک کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت کا درجہ دیا ہے، اس کے ساتھ شک والی بات کو منسوب کرنا محض اس لئے کہ یہاں واحد حاضر کے صیغہ سے خطاب ہے، انتہائی بےادبی ہے۔ جس کے نقش قدم سے صراط مستقیم کا تعین ہوتا ہے. اگر اس کو بھی اللہ کی راہ سے بہکایا جا سکتا ہے. تو پھر صراط مستقیم کا تصور ہی قائم نہیں رہ سکتا۔

حاصل : زمین میں جب بھی محض اکثریت کی اطاعت کی جائے گی اس سے گمراہی پیدا ہو گی، ظن و گمان کی پیروی بڑھے گی، اٹکلیں دوڑانے والے رہنما بنیں گے۔ قانون کبھی محض کثرت رائے کی بنا پر بنالیا جائے تو اس سے بھلائی کی توقع عبث ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ يَّضِلُّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾

تمہارا ربّ بڑا علم رکھتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہکتا ہے، اور وہ بڑا علم رکھتا ہے ہدایت والوں کا۔

علیم مطلق سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ عامل کے عمل کے ساتھ ساتھ اس کی نیت کا بھی علم رکھتا ہے۔ کون اس کی راہ سے بہک رہا ہے، اس کے علم میں ہے۔ دین کے حوالے سے بھی اگر کوئی اپنی خواہش کی پیروی کر رہا ہے اور کسی شاہد کے ساتھ جڑتا نہیں ہے تو وہ گمراہی سے بچ نہیں سکتا۔ گمراہ ہمیشہ فرد ہوتا ہے اور اس کا تعلق اس کی خواہش سے ہوتا ہے۔ ہدایت یافتہ ہمیشہ جماعت میں ہوتا ہے، اکیلا نہیں ہوتا۔

حاصل : گمراہ ہمیشہ اکیلا ہوتا ہے کہ اپنی خواہش کی پیروی اسے اکیلا رکھتی ہے۔ ہدایت یافتہ ہمیشہ جماعت میں ہوتا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ حضرات کی تکریم کرتا ہے، ان کا ادب کرتا ہے۔ جس کا ادب ہو اس کی صفات ادب کرنے والے کے وجود میں ضرور داخل ہوتی ہیں۔

فَكُلُوۡا مِمَّا ذُكِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ بِاٰيٰتِهٖ مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾

تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اگر تمہیں اس کی آیات پر ایمان ہے۔

جس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو، وہ حلال ہے۔ تکبیر کرتے وقت بسم اللہ. اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ شکار

کرتے وقت بھی تکبیر پڑھنی چاہئے۔ حلت، احکام خداوندی کی اطاعت سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے، وہ اس کے ہر حکم پر شکریہ ادا کرتے ہوئے مانتا ہے۔ اگر کسی کو یہ خیال آئے کہ اللہ کا مارا ہوا کیوں حرام ہے اور اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا کیوں حلال ہے تو اللہ کی آیات پر ایمان رکھنے والے یہی کہیں گے، کہ جس جانور کو اللہ نے حلال فرمایا ہے اس پر ذبح کرتے وقت تکبیر پڑھی جائے تو فرمانِ خداوندی کی اطاعت کی بدولت وہ جانور اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس میں سے کھایا جائے۔ علیمِ مطلق سے بہتر کوئی جاننے والا نہیں۔ اس کے فرمان کی قدر کرنی چاہئے۔ اس کی مقرر کردہ حدود کو ماننا حق ہے اور اس ماننے کو حدود اللہ کے پیچھے حکمتوں کے جاننے سے مشروط نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : اگر اللہ پر ایمان ہو تو پھر اس کے فرمان کو ماننے میں قیاسات کیوں حائل ہوں۔ عقلی قیاس کے پیمانے سے احکام الٰہی کو جانچنے کی کوشش، عدم ایمان کو ثابت کرے گی۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١٢٠﴾

اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ، جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ جو تم پر حرام ہوا وہ اسے مفصل بیان کر چکا ہے، مگر جب تمہیں اس سے مجبوری ہو۔ اور بے شک بہت سے اپنی بے علمی کی بدولت اپنی خواہشات سے گمراہی پھیلاتے ہیں۔ بے شک تمہارے رب کو حد سے بڑھنے والوں کا پورا علم ہے۔

جہاں حُرمت کا حکم ہے، اس کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ تفصیل کا منشاء ہی حدود کو روشن کرنا ہوتا ہے۔ اگر کسی جگہ حُرمت کا حکم نہ ہونے کے باوجود طبیعت رکتی ہوئی معلوم ہو، تو یہ عطائے الٰہی کی ناشکری ہو گی۔ معطیٔ مطلق نے جو بھی عطا فرمایا ہے، اس کی اہمیت ہمیں تسلیم ہونی چاہئے، اس کا استعمال بھی احکام خداوندی کے مطابق ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنی پسند کے مطابق قانون بنانے کا حق بالکل نہیں دیا گیا۔ حالت اضطرار میں جب حلال چیز کھانے کو نہ مل رہی ہو، تو حرام کے اس قدر کھانے کی اجازت ہے، جس سے مجبوری دور ہو جائے۔ یہ اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی رعایت ہے کہ صبر و استقامت میں کمزور لوگ بہ حفاظت اضطرار کے مقام سے اسی طرح گزر سکتے ہیں، ورنہ علم والے تو عطائے الٰہی کو ہر مقام پر پورا دیکھتے ہیں۔ بہت سے لوگ اپنی بے علمی کی بدولت، اپنی خواہشات کو بیان کرتے کرتے لوگوں کے اندر الجھاؤ پیدا کر کے گمراہی پھیلاتے رہتے ہیں۔ ان کے گمان کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے کہ جو بھی عقلی قیاس کی بدولت انہیں تسلیم ہے، ان کے نزدیک وہی حق ہے۔ یہ لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو ان کا پورا علم ہے۔ حد یہ ہے کہ اپنی عقل کو حکم خداوندی کے تابع رکھا جائے۔ جب عقل حکم خداوندی کے تابع نہ ہو تو حد سے تجاوز ضرور ہوتا ہے۔

حاصل : جہاں حرمت کا حکم نہ ہو، وہاں اباحت ثابت ہوتی ہے۔ حد سے نہ بڑھنا تبھی ممکن ہوتا ہے، جب عقل حکمِ خداوندی کے تابع ہو۔ حالت اضطرار میں حرام وقتی طور پر جائز ہو جاتا ہے، جب مجبوری رفع ہو جائے تو پھر اس کی طرف بڑھنا حد سے بڑھنے والی بات ہو گی۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور ظاہر و باطن گناہ چھوڑ دو۔ وہ جو گناہ کماتے ہیں جلد ہی اپنے کیئے کی جزا پائیں گے۔

ظاہر میں گناہ وہ ہے جہاں حدود اللہ کا علم ہو اور خوف خدا عمل سے ظاہر نہ ہو، اور باطن میں گناہ یہ ہے کہ اپنی خواہش کو حق کے برابر وقعت دی جائے۔ ظاہر و باطن گناہ چھوڑ دینے سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور پاکیزگی ہو تو حق کی ادائیگی ممکن ہوتی ہے۔ جو لوگ باطن میں گناہ کرتے ہیں وہ ایک وقت کے بعد ظاہر میں بھی گناہ کرنے لگتے ہیں۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو ختم ہوتے دیر ہی کیا لگتی ہے، اس کے بعد انہیں ان کے کیئے کی جزا ملنے لگتی ہے۔

حاصل : خوفِ خدا عمل سے ظاہر نہ ہو تو یہ ظاہر میں گناہ ہے اور اپنی خواہش کو حق کا درجہ دیا جائے تو یہ باطن میں گناہ ہے۔ ظاہر و باطن میں گناہ چھوڑ دینے سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ گناہگار کو اس کے کیئے کی جزا ملتے دیر نہیں لگتی۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۭ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـ\u200cٕـهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بےشک یہ فسق ہے۔ اور بےشک شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہوئے۔

جس جانور کو ذبح کرتے وقت تکبیر نہ پڑھی گئی ہو، اس میں سے کھانا منع ہے۔ پتہ لگ جانے کے باوجود حدود اللہ کا احترام نہ کیا جائے تو یہ فسق ہے، اور فسق ہی منافقت و گمراہی ہے۔ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں یہی ڈالتے ہیں کہ وہ عقلی قیاسات کے حوالے سے تمہارے ساتھ جھگڑیں اور تمہیں راہ راست سے بہکا دیں اور اگر تم ان کا کہا مان لو تو یہ ظلم عظیم ہو گا کہ یہ شرک ہے۔ جس شاہد کی صداقت کو معیار جان کر اللہ کو مانا گیا تھا، عقلی قیاسات کے تحت جھگڑا کرنے والوں کی اطاعت، اس معیار صداقت کی عملاً نفی کر دیتی ہے، اور اس طرح اپنی خواہش کی پیروی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ ناصحین کی بات کبھی قیاسات کے تحت نہیں ہوا کرتی۔

حاصل : جس حلال جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس میں سے کھانا حرام ہے اور

حرمت کا پتہ ہونے کے باوجود حکم خداوندی کو نہ مانا جائے تو یہ فسق ہے۔ عقلی قیاسات کے تحت جھگڑا کرنے والوں کی اطاعت شرک ہے۔ جس شاہد کے اتباع سے خوف و حزن ختم ہوں اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو ماننا شرک سے پاک رہنے کی صورت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف میں ارشاد فرمایا ہے:

وَكَأَيِّن مِّنْ ءَايَةٍ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿١٠٥﴾

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور وہ ان سے اعراض ہی کرتے ہیں۔

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِى ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٢٢﴾

اور کیا وہ کہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اسے نور دیا کہ جس سے لوگوں میں چلتا ہے، اس کی مثل ہو سکتا ہے جو ظلمات میں ہے اور وہاں سے نکل نہیں سکتا۔ اس طرح کافروں کے لئے مزین کر دیئے جو عمل وہ کرتے ہیں۔

بے حقیقت مردہ ہوتا ہے اور باحقیقت زندہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مردے کو زندہ کرتا ہے۔ جب اللہ کسی بے حقیقت کو باحقیقت بنا دیتا ہے تو اس کا قول پاک ہو جاتا ہے اور عمل صالح ہو جاتا ہے۔ قول میں باحقیقت اس امر کو ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کا قول رضائے الٰہی کے مطابق دوسروں کے فائدے کے لئے ہو اور عمل میں اس کے خوف خدا موجود رہے۔ اس نور سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ لوگ اس پاک مرد کو دیکھ کر اصلاح کی طرف مائل ہوتے ہیں، اس کی صحبت میں عافیت محسوس کرتے ہیں اور اپنی عزت کو بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس کے مقابل جو اپنی خواہشات کو معبود بنالیتا ہے وہ ظلمات میں ہے۔ وہ استکبار میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ اس کے قول و عمل میں استکبار بہرحال موجود رہتا ہے۔ اس کی صحبت میں لوگ اپنی عزت کو گھٹتا ہوا دیکھتے ہیں۔ کافر اپنے استکبار میں اتنا محو ہوتا ہے، کہ اپنے استکبار ہی کو کامیابی سمجھتا رہتا ہے۔

حاصل : بے حقیقت اور باحقیقت کبھی ایک دوسرے کی مثل نہیں ہوتے۔ باحقیقت سے اللہ کی مخلوق کو نور ملتا ہے، بے حقیقت سے ظلمات ملتی ہیں۔ باحقیقت، لوگوں کو رضائے الٰہی کے تحت سکھ دیتا ہے، بے حقیقت شوکتِ نفس کے تحت لوگوں کو اپنے سکھ کے لئے استعمال کرتا ہے اور استکبار کرتا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِى كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَٰبِرَ

اور اسی طرح ہم نے ہر قریئے میں مجرموں

مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا ۚ وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿١٢٣﴾

کے اکابر ٹھہرائے کہ وہاں مکر کریں، اور جو مکر کرتے ہیں تو اپنے آپ پر ہی کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں۔

استکبار سب سے بڑا جرم ہے۔ باقی سب جرائم اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ مستکبرین کے اکابر کئی طرح کی چالیں چلتے رہتے ہیں، تجویزیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کی تجویزوں سے خسارہ انہی کا ہوتا ہے۔ حق کے انکار کی بدولت یہ جہنم کو اپنے لئے مقدر کر رہے ہوتے ہیں، مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہوتا۔ جو لوگ حق کے مطابق زندگی گزارتے ہیں وہ کبھی بے سند باتوں کو وقعت نہیں دیتے اور جو لوگ وسعت مال کے حوالے سے لوگوں کی تکریم کرتے ہیں، ان کے نزدیک قیادت و سیادت کا حق وسعت مال کی نسبت سے ہی ہوتا ہے۔ مال بھی تو عطائے الٰہی ہے۔ اگر اس کو کوئی استکبار کے لئے استعمال کرے اور اپنی انا کی وقتی تسکین کے لئے دائمی خسارے میں جا پڑے تو اس سے بڑی بے شعوری اور کیا ہو گی۔ مجرمین ہر نبی کے دشمن ہوئے ہیں، مگر نبی کے لئے راستہ بنانا اور اس کی نصرت کرنا اللہ تعالیٰ کی شان بے مثال ہے۔ مجرمین نے جو کیا، ان کا کیا انہی پر پڑا اور وہ ایسے مٹتے گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

حاصل : استکبار سب سے بڑا جرم ہے اور ہر قریئے میں مجرمین کے اکابر مکر کے جال پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں۔ مکر کرنے والے اپنی خواہشات کی تکمیل کرتے کرتے اس حفاظتی باڑ کو توڑ لیتے ہیں جو کسی معاشرے کی حفاظت کے لئے بنائی گئی ہوتی ہے۔ جب یہ باڑ ٹوٹتی ہے تو ان کا مکر انہیں بھسم کر کے رکھ دیتا ہے، پھر وہ بھاگ نہیں سکتے۔

وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۘ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٥﴾

(وقف لازم، وقف منزل)

اور جب ان کے پاس کوئی آیت آئے تو کہتے ہیں، ہم ہرگز اس پر ایمان نہ لائیں گے، حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل عطا ہو جو اللہ کے رسولوں کو عطا ہوا۔ اللہ کو اپنی رسالت کے محل کا بڑا علم ہے۔ عنقریب مجرموں کو اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی اور شدید عذاب، اس لئے کہ وہ مکر کرتے تھے۔

مستکبرین کے سامنے جب حق کو بیان کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل ہوتے، ہم پر آیات کیوں نہیں آتیں۔ ہم یہ مانتے ہی نہیں کہ اللہ کے رسول پر اللہ کی طرف سے آیات نازل ہوتی ہیں۔ ہم تو تبھی مانیں گے کہ ہم پر بھی

ویسا ہی نزول ہو جیسا اللہ کے رسولوں پر ہوا ہے۔ یہ بڑے تکبر کی بات ہے کہ حق کے انکار کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو اتنے بلند مرتبے پر دیکھا جائے کہ بندوں میں اس سے بلند کوئی مرتبہ ہی نہیں۔ جس علیم مطلق نے اپنی آیات نازل فرمائی ہیں، محل نزول کو اس سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اس نے جس کو رسالت کے منصب پر سرفراز کیا ہے، لازم ہے اس کی تعظیم کی جائے، توقیر کی جائے۔ اس کو پاک کرنے والا مانا جائے اور علم و حکمت سکھانے والا مانا جائے۔ اس کا ادب ہو اور ہر مقام پر ہو۔ مجرم اپنے آپ کو بڑی عزت والا سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ احساس دیرپا نہیں ہو سکتا۔ جس توفیق کی بدولت یہ استکبار کرتے ہیں، اس میں تغیر کے ساتھ ہی یہ ذلت کے گڑھے میں ہوں گے اور شدید عذاب ان کو گھیرے گا اور یہ سب ان کے کئے کا بدلہ ہو گا۔ متکبرین کا مکر حق پہنچانے والوں کو ہرانے کی کوشش کا نام ہے۔ یہ کوشش ان کی طرف سے قولاً بھی ہوتی ہے اور عملاً بھی ہوتی ہے۔ یہی کوشش ان کو ذلت اور عذاب شدید میں دھکیل دیتی ہے۔ پھر وہ اس سے نکل نہیں سکتے۔

حاصل : جب حق کے انکار کے ساتھ ساتھ حق بیان کرنے والے کو ہرانے کی کوشش کی جائے تو پھر مجرمین کو گرفت میں آتے دیر نہیں لگتی۔ ذلت اور عذاب شدید ان کے مکر کی بدولت انہیں گھیر لیتے ہیں۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور جسے اللہ ہدایت دینا چاہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کے سینے کو نہایت تنگ کر دیتا ہے، گویا وہ زور سے آسمان پر چڑھتا ہے۔ اللہ ایمان نہ لانے والوں پر اسی طرح عذاب ڈالتا ہے۔

جو استکبار سے بچے وہ اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا، اپنے اعمال میں تضاد سے بچتا ہے اور جلد بازی نہیں کرتا۔ یہ صفات، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ اللہ ایسے موصوف کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اس کے سینے میں اتنی وسعت آجاتی ہے کہ کسی بھی مقام پر حق کا علم ہو جانے کے بعد تعمیل ارشاد میں اس کی پسند سدراہ نہیں بنتی اور اسے اپنے اندر کوئی تنگی محسوس نہیں ہوتی۔ مگر جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے وہ استکبار کا مرتکب پایا جاتا ہے، اس کے اعمال میں تضاد ہوتا ہے، وہ جلد باز ہوتا ہے اور اس کی پسند اس کے نزدیک فیصلہ کن ہوتی ہے۔ جس کے اندر یہ صفات ہوں، اس کے سینے میں ایسی تنگی آجاتی ہے کہ جب بھی حق اس کے سامنے بیان ہوتا ہے اور وہ اپنی پسند کو اس کے خلاف پاتا ہے تو اسے اپنا دم گھٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے، جان ہوا ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور وہ حق سے کراہت کی بدولت عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ ہدایت بھی اللہ دیتا ہے، گمراہ بھی اللہ کرتا ہے۔ ہدایت خیر کا رخ رکھنے کا انعام ہے اور گمراہی اپنی خواہش کی پیروی کا حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کے استعمال کا اختیار انسان کو دیا گیا ہے۔ اس توفیق کے استعمال میں انسان بشارت کا رخ اختیار کرے تو اسے ہدایت ملتی ہے، اور انذار کا رخ

اختیار کرے تو اسے گمراہی ملتی ہے۔ اگر ہدایت اور گمراہی انسان کے اعمال سے تعلق نہیں رکھتی، تو انسان کی جواب دہی کی حقیقت ہی کیا رہ جاتی ہے اور اللہ کے فرمان سے یہ روشن ہے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

حاصل : ہدایت اسے ملتی ہے جو استکبار سے بچے، اپنی خواہش کی پیروی نہ کرے اور اپنے اعمال کو تضاد سے پاک رکھے۔ گمراہی اسے ملتی ہے جو استکبار کرے، اپنی خواہش کی پیروی کرے، جس کے اعمال میں تضاد ہو اور جو جلد باز ہو۔ ہدایت والے کا سینہ قبولِ حق کے لئے کشادہ رہتا ہے۔ گمراہی والے کا سینہ حق کو سن کر تنگ ہوتا رہتا ہے اور یہی تنگی اس کے لئے عذاب بن جاتی ہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور یہ ہے تمہارے ربّ کا صراط مستقیم۔ ہم نے آیات کو نصیحت ماننے والوں کے لئے مفصل فرمایا۔

فرمانِ خداوندی تمام لوگوں کے لئے ہے، مگر اس سے فائدہ نصیحت ماننے والوں کو ہی ہوتا ہے۔ نصیحت ماننے والے جس کو ناصح امین مان لیتے ہیں، اس کی نصیحت کو محبت سے مانتے ہیں۔ ان کے لئے آیات کا مفصل ہونا باعث راحت ہوتا ہے۔ صراط مستقیم وہ مختصر ترین راستہ ہے جس پر چل کر مقصود ملے اور مشقت سے بھی بچاؤ رہے۔ جس کو رب العالمین کی رضا مقصود ہو، جو فلاح دارین کا طالب ہو اس کو ہمیشہ حق کے حوالے سے زندگی گزارنی چاہئے۔ لوگوں کے خوش کرنے کے مقابل، اللہ اور اس کے رسول کے راضی کرنے کو بڑا حق ماننا چاہئے۔ اس سے مقصود بھی ملے گا اور مشقت بھی نہیں ہوگی۔

حاصل : جس کو رب العالمین کی رضا مقصود ہو وہ لوگوں کی پسند کے مقابل، اللہ اور اس کے رسول کی رضا کو مانے، یہی صراط مستقیم ہے۔

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے ان کے ربّ کے یہاں، اور وہی ان کے اعمال کی بدولت ان کا ولی ہے۔

جو لوگ نصیحت مانتے ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے۔ انہیں ایسی سلامتی عطا ہوتی ہے، جس کے بعد حزن و ملال کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ اللہ جس کو سلامتی کا گھر عطا فرمائے اس کے اعمال میں ہر مقام پر رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے اور ناصح امین سے محبت ہر مقام پر موجود ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ دوست ہوتا ہے۔ مالک کل جن کا دوست ہو وہ یقیناً عزت والے ہیں۔

حاصل : سلامتی کا گھر، صالح اعمال کی بدولت عطا ہوتا ہے۔ جسے اللہ کے ہاں سلامتی حاصل ہو

اس پر کبھی خوف و حزن کا مقام نہیں آتا۔ اللہ جن کا دوست ہے وہ یقیناً عزت والے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ قَدِ ٱسْتَكْثَرْتُم مِّنَ ٱلْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَآؤُهُم مِّنَ ٱلْإِنسِ رَبَّنَا ٱسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَآ أَجَلَنَا ٱلَّذِىٓ أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ ٱلنَّارُ مَثْوَىٰكُمْ خَٰلِدِينَ فِيهَآ إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٩﴾

اور جس دن ان سب کو جمع کرے گا، فرمائے گا، اے گروہ جنّ تم نے بہت انسانوں کو گھیرا۔ اور ان کے انسان، دوست عرض کریں گے، اے ہمارے رب ہم نے ایک دوسرے سے کام نکالا اور ہم اس اجل کو پہنچے جو تو نے ہمارے لئے ٹھہرائی تھی۔ فرمائے گا، آگ ہے تمہارا ٹھکانہ، ہمیشہ اس میں رہو گے، مگر جو اللہ چاہے۔ بے شک تمہارا رب حکمت والا علم والا ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنّوں کے گروہ سے فرمائے گا : اے گروہ جنّ تم نے بہت سے انسانوں کو گھیرا۔ اولیاء الشیطان کا تو کام ہی لوگوں کو گھیرنا ہے۔ طریقہ واردات یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کو شہوات اور معاصی کی طرف راغب کرتے ہیں۔ انسان، شہوات اور معاصی میں مبتلا ہو کر شیطان کے مطیع ہو جاتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ گروہ جنّ سے اپنا کام نکال رہے ہیں۔ یہ خبر انہیں ضرور ہوتی ہے کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت ایک دن ختم ہو گا۔ جزا کے دن کے بارے میں بھی مرسلین نے انہیں یقیناً آگاہ کیا ہوتا ہے۔ قیامت کے دن مجرمین کے اعتراف گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اب آگ تمہارا ٹھکانا ہے، ہمیشہ اس میں جلو گے۔ اللہ مالک ہے جسے معاف کرنا چاہے اسے معاف کر دے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ رب العالمین کا ہر کام حکمت و علم سے ہے۔ نہ اس کی حکمت پر کسی کی تدبیر غالب آ سکتی ہے، نہ اس کے علم پر کسی کا علم محیط ہو سکتا ہے۔

حاصل : گروہ جنّ، لوگوں کو گھیرنے کی کوشش میں کوتاہی نہیں کرتا۔ ان کے اولیاء، شہوات و معاصی کے کام نکالتے نکالتے ان کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ مجرمین کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ مالک کل ہے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس کا ہر کام حکمت و علم سے ہے۔

وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّى بَعْضَ ٱلظَّٰلِمِينَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ﴿١٣٠﴾ ۸ ع ۱۵

اور اسی طرح ہم ظالمین کو ایک دوسرے سے ملا دیتے ہیں، ان کے کئے کی بدولت۔

فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی ظلم ہے۔ شہوات و معاصی کی طرف رغبت دلانے والے بھی ظالم ہوتے ہیں اور اس طرف راغب ہونے والے بھی ظالم ہوتے ہیں۔ یہ اپنے ظلم کی بدولت ایک دوسرے سے حیات دنیا میں ملتے ہیں۔ آخرت میں ان کے ظلم کی جزا ان کو دی جائے گی، اور یہ جہنم میں جمع ہوں گے۔

حاصل : ظالمین، ظلم کے حوالے سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ جزا کے وقت ان کو ان کے ظلم کی نسبت سے ایک دوسرے سے ملا دیا جائے گا۔ جو ظلم کے انجام سے بچنا چاہے، اسے ظلم سے بچنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراءَ میں ارشاد فرمایا ہے :

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ ۚ إِنَّ ٱلسَّمْعَ وَٱلْبَصَرَ وَٱلْفُؤَادَ كُلُّ أُو۟لَٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔولًا ﴿٣٦﴾

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے سوال ہونا ہے۔

يَٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ وَٱلْإِنسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِى وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا۟ شَهِدْنَا عَلَىٰٓ أَنفُسِنَا ۖ وَغَرَّتْهُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا وَشَهِدُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا۟ كَٰفِرِينَ ﴿١٣٠﴾

اے گروہ جنّ و انس، کیا تمہارے پاس تم میں کے رُسل تشریف نہیں لائے، جو تم پر میری آیات پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے تھے۔ عرض کریں گے ہم اپنے انفس پر گواہی دیتے ہیں، اور انہیں حیاتِ دنیا نے فریب دیا، اور اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔

جنّ و انس ہبوط آدم علیہ السلام کے وقت زمین پر آباد ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمایا گیا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آئے گی پھر جس نے اس ہدایت کا اتباع کیا، اس پر خوف و حزن نہیں ہو گا۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ جو بھی مکلّف ہے اس کے سامنے معیار ہدایت کا لانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ معیار ہدایت کے ماننے والوں کو فلاح حاصل ہوتی ہے، منکرین خسارے میں پڑتے ہیں۔ قیامت کے دن جنّ و انس سے سوال ہو گا کیا تمہارے پاس وہ حضرات تشریف نہیں لائے، جو تم میں سے ہی تھے، تم پر میری آیات پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے تھے۔ جنوں میں وہ لوگ رسول ہوئے جنہوں نے انبیاء کرام کی تعلیمات ان تک پہنچائیں اور انہیں جزا کے دن سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ خواہشات کی پیروی کا نتیجہ ہمیشہ گمراہی ہی ہوتا ہے۔ یہ پیغام ہر زمانے میں جنّ و انس تک پہنچتا رہا ہے۔ جن کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انس کو مٹی سے پیدا

کیا گیا ہے۔ دونوں کا منشاء تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبدیت ہے۔ دونوں کو ایسی توفیق دی گئی ہے کہ اسے اللہ کی رضا کے مطابق بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور اللہ کی رضا کے خلاف بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے نوع کے اختلاف کے باوجود دونوں کو حیات دنیا میں اظہار عبدیت کے لئے صراطِ مستقیم کا جاننا درکار ہے اور اس صراطِ مستقیم کو روشن کرنے والے، اللہ کے رسول ہیں۔ جنّوں میں بھی اللہ کا پیغام ہمیشہ سے پہنچتا رہا ہے۔ ان میں کے وہ لوگ جو ہدایت یافتہ ہوئے، وہ یوم آخرت پر یقین رکھنے کی بدولت اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ جنّوں میں کسی الگ ہدایت کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے کسی الگ ہدایت دینے والے کو بھی نہیں بھیجا گیا۔ جو تعلیم انسانوں کے لئے باعث فلاح تھی، اسی سے وہ استفادہ کرتے رہے ہیں۔ قیامت کے دن جنّ وانس اعتراف کریں گے کہ ان میں کے حضرات نے ان پر اللہ کی آیات پڑھیں، انہیں قیامت کے دن سے آگاہ کیا، مگر انہیں حیات دنیا نے فریب دیا اور وہ اپنے اوپر خود گواہی دیں گے کہ وہ حق کا انکار کرتے تھے۔

حاصل: جنّ وانس کی طرف انہیں میں کے حضرات ان پر اللہ کی آیات پڑھیں، ان کو ان کے انجام سے آگاہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت ہوتا ہے۔ قیامت کے دن جنّ وانس اپنے کفر پر خود گواہی دیں گے۔ لوگوں کو بتانے کی باتیں یہی ہوتی ہیں کہ دیکھو تم کدھر کو جارہے ہو، مالک کل کا حکم کیا ہے اور اس حال کے بعد مستقبل کیا ہوگا۔ حیاتِ دنیا کے فریب میں مبتلا رہنے والے خسارے میں رہتے ہیں۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

یہ اس لئے کہ تیرا ربّ بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ غافل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ فرمان خداوندی کی خلاف ورزی کرتے کرتے حدود اللہ سے تجاوز کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انہیں ظلم کے نتائج سے آگاہ کیا جاتا ہے، اس پر بھی وہ اپنی خواہشات کی پیروی اور سرکشی سے باز نہیں آتے، اور عذاب الٰہی سے ڈرنے کی بجائے، اسے طلب کرنے لگتے ہیں۔ جو حالت کفر پر اس دنیا سے رخصت ہوگا، وہ دائمی خسارے میں پڑے گا۔ رب العالمین جب تک کسی بستی کے لوگوں کو اپنی نشانیوں سے آگاہ نہیں کر دیتا، ان پر اتمام حجت نہیں کر دیتا، انہیں ان کے انجام سے باخبر نہیں کر دیتا پھر ان کے حال پر بشارت و انذار کا حق ادا کرنے والے کو شاہد نہیں بنالیتا، وہ کسی بستی پر عذاب نہیں بھیجتا۔

حاصل: کسی بھی فرد یا جماعت پر سختی خلاف حق ہے، جب تک وہ حدود اللہ سے تجاوز کا ارتکاب نہ کرے۔ کسی بے خبر کو سزا نہیں دینی چاہیے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغٰفِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور ہر ایک کے لئے ان کے عمل کے حوالے سے درجات ہیں، اور تمہارا رب ان کے عملوں سے غافل نہیں ہے۔

جو فرمان خداوندی کو سنتا ہے، اس کو مانتا ہے اور خواہش کی پیروی نہیں کرتا، وہ مخلص اپنے ناصح سے محبت رکھتا ہے، اسے شیطان بہکا نہیں سکتا۔ جو فرمان خداوندی کو سنتا ہے مگر کرتا وہی ہے جو اسے پسند ہو، اس پر اس کی پسند غلبہ پالیتی ہے اور وہ اللہ کی راہ پر نہیں رہتا۔ کوئی واقعہ اسے راہ راست پر لاکر رکھ دے اور وہ تضاد سے پاک ہو جائے تو یہ الگ بات ہے۔ اور جو فرمانِ خداوندی کو سنتا ہے اور اس کے خلاف کرتا ہے، وہ ظلمات کی طرف دوڑنے لگتا ہے۔ کوئی مانتا ہے جیسے ماننے کا حق ہے، کوئی مانتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے، اور کوئی مانتا ہی نہیں۔ یہ عمل کے درجات ہیں۔ جو جس درجے پر ہو گا، اسی درجے کی جزا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر حال پر ہر ایک کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور اعمال کے پیچھے نیت کا علم بھی رکھتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔

حاصل : ہر ایک کو اس کے درجے کے مطابق ماننا چاہئے۔ مومن، منافق اور کافر کے ساتھ ایک جیسا معاملہ نہیں ہونا چاہئے۔ مومن کے قول کو ماننا چاہئے، منافق و کافر کو ان کے رخ کے حوالے سے دیکھنا چاہئے اور ان سے خبردار رہنا چاہئے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿١٣٣﴾

اور تمہارا ربّ غنی ہے بڑی رحمت والا، اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور جسے چاہے تمہارے بعد خلافت دے، جیسے تمہیں اوروں کی ذرّیت سے اٹھایا۔

ربّ العالمین ہر مقام پر احتیاج سے پاک ہے اور اس کی رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔ جو جس مقام پر ہے، اللہ کے غنا اور رحمت سے مستفید ہو رہا ہے۔ اگر اس غنا اور رحمت کا شکریہ ادا کرے تو راحت اس کے ساتھ ساتھ رہے گی، ورنہ اس پر خوف وحزن کا تسلط ہو جائے گا۔ اسے کسی قوم سے اپنی عطا کردہ توفیق واپس لیتے وقت، نہ کسی کی اجازت درکار ہے، نہ کسی تیاری کی ضرورت ہے۔ وہ پہلے متکبرین کی جگہ بھلے لوگوں کو آباد کر تا رہا ہے۔ ان بھلے لوگوں کی اولاد نے جب اپنی خواہشات کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے سرکشی کی تو ان میں سے نیکوں کو بچالیا گیا اور منکرین کو نابود کر دیا گیا۔ ہم جن کی اولاد ہیں، انہیں بھی خلافت متکبرین کے خاتمے کے بعد ہی ملی تھی۔ یہ اللہ کی سنت ہے اور اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو سلامتی قائم رہتی ہے ورنہ نہیں رہتی۔

حاصل : جو ہمارے دستِ نگر ہیں، انہیں اس طرح دینا چاہئے کہ ہمارے عبدالغنی ہونے کا ثبوت ملے اور ان کی خطاؤں کو معاف کرنا چاہئے۔ توفیق اسی سے واپس لی جانی چاہئے جو اطاعت حق کے مقابل سرکشی کو اپنا شعار بنالے۔

إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنتُم

بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے،

بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾ ضرور آنے والی ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں۔

جس نے ہر شے خلق فرمائی ہے، اسی نے ہر شے کا ایک قدر رکھا ہے اور اس کی مشیت ہر حال پر حاوی رہتی ہے، اس کو روک دینا کسی کے بس میں نہیں۔ اس کا وعدہ ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا روز قیامت دی جائے گی۔ اس کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے وقوع کو روکنے والی کوئی قوت ہے ہی نہیں۔ انسان کو توفیق دینے والے سے بڑھ کر اسے کون جانتا ہے۔ اس لئے انسان کے بارے میں یا کسی بھی مخلوق کے بارے میں اللہ کی بات سے بڑی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ حیاتِ دنیا میں انسان کو اپنے اختیار و اقتدار کے باوجود اپنے عجز کو دیکھنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ جس کو اپنے عجز کا احساس ہو جائے وہ عاجز کرنے والے کو ماننے میں ہی اپنی بھلائی دیکھتا ہے۔ انسان کا اختیار وقتی ہے، اللہ تعالیٰ کا اختیار کلی ہے۔ اس لئے انسان، کسی انسان کے سامنے عاجز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے بالکل عاجز ہے۔

حاصل : قدرتِ الٰہی کے احاطے کو محسوس کرنے کے باوجود، قیامت کا انکار انتہائی بے سمجھی کی بات ہے۔ جس کا اللہ نے وعدہ دیا ہے، وہ ضرور آنے والی ہے۔ اس کو ماننے والے ہی سیدھی راہ پر آتے ہیں۔

قُلۡ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ‌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ‌ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾

فرما دیجئے اے میری قوم تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ، میں بھی عمل کر رہا ہوں، تو جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کا گھر کس کے لئے ہے۔ بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

حق پہنچا دینے کے بعد شاہد کی شان یہی ہے کہ وہ منکرین سے یہ کہہ دے کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ جو کر رہے ہو کرتے جاؤ، میں اپنا حق ادا کر رہا ہوں۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے ختم ہوتے ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کا گھر کس کے لئے ہے اور کون خسارے میں ہے۔ جو حال پر ظلم کر رہا ہے وہ اپنے ظلم کے انجام سے مستقبل میں متاثر ہو گا۔ فلاح وہ راحت ہے، جو ہدایت یافتہ لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔

حاصل : قوم میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں، جو پیغام حق کو سن کر، حق پہنچانے والے کا انکار کرتے ہیں۔ منکرین حق سے یہ کہنا چاہئے تمہارے عمل کی جزا تمہیں ملے گی، ہمارے عمل کی جزا ہمیں ملے گی، تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کا گھر کس کے لئے ہے۔ ظالم کو نہ کبھی فلاح ہوئی ہے،

نہ ہو گی۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی میں اور مویشیوں میں اس کا حصہ ٹھہراتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں یہ ان کے خیال میں اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شرکاء کا ہے۔ تو وہ جو ان کے شرکاء کا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شرکاء کو پہنچتا ہے۔ کیا ہی بُرا حکم لگاتے ہیں۔

مشرکین کے فہم و فراست کو ان کی تقسیم کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ اس طرح شبہات کا کوئی مقام نہیں رہتا۔ یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی میں سے اور اس کے پیدا کردہ مویشیوں میں سے اللہ کا حصہ نکالتے ہیں، اور بتوں کا حصہ بھی نکالتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو شرکاء کا حصہ ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شرکاء کو پہنچتا ہے۔ یہ تقسیم ان کے فہم کا درجہ واضح کرتی ہے۔ جو مالک کل ہے اور حقیقی مستحق ہے، اس کے نام پر، اس کی راہ میں خرچ کیا جائے تو خرچ کرنے والوں کو سات سو گنا اور اللہ چاہے تو اور بھی زیادہ ملے گا۔ اس کے مقابل غیر اللہ کے نام پر جو بھی خرچ کیا جائے گا، وہ ظلم پر خرچ ہو گا اور دارین میں خسارے کا باعث بنے گا۔ جزا دینے والے مالک کل کی طرف سے کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، منکرین حق اپنے اوپر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔ اس حکم کی بُرائی یہ نہیں ہے کہ اللہ کے نام پر کم خرچ کرتے ہیں اور اپنے شرکاء پر زیادہ خرچ کرتے ہیں، بلکہ برائی یہ ہے کہ حدود اللہ کو ماننے کی بجائے، خود ہی حدود کا تعین کرنے لگتے ہیں۔ ہر وہ حکم برا ہے جو اللہ کے فرمان کے خلاف ہو۔

حاصل : جس کی تقسیم میں تضاد ہو اس کو ظالم جاننا چاہئے۔ جو حکم فرمان خداوندی کے خلاف ہو وہ حکم بُرا ہوتا ہے اور کرنے والا ظالم ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور اسی طرح مشرکین کی نگاہ میں ان کے شرکاء نے قتل اولاد کو مزین کر دیا تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈالیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ نہ کر پاتے، تو انہیں ان کے افتریٰ کے ساتھ چھوڑ دیجئے۔

مشرکین اللہ کے مقابل طاغوت کی بندگی کرتے ہیں۔ شیاطین قتل اولاد کو ان کے سامنے اس طرح مزین کر کے رکھتے ہیں کہ انہیں برا فعل بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ مستکبرین کے لئے کسی کو داماد بنانا شوکت نفس کے منافی ہوتا ہے، اس لئے بیٹی کی پیدائش انہیں آزردہ کر دیتی ہے۔ رزق کی کمی بھی انہیں خوفزدہ کر دیتی ہے کہ کہیں اولاد کی وجہ سے ان کی عزت میں کمی نہ ہو۔ اور کہیں وہ قتل اولاد کو سنت ابراہیم علیہ السلام جانتے ہیں، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت یہ ہے کہ اپنی پسند کو امر الٰہی کے تابع رکھا جائے، یہ نہیں کہ اپنی پسند کو ہی امر الٰہی کا درجہ دے دیا جائے۔ قتل اولاد سے ہلاکت تو ہوتی ہی ہے، اگر اسے نیکی سمجھ کے کیا جائے تو یہ دین میں شبہ پڑ جانے کی صورت ہو جاتی ہے۔ باپ مستقبل میں اپنی ذریت کی صورت سے زندہ رہتا ہے۔ جو اپنی ذریت کو ہلاک کر دے اس نے یقیناً اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور اگر یہ نیکی جان کر کیا جائے، تو حق کو باطل کے ساتھ ملانے کی کوشش ہوگی، جس سے دین میں شبہات پیدا ہوں گے۔ اگر اللہ مشرکین کو استکبار کے لئے توفیق ہی نہ دیتا تو وہ شرک کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے، مگر اسی توفیق کے صحیح استعمال سے ہی قرب الٰہی بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ کی مشیت اور اس کی رضا ایک ہی مقام کے دو نام نہیں ہیں۔ اس کی مشیت، نتائج پر اس کی قدرت ہے۔ جو نتیجہ اسے پسند نہ ہو، وہ کبھی واقع نہیں ہو گا۔ یہ یقین عمل کو سیدھا رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اگر عمل کرتے وقت اپنے آپ کو مطلوبہ نتیجے سے جوڑ لیا جائے تو پھر عمل رضائے الٰہی کے لئے نہیں ہو گا اور خواہش کی پیروی سے نجات ناممکن ہو جائے گی، جبکہ اللہ کی رضا، مخلصین کے اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ جو اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھتے ہیں وہ اظلم ہیں۔ انہیں ان کے افتریٰ کے ساتھ چھوڑ دینا چاہیئے۔

حاصل : مشرکین کی زندگی میں استکبار ضرور ہوتا ہے، اور یہی استکبار انہیں قتل اولاد جیسے قبیح فعل کو بھلا کر کے دکھاتا ہے۔ مخلصین کا ساتھ نہ ہو تو شبہات کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔ من مانی کرنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ رغبت انہی کی طرف ہونی چاہیئے جو خیر کو قبول کرنے والے ہوں۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ مویشی اور کھیتی روکی ہوئی ہے، اسے وہی کھائے جسے ہم چاہیں، اپنے خیال کے مطابق، اور کچھ جانوروں پر چڑھنا حرام ٹھہرایا اور کچھ جانوروں کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ سب اللہ پر افتریٰ ہے۔ عنقریب وہ انہیں افتریٰ کی جزا دے گا۔

مشرکین اپنے مویشیوں میں سے اور اپنی کھیتی میں سے جو حصہ بتوں کے نام پر مخصوص کر دیتے تھے، وہ ممنوع الانتفاع ہو جاتا تھا، سوائے ان لوگوں کے جو ان کے خیال میں اس کے استعمال کے حقدار تھے، مثلاً بت خانوں کے خدام وغیرہ۔ اسی طرح

بعض جانوروں کو سواری کے لئے استعمال کرنا حرام ٹھہرا دیتے تھے۔ ان سے بار برداری کا کام لینا بھی ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ یہ جانور بھی بتوں کے نام پر وقف ہوتے تھے۔ بتوں کے نام پر وقف کئے گئے جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ اور یہ حدود جو مشرکین کی طرف سے متعین کی جاتی تھیں، ان کے خیال میں یہ سب اللہ کو راضی کرنے کے لئے تھیں۔ افترٰی وہ بات ہے، جو اللہ کے فرمان کے خلاف ہو اور مکذبین حق کے خیال میں وہی رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو۔ اللہ پر افترٰی باندھنے والے اپنے کیئے کی جزا عنقریب پائیں گے۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق ختم ہونے کی دیر ہے، انہیں اپنے کیئے پر افسوس ہو گا۔ مگر اس وقت کا افسوس کچھ فائدہ نہ دے گا۔

حاصل : جو بات بھی کی جائے، اس میں اللہ کی رضا کی سند موجود ہونی چاہئے۔ افترٰی باندھنے والوں کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۴۰﴾

اور کہتے ہیں جو ان مویشی کے بطون میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری ازواج پر حرام ہے، اور مُردہ نکلے تو وہ سب اس میں شریک ہیں۔ عنقریب وہ انہیں ان باتوں کی جزا دے گا۔ بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے۔

ان جانوروں کو بحیرہ، سائبہ اور حامی کہتے تھے اور انہیں مقدس خیال کرتے تھے۔ اگر ان کے بطون سے زندہ بچہ پیدا ہو تو صرف مُردوں کے لئے ہوتا تھا اور مردہ پیدا ہو تو مرد و زن سب کھا سکتے تھے۔ یہ باتیں مشرکین کی من گھڑت تھیں۔ حکمت والا اور علم والا، خالق کل ہے۔ وہ انہیں ان کی باتوں کی ایسی جزا دے گا کہ ان کا افترٰی ہی انہیں گھیر لے گا اور یہ اپنے ظلم کے انجام سے بھاگ نہیں سکیں گے۔

حاصل : افترٰی سے بچنا لازم ہے۔ حکمت والے، علم والے، مالک کل کی شان ہے کہ وہ کسی کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ مگر جب وہ پکڑنا چاہے تو اسے دیر نہیں لگتی۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶

بے شک اپنی اولاد کو بے وقوفی اور بے علمی سے قتل کرنے والے خسارے میں پڑے۔ اور اللہ پر افترٰی باندھتے ہوئے اس رزق کو حرام ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے

انہیں دیا۔ بے شک وہ گمراہ ہوئے اور
ہدایت نہ پائی۔

اللہ پر افتریٰ باندھنے والوں کی بے وقوفی اور جہالت کی انتہا یہ ہے کہ اپنی اولاد کے قتل کو بھی اپنے خیال میں بھلائی جانتے ہیں، اور عطائے الٰہی کو اللہ پر افتریٰ باندھتے ہوئے حرام ٹھہرا لیتے ہیں۔ اولاد بھی اللہ کی عطا ہے، رزق بھی اللہ کی عطا ہے اور ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے ان کی برکت برقرار رہتی ہے۔ شکریے کی ادائیگی اسی طرح ممکن ہوتی ہے کہ نعمت کو معطیٔ مطلق کے حکم کے مطابق استعمال کیا جائے۔ افتریٰ باندھنے والوں کی بات پر کبھی سند موجود نہیں ہوتی اس کے باوجود وہ اپنی پسند کے اتنے ماننے والے ہوتے ہیں کہ اسے رضائے الٰہی کا درجہ دے دیتے ہیں۔ جہاں اپنی پسند کو اتنی وقعت دی جائے گی، وہاں یقیناً گمراہی ہوگی اور گمراہ، راہ والوں سے نہیں جڑتے، اس لئے وہ راہ پر نہیں آتے۔

حاصل : اولاد کی صورت میں مستقبل کو قتل کرنے سے بڑا خسارہ کوئی نہیں۔ قتل اولاد بے وقوفی اور جہالت کی انتہا ہے۔ اللہ پر افتریٰ باندھنے والے، اپنی پسند کو رضائے الٰہی کا درجہ دیتے ہیں، اس لئے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ راہ اسے ملتی ہے جو راہ راست والوں کے ساتھ ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا ہے۔ کافروں کے لئے خرابی ہے اور عذاب شدید ہے۔

ٱلَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا عَلَى ٱلْـَٔاخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ فِى ضَلَـٰلٍۭ بَعِيدٍ ﴿٣﴾

جنہیں آخرت سے دنیا کی زندگی زیادہ پیاری ہے، وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔

وَهُوَ ٱلَّذِىٓ أَنشَأَ جَنَّـٰتٍ مَّعْرُوشَـٰتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَـٰتٍ وَٱلنَّخْلَ وَٱلزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُۥ وَٱلزَّيْتُونَ وَٱلرُّمَّانَ مُتَشَـٰبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَـٰبِهٍ ۚ كُلُوا۟ مِن ثَمَرِهِۦٓ إِذَآ أَثْمَرَ وَءَاتُوا۟ حَقَّهُۥ يَوْمَ حَصَادِهِۦ ۖ وَلَا تُسْرِفُوٓا۟ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴿١٤٢﴾

اور وہی ہے جس نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ ان کے پھل مختلف ہیں اور زیتون اور انار ایک دوسرے کے مشابہ بھی اور غیر مشابہ بھی ہیں۔ کھاؤ ان کے ثمریں سے جب وہ ثمر لائیں اور جس دن اترے اس کا حق ادا کرو اور اسراف نہ کرو،

بے شک مسرفین اللہ کو پسند نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالق کل ہے۔ اس کی تخلیق سے انسان تمتع کرتے ہوئے شکریہ ادا کرتا رہے تو پھر انسان کی نظر میں وسعت آنے لگتی ہے، اور نعمت کو پاکر معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق اسے استعمال کرنا تقاضاء ادب معلوم ہوتا ہے۔ لذت مقصود نہیں رہتی، افادیت مقصود ہوتی ہے۔ بعض پھل اتنے نازک اور ہلکے ہوتے ہیں کہ ان کی بیلوں کو زمین سے بلند کرنے کا اہتمام ضروری ہوتا ہے مثلاً انگور وغیرہ۔ اور بعض اتنے سخت اور وزنی ہوتے ہیں کہ ان کی بیلوں کو بلند کرنا نقصان دہ ہوتا ہے جیسے خربوزہ، تربوز وغیرہ۔ نرم و نازک پھل والی بیلوں کو ٹٹیوں پر چڑھایا جاتا ہے اور سخت اور بھاری پھل والی بیلوں کو ٹٹیوں پر نہیں چڑھایا جاتا۔ یہ بھی اللہ کی قدرت ہے کہ بعض بیلوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پھل لگتے ہیں اور بعض بیلوں کے ساتھ بڑے بڑے پھل لگتے ہیں۔ کھجور کا درخت، کاشت کے بہت دیر بعد پھل دیتا ہے اور کھیتی چند مہینوں میں تیار ہو جاتی ہے۔ انسانی ضروریات کو اللہ نے کس محبت سے پورا کیا ہے، اس پر نظر ہو تو ادب سے اللہ کے حضور سر جھکا رہتا ہے۔ کسی بھی شے کو اللہ نے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ پھر اللہ کے اہتمام میں کتنا بڑا تنوع ہے۔ زیتون اور انار میں کئی باتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور کئی ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔ مشابہت کے ساتھ ہی غیر مشابہت کو جمع کر دینا بڑی قدرت کی بات ہے اور یہ اللہ کی ہی شان کے لائق ہے۔ پودے جب پھل لائیں تو ان کی نگہداشت اس طرح کرنی چاہئے کہ ان کا پھل صحت مند رہے، پکنے سے پہلے استعمال بحالت مجبوری ہی ہو اور جس دن پھل اترے، اس دن رضائے الٰہی کے تحت اس عطا کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مستحقین کو دینے کے بعد اپنے گھر لے جایا جائے۔ مستحقین میں قرابت دار، مساکین اور مسافر شامل ہیں۔ جن لوگوں کو وہ نعمت میسر نہ ہو انہیں بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہئے، اور یہ اللہ کی رضا کے لئے کرنا چاہئے۔ اسراف یہ ہے کہ کسی نعمت کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، اسے محض اپنی خواہش کے لئے مخصوص کر لیا جائے اور افادیت کی بجائے لذت پیش نظر رہے۔ یہ باتیں اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

حاصل : نرم و نازک اور ہلکے پھلوں والی بیلوں کو ٹٹیوں پر چڑھانا اور بھاری اور سخت پھل والی بیلوں کو ٹٹیوں پر نہ چڑھانا مفید ہے۔ مشابہت اور غیر مشابہت کا ایک جگہ اکٹھا کر دینا، اللہ کی قدرت ہے۔ پھلوں کو پکا کر اتارنا چاہئے، اور اتارتے وقت قرابت داروں، مساکین اور مسافروں کو بھی دینا چاہئے اور رضائے الٰہی کے لئے دینا چاہئے۔ عطائے الٰہی کو اپنی خواہش کے لئے مخصوص کر لینا اللہ کو پسند نہیں ہے۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۚ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اور مویشیوں میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے۔ اللہ کے دئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

بڑے قد کے جانور، جو بوجھ اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے کام آتے ہیں، مثلاً اونٹ، بیل وغیرہ، ان کا منشاء تخلیق سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا ہے۔ اس لئے ان کو ذبح کرتے وقت صرف ذاتی ضرورت کو پیش نظر نہیں رکھنا چاہئے، سماجی ضرورت بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔ جہاں اپنی شے کے استعمال میں اس شے کے منشاء تخلیق کو نہ دیکھا جائے اور اس سے خدمت لینے کی بجائے اس کو اپنی خواہش پر قربان کر دیا جائے تو اس سے دکھ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ چھوٹے قد کے جانور مثلاً بھیڑ، بکری وغیرہ بھی انسانی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کے استعمال کی صحیح صورت یہ ہے کہ ان کو عطائے الٰہی جانتے ہوئے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ مادہ جانوروں کو بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت کی حد تک ذبح نہ کیا جائے۔ نر کو بھی اسی وقت ذبح کیا جائے جب وہ اپنی نوع کے مطابق انتہائی وزن کے قریب پہنچ چکا ہو۔ کسی شے کو اگر اللہ نے حلال ٹھہرایا ہے تو اس کو حرام قرار دے دینا قطعاً حق نہیں۔ مگر اس شے کے استعمال میں ناشکری کی راہ اختیار کرنا بھی شیطان کے قدموں پر چلنے والی بات ہے اور شیطان کے قدموں پر چلنے کا انجام خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔ دودھ دینے والے جانوروں کو اگر ذبح کر کے کھالیا جائے تو یہ عطائے الٰہی کی ناشکری ہے۔ بچے دینے والے جانوروں کو نسل بڑھانے کی بجائے انہیں اپنی لذت کام و دہن کے لئے استعمال کر لیا جائے تو یہ خواہش کی پیروی کرنے والی بات ہے۔ اگر عطائے الٰہی کے استعمال میں افادیت ملحوظ ہو تو یہ شیطان کے قدموں پر نہ چلنے والی بات ہے اور اگر لذت مقصود ہو جائے تو یہ شیطان کے قدموں پر چلنے والی بات ہے۔ شیطان کھلا دشمن ہے۔ اس کے ساتھ سے، بھلائی ہو، یہ بالکل ناممکن ہے۔

حاصل : جانور بڑے ہوں یا چھوٹے، ان کو عطائے الٰہی جانتے ہوئے ان کی قدر کرنی چاہئے۔ ذاتی ضرورت کے مقابل سماجی ضرورت کو اہمیت دینی چاہئے۔ ذبح کرنے کی مجبوری نہ ہو تو جانوروں کو ان کے انتہائی وزن تک پہنچا کر ذبح کرنا چاہئے۔ دودھ دینے والوں اور بچے پیدا کرنے والے جانوروں کو اپنی خواہش پر قربان کر دینا، شیطان کے قدموں پر چلنے والی بات ہے۔ دیکھنا ضرور چاہئے جس کا ساتھ ہے وہ دوست ہے یا دشمن۔ دشمن کے ساتھ سے خسارہ ہی بڑھتا ہے، خسارے کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر بھی موجودہ روش کو ترک نہ کیا جائے، تو یہ انتہائی بے عقلی ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِىْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

آٹھ نر اور مادہ۔ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو۔ فرما دیجئے کیا اللہ نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ جس پر دونوں مادہ کے ارحام مشتمل ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو علم سے بتاؤ۔

اونٹ میں نر اور مادہ، گائے اور بیل، بھیڑ میں نر اور مادہ، بکری میں نر اور مادہ یہ آٹھ جانور انسانی خوراک میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ مشرکین نے ان جانوروں کے بارے میں اپنی بے علمی سے کچھ قوانین وضع کر لئے تھے۔ کبھی وہ نر کو حرام

ٹھہراتے تھے کبھی مادہ کو اور کبھی بچے کو۔ تحلیل و تحریم میں سند کا درجہ، اللہ کے فرمان کا ہے اور اللہ کے فرمان کے حصول کی صورت، معروف ہے۔ یہ بتانا مشرکین کے ذمے ہے کہ وہ کس علم سے حرام و حلال ٹھہراتے ہیں۔ اگر بھیڑ اور بکری کا نر حرام ہے، تو حرام اور حلال کا ملنا کیسے درست ہوا اور اگر دونوں جانوروں کی مادائیں حرام ہیں تو بھی حلال اور حرام کا ملنا کیسے درست ہوا، اور اگر دونوں حرام نہیں ہیں تو پھر ان سے پیدا ہونے والے بچے کیسے حرام ہوئے۔

حاصل : اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری، یہ جوڑا جوڑا ہوں تو یہ آٹھ ہوئے اور انسانی ضرورت میں یہی بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے قوانین خود ہی وضع کر لئے ہوں تو اس سے پوچھنا چاہئے، علم سے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ تحلیل و تحریم کی سند فرمانِ خداوندی ہی سے ہوتی ہے۔

وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٥﴾

اور ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا۔ فرما دیجئے کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا دونوں مادہ۔ یا وہ جس پر دونوں مادہ کے ارحام مشتمل ہیں۔ کیا تم حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ وصیت دی۔ پھر اللہ پر کذب سے افترٰی باندھنے والے سے بڑھ کر ظالم کون ہے کہ لوگوں کو بے علمی سے گمراہ کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوم ظالمین کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہاں اونٹ کے جوڑے اور گائے کے جوڑے کا ذکر کیا گیا ہے۔ جوڑے میں بھی مشرکین نے جو حرمت بیان کی تھی وہ نر، مادہ یا ان کے بچے میں کہاں سے آئی۔ ان میں کسی ایک کے حرام ہونے سے باقی حلال نہیں رہ سکتے۔ یہ حکم انبیاء کرام کی شہادت سے تو بیان نہیں ہوا۔ پھر یہ کس کی شہادت سے بیان ہوا ہے۔ تمہیں تو اللہ نے یہ وصیت نہیں فرمائی تھی۔ اس سے روشن ہوا کہ اپنی خواہش کے مطابق قوانین وضع کر کے، ان کو فرمانِ خداوندی کے برابر اہمیت دینا، انتہائی ظلم ہے اور یہ لوگوں کو گمراہ کرنے والی بات ہے۔ جو ظالم کی بات مان لے وہ ظالم ہوتا ہے۔ ظالم حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دیتا ہے، اس لئے ہدایت سے دور رہتا ہے۔ ہدایت تو اسے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے۔

حاصل : جو دعویٰ کرے اس سے سند مانگنی چاہئے۔ اظلم مفتری ہوتا ہے اور ظالم اس کے افترٰی کو ماننے والا۔ دونوں اپنی پسند کو حق کے مقابل زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اس لئے ہدایت سے دور رہتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے۔ کہیں کافروں کو علم ہو کہ ان کے حال کا مستقبل کیا ہے۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۳۹﴾

کہیں کافر جانتے جب اپنے مونہوں سے اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ ان کی مدد ہوگی۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴۶﴾

فرما دیجئے جو میری طرف وحی فرمائی گئی ہے اس میں، میں کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ مردار ہو، یا رگوں کا بہتا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت، کہ وہ ناپاک ہے، یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، پھر جسے اضطرار ہو، نہ یہ کہ خواہش کرے اور نہ یہ کہ ضرورت سے بڑھے، تو بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

صاحبو! تحلیل و تحریم فرمانِ خداوندی سے ہو تو وہ حق ہے۔ اور فرمان خداوندی سے ہو تو جس پر حق کا نزول ہوا ہے، اسی ذات پاک کی شہادت سے اس کا پتہ چل سکتا ہے۔ اس لئے حضور پرنور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری طرف وحی فرمائی گئی ہے، اس میں تو مردار، رگوں کا بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، حرام ہیں۔ اور یہ حرمت بھی حالت اضطرار میں اللہ کے فرمان کے مطابق وقتی طور پر مضطر کے لئے جائز ہو جاتی ہے۔ مضطر کے لئے یہ لازم ہے کہ اس کا کھانا خواہش کے تابع نہ ہو اور صرف اس ضرورت کے پورا کرنے کی حد تک ہو کہ زندگی کا عمل جاری رہے۔ ایسی صورت میں اللہ کی بخشش اور رحمت طلب کرتے ہوئے حالتِ اضطرار سے گزرنا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی رعایت ہے کہ ناجائز کو بھی حالت اضطرار میں وقتی طور پر جائز قرار دے دیا گیا ہے۔

حاصل : تحلیل و تحریم فرمانِ خداوندی کے تابع ہو تو وہ حق ہے۔ فرمان خداوندی کے مطابق مردار، رگوں کا بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور یہ سب حرام ہیں۔ حالتِ اضطرار میں وقتی رعایت موجود ہے۔ اللہ سے بخشش اور رحمت طلب کرتے ہوئے حالت اضطرار سے گزرنا چاہئے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾

اور یہود پر ہم نے ہر ایک ناخن والا جانور حرام کیا تھا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان کی چربی حرام کر دی تھی، سوائے اس کے جو پشت کے ساتھ لگی ہو، یا انتڑیوں کے ساتھ ہو. یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے انہیں ان کی بغاوت کی جزا دی تھی اور بے شک ہم سچے ہیں۔

ماضی میں تحلیل و تحریم فرمان خداوندی کے تحت تھی، جیسے یہودیوں پر اللہ نے ہر ناخن والا جانور حرام فرما دیا تھا اور گائے اور بکری وغیرہ کی چربی. سوائے اس کے کہ جو ذبح ہونے والے جانور کی پشت سے لگی ہوئی ہو یا انتڑیوں کے ساتھی لگی ہوئی ہو، یا ہڈی کے ساتھ اختلاط رکھتی ہو۔ یہ چیزیں یہودیوں پر اس لئے حرام فرمائی گئی تھیں کہ یہ لوگ سرکشی کرتے تھے اور حکم کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کا رجحان رکھتے تھے۔ بندے کی صداقت. مالک کل کے حکم کی ایسی اطاعت سے ثابت ہوتی ہے، جس میں خوب موجود ہو اور مالکِ کل کی صداقت کی سند یہ ہے کہ اس کے کسی حکم میں اس کی کوئی احتیاج نہیں ہوتی. کوئی غرض نہیں ہوتی۔

حاصل : یہود کی من حیث القوم نافرمانی کی وجہ سے ان پر ہر ناخن والا جانور حرام فرمایا گیا۔ گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ کی چربی، حرام فرمائی گئی، سوائے اس کے جو ذبح ہونے والے جانور کی پشت سے لگی ہوئی ہو، یا انتڑیوں سے لگی ہوئی ہو، یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔ یہ حرمت وقتی تھی اور نہ یہود سے پہلے لوگوں کے لئے تھی، نہ بعد والوں کے لئے ہے۔

فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٧﴾

پھر اگر آپ کی تکذیب کریں تو فرما دیجئے تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے، اور قوم مجرمین سے اس کا عذاب نہیں ٹلے گا۔

اگر کوئی حق کو سن کر سنانے والے کو جھٹلانے لگے. تو حق بیان کرنے والا بات کو پورا کرتے ہوئے بحکم خداوندی یہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کی رحمت بڑی وسیع ہے اور قوم مجرمین سے اس کا عذاب نہیں ٹلے گا۔ رحمت کی وسعت کا حال یہ ہے کہ اس کی طرف سے لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑنے میں جلدی نہیں کی جاتی، بلکہ انہیں ان کے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں گناہ سے پاک ہونے کے مواقع دئے جاتے ہیں تا آنکہ وہ اصلاح کو قبول کرنے کی حد سے ہی گزر جائیں۔ اور جب کوئی حق کے بعد کوئی طریق زندگی بنالے تو پھر اس کے جرم کے نتائج بصورت عذاب اسے گھیر لیتے ہیں۔ پھر وہ کہیں بھاگ بھی نہیں سکتا اور

کوئی اس کی مدد بھی نہیں کر سکتا۔

حاصل : مکذبینِ حق سے بات ختم کرنے سے قبل یہ کہنا لازم ہے کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور قوم مجرمین سے اس کا عذاب نہیں ٹلے گا۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٩﴾

اب مشرک کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے آباء اور نہ ہم کسی شے کو حرام ہی ٹھہراتے۔ اس سے قبل بھی لوگوں نے ایسے ہی تکذیب کی تھی، حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ فرما دیجئے اگر تمہارے پاس کچھ علم ہے تو ہمارے سامنے لاؤ۔ تم تو محض ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم صرف اٹکلیں دوڑاتے ہو۔

مشرکین جب اپنے آپ کو سچا ثابت نہیں کر سکتے اور اپنے ظن اور اٹکل کے لئے انہیں کوئی سند نہیں ملتی تو پھر شرک میں تواتر کو، رضائے الٰہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم کسی شے کو کیسے حرام ٹھہرا سکتے تھے۔ شرک کرنے والے اللہ کی مشیّت کو اس کی رضا جانتے رہے ہیں اور اسی بناپر عذاب الٰہی سے ان کی بیخ کنی ہوتی رہی ہے۔ اللہ نتائج پر قادر ہے۔ کسی عمل کا حاصل، عامل کی منشاء کے مطابق ہو یا اس کی منشاء کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ اس سے یہ روشن کرنا مقصود ہے کہ عامل اپنے حق کو ادا کرتا رہے اور نتائج کو باذن اللہ جانے۔ اس طرح وہ یک سو رہے گا اور تھکن سے بھی بچ جائے گا۔ مگر اللہ کی رضا، ناصحین، مخلصین کے ساتھ محبت رکھنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس کے برے اعمال کی بدولت فوراً عذاب میں پکڑ لیا کرتا ہو، تو کسی کا تواتر کے ساتھ کسی بڑے عمل کو کرتے رہنا اور مبتلاء عذاب نہ ہونا، اس بات کا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ عمل اللہ کو ناپسند نہیں ہے۔ مگر ہوتا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عامل کو پوری توفیق دیتا ہے، پاک ہونے کے لئے تمام آسانیاں عطا فرماتا ہے۔ پاک کرنے والے سے محبت ہو تو قول سدید ہو جاتا ہے، عمل صالح ہو جاتا ہے، ورنہ عامل کو ایسے مقامات سے گزارا جاتا ہے کہ اس کا تضاد اس پر واضح ہو، اور وہ ظلمات سے نور کی طرف چلے۔ رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دینے کی انتہائی صورت یہ ہوتی ہے کہ عذاب اکبر سے پہلے عذاب ادنیٰ چکھایا جاتا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی خواہش کی پیروی سے باز نہ آئے تو اس کا انجام کبھی بخیر نہیں ہوتا۔ جب پہلے مشرکین بڑی توفیق پانے کے باوجود عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکے، تو راہ شرک پر چلنے والوں کو اپنے انجام سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ جس عمل کا نتیجہ خوف خدا سے دوری ہو، اس کا درجہ محض ظن اور اٹکل ہی ہوتا ہے اور

محض کب کسی کو حق سے مستغنی کر سکتا ہے۔ اللہ کی رضا کا علم مخلصین سے حاصل ہوتا ہے، جنہیں شیطان بہکا نہیں سکتا۔

حاصل : یہ انتہائی بے علمی کی بات ہے کہ اللہ کی مشیّت کو اس کی رضا جان لیا جائے۔ جس عمل کے نتیجے میں خوف خدا سے دوری ہو رہی ہو وہ محض ظن اور اٹکل کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ کی رضاء مخلصین کی معیت میں ہے چونکہ مخلصین کو شیطان بہکا نہیں سکتا۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

تو فرما دیجئے، اللہ کی حجت پوری ہے۔ تو اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا۔

جس حق کی ادائیگی بندے کے ذمے ہے، اسی کے بارے میں اس سے پوچھ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم مطلق کے ساتھ ہر انسان کی زندگی میں اتمام حجت کی جاتی ہے۔ قطعاً پوری پوری آسانیاں عطا کی جاتی ہیں، جن سے ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آنے میں مدد ملتی ہے۔ کوئی اگر حق کے انکار کو ہی طریق زندگی بنالے تو وہ عذاب الٰہی سے آگاہ ضرور ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر خواہش کی پیروی کی توفیق نہ ملتی تو سبھی ہدایت پر ہوتے مگر اس توفیق کی بدولت ہی بنی آدم کو تمام مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

حاصل : اتمام حجت ہر انسان کی زندگی میں کی جاتی ہے اور یہ ممکن بھی اللہ تعالیٰ کے علم مطلق سے ہی ہوتی ہے۔ اگر خواہش کی پیروی کی توفیق ہی نہ ہوتی تو سب ہدایت والے ہوتے مگر پھر درجات اور بلندیاں بھی نہ ہوتیں۔ عظمت تو یہی ہے کہ اپنی خواہش کے مقابل اللہ کی رضا کو مانا جائے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

فرما دیجئے، لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ نے اسے حرام ٹھہرایا ہے، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اوروں کو اپنے ربّ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

مشرکین کی طرف سے تحریم ہمیشہ ظن و گمان سے ہی ہوتی ہے۔ جس دعوے کے ساتھ شہادت موجود نہ ہو وہ دعویٰ سچا نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ کے حلال ٹھہرائے ہوئے جانوروں کو حرام ٹھہرانے والوں سے ان کے دعوے کے مطابق شہادت مانگی گئی ہے۔ اگر کوئی گواہی اس دعوے کے ساتھ موجود نہ ہو تو اس دعوے کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ یہ گواہی ان معنوں میں نہیں

ہو سکتی کہ اللہ نے لوگوں کو کچھ فرمایا ہو یا لوگوں نے اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہو۔ یہ صرف انبیاء سابقین کی تعلیمات کی روشنی میں ہو سکتی ہے۔ اگر انبیاء سابقین کے حوالے سے کوئی مفتری خلاف حق گواہی دیتا ہے تو مومن کو یہ حکم ہے کہ اس گواہی دینے والے کو نہ ماننے اور قطعاً اس کی خواہشات کی پیروی نہ کرے۔ جھوٹی گواہی دینے والے اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور شرک کرتے ہیں۔

حاصل : دعوے کے ساتھ شہادت موجود نہ ہو تو دعویٰ سچا ثابت نہیں ہو سکتا۔ جھوٹی گواہی دینے والے میں تین صفات ضرور ہوتی ہیں۔ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے، آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور شرک کرتا ہے۔ سچے گواہ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے :

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لئے نازل فرمائی ہے کہ آپ لوگوں پر روشن فرما دیں جس میں وہ اختلاف کریں اور ہدایت و رحمت ایمان والوں کے لئے ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥٢﴾

فرما دیجئے آؤ میں تلاوت کروں جو تم پر تمہارے رب نے حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ کہ کسی شے کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی، اور ظاہرہ اور چھپی ہوئی فواحش کے قریب نہ جاؤ اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی ہے اسے ناحق نہ مارو۔ یہ تمہیں وصیت دی ہے کہ تم عقل کرو۔

اندازے، قیافے سے بات کرنے والوں کو یہ فرمایا گیا ہے کہ اس طرح تم حق کو نہیں پا سکو گے، آؤ میں تم کو بتاتا ہوں تمہارے رب نے تم پر کیا حرام ٹھہرایا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معبود لاشریک ماننے کی صورت یہ ہے کہ ہر قول و فعل میں اس کی رضا کو مقصود بنایا جائے اور "ساتھ"، انعام یافتہ مخلصین کا ہو۔

الله کو اپنی سمجھ سے ماننے کی بجائے، اپنے شاہد کے حوالے سے مانا جائے اور اپنی خواہش کی پیروی سے بالکل اجتناب ہو۔ والدین کے ساتھ عدم احسان بھی حرام ہے۔ احسان یہ ہے کہ ان کو جسمانی آسائش کے ساتھ قدر و منزلت سے رکھا جائے اور ان کی خدمت خود کی جائے۔ ان کا کھانا، ان کی عمر، صحت اور جسمانی ضرورت کے اعتبار سے ان کے لئے مفید ہو، ان کا لباس پاک ہو اور معاشرے میں لوگ انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ جس کو وہ کچھ دینا چاہیں اسے ادب سے وہ کچھ دیا جائے۔ انہیں اپنے ذمے جو حق بھی نظر آتا ہو اسے ادب سے ادا کیا جائے۔ اگر کسی جگہ وہ سختی بھی کریں تو ان کے سامنے اف نہ کی جائے اور سارے کام میں، خدمت میں، کوئی غرض پوشیدہ نہ ہو، ورنہ وہ عمل رضائے الٰہی کے مقابل کسی غرض کے لئے ہو گا، جو شرک خفی ہے۔ مفلسی کے باعث اولاد کو قتل کرنا بھی حرام ہے۔ رزق دینا علیم مطلق کی شان ہے، وہ سب کو رزق دیتا چلا آرہا ہے، اور قیامت تک سب کو دیتا رہے گا۔ اپنی اہمیت کو بندہ کسی مقام پر اس طرح دیکھے کہ کس کس کو رزق اس کے ہاتھ سے مل رہا ہے، تو اسے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ معطیٔ مطلق کون ہے، اور اصل اہمیت تو معطیٔ مطلق کی ہے نہ کہ ظاہری ذریعے کی۔ وہ تمام کوششیں جن کا منشاء بقاء نسل کے عمل کو روکنا ہو، حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ سارے عالمین کو پالنے والا ہے، ہمارا بھی وہی پالنے والا ہے۔ ہماری اولاد کو بھی وہی پالتا ہے۔ پھر اگر ہم اپنا درجہ رزق دینے والے کا سمجھ لیں تو یہ شرک خفی ہو گا۔ ظاہرہ اور چھپی ہوئی بے حیائیاں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہوتی ہیں۔ ظاہرہ ہوں گی تو چھپی ہوئی بھی ضرور ہوں گی اور چھپی ہوئی ہوں گی تو ظاہر بھی ضرور ہوں گی۔ جو کام احکام خداوندی کے خلاف اپنے نفس کی خوشی کے لئے، لوگوں سے چھپ کر کیا جائے وہ چھپی ہوئی بے حیائی ہے۔ اور جب چھپ کر برائی کرنے والوں کی تعداد بڑھ جائے اور وہ برائی ظاہرہ طور پر کرنے میں انہیں ندامت محسوس نہ ہو تو وہ ظاہرہ بے حیائی ہے۔ بے حیائی کے قریب نہ جانے کی صورت یہ ہے کہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے کوئی کام نہ کیا جائے۔ اگر اپنی پسند کسی جگہ رضاء خداوندی سے مل جائے تو اپنے نفس کو بتایا جائے کہ رضائے الٰہی مقصود ہے تمہاری خوشی مقصود نہیں ہے۔ اپنی خوشی کو رضائے الٰہی کا درجہ دینا بھی شرک خفی ہے، اور جس جان کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھی گئی ہے، اس کو مار دینا بھی خلاف حق ہے سوائے اس صورت کے جس میں اس کے مارنے کا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو۔ جیسے قصاص میں جان کے بدلے جان لینے کا حکم ہے۔ ناحق کسی کو مار دینے سے حدود اللہ کا عدم احترام ثابت ہو گا اور یہ حدود اللہ کے مقابل اپنی خواہش کو فوقیت دینے کی بدولت شرک خفی ہے۔ اللہ کی وصیت بڑی روشن ہے اور جو عقل مند بننا چاہے اسے اس وصیت پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے ورنہ عقل مند ہونا ممکن ہی نہیں۔ عقلمندی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس لئے اس کو منفی قدر بتانے والے حق پر نہیں ہو سکتے۔

حاصل : حق کا پتہ اندازے، قیافے، سے ممکن نہیں ہوتا۔ اللہ کے فرمان سے روشن ہے کہ شرک حرام ہے۔ والدین کے ساتھ عدم احسان حرام ہے، مفلسی کے باعثِ قتل اولاد حرام ہے، ظاہرہ اور چھپی ہوئی فواحش کے قریب جانا حرام ہے، اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی ہے اس کو ناحق مار دینا حرام ہے۔ اللہ کی وصیت پر عمل کیا جائے تو عقل مند ہونے کا شرف ملتا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا	اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر بطریق احسن حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے،

الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۚ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۲﴾

اور ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا رکھو، ہم کسی نفس پر اس کی وسعت سے بڑی ذمہ داری نہیں ڈالتے۔ اور جب بولو تو عدل کرو اگرچہ معاملہ قربیٰ کا بھی ہو، اور اللہ کا عہد وفا کرو۔ یہ وصیت تمہیں دی گئی ہے تاکہ تم نصیحت مانو۔

یتیم کے مال میں اس کے ولی کو بطریقِ احسن تصرف کی اجازت ہے، اور یہ یتیم کے سن بلوغت تک ہے۔ احسن تصرف یہ ہے کہ جس میں یتیم کا واضح فائدہ ہو اور اس تصرف میں ولی کی کوئی خواہش پوشیدہ نہ ہو اس صورت کے علاوہ یتیم کے مال کے قریب جانا حرام ہے۔ جب یتیم بلوغت کو پہنچ جائے تو گواہوں کی موجودگی میں اس کا مال اس کے حوالے کر دینا حق ہے۔ اس میں کوتاہی کرنا منع ہے۔ ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا رکھنا یہ ہے کہ خریدنے والے سے جس ماپ اور تول کی قیمت لی جا رہی ہے اس میں کمی نہ کی جائے۔ قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ بیچنے والے کا پالنا بھی رب العالمین کے ذمے ہے، اس لئے اسے یہ یقین رہنا چاہئے کہ میری مقدرت سے زیادہ بوجھ مجھ پر نہیں آسکتا۔ یہ یقین ہی ماپ اور تول کو پورا رکھنے کی جان ہے۔ ورنہ اگر قیمت فروخت، قیمت خرید سے بھی کم ہو جائے تو بے اطمینانی کا ہو جانا قابل فہم ہے۔ اور جب بھی بات کی جائے تو عدل سے کی جائے، اگرچہ معاملہ قربیٰ کا ہی کیوں نہ ہو۔ عدل سے بات کرنے کی صورت یہ ہے کہ حق کے مقابل کسی کی خواہش کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ اللہ کا عہد وفا کرنا یہ ہے کہ لوگوں کی خوشی کے مقابل اللہ کی رضاء احق نظر آئے اور لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا ڈر زیادہ ہو۔ یہ وصیت برائے نصیحت ہے۔ عمل اس نصیحت کے مطابق ہو تو درست ہے، ورنہ خلاف حق ہے اور حق کی خلاف ورزی حرام ہے۔

حاصل : یتیم کے مال میں اس کی جوانی تک صرف بطریق احسن تصرف کی اجازت ہے۔ ماپ تول کو صرف اس یقین سے پورا رکھا جا سکتا ہے کہ اللہ ہماری مقدرت سے بڑا بوجھ ہم پر نہیں ڈالتا۔ عدل یہ ہے کہ حق کے مقابل کسی کی خواہش کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔ یہ وصیت برائے نصیحت ہے اور ماننے والے فلاح پاتے ہیں۔

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۵۳﴾

اور یہ کہ یہی میرا صراطِ مستقیم ہے اس پر چلو، اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گے۔ یہ تمہیں وصیت دی ہے تاکہ تم تقویٰ رکھو۔

صراطِ مستقیم یہ ہے کہ شرک نہ خفی ہو، نہ جلی، والدین کے ساتھ احسان کیا جائے، قتل اولاد کو حرام جانا جائے، ظاہرہ اور چھپی ہوئی بے حیائیوں سے اجتناب ہو، کسی جان کو ناحق نہ مارا جائے، یتیم کے مال میں اس کا ولی صرف یتیم کے فائدے کے لئے تصرف کرے، ماپ اور تول کو پورا رکھا جائے اور اس یقین سے معاملات کئے جائیں کہ ہمارا کام حدود اللہ کا احترام ہے اور خیر، اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ کبھی کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، عدل کیا جائے اور بات میں حق کے مقابل کسی کی خواہش ملحوظ نہ ہو، اللہ کی رضا کے مقابل کسی کی خوشی مقصود نہ ہو اور اللہ کے ڈر کے مقابل کسی کا ڈر پریشان نہ کرے۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کا حکم ہے۔ دوسری تمام راہیں اللہ کی راہ سے دوری کا باعث ہی ہو سکتی ہیں۔ اس وصیت پر عمل پیرا ہونے والا متقی ہو جائے گا۔ ۔ تمام اعمال حق کے مطابق اسی صورت میں ہوں گے، جب نفس امارہ کے امر کے مقابل امرالٰہی کو مانا جائے گا اور ناصح سے محبت رکھی جائے گی۔

حاصل : صراطِ مستقیم پر چلنے کا حاصل تقویٰ ہے۔ اللہ کا ڈر ہو تو صراطِ مستقیم کے علاوہ کسی راہ پر جانا ممکن ہی نہیں۔ صراطِ مستقیم پر چلنے والے کو دوسری تمام راہوں سے بچنا بھی چاہیئے، ورنہ تقویٰ قائم نہیں رہ سکتا۔

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٤﴾

تو ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی، بھلائی کرنے والوں پر پورا احسان کرنے کے لئے، اور ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں۔

اس آیت میں واضح فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل فرمائی گئی، وہ بھلائی کرنے والوں کے لئے پوری نعمت کے طور پر تھی۔ ان کے لئے اس میں ہر شے کی تفصیل تھی۔ اس میں ہدایت تھی، رحمت تھی۔ مگر اس کرم سے، تفصیل سے، ہدایت اور رحمت سے فائدہ تو اسی کو ہو سکتا ہے، جسے اپنے رب سے ملنے کا یقین ہو۔ جو اپنے ملنے کی بات ہی سے انکار کرے، اسے اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اپنی طرف سے کسی شے کو حرام قرار دے دیتے ہیں حالانکہ اللہ نے اسے حلال فرمایا ہو، ان کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنے کا یقین نہیں ہے۔

حاصل : جسے اپنے رب سے ملنے کا یقین ہو وہی فرمانِ خداوندی کی تفصیل، ہدایت اور رحمت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، حق کا منکر تو دنیا سے جاتے وقت دوزخ کو اپنے لئے مقدر کر چکا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے۔

تمہارے لئے دین کی وہ راہ ڈالی جس کی وصیت اس نے نوح علیہ السلام کو فرمائی اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی فرمائی اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دی کہ دین قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ہو۔

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ﴿۱۳﴾

مشرکین پر بھاری ہے جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو اور اللہ اپنے قرب کے لئے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف رجوع لانے والوں کو ہدایت دیتا ہے۔

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۵۶﴾

اور یہ مبارک کتاب ہم نے نازل فرمائی، تو اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔

قرآنِ پاک مبارک کتاب ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے، نازل فرمانے والے نے کسی ذاتی غرض کے لئے اسے نازل نہیں فرمایا، ماننے والوں کی بھلائی کا یقینی علم اس میں موجود ہے۔ خوف و حزن سے نجات اس کی پیروی سے ہی ممکن ہوتی ہے۔ زندگی میں تمام مقامات پر اسی کی برکت سے حسن معاشرت کو قائم رکھا جاسکتا ہے۔ اس کی برکت سے کماحقہ استفادہ کرنے کے لئے اس کی پیروی اور پرہیزگاری ضروری ہے۔ پیروی یہ ہے کہ حکم اللہ کا ہو اور نمونہ وہ صاحب اخلاص ہو جو حق کی تبلیغ کے ساتھ اجر کا کوئی سوال نہ رکھتا ہو۔ پرہیزگاری یہ ہے کہ اللہ کے ڈر سے بڑا اور کوئی ڈر نہ ہو۔ یہ دونوں رکن جہاں موجود ہوں گے، اللہ کی رحمت وہاں برسنے لگتی ہے۔ زندگی میں دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہو جائے تو اس سے بڑی رحمت کوئی نہیں ہو سکتی، اور اس کا حصول اس مبارک کتاب کی پیروی سے اور پرہیزگاری سے ممکن ہوتا ہے۔

حاصل : دائمی پاک دامنی، زندگی میں سب سے بڑی رحمت ہے اور اس رحمت کے حصول کے لئے اللہ کے فرمان کو ماننا اور اللہ سے ڈرتے رہنا ضروری ہے۔ قرآنِ پاک کی برکت، اس کے ادب میں، اس کی تلاوت میں، اس کی تعلیم میں، اس کی تعمیل میں، اور ہر شے کے بیان میں اس سے سند حاصل کرنے کی طریقت میں ہے۔

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ﴿۱۵۷﴾

کبھی تم کہو کہ کتاب تو ہم سے قبل دو گروہوں پر نازل ہوئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔

امیین وہ تمام لوگ ہیں جو پہلے اہل کتاب نہیں تھے۔ جن پر پہلے کتاب کا نزول ہو چکا تھا وہ دو گروہ یہود و نصاریٰ تھے۔

چونکہ ان لوگوں نے شرائع الٰہیہ کو اپنی خواہش کے مطابق بنالیا تھا اس لئے یہ کسی کو حق کی طرف بلانے کی سکت ہی نہیں رکھتے تھے۔ اور جب ان کی خواہشات کی اہمیت ان کے نزدیک حق سے زیادہ تھی تو امیین کی ایسے علم کے پڑھنے پڑھانے سے غفلت قدرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرماکر حصول رحمت کی راہیں روشن کر دی ہیں۔ اب کوئی اس غفلت کا جواز نہیں رکھتا۔ کتاب روشن ہے۔ معلم صادق ہیں۔ متعلم اس تعلیم سے اطمینان پا رہے ہیں۔ ہدایت یافتہ لوگوں میں کہیں بھی استکبار موجود نہیں ہے۔ اس سے بڑا اتمام حجت کوئی نہیں ہو سکتا۔

حاصل : اتمام حجت اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ چونکہ اس سے بڑا محبت کرنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ معلمین کو دیکھنا چاہئے کہ قرآن پاک سے کوئی غافل نہ رہے۔

أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَاءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ﴿١٥٧﴾

یا کہو کہ اگر کتاب ہم پر نازل ہوتی، تو ہم ان سے بڑھ کر ہدایت پاتے۔ تو تمہارے رب کی طرف سے تم پر روشن نشانی اور ہدایت اور رحمت آئی۔ تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرے اور ان سے منہ پھیرے۔ جو ہماری آیات سے منہ پھیرتے ہیں، انہیں ان کے منہ پھیرنے کی وجہ سے، ہم جلد ہی بڑے عذاب کی سزا دیں گے۔

اہل کتاب، نزولِ کتاب کے ذکر سے اپنی فضیلت کو ثابت کرتے رہتے تھے۔ اس لئے فرمان خداوندی کے حصول کی طلب کے ساتھ سامعین کے اندر ایک ولولہ اٹھتا تھا اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہم پر کتابِ الٰہی نازل فرمادی جائے تو ہم تعمیل ارشاد میں ذرا کوتاہی نہیں کریں گے اور جو لوگ ہم پر اپنی بڑائی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اللہ کا یہ فضل عظیم ہے کہ اس نے یہ مبارک کتاب نازل فرمائی۔ اس میں روشن نشانیاں ہیں۔ یہ اس کے بے مثل ہونے کی سند ہے۔ اس میں ہدایت ہے۔ اس میں رحمت ہے۔ جو اس کا انکار کرے گا وہ روشن نشانیوں کے انکار کی وجہ سے ظلمات کی طرف بڑھنے لگے گا، ہدایت سے دور ہوتا جائے گا، رحمت سے دور ہوتا جائے گا۔ آیات کا انکار کرنے کے بعد جو ان سے منہ پھیرے وہ استکبار کے انتہائی درجے میں ہونے کی وجہ سے بڑے عذاب کی سزا پائے گا۔ اس میں دیر نہیں لگتی۔ اظلم، ظلم کی انتہا سے ملتا ہے اور ظلم کی انتہا یہ ہے کہ آیات الٰہی کا انکار کرتے کرتے ان سے منہ پھیر لیا جائے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی میں یہ سند موجود ہے کہ یہ روشن نشانی ہے۔ یہ ہدایت ہے اور رحمت

ہے۔ جو اس کے انکار کا مرتکب ہو اور اس سے منہ پھیرے وہ اظلم، استکبار کے انتہائی درجے میں ہو گا اور جلد ہی بُرے عذاب میں پکڑا جائے گا۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿١٥٩﴾

کاہے کے انتظار میں ہیں، مگر یہ کہ ملائکہ ان پر آئیں، یا تمہارا ربّ آئے یا تمہارے ربّ کی کوئی نشانی آئے۔ جس دن تمہارے ربّ کی نشانی آئے گی، کسی نفس کو ایمان لانا نفع نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا تھا، یا اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی تھی۔ فرما دیجئے انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت، مطلق قدرت اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت پر حجتیں قائم کر دی ہیں۔ اب اگر حق کو ماننے میں تغافل ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو اس انتظار میں ضائع کرنے والی بات ہے کہ مہلت پوری ہو اور عذاب الٰہی میں پکڑے جائیں۔ پہلے بھی ملائکہ نے امر الٰہی سے منکرین حق کو عذاب دیا ہے۔ یہ بھی ہو چکا ہے کہ امر الٰہی سے زلزلے نے یا چنگھاڑ نے منکر لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت جب بالکلیہ ختم ہو جائے گی، تو یہ قیامت کی نشانی ہو گی۔ اس دن کسی کا ایمان لانا اسے نفع نہ دے گا۔ ایمان لانا تب نافع ہوتا ہے جب اس کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت موجود ہو۔ اور جب اعمال کے لئے دیا گیا وقت ہی پورا ہو جائے تو پھر ایمان نہ لانا کسی کے بس کی بات ہی نہیں اور یہ ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں بالکل مقبول نہیں۔ اگر کوئی حق کی صداقت کی اسناد کو دیکھ کر بھی من مانی کرنے پر مصر ہو تو اسے یہ کہنا چاہئے، انتظار کرو، حتیٰ کہ تمہیں ملی ہوئی مہلت پوری ہو جائے، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

حاصل : ختم ہونے والی مہلت کو جو خلافِ حق استعمال کر رہا ہو، وہ یقیناً عذابِ الٰہی کے انتظار میں رہے۔ وہ مانے یا نہ مانے توفیق کے خاتمے کے ساتھ اس کا ایمان لانا اسے نفع نہ دے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٦٠﴾

جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی گروہوں میں بٹ گئے تمہیں ان سے کچھ سروکار نہیں۔ ان کا کام اللہ کے حوالے ہے۔ پھر وہ انہیں بتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔

دین اللہ کے نزدیک ایک ہے اور وہ اسلام ہے۔ اس سے الگ ہونے والے تفرقے میں مبتلا ہو کر گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ یہ لوگ حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش میں رہتے ہیں، اور خواہشات کا وقتی اشتراک کسی بھی گروہ کے افراد کو ایک دوسرے کے قریب تو کر دیتا ہے مگر ایک نہیں کر سکتا۔ جہاں ناصح کو اس لئے مانا جائے کہ وہ ماننے والے کی خواہش کے مطابق بات کر رہا ہے وہاں تفرقے کا بیج موجود ہوتا ہے اور تفرقے کے بیج سے کبھی خیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ تفرقے کا خاتمہ اسی طرح ممکن ہوتا ہے کہ اپنے شاہد کو ناصح امین اور مخلص مانا جائے اور اس سے محبت ہو۔ صرف محبت سے خواہش نفس کو مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ خواہش نفس کا غلبہ، تفرقے میں ڈالتا ہے، گروہوں میں بانٹتا ہے اور گمراہ کرتا ہے۔ جس کی صداقت کو مان لیا جائے اس ناصح اور مزکی کی بات کو حق جان کر ماننا چاہئے، اپنی سوچ کو خام جاننا چاہئے اور اگر تضاد نظر آئے تو اسے اپنے اندر دیکھنا چاہئے۔ اپنے شاہد کے اندر تضاد دیکھنے سے گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ محسن میں تضاد دیکھنے والے لوگوں سے کچھ سروکار رکھنا اپنے وقت کی ناقدری کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ جو اپنی مرضی کو حق جان رہے ہوں ان کا کام اللہ کے حوالے کر دینا چاہئے، وہ انہیں بتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔

حاصل : ناصح سے محبت ہو تو گروہ بندی ممکن ہی نہیں ہوتی۔ اصول پسندی بھی اپنی خواہش کی پیروی کا نام ہے، اور یہی تفرقے کا بیج ہے۔ جو اپنی مرضی کو حق جاننے لگے اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اللہ اس کو بتلا دے گا جو کچھ اس نے کیا ہو گا، اور اس کو اس کے کئے کی پوری پوری جزا بھی دے گا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱٦۰﴾

جو ایک بھلائی لائے تو اس کے لئے اس کی مثل دس ہیں۔ اور جو برائی لائے تو اسے اس کی مثل جزا ملے گی، اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

نیکی اور بھلائی وہ عمل ہے، جس میں رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شعور کے ساتھ سعی کی جائے۔ بدی وہ عمل ہے جس میں رضائے الٰہی کے مقابل اپنی پسند کے حصول کے لئے شعور کے ساتھ سعی کی جائے۔ جب کسی وجود میں نیکی آتی ہے تو وہ کسی بدی کو وہاں سے دور کر دیتی ہے۔ پھر اس نیکی کے ساتھ دوسری نیکیاں بھی لازماً آتی ہیں۔ حتیٰ کہ نیکیاں اس وجود سے برائیوں کو صاف کر دیتی ہیں۔ نیکی کرنے سے آسانیاں حاصل ہوتی ہیں۔ برائی جب بھی کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام سے برائی کرنے والے کو برے اعمال سے بچنے کی اہمیت سمجھائی جاتی ہے، اسے یہ دکھایا جاتا ہے کہ اس برائی کا انجام کیا ہو گا۔ اگر وہ اپنا رخ خیر کی طرف کر لے تو اس کے برے اعمال کی نفی کر دی جاتی ہے، اور اگر وہ برائی میں بڑھتے بڑھتے حد اصلاح سے ہی گزر جائے تو پھر اس کے لئے تبلیغ حق سے متاثر ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ جو رضائے الٰہی کو قبول کرے اس کے ماضی کی (جو برے اعمال سے عبارت ہو) نفی کر دی جاتی ہے۔ جو اپنی خواہش کی پیروی کرنے لگے وہ ماضی میں نام بے شک رضائے الٰہی کا لیتا رہا ہو اس کا مقصود کبھی رضائے الٰہی نہیں رہا ہوتا، وہ اللہ کی راہ سے دور ہونے لگتا ہے۔ نیکی کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی جزا ہے، مگر برائی

کرنے والے کے لئے جزا اس کے عمل کے برابر ہی ہے۔ اگر کسی کے بُرے عمل کی سزا اس کے برے عمل کی مثل سے زیادہ ہو تو یہ ظلم ہے اور ظلم اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

حاصل: نیکی کرنے والے کے لئے آسانیوں کا اہتمام کرنا ہمارے عبداللہ ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ بُرائی کرنے والے کو سزا دیتے وقت ظلم سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ اگر سزا دیتے وقت، سزا کے برائی کی مثل سے بڑھنے کا احتمال ہو تو پھر ظلم سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے مخالف کو سزا نہ دی جائے۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾

فرما دیجئے بے شک میرے ربّ نے مجھے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دی۔ دینِ قیم ملتِ ابراہیم حنیف ہے، اور وہ مشرکین سے نہیں تھے۔

کفار کو گمان تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ ان پر واضح فرمایا جارہا ہے کہ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دینے والا رب العالمین ہے اور صراطِ مستقیم وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا۔ آپ شرک سے منع کرنے والے تھے۔ اس لئے شرک کرنے والے آپ کے دین پر ہونے کا دعویٰ کریں تو وہ دعویٰ باطل ہو گا۔

حاصل: جس کو مانا جائے اس کے طریق زندگی کو اکمل جانتے ہوئے اپنانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جو شرک بھی کرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماننے کا دعویدار بھی ہو، وہ یقیناً جھوٹا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾

فرما دیجئے میری نماز اور میری قربانی اور حیات و ممات اللہ ہی کے لئے ہے جو ربّ العالمین ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ نماز، قربانی، حیات اور ممات سب اللہ کے لئے ہو۔ یکسوئی کا یہ عالم ہو کہ غیر اللہ کو حق کے مقابل کچھ وقعت نہ دی جائے۔ نماز رب العالمین کے لئے پڑھی جائے تو اس میں خشوع ہو گا اور رب العالمین سے ملنے کا اور اس کی طرف مراجعت کا یقین ہو گا۔ قربانی اللہ کے لئے ہو، تو اس کی تقسیم میں رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو گا۔ حیات اللہ کے لئے ہو، تو شعور کے ساتھ عطائے الٰہی کا شکریہ ادا کیا جائے گا اور یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ لوگ میرے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہ دیکھا جائے گا کہ مجھے ان کے ساتھ کیا کرنا چاہیئے کہ جس سے اللہ کی رضا حاصل ہو۔ ممات، اللہ کے لئے ہو، تو اپنے ساتھیوں کو تاکید کرنی چاہیئے کہ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرو اور جب تمہیں

موت آئے تو مسلمان کی حیثیت سے آئے۔

حاصل : جو صراطِ مستقیم پر ہو گا اس کی نماز، اس کی قربانی، اس کی حیات و ممات میں رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو گا۔ ربّ العالمین کو ماننے کا یہی حق ہے۔

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾

اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی امر ہے اور میں ماننے والوں میں اوّل ہوں۔

رب العالمین کو ماننے والا کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتا۔ اس کی زندگی امر الٰہی کے تابع رہتی ہے۔ کوئی راضی ہو جائے تو اس میں راضی ہونے والے کا بھلا ہوتا ہے، اور کوئی ناراض ہو جائے تو ناراض ہونے والے کا خسارہ ہوتا ہے۔ جس پر امر الٰہی کا نزول ہوا وہ ذات پاک ماننے والوں میں اول ہے۔ اس کی تعلیم سے دوسروں کو صراط مستقیم کا پتہ ملا۔ معلم کے قول سے قول حق معلوم ہوتا ہے اس کے عمل سے صالح عمل کی تصدیق ہوتی ہے۔ معلم سے تقدم منع ہے کہ ماننے والوں کو اس کے پیچھے رہنا ہوتا ہے۔

حاصل : عمل حق کے مطابق ہو تو شرک سے پاک ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ امر الٰہی کو ماننے میں ادب موجود رہنا چاہئے۔ رضائے الٰہی کا سب سے بہتر علم رکھنے والے ہی اول المسلمین ہیں۔ معلم سے تقدّم نہیں کرنا چاہئے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾

فرما دیجئے کیا غیر اللہ سے ربوبیت چاہوں اور وہی ہر شے کا ربّ ہے۔ اور ہر نفس کا کیا اسی پر ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تمہیں اپنے ربّ کی طرف مراجعت کرنا ہے تو وہ تمہیں بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

ربوبیت اتنا بڑا علم ہے کہ اس کے بغیر کوئی بھی شے قائم نہیں رہ سکتی۔ کائنات میں ہر شے کی ایک اہمیت ہے اور ہر شے اپنے منشاء تخلیق کے مطابق خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ جس کو کسی شے کی اہمیت معلوم ہو وہ اس شے کے بنانے والے کا، اس کے افعال کے جاری رکھنے والے کا، اس شے کی حفاظت کرنے والے کا اور استعمال کرنے والے کے احساس ضرورت سے پہلے اس کا اہتمام کرنے والے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے، وہی ہر شے کا رب ہے۔ اس کے مقابل کسی کو رب بنانا سبب کو سبب بنانے والے کے مقابل زیادہ اہمیت دینے والی بات ہوگی جو قطعاً حق نہیں ہے۔ ہر نفس کو اس کے کیئے کی

جزا دی جائے گی، اس لئے کہ ہر نفس کو توفیق بھی عطا فرمائی گئی ہے۔ اور جس نے توفیق کو جیسے استعمال کیا ہے، وہ ویسی ہی جزا پائے گا اور اس وقت کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانا ممکن نہ ہو گا۔ اگر کسی نے بشارت کی راہ کو اختیار کیا ہو گا تو وہ فلاح پائے گا اور اگر کسی نے انذار سے فائدہ نہ اٹھایا ہو گا، تو وہ خسارے میں جا پڑے گا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف مراجعت بھی ہو گی اور وہ علیم مطلق بتا دے گا کہ اس کے مقابل کوئی رب نہیں، اور ربوبیت ہر مقام پر اور ہر صورت میں رب العالمین کے علم کے تابع ہے۔ پھر اختلاف کی کوئی گنجائش نہ رہے گی۔

حاصل : رب العالمین کو اس کی ربوبیت کے حوالے سے مانا جائے تو غیر اللہ سے ربوبیت طلبی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اپنے عمل پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ ہمیں اسی کی جزا ملے گی۔ کسی دوسرے کے عمل سے ہمارے عمل کی صحت کو متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ جس کی طرف مراجعت سے انکار ممکن نہ ہو اور جس کے سامنے جانے کے بعد اصلاح کو قبول کرنا نافع نہ ہو، اس کے فرمان کو ابھی مان لینا چاہیے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (۱۶۵) ع النصف

اور اسی نے تمہیں زمین میں خلافت دی ہے اور بعض کو بعض پر رفعت درجات دی ہے کہ تمہیں اپنی عطا کے حوالے سے دیکھے۔ بے شک تمہارے رب کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی، اور بے شک وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

زمین میں بندوں کو اپنے اختیارات استعمال کرتے وقت مطاعِ مطلق کے سامنے عملاً سر بسجود رہنا چاہیے اور کسی بھی صورت میں اس کے احکامات کے مقابل من مانی نہیں کرنی چاہیے۔ توفیق سب کو برابر دی جاتی تو لوگوں کو ایک دوسرے کے لئے حرکات و سکنات میں بہت زور لگانا پڑتا۔ بعض کے درجات دوسروں کے مقابل بلند کرنے سے بعض کا درجہ دینے والے کا ہو جاتا ہے، اور دوسروں کا درجہ لینے والے کا ہوتا ہے۔ اس طرح لوگ ایک دوسرے کے قریب رہتے ہیں اور اس میں لوگوں کا زیادہ زور نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کے حوالے سے لوگوں کو دیکھتا ہے کہ جس کا درجہ بلند ہے وہ دوسروں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اگر وہ لینے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دیتا ہے، تو وہ فلاح پانے والا ہے اور اگر عطائے الٰہی کو استکبار کے لئے استعمال کرتا ہے تو وہ خسارے میں پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے، ہر شے پر ہے اور ہر وقت ہے۔ وہ کسی کو پکڑنا چاہے تو اسے بالکل دیر نہیں لگتی، مگر یہ اس کی شان ہے کہ وہ لوگوں کی خطاؤں پر انہیں جلدی نہیں پکڑتا، اور معافی طلب کرنے والوں کو بخش دیتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے۔

حاصل : ہر صاحبِ اختیار کو یہ جاننا لازم ہے کہ اس کو اختیار دینے والے کے سامنے اپنے اعمال کی

جزا کے لئے پیش ہونا ہے۔ درجات میں بلندی توفیق ایزدی کے حوالے سے ہوتی ہے۔ جو عطائے الٰہی کو تقسیم کرتے وقت لینے والے کا شکریہ ادا کرے وہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ جو دیتے وقت تکبر کرنے لگے وہ اللہ سے نہیں ڈرتا۔ کسی متکبر کے پکڑنے میں اللہ کو دیر نہیں لگتی۔ وہ لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے اور معافی طلب کرنے والوں کو بخش دیتا ہے، اور پاک رہنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں مومنین کے لئے یہ طریقت رکھی ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے عفو اور در گزر کریں۔ اس کے بعد یہ فرمایا ہے :

أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾

کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ اللہ تمہیں بخش دے، اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

سُوْرَةُ الْأَعْرَافِ

آیاتھا ۲۰۶ — رکوعاتھا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ۝۱ — حروف مقطعات

حروف مقطعات کے معنوں کا تعین کرنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے تقدم ہے اور آپ سے تقدم کرنا خلافِ حق ہے۔

حاصل : بولنے کے مقام پر خاموشی اور خاموشی کے مقام پر بولنا حق کی تعلیمات کے منافی ہے۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

یہ کتاب تمہاری طرف نازل فرمائی گئی تو تمہارا جی اس سے نہ رکے تاکہ تم اس سے ڈر سناؤ اور مومنین کو نصیحت ہو۔

قرآنِ مجید کا نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا۔ حضور نے کبھی خواہش کے تحت نطق نہیں فرمایا، اس لئے آپ کے مبارک سینے میں تنگی کیوں کر آسکتی ہے۔ تنگی کا مقام تو تبھی ہو سکتا ہے، جب لوگوں کی طرف سے تکذیب حق کو دیکھ کر طبیعت پر بوجھ پڑے۔ مگر جب لوگوں کے ردِّعمل میں شدت کے اظہار کو بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے ان کی لاعلمی پر محمول کیا گیا تو پھر تبلیغ حق میں یہ تنگی کا احساس حضور سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ بھی بالکل ویسا ہی مقام ہے، جہاں فرمایا گیا ہے فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۔ تو تم شک لانے والوں میں سے نہ ہونا۔ یہاں بھی صیغہ واحد حاضر کا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جہاں بھی واحد حاضر کے صیغے میں ارشاد فرمایا گیا ہے وہاں بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہی ہو۔ یہاں بھی تبلیغ حق کے امور کے سرانجام دینے والے فرد سے خطاب ہو رہا ہے کہ لوگوں کے ردعمل کو پیش نظر نہ رکھو تو جی نہیں رکے گا۔ اور جی نہ رکے تو اس تبلیغ حق کے دو فائدے ہوں گے، ایک تو انذار کا حق ادا ہو جائے گا، دوسرے ماننے والوں کو اس سے نصیحت ملے گی۔

حاصل : تبلیغ حق میں لوگوں کے ردعمل پر نظر ہو تو تنگی کا احساس قدرتی بات ہے۔ تنگی کا احساس نہ ہو تو اس سے دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرانے کا حق ادا ہو جاتا ہے، دوسرے ماننے والے نصیحت پاتے ہیں۔

اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ۝۳

لوگو! جو تمہاری طرف تمہارے رب نے نازل فرمایا ہے اس کا اتباع کرو اور اس کے مقابل اوروں کی پیروی نہ کرو، تم بہت کم نصیحت مانتے ہو۔

یہاں جمع حاضر سے خطاب ہو رہا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں واحد حاضر سے خطاب تھا۔ جو کچھ رب العالمین نے نازل فرمایا ہے، اس میں خوف و حزن سے نجات کا یقینی راستہ موجود ہے، افراد کے مابین روابط کے استحکام کا علم موجود ہے، حیات دنیا میں سلامتی کے ساتھ تمام مقامات سے گزرنے کی طریقت موجود ہے اور حیات آخرت میں اسی حق کے ماننے والوں کو فلاح ہو گی۔ اس کے مقابل اگر اوروں کو مانا جائے گا، تو اس ماننے میں خطرات ہی خطرات ہیں۔ اللہ کے مقابل جس کو بھی مانا جائے گا وہ کبھی ہمارا بہی خواہ نہیں ہو سکتا۔ بالیقین جو اللہ کے مقابل ہو گا، وہ ہمارا دشمن ہو گا اور دشمن کی پیروی کبھی کسی کو نفع نہیں دے سکتی۔ جو اپنے فائدے کے لئے اپنی غرض کے لئے، ہمارے ساتھ معاملہ کرتا ہے، اس کی پیروی قطعاً حق نہیں۔ جس کا علم محض گمان پر مبنی ہے، اس کو ماننے میں یقین سے دوری ہی ہو سکتی ہے۔ ایسے بے حقیقت علم کو ماننے کی صورت میں اجتماعی زندگی کو شکوک و شبہات کا گھن کھا جاتا ہے۔ حیات دنیا میں بھی سلامتی نہیں ملتی، آخرت میں تو پھر منکرین کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ جو لوگ نصیحت کو ماننے وقت، اپنے فائدے کو دیکھتے ہوئے نصیحت کو مانتے ہیں وہ لوگ کم نصیحت مانتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو ناصح سے محبت ہو جاتی ہے وہ ذہنی تحفظات کو خیرباد کہہ دیتے ہیں، وہی ہمیشہ نصیحت کو پورا پورا مانتے ہیں۔

حاصل: جس بات کو بھی مانا جائے، اس کے حق ہونے کا، فرمانِ خداوندی ہونے کا یقین ہونا چاہئے۔ جس کی بات اللہ کی بات کے خلاف ہو، اس کو دشمن جاننا چاہئے اور کبھی اس کی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔ نصیحت کرنے والے کی پاک دامنی اور صداقت و امانت مشاہدے میں آجائے، تو پھر اس سے محبت رکھنی چاہئے۔ جب تک ناصح سے محبت نہ ہو، ذہنی تحفظات سے چھٹکارا ممکن نہیں ہوتا اور ذہنی تحفظات موجود ہوں تو ماننے کا حق نہیں ادا ہو سکتا۔

وَكَمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا فَجَآءَهَا بَاۡسُنَا بَيَاتًا اَوۡ هُمۡ قَآئِلُوۡنَ ۝۴

اور کتنے ہی قریئے ہم نے ہلاک کئے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آیا یا جب دوپہر کو سوتے تھے۔

جب کسی قریئے میں فرمان خداوندی کے مقابل، مستکبرین کے بنائے ہوئے رسم و رواج کو قدر و منزلت دی جانے لگے اور لوگ ناحق کو حق کا درجہ دے دیں تو پھر ان کی ہلاکت میں زیادہ دیر باقی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے اعمال کے انجام سے غافل ہوتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں انہیں عذاب آگھیرتا ہے۔

حاصل : رات کو سوتے وقت اور دن کو قیلولہ کرتے وقت باوضو ہو کر آرام کرنا چاہئے اور اپنے سابقہ اعمال کو دیکھنا چاہئے کہ ان میں اللہ کی رضا مطلوب تھی، یا اللہ کے مقابل اوروں کی۔ اس تلاوت الوجود سے بہت فائدہ ہوتا ہے، اور موجود سے مقصود کی طرف حرکت، بابرکت ہونے لگتی ہے۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

تو ان کی پکار یہی تھی جب ان پر ہمارا عذاب آیا کہ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

منکرین حق کو جب بھی ان کے انجام سے ڈرایا گیا انہوں نے ڈر سنانے والوں کے ساتھ استہزاء کیا اور حق کا انکار کرتے کرتے برابر خسارے کی طرف بڑھتے رہے، حتیٰ کہ جب عذاب نے انہیں پکڑ لیا، تو انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ ظلم کرتے تھے۔ اس وقت یہ اعتراف ظلم ان کے لئے باعث نجات نہیں ہو سکتا تھا۔ چونکہ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے بعد سچا ثابت ہونے کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے، اس لئے اس وقت توبہ قابل سماعت نہیں ہوتی۔

حاصل : عذابِ الٰہی جب آجائے تو وہ ٹلا نہیں کرتا اور اس وقت اعتراف ظلم بھی باعث نجات نہیں ہوتا۔ حال کو قبول حق کا بہترین وقت جاننا چاہئے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾

تو ہمیں ضرور پوچھنا ہے ان لوگوں کو، جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے، اور یقیناً مرسلین سے بھی پوچھنا ہے۔

جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے، ان سے پوچھا جائے گا، کیا تمہارے پاس حق پہنچانے والے، ڈر سنانے والے تشریف لائے اور کیا انہوں نے تمہیں ظلمات سے نور کی طرف آنے کا امر دیا۔ مرسلین سے پوچھا جائے گا، جب تم نے حق پہنچایا تو تمہیں کیا جواب ملا۔ مرسلین شہادت دیں گے کہ ان کی صداقت کی روشن نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود منکرین نے ان کی تکذیب کی۔

حاصل : ہر ایک اپنے درجے کے مطابق دربار الٰہی میں جواب دہ ہوگا، جن کی طرف مرسلین بھیجے گئے وہ بھی اور مرسلین بھی۔ اپنے دائرہ اختیار میں جواب دہی اور اللہ کے دربار میں پیشی کا یقین ہو تو پھر وقت کا استعمال بھی صحیح ہوتا ہے، توفیق کا استعمال بھی صحیح ہوتا ہے۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾

پھر ہم انہیں اپنے علم سے بتائیں گے اور ہم غائب تو نہ تھے۔

علیمِ مطلق کے علم سے بڑا کوئی علم نہیں ہے۔ لوگوں کے جواب کے بعد حقیقت اس طرح ان کے سامنے لائی جائے گی کہ وہ اس کا انکار نہیں کر پائیں گے، اور ان کا کیا ہوا ان کے سامنے آجائے گا۔ خالقِ کل سے کچھ مخفی نہیں ہے، ہر ایک کا ہر عمل اس کے سامنے ہے۔ اس لئے وہی ہر ایک عمل کی جزا دینے پر قادر ہے۔

حاصل : جس مالکِ کل کا علم، علمِ مطلق ہے جس سے کچھ مخفی نہیں ہے، اس کو مان لیا جائے تو پھر خلوت پاک ہو جاتی ہے۔ خلوت پاک ہو جائے تو جلوت بھی پاک ہو جاتی ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾

اور وزن اس دن حق سے ہو گا۔ پھر جن کے وزن بھاری ہوئے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

جو عمل اس یقین کے ساتھ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، وہ عمل باحقیقت ہوتا ہے، اور وزنی ہوتا ہے۔ جو عمل اللہ کی رضا کے مقابل لوگوں کے دکھاوے کے لئے کیا جائے، وہ عمل بے حقیقت ہوتا ہے اور بےوزن ہوتا ہے۔ جن لوگوں کے اعمال قیامت کے دن باحقیقت ثابت ہو جائیں گے، انہیں فلاح ہو گی۔ اعمال کو رضائے الٰہی کے حوالے سے دیکھے جانے کا پتہ لگ جانے کے بعد اپنے اعمال کی حقیقت اور وزن پر نظر رکھنا شان بندگی ہے۔

حاصل : اعمال وہی باحقیقت ہیں جو اس یقین کے ساتھ ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کئے گئے ہیں اور جزا دینے والے کے سامنے کئے گئے ہیں، وہی قیامت کے دن وزنی ثابت ہوں گے اور باعث فلاح ہوں گے۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾

اور جن کے تول ہلکے ہوئے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، اس لئے کہ ہماری نشانیوں سے ظلم روا رکھتے تھے۔

جو لوگ رضائے الٰہی کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں، ان کے اعمال اگر ظاہراً بھلے بھی معلوم ہوتے ہوں تو بھی بے حقیقت ہوتے ہیں اور بےوزن ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ، اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود توفیقِ ایزدی کو اپنی شوکت نفس پر ہی لگاتے رہتے ہیں، یہ اللہ کی نشانیوں سے ظلم روا رکھنے والی بات ہے۔ اس سے حال پر بھی خسارہ ہوتا ہے، آخرت میں بھی خسارہ ہو گا۔

حاصل : اس یقین کا فقدان کہ ہمارا ہر عمل جزا دینے والے کے سامنے ہے، اعمال کو بے حقیقت بنا دیتا ہے۔ توفیق ایزدی کو اپنی خواہش کی پیروی پر لگاتے رہنا اللہ کی نشانیوں کے ساتھ ظلم روا رکھنا ہے۔ اس سے عامل کو خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾

اور بے شک ہم نے تمہیں زمین میں جماؤ دیا اور تمہارے لئے اس میں معاش ٹھہرائے، بہت قلیل شکر کرتے ہو۔

کسی بھی فرد کے لئے زمین میں جماؤ کے اسباب جو بھی ہوں اور کسی بھی جماعت کے لئے زمین میں جماؤ کے اسباب جو بھی ہوں، ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ معاش کی انیکوں صورتوں کا اہتمام بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ اگر کسی جگہ معاش کے معلوم ذرائع ناکافی نظر آنے لگیں تو وہاں اللہ تعالیٰ کے اہتمام کو ناکافی جاننا خلاف حق ہے۔ زمین میں اللہ کے خزانے، استفادہ کرنے والوں کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔ ان کو تلاش کرتے رہنا حق ہے۔ اور کسی بھی شے کو بے محل استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ عطائے الٰہی کبھی ناکافی نہیں ہوتی۔ جیسے جیسے کام کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے، اس یقین سے اللہ کے خزانوں کو تلاش کرنا چاہئے کہ اس نے معاش کی بہت سی صورتیں قائم کر رکھی ہیں۔ ہر نعمت کے حصول کے لئے کوشش میں یہ جذبہ موجود رہنا چاہئے کہ لوگوں کو معاش میں آسانی میسر آئے اور وہ اپنے حقوق کو بہتر طور پر پورا کر سکیں۔ نعمت کے حصول کے بعد اس کے استعمال میں یہ احتیاط رہنی چاہئے کہ اس کے کسی حصے کو بے کار جان کر ضائع نہ کیا جائے بلکہ اس کے استعمال کی صورتیں تلاش کی جائیں۔ استعمال کی ہر صورت ایسی ہونی چاہئے، جس سے اکثریت کو فائدہ ہو، اور لوگ اس قدر راحت اور آسائش کو سمیٹنے سے بچیں کہ جس سے ان کے قویٰ جسمانی ہی کمزور ہونے لگ جائیں اور خوراک و آسائش اور محنت میں کوئی تطابق نہ رہے۔ اس طرح فرد کی زندگی میں بھی توازن نہیں رہتا اور اجتماعی زندگی میں بھی توازن مشکل ہوتا جاتا ہے۔ شکر کرنے کی طریقت یہ ہے کہ کسی بھی نعمت کو استعمال کرتے وقت معطیٔ مطلق کی رضا ملحوظ رہے، اور کسی بھی شے کو مٹی کی شکل میں تبدیل ہونے سے پہلے اس یقین سے سنبھالا جائے کہ اس میں لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ شے کوئی ہو اس کا استعمال بندے کی قوت میں کمی نہ کرے، اسے کمزور نہ کرے۔

حاصل : زمین میں جماؤ، اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہوتا ہے۔ معاش کے وسائل کبھی ناکافی نہیں ہو سکتے۔ تلاش جاری رہنی چاہئے اور ہر نعمت کے استعمال میں شکر گزاری کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ ایسی اشیاء بنانا جن سے لوگ کمزور ہونے لگیں اور ان کی خوراک و آسائش اور محنت میں تطابق نہ رہے، ناشکری ہے۔ ناشکری فرد کی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کو بھی متاثر کرتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف میں ارشاد فرمایا ہے :

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ

اَلْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اور اپنے نفس کو صبر کے ساتھ ان لوگوں کی معیّت میں رکھو، جو صبح و شام اپنے رب کو اس کی رضا چاہتے ہوئے پکارتے رہتے ہیں، اور تمہاری آنکھیں ان سے تجاوز نہ کریں۔ کیا تم حیات دنیا کی زینت چاہو گے۔ اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے بہت غافل کر دیا، اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور بے شک ہم نے تمہیں خلق کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر ملائکہ سے فرمایا آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو، تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ ساجدین سے نہ ہوا۔

خالق کل نے سب کو خلق فرمایا پھر ارحام میں صورتیں بنائیں جیسے چاہیں۔ سب بنی آدم کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین میں خلیفہ مقرر کرنے کا ذکر فرمایا گیا اور ملائکہ کے مقابل آپ کی فضیلت بیّن فرما دی گئی تو ملائکہ کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ انہوں نے امر الٰہی کی تعمیل کی اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ اللہ تعالیٰ کو جو سجدہ کیا جاتا ہے وہ تسلیمی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ہو ہی نہیں سکتا۔ عبد اپنے معبود کے علاوہ کسی اور کے سامنے اظہارِ عبدیت کر ہی نہیں سکتا۔ ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور ملائکہ کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی یہ ساجدین میں شامل نہ ہوا۔ اور حکمِ خداوندی کو سن کر نہ ماننے کی صفت، ابلیس نے اپنالی۔ اب جو بھی اس صفت کا حامل ہو گا ابلیس کا ساتھی ہو گا۔ تلاوت الوجود کے لئے یہ آگاہی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

حاصل: عالم ارواح میں تخلیق پہلے ہوئی، پھر اللہ نے صورتیں بنائیں جیسے چاہیں۔ ملائکہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا اعتراف کرانے کے بعد، انہیں آپ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا امر دیا۔ امر الٰہی کو ماننا پاکیزگی کو ثابت کرتا ہے اور امر الٰہی کو نہ ماننا عدم پاکیزگی کو ثابت کرتا ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

فرمایا جب تجھے امر دیا گیا تو سجدے میں کیا چیز مانع ہوئی۔ کہنے لگا، میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

علیمِ مطلق کی شان ملاحظہ ہو کہ ہر خفی و جلی کا مطلق علم ہونے کے باوجود ابلیس سے پوچھا گیا ہے کہ تجھے سجدے کا امر دیا گیا تھا، پھر سجدہ کرنے میں کیا چیز مانع ہوئی۔ اس نے امرِ الٰہی کے انکار کا جواز یہ پیش کیا کہ وہ آدم علیہ السلام سے بہتر ہے، اور یہ بہتری تخلیق کے حوالے سے ہے کہ ابلیس آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ درجے کے اعتبار سے آگ، مٹی کے مقابل بہتر ہے۔ جاننے کی بات یہ ہے کہ علیمِ مطلق سے بڑھ کر کوئی آگ اور مٹی کا یا کسی بھی شے کا علم رکھنے والا نہیں ہو سکتا، اور اگر سب سے بڑا علم رکھنے والا امر دے رہا ہے تو پھر اس کے علم میں اضافہ کرنے کی کوشش ابلیس کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : اگر کوئی امرِ حق نہ مانے تو اللہ کی سنت کے مطابق اس کو پوچھنا چاہئے تمہیں امر کے ماننے میں کیا چیز مانع ہوئی ہے۔ بہتر جاننے والے کے علم میں اضافہ کرنے کی کوشش ابلیس کا طریق ہے۔ جہاں سے علم حاصل ہوا ہو، اس علیم سے تقدم قطعاً بے ادبی ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ﴿١٣﴾

فرمایا یہاں سے اتر جا، تیرے لئے یہاں تکبّر کا مقام نہیں، تو نکل بے شک تو ذلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے، اس کا قرب بھی پاک رہنے والوں کو حاصل رہتا ہے۔ جو تکبّر کا مرتکب ہو وہ پاک نہیں رہتا اس لئے دور کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بھی پاک پیدا کیا، اور توفیق بھی دی جس سے وہ اطاعتِ حق کی صورت میں فلاح پا سکتا تھا، اور انکارِ حق کی صورت میں خسارے میں پڑ سکتا تھا۔ امرِ الٰہی کو سن کر ماننے کی بجائے، استکبار کرنے کی وجہ سے اسے وہاں سے اتر جانے کا حکم ہوا، اور ابلیس کے تکبر کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اس کے مقام کو اس طرح واضح کر دیا گیا کہ اسے اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ جب اللہ تعالیٰ فرما دے کہ تو ذلیل ہے تو پھر ہر متکبّر کو آگاہ ہو جانا چاہئے کہ تکبر کرنے والا بندگی کے مقام سے دور ہوتا جاتا ہے۔ متکبّر ذلیل نہ ہو یہ ناممکن ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بھی پاک پیدا کیا تھا، وہ تکبّر کی وجہ سے منکر ہو گیا۔ تکبر کرنے والے ہی ذلیل ہوتے ہیں۔ متکبر کو کبھی عزت والا نہیں جاننا چاہئے۔ عزت اللہ کی ہے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہے اور مومنین کی ہے۔ باعزت ہونے کے لئے مومن ہونا ضروری ہے۔

قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤﴾

عرض کرنے لگا مجھے یوم بعث تک مہلت دے۔

ابلیس کو مردود کر دینے کے بعد اس پر واضح کر دیا گیا کہ وہ آدم علیہ السلام سے بہتری کا دعویٰ کرنے کے بعد آگاہ رہے کہ وہ ذلیل ہے۔ اس پر ابلیس نے علیمِ مطلق کے علم کی بے قدری کی، اور عزت والوں میں شمار کئے جانے کی درخواست نہیں کی بلکہ کہنے لگا کہ اسے یوم بعث تک مہلت دی جائے۔ علیمِ مطلق کی شان کی کوئی حد ہی نہیں کہ اس نے ابلیس کو بھی آگاہ کر دیا ہے

کہ وہ ذلیل ہے، تاکہ یہ اپنے قول و فعل میں محتاط ہو جائے۔ مگر جو ذلت کی راہ اختیار کرے اس کی سوچ میں پاکیزگی نہیں رہتی۔ وہ اپنی سوچ کو اتنی وقعت دیتا ہے کہ معطیٔ مطلق سے مانگتا بھی ہے، تو اسی سوچ کے لئے طوالت مانگتا ہے، اور طوالت بھی انتہائی۔

حاصل : ذلیل کی سوچ ناپاک ہوتی ہے اور اس کے نزدیک انتہائی اہمیت رکھتی ہے اور وہ اس کے لئے انتہائی طوالت کی طلب رکھتا ہے۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ فرمایا تجھے مہلت دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو کہ اس نے مہلت مانگنے والے کی نیت کا علم ہونے کے باوجود اسے مہلت دے دی۔ مہلت مانگنے والے نے یوم بعث تک مہلت مانگی تھی مگر اسے وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ یہ وقت معلوم وہ دن ہے جس دن تک علمِ الٰہی کے مقابل، لوگ اپنی خواہشات کو اہمیت دیتے رہیں گے۔ مگر یوم بعث سے پہلے وہ وقت آئے گا جب لوگ علم الٰہی کے مقابل کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ تب انہیں حرکات و سکنات میں رضائے الٰہی مطلوب ہو گی۔ اس وقت ساری کائنات میں سوائے مومنین کے اور کوئی نہ ہو گا۔ اس دن تک ابلیس کو مہلت ہے۔

حاصل : جب تک لوگ علمِ الٰہی کے مقابل دوسرے علوم کو اہمیت دیتے رہیں گے، تب تک ابلیس کو مہلت ہے۔ یہ وقت یوم بعث سے پہلے ختم ہو جائے گا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ کہنے لگا، تو جیسے تُو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں تیرے صراطِ مستقیم پر ضرور ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔

جب شیطان نے تکبر کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ذلیل قرار دیا گیا۔ علم الٰہی کو اعلیٰ تسلیم کرنے کی صورت میں اسے اس آگاہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ذلت سے ہٹ جانا چاہئے تھا، اور جس عمل نے اسے ذلت میں گرا دیا تھا اس عمل سے تائب ہونے میں دیر نہیں کرنی چاہئے تھی۔ مگر اس پر اس کی خواہش سوار تھی۔ اس نے انسان دشمنی کو اپنا مقصد بنالیا۔ اس کے لئے مہلت مانگی۔ علیم مطلق نے اس کو وقتِ معلوم تک مہلت دے دی، تو اس کے اندر کی چھپی ہوئی انسان دشمنی باہر آ گئی۔ کہنے لگا، تو جیسے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں تیری سیدھی راہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔ سیدھی راہ انعام یافتہ لوگوں کا طریق زندگی ہے۔ تاک میں بیٹھنے والا، انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ملنے کی طلب رکھنے والوں کو ان کی خواہشات میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے۔ جہاں کسی امر کو ماننے والا اس لئے مانے کہ وہ امر اسے پسند ہے، تو جان لیجئے کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا۔

حاصل : متکبّر، ذلیل ہوتا ہے۔ ذلیل ہمیشہ اپنے ناقص عمل کے سبب کو اپنے اندر نہیں دیکھتا، باہر

دیکھتا ہے، اس لئے وہ اپنی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ انعام یافتہ لوگوں کی معیّت کی طلب رکھنے والوں کی تاک میں بیٹھنا ابلیس کا عہد ہے۔ جس نے کسی امر حق کو اس لئے مانا کہ وہ اسے پسند ہے اس پر ابلیس کا داؤ چل گیا۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے سے، اور ان کے پیچھے سے، ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے، اور تو ان میں اکثر کو شاکر نہ پائے گا۔

جب کوئی حق کو مان رہا ہے تو اسے لازم ہے کہ اپنی خواہش کی پیروی نہ کرے۔ اگر کوئی امر اس لئے مان لیا جائے کہ ماننے والا اسے اچھا جانتا ہے، تو شیطان اس پر آگے کی طرف سے آکر کامیاب وار کر گیا۔ اور اگر اسے مان لیا جائے کہ وہ حق ہے، اور اس کا ماننا تقاضاء عبدیت ہے، تو اس پر شیطان کا وار آگے سے ناکام ہو گیا۔ اگر خیر کی طرف بڑھتے ہوئے، ماضی میں اپنے آباء کے استکبار کی طرف مائل ہونے کا مقام آجائے، تو شیطان کا وار پیچھے سے ہو گا۔ اگر آباء کی طریقت حق کے مطابق تھی تو سبحان اللہ، ورنہ محض آباء ہونے کی نسبت سے ان کی بڑائی کرتے رہنا ماضی میں پھنس جانے کی صورت ہے، اور ماضی کو رضائے الٰہی کی نسبت سے دیکھنا پیچھے سے شیطان کے وار کو ناکام کرنے کی صورت ہے۔ جب عمل صالح ہو جائے تو شیطان دائیں طرف سے آتا ہے اور خیرات میں سبقت سے روکتا ہے، یہ احساس دلاتا ہے کہ خیرات کے عمل کو بڑھانے سے لوگوں کے اندر سعی کرنے کی استعداد کم ہو جائے گی، اس لئے نیکی کرو مگر اتنی نہیں کہ لوگ بیکار ہی ہو جائیں۔ جو اس بات کو مان لے وہ بھی شکار ہو گیا، اور جو خیرات میں سبقت کرنے کے حکم خداوندی کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے، اس پر شیطان کا داؤ دائیں طرف سے ناکام ہو گیا۔ اور آخر میں شیطان شہوات کے ساتھ آتا ہے، بائیں طرف سے۔ جو شہوات میں مبتلا ہوا اس پر اس کا وار چل گیا، اور جس نے حق اور ناحق کے درمیان وقف پر نظر رکھی وہ شیطان کے وار سے بچ گیا۔ جس نے شیطان کے وار کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، ناکام کر دیا، وہ چاروں درجوں میں شاکر ثابت ہو گیا۔ اس کا شکریہ قول سے بھی ادا ہو گیا، عمل سے بھی ادا ہو گیا۔ علم سے بھی ادا ہو گیا اور اخلاص سے بھی ادا ہو گیا۔ مخلص کی شان یہ ہے کہ پھر شیطان اس کو بہکا نہیں سکتا۔ شکریہ ادا کرنے والوں کو ہی فلاح ہوتی ہے۔

حاصل : گمراہی سے بچنے کے لئے شکریہ ادا کرتے رہنا ضروری ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ حکم حق کو تقاضاء عبدیت جان کر مانا جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ماضی میں اپنے آباء کی بڑائی بیان کرنے کے مقابل رضائے الٰہی کے لئے سعی کرنے والوں کو سلام کیا جائے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ مال کو عطائے الٰہی جان کر رضائے الٰہی پر خرچ کیا جائے اور خالی گھروں کو بھرنے کی سعی ہو، بھرے ہوئے گھروں کو مزید بھرنا مال کی ناشکری ہے۔ اور چوتھے درجے میں شہوات میں مبتلا ہونے سے اجتناب کیا

جائے۔ مخلص توفیق ایزدی کا شکریہ ادا کرتا رہتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی جواب دہی کا یقین ہوتا ہے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾

فرمایا یہاں سے نکل جا، رد کیا گیا، راندہ ہوا۔ جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا، یقیناً میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

جب شیطان نے اپنی انسان دشمنی کے طریقہ واردات کو بیان کر دیا، تو اس کی ذلت ظاہر ہو گئی، ناپاک کا پاک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ناپاکی کے اظہار کے بعد ابلیس کو رد کیا گیا اور "راندہ ہوا" قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ تو اور تیری پیروی کرنے والے سب جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ یہ بھی شیطان کے لئے آگاہی تھی اور اگر وہ دوزخ سے بچنے کا طلبگار ہوتا تو اسے اپنی راہ کو بدلنا چاہئے تھا۔ مگر وہ استکبار میں انسان دشمنی کو ہی مقصد حیات بنا کر بیٹھ گیا۔ توفیق دینے والے کی یہ انتہائی مہربانی ہے کہ جس کی پیروی کا نتیجہ دوزخ ہو گا، اس کے بارے میں اس مالک کل نے تفصیل بیان فرما دی ہے۔

حاصل : کسی پاک بندے کی شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی راہ سے روکنے والوں کو، لوگوں کو خواہشات کے جال میں پھنسانے والوں کو، استکبار کرنے والوں کو اور انسان دشمنی کو مقصد حیات بنانے والوں کو، اپنے پاس سے رد نہ کرے، اپنے ساتھیوں سے دور نہ کرے۔ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف رکھنا لازم ہے، ورنہ متقی حضرات کی تکریم ہو ہی نہیں سکتی۔

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾

اور اے آدم (علیہ السلام) آپ اور آپ کی زوجہ جنت میں سکونت رکھیں، تو دونوں جہاں سے چاہیں، کھائیں اور اس درخت کے قریب نہ جائیں کہ اس سے نقصان ہو گا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کو جنت میں سکونت کا حکم ہوا۔ فرمایا گیا یہاں اجازت ہے، جہاں سے چاہو کھاؤ، یہ سب تمہارے لئے مفید ہے، اور ایک اس درخت کے قریب نہ جاؤ، یہ تمہارے لئے نقصان دہ ہے۔ علیم مطلق نے جو بھی پیدا کیا ہے، حکمت و علم سے پیدا کیا ہے۔ مگر استعمال کرنے والے کو اپنے حال پر نظر رکھنی لازم ہوتی ہے۔ جو چیز حال پر اس کے لئے مفید ہے اسے استعمال کرنے سے قویٰ کا اعتدال، فرائض کی ادائیگی میں مدد دیتا ہے۔ اور اگر کسی غیر مفید شے کو استعمال کیا جائے تو اس کے بے موقع استعمال کی وجہ سے اعتدال کا متاثر ہونا بھی قدرتی بات ہے۔

حاصل: اپنے مہمانوں کو اپنے ہاں قیام کی اجازت دینے کے ساتھ ہی حدود سے بھی آگاہ کرنا چاہئے۔ جس شے سے ان کی سلامتی کو خطرہ ہو وہ دکھا دینی چاہئے اور اس کے متعلق کہہ دینا چاہئے کہ اس کے قریب جانا نقصان کا باعث ہو گا۔ مفید اشیاء کا استعمال میزبان کے لئے باعث راحت ہوتا ہے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

پھر شیطان نے انہیں وسوسہ دیا، کہ ان پر ان کی شرم کی چیزوں کو کھول دے جو ان سے پوشیدہ تھیں، اور کہنے لگا تمہیں تمہارے رب نے اس شجر سے اسی لئے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کی پاک جماعت ہیں، اور ان کا درجہ ہے يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ جو امر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، فرشتے وہی کرتے ہیں۔ شیطان نے تکبر کیا اور امر الٰہی کو ماننے سے انکار کیا اس لئے اسے اللہ کی پاک جماعت سے نکال دیا گیا۔ مگر اس نے انسان دشمنی کے لئے مہلت مانگی تھی، اور اللہ نے اسے وقت معلوم تک مہلت دے دی تھی، اس لئے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی ذریت تک اس کی رسائی تو وقت معلوم کے دن تک رہے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ جنت میں رہتے تھے۔ ایک درخت کے قریب جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ باقی ہر جگہ سے کھانے کی اجازت تھی۔ شیطان نے انہیں وسوسہ دیا اور انہیں یہ کہا کہ اس درخت سے تمہیں اس لئے منع کیا گیا ہے، کہ کہیں تم فرشتے ہو جاؤ اور اس طرح تمہیں اللہ کی پاک جماعت میں دوام حاصل ہو جائے۔ شیطان اتنا تو جانتا تھا کہ جس چیز سے اللہ نے منع کیا ہے، وہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کے لئے فی الحال نقصان دہ ہے۔ ان پاک لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے کتنی محبت تھی، اور دائمی پاک دامنی کی ان کے اندر کتنی طلب تھی، یہ بات بھی شیطان سے چھپی ہوئی نہ تھی۔ اس لئے اس نے آگے سے ان پر وار کیا۔ منشاء یہ تھا کہ جس طرف ان پاک لوگوں کا دل لگا ہوا ہے، وہاں سے ہٹا کر ان کو ذاتی خواہش میں الجھایا جائے جو اس سے پہلے مخفی تھی۔ فرشتے، حضرت آدم علیہ السلام کے نزدیک محترم تھے۔ یہ احترام دائمی پاکیزگی کے حوالے سے تھا، اور اللہ کی پاک جماعت ہونے کی نسبت سے تھا۔ اپنے مرتبے کا حضرت آدم علیہ السلام کو علم تھا مگر قرب الٰہی سے بڑھ کر کسی مقام کی اہمیت پیش نظر نہ تھی۔ اس لئے قرب الٰہی کی طلب کے حوالے سے شیطان نے انہیں وسوسہ دیا۔

حاصل: قرب الٰہی اور دائمی پاک دامنی، انسانی زندگی کی معراج ہے۔ خواہش اس کی بھی نہیں ہونی چاہئے، اپنا حق ادا کرنے کی سعی کرنی چاہئے اور جہاں اللہ رکھے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ ان اشیاء کے استعمال سے بچنا چاہئے جو شہوات کو بڑھاوا دیتی ہے۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

اور ان دونوں سے قسم کھائی کہ یقیناً میں تم دونوں کے لئے نصیحت کرنے والا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کے سامنے جب شیطان نے شجر ممنوعہ کے خواص بیان کئے، تو انہوں نے شیطان پر اعتبار نہ کیا۔ تب اس نے دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں تو تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ دشمن کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کی بات کو مان لیا جائے۔ قسم کھا کر بھی دشمنی کی جاتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ دشمن کی قسم اسے دوست نہیں بنا دیتی، اور دشمن کبھی ناصح نہیں ہو سکتا۔

حاصل : دشمن کی قسم پر اعتبار کرنا اور اسے ناصح ماننا بڑے دکھ کو دعوت دینے والی بات ہے۔ جدامجد کے تجربے سے نور حاصل کرتے رہنا تقاضاء حفاظت ہے۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

پھر فریب سے انہیں مائل کر لیا۔ تو جب ان دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان پر ان کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ جنت کے پتّوں سے خود کو ڈھانپنے لگے۔ اور انہیں ان کے ربّ نے ندا دی، کیا تم کو اس شجر سے میں نے منع نہیں کیا تھا اور فرمایا نہ تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کے سامنے شیطان نے قسم کھائی اور ان پاک لوگوں نے اسے ناصح مان لیا اور اس کے فریب میں آگئے۔ پھر اس درخت کو چکھا، جس کے قریب جانے کی ممانعت تھی۔ اس درخت کو چکھنے کی دیر تھی کہ جسم میں تبدیلی کا احساس ہونے لگا، اور شرم گاہوں میں تحریک نے پتہ دیا کہ شیطان نے دشمنی کی ہے۔ اب وہ جنت کے پتوں سے اپنے بدن کو ڈھانپنے لگے۔ شجر ممنوعہ کے قریب جانے کی ممانعت ازراہ شفقت تھی اور وقتی طور پر تھی، ورنہ بقاء نسل کے آلات کو اپنے افعال تو سرانجام دینا ہی تھے۔ اکل شجرۃ سے شرم گاہیں صحیح وقت سے پہلے کھل گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کیا تمہیں اس شجر سے منع نہیں کیا تھا، اور کیا تمہیں بتایا نہیں تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

حاصل : شیطان کا کام خواہشات کے حوالے سے ہوتا ہے، اس لئے خواہش کی پیروی سے بچنا ضروری ہے۔ بہتر جاننے والوں کی طرف سے ممانعت ازراہ شفقت بھی ہو، تو ماننے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ شرم گاہوں کو حیا کے ساتھ ڈھانپنا آدمیت ہے۔ وہ اشیاء جو شہوت کو تحریک دینے

والی ہوں ان کا استعمال کبھی اپنی مرضی سے نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ علم والوں کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر کرنا چاہیے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

دونوں نے عرض کی، اے ہمارے ربّ ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا، اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم خاسرین سے ہوئے۔

اس احساس کے بعد کہ شجرِ ممنوعہ میں حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کے لئے نقصان تھا، اور شیطان نے انہیں اس نقصان میں مبتلا کرنے کے لئے اس طرف مائل کیا تھا، دونوں بہت روئے اور پکارتے رہے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا، اگر تو نے ہم کو بخش نہ دیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم خسارہ پانے والوں سے ہوں گے۔ بخشش سابقہ خطاؤں کی معافی ہے اور رحم استقامت کے ساتھ حق پر رہنے کی توفیق ہے۔ یہ دونوں شامل حال ہوں تو خسارے سے بچاؤ ممکن ہوتا ہے ورنہ نہیں ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور مائی صاحبہ سے خطا ہوئی، روئے، گڑگڑائے، اللہ سے مغفرت اور رحم کے طالب ہوئے۔ نیت میں پاکیزگی موجود تھی۔ استکبار بالکل نہیں تھا۔ استکبار ہو تو پاکیزگی نہیں رہتی۔ اللہ نے آپ پر توجہ فرمائی، توبہ قبول ہوئی اور بنی آدم کو اتنا بڑا انعام ملا کہ قیامت تک بھولنے والے اللہ سے مغفرت اور رحم طلب کرتے ہوئے اس درِاقدس سے گزر کر خاسرین میں شمار ہونے سے بچتے رہیں گے۔ توبہ کے پاک دروازے سے سب سے پہلے گزرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جن کی بدولت درِ توبہ کھلا، ہر توبہ کرنے والا انہیں سلام کرتا ہے اور سلام کرتے ہوئے توبہ کے دروازے سے گزرتا ہے۔

حاصل : خطا کے ارتکاب کے بعد اس کا اعتراف ہو، پھر اللہ سے مغفرت اور رحم طلب کیا جائے، مگر استکبار بالکل نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے اور خسارے سے بچالیتا ہے۔ توبہ کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کرے، جن کی بدولت وہ توبہ کے دروازے سے گزرا ہے۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾

فرمایا، اترو، تم میں بعض، بعض کے دشمن ہیں، اور تمہارے لئے زمین میں مستقر ہے اور ایک وقت تک متاع ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کو جنت میں سے زمین پر اتارا گیا اور شیطان بھی انسان دشمنی کے مقصدِ حیات کے ساتھ زمین پر اترا۔ اب اس ہبوط کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ روشن فرمادیا کہ شیطان مع اپنے حزب کے، حزب اللہ کا دشمن ہے۔ اس عداوت کو یاد رکھنا بنی آدم کی شان ہے۔ یہ عداوت ملحوظ رہے تو قویٰ کا استعمال ہمیشہ برمحل ہوتا ہے۔

زمین میں مستقر اور متاع، عطائے الٰہی ہے۔ مستقر کے استعمال میں شیطان کی عداوت کا احساس رہنا چاہئے۔ متاع کے استعمال میں اس کا ایک وقت تک کے لئے ہونا یاد رہے تو رخ رضائے الٰہی کی طرف رہے گا۔ جب متاع بذاتہ مقصد بن جائے تو شیطان سے عداوت بھول جائے گی۔

حاصل : زمین پر آباد ہوتے ہی اللہ کے دوست اور اللہ کے دشمن ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ مستقر پاک ہو اور اس میں اللہ کا خوف موجود ہو تو بندے کو شیطان کی عداوت کا احساس ہے۔ متاع کو عطائے الٰہی جان کر رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کیا جائے تو شیطان سے عداوت قائم رہے گی اور اگر متاع بذاتہ مقصود ہو جائے تو شیطان سے ارادت ہو جائے گی، جس کا انجام صریحاً خسارہ ہو گا۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾

فرمایا اسی میں زندہ رہو گے اور اسی میں تمہیں موت آئے گی اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

زمین کو بنی آدم کے لئے مستقر بنایا گیا ہے۔ انسانی زندگی صرف زمین پر ہے۔ زمین پر ہی انسان کو موت بھی آتی ہے اور یوم بعث اسی سے انسان اٹھائے جائیں گے۔ زندگی میں جو کچھ لوازمات زندگی کے طور پر درکار ہوتا ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا پورا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ اب پاک رہنا بندے کے ذمے ہے، مسلمان کی حیثیت سے اس دنیا سے رخصت ہونا بندے کے ذمے ہے۔ اگر مسلمان کی حیثیت سے فوت ہو تو یقیناً اس نے فلاح پائی۔

حاصل : انسانی زندگی اور موت زمین سے تعلق رکھتی ہے، قیامت کے دن جزا کے لئے اسی سے اٹھایا جائے گا۔ بندے کا حق ہے کہ وہ پاک رہے، مسلمان کی حیثیت سے اسے موت آئے اور فلاح پانے والوں میں شمار ہونے کے لئے سعی بھی کرے، دعا بھی کرے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کا دن کافروں پر سخت ہو گا۔ اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا ڈالے گا کہ ہائے کسی طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی راہ لی ہوتی۔ وائے خرابی میری، کسی طرح میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ﴿٢٩﴾

بے شک اس نے میرے پاس آئی نصیحت سے مجھے بہکا دیا۔ اور شیطان انسان کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ

اے بنی آدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا، کہ تمہاری شرم گاہوں کو ڈھانپنے اور

خَيْرٌ ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

آرائش کے کام آئے، اور لباس تقویٰ، وہ بہتر ہے۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں تا کہ وہ نصیحت مانیں۔

طبعی لباس جس شے سے بنتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ زمین پر اس پودے کا نزول، اللہ کی بہت بڑی عطا ہے۔ پھر اس سے حاصل ہونے والی فصل کے ریشے کو صاف کیا جاتا ہے، کاتا جاتا ہے، بُنا جاتا ہے اور حاصل شدہ کپڑے سے لباس تیار کیا جاتا ہے۔ کپاس کے بیج سے لے کر، لباس کی تیاری تک ہر مرحلہ غور و فکر کا طالب ہے۔ بنی آدم کی اس ضرورت کے سب ارکان اللہ تعالیٰ نے اس طرح مہیا کئے ہیں کہ سب لوگ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اس میں جسم کو سکھ ملتا ہے۔ لباس کی دو حاجتیں ہوتی ہیں۔ ستر ڈھانپنا اور آرائش۔ ستر ڈھانپنے کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے بغیر آدمی سماجی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور آرائش کی اہمیت یہ ہے کہ مقامی ضرورت اور موسمی تقاضے لباس کو ایک خاص شکل دیتے ہیں۔ کپاس کے علاوہ جن اشیاء کو لباس بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، وہ ان اشیاء کا بے محل استعمال ہے اور بنی آدم کے لئے دکھ کا باعث بنتا جا رہا ہے۔ علیم مطلق کی طرف سے بھیجا ہوا لباس ہی لوگوں کو سکھ دے سکتا ہے۔ انسانی تجویز سے بنا ہوا غیر طبعی لباس، جلد پر کھنچاؤ پیدا کرتا ہے اور مزاج کو بُری طرح متاثر کرتا ہے اور اس سے دوسروں کی بھلائی کے لئے کام آنے کی صلاحیت گھٹنے لگتی ہے۔ معاشرتی زندگی میں بہت سارے دکھ، لباس کی اصلاح سے دور ہو سکتے ہیں۔ لباس تقویٰ وہ ہے جس کی تیاری میں خوف خدا موجود ہو، جو صرف اپنے لئے نہ بنوایا جائے، بلکہ ان کے لئے بھی بنوایا جائے جو اپنے لئے لباس نہ بنوا سکتے ہوں، جس لباس میں معمولات زندگی آسانی سے سرانجام دیئے جا سکیں، جس میں تفاخر نہ ہو، جس کا منشاء دوسروں کو مرعوب کرنا نہ ہو اور جس کی پاکیزگی ہر مقام پر ملحوظ رہے۔ جس لباس میں تقویٰ موجود ہے، وہ یقیناً بہتر لباس ہے۔ لباس میں اللہ تعالیٰ کی اتنی نشانیاں ہیں کہ غور و فکر کرنے والے، نصیحت ماننے والے، اس عطائے الٰہی کے عرفان سے بھی حق کو ماننے لگتے ہیں۔

حاصل : کپاس سے بنا ہوا لباس، خدائی انعام ہے اس کے مقابل انسانی تجویز سے بنا ہوا لباس نقصان دہ ہے، فرد کی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی۔ حیا پہلے اور آرائش بعد میں، یہ لباس کی تیاری کا اصول ہونا چاہئے۔ لباس تقویٰ میں سکھ ہوتا ہے، تفاخر نہیں ہوتا۔ پاکیزگی ہوتی ہے، ایسی صفائی نہیں ہوتی جس کا پاکیزگی سے تعلق نہ ہو۔ لباس میں اللہ کی اتنی نشانیاں ہیں کہ نصیحت ماننے والے اس عطائے الٰہی کے عرفان سے بھی حق کو ماننے لگتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ

اے بنی آدم شیطان تمہیں فتنے میں نہ ڈالے، جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت میں سے نکالا، ان سے ان کے لباس اتروائے کہ انہیں ان کی شرم گاہیں

يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

دکھائے۔ وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست ٹھہرایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور مائی حوا علیہا السلام کو شیطان نے قسم کھا کر اپنے ناصح ہونے کا یقین دلایا اور انہیں اس طرح فتنے میں ڈالا کہ کہنے لگا شجر ممنوعہ کے کھانے سے تمہیں دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ انہوں نے اس کی بات کو مان کر شجر ممنوعہ کو چکھا، جبھی ان کی شرم گاہیں کھلنے لگیں۔ جنت میں جو لباس میسر تھا وہ لباس اترنے لگا۔ تب وہ پتوں سے اپنے بدن ڈھانپنے لگے۔ جس نے بنی آدم کے ماں باپ سے دشمنی کی ہے اس کی دشمنی پر نظر رکھنا بنی آدم پر حق ہے۔ شیطان اور اس کا قبیلہ، بنی آدم کو ان کی خواہشات کے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے کسی خواہش کے پیچھے چھپے رہنا ان کے لئے آسان ہوتا ہے۔ وہ خواہش کی پیروی پر کمربستہ لوگوں کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ مگر خواہش کی پیروی کرنے والے انہیں نہیں دیکھ رہے ہوتے۔ اگر خواہش کی پیروی کی دعوت کو سن کر بنی آدم رضائے الٰہی کے حصول کے لئے سعی کرنے لگیں تو وہ شیطان کو بھی اور اس کے کید ضعیف کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ من مانی کرتے ہیں۔ جو من مانی کرتے ہیں، شیطان ان کے دوست ہوتے ہیں اور انہیں ایسے خسارے میں مبتلا کر کے چھوڑتے ہیں جس سے واپسی ممکن نہ ہو۔

حاصل : شیطان کے فتنے سے بچنے کے لئے اپنی خواہش کی پیروی سے بچنا ضروری ہے۔ شیطان اور اس کا قبیلہ بنی آدم کی خواہشات کے پیچھے چھپ سکتا ہے اس لئے وہ بنی آدم کو دیکھ رہا ہوتا ہے، مگر بنی آدم اسے نہیں دیکھ رہے ہوتے۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے، شیطان ان کے دوست ہوتے ہیں۔ شیطان کے دوستوں سے دوستی بھی شیطان سے دوستی ہے۔ اس لئے جو لوگ ایمان نہیں لاتے، ان سے دوستی خلاف حق ہے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے آباء کو اس پر دیکھا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا امر دیا ہے۔ فرما دیجئے بے شک اللہ فحش کاموں کا امر نہیں دیتا۔ کیا اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا علم نہیں رکھتے۔

فحش کام ہمیشہ رضائے الٰہی کے خلاف ہوتے ہیں، اور اگر جلوت میں کیئے جا رہے ہوں تو ان کے پیچھے بے علم لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج موجود ہوتے ہیں۔ جب ایسے لوگوں کو برے کاموں سے منع کیا جاتا ہے تو وہ دو جواز پیش کرتے ہیں۔ ایک تو انھوں نے اپنے باپ دادا کو ویسے کرتے ہوئے پایا ہے، اس لئے وہ وہی کام کر رہے ہیں، جو ان کے باپ دادا کرتے تھے اور وہ غلط کیسے ہو سکتے ہیں۔ دوسرے، اللہ نے بڑوں کی اطاعت کا امر دیا ہے اس لئے ہم ان کی تقلید کو صحیح جانتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں بے علمی پر مبنی ہیں۔ باپ دادا، اگر ہدایت یافتہ نہ ہوں، حق کے مقابل من مانی کرتے ہوں، اللہ کی رضا کے مقابل، لوگوں کی پسند کو وقعت دیتے ہوں اور اللہ کے ڈر کے مقابل، لوگوں کا ڈر انہیں زیادہ ہو تو ان کی تقلید خلاف حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ امر نہیں دیا کہ بڑوں کا کہا مانو چاہے ان کی بات خلاف حق بھی ہو۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جس کا قلب ہماری یاد سے غافل ہے اس کی اطاعت نہ کرو۔ اگر کہیں بے حیائی ہو رہی ہے تو وہ امر الٰہی کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ پر کوئی بات کی جائے وہ علم سے ہونی چاہئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس میں امر الٰہی مذکور ہو، مخلصین کے نقش قدم سے شہادت ملے اور اتباع کرنے والا خوف و حزن سے نجات پا جائے۔ پھر جو بات بھی کی جائے گی وہ کرنے والے کے حال سے متعلق ہو گی اور علم سے ہو گی۔

حاصل : اپنے آباء کی تقلید اسی صورت میں صحیح ہے جب وہ ہدایت یافتہ ہوں۔ ان کی اطاعت اسی صورت میں درست ہے جب ان کے قلوب یاد الٰہی سے غافل نہ ہوں۔ کسی بات کو اللہ کی بات کہنے سے پہلے یہ دیکھنا حق ہے کہ امر الٰہی کیا ہے، مخلصین کی طریقت کیا ہے اور کیا ان کا اتباع کرنے والے کو خوف و حزن سے نجات ملی ہے۔ اگر یہ سب ہو تو بات علم سے ہو گی ورنہ بے علمی سے ہو گی۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ﴿۲۹﴾

فرما دیجئے امر ربّی، انصاف کا ہے، اور اپنے رخ ہر سجدے کے وقت سیدھے کرو اور اسی کو پکارو اس کے دین کے مخلص ہو کر۔ جیسے اس نے تمہیں پہلے اٹھایا ویسے ہی اعادہ بھی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ بے حیائی کا امر نہیں دیتا، بلکہ انصاف کا امر دیتا ہے۔ جہاں بے حیائی ہو گی انصاف نہیں ہو گا، اور جہاں انصاف ہو گا وہاں بے حیائی نہیں ہو گی۔ انصاف یہ ہے کہ علیم مطلق کی طرف سے عبدیت کی مقرر کردہ حدود کا احترام کیا جائے اور جس بات کے درست ہونے کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اس کو کوئی اہمیت نہ دی جائے۔ رخ ہر نماز میں وہی ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے شاہد کا حال تھا اور جو آپ کے شاہدین کا حال چلا آ رہا ہے۔ جب رخ سیدھا ہو تو عمل میں کجی نہیں رہتی، جب رخ شاہدین کی طریقت کے مطابق ہو تو پھر حرکات و سکنات میں استکبار کہیں نہیں رہتا۔ اللہ کو پکارنے کا علم بھی اللہ نے ہی سکھایا ہے۔ جب اللہ کے دین کے ساتھ اخلاص ہو تو پھر نظر اسی بات پر رہتی ہے کہ شاہدین کی معیت کی نسبت سے ہم پر کیا حق عائد ہوتا ہے، اور اس حق کی ادائیگی کے لئے اللہ سے اعانت طلب کی جاتی ہے، نتائج کو باذن اللہ مانا جاتا ہے۔ یہ یقین، اصلاح حال

کی جان ہے کہ جس خالق کل نے ہمیں پہلے پیدا کیا ہے، اعمال کے لئے توفیق دی ہے، مہلت دی ہے، بشارت و انذار سے نوازا ہے، وہ ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دینے کے لئے قیامت کے دن اٹھائے گا۔

حاصل : بے حیائی جہاں ہو گی، انصاف نہیں ہو گا۔ جہاں انصاف نہیں ہو گا، وہاں قوتِ کارکردگی، عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے برباد ہونے لگے گی۔ ہر نماز میں رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے۔ عبدیت اللہ کی ہو تو نتائج کو باذن اللہ ماننا ضروری ہے۔ اصلاح حال تبھی ممکن ہوتی ہے جب بعث بعد الموت کا یقین ہو۔

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۗ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٣٠﴾

ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی لازم ہوئی۔ انہوں نے اللہ کے مقابل شیاطین کو دوست بنا رکھا ہے، اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

جس فریق نے بے حیائی کو ترک کر کے انصاف کو شعار بنایا، اس فریق کو اللہ نے ہدایت دی۔ اور جس فریق نے بے حیائی کو اختیار کر کے انصاف سے اجتناب کیا، اس فریق کا گمراہ ہوجانا لازم ہوا۔ بے حیائی کرنے والے، اللہ کے مقابل شیاطین کو اپنا دوست ٹھہراتے ہیں۔ جب کام رضائے الٰہی کے مقابل لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج کے تحت کیا جائے اور اسے نیکی بھی سمجھا جائے تو یہ ایسی گمراہی ہوگی جسے عامل ہدایت سمجھتا رہے گا۔ ہدایت یافتہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عامل حق کو مانتا ہو، رضائے الٰہی کو جانتا ہو، اس کے حصول کی طلب رکھتا ہو اور اپنی سعی میں شاہد کے اتباع کو مصدّق بنائے۔

حاصل : انصاف کرنے والے ہدایت پاتے ہیں۔ بے حیائی کرنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اگر رضائے الٰہی کے مقابل لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج کو اہمیت دی جائے تو یہ اللہ کے مقابل شیاطین کو دوست بنانے کی صورت ہے۔ عامل اس کو پڑے، ہدایت جانیں، یہ ہے گمراہی۔

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ ع ۳

اے بنی آدم ہر نماز میں زینت اختیار کرو اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو، بے شک مسرفین اللہ کو پسند نہیں ہوتے۔

نماز، اللہ کے رسول کی تعلیم کے مطابق اظہار عبدیت کی طریقت ہے۔ جس طرح شاہدین نماز ادا کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے وہی صورت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ جسم کی پاکیزگی کے ساتھ، ایسا لباس پہننا جو حیا کے تقاضے کو بھی پورا

کرے اور دربار الٰہی میں حاضری کے لئے بھی موزوں ہو، ہر نماز کے وقت پہننا، حکم خداوندی ہے، اور یہی زینت اختیار کرنا ہے۔ لباس پاک ہو، حیادار ہو اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے نہ ہو، بلکہ اس میں رضائے الٰہی مقصود ہو، تو وہ بدبو سے پاک ہو گا اور طبعی طور پر اس کی ایک شان ہو گی، جو اس بات کو ظاہر کرے گی کہ صاحب لباس، دربار الٰہی میں حاضری کو اپنے لئے اعزاز جانتا ہے۔ نماز جہاں بھی پڑھی جائے لباس کی پاکیزگی اور موزونیت کا لحاظ ضروری ہے۔ وقتی طور پر صاحب اختیار لوگوں کی خدمت میں حاضری کا موقع ہو تو لباس کا اہتمام، صاحب اختیار کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ کلی طور پر اختیار کے مالک کی خدمت میں حاضری سے بڑا کوئی مقام ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے اس کا اہتمام بھی اسی نسبت سے ہونا چاہئے۔ لباس میں بھی لوگ اپنی بے علمی سے کج رو ہو جاتے ہیں۔ کھانے پینے میں بھی بے علمی سے حدود کا تعیّن کر لیتے ہیں۔ یہ اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اللہ نے جو بھی بندوں کے لئے حرام نہیں ٹھہرایا، اس کی اباحت ثابت ہے۔ کھانے، پینے میں اپنی جسمانی ضرورت کے پیش نظر افادیت ملحوظ رہے تو صحت بھی درست رہے گی اور باقی تمام امور بھی حسن وخوبی سے انجام پائیں گے۔ اور جب جسمانی ضرورت اور کھانے پینے کی افادیت کے مقابل لذت اور مزہ مقصد اکل وشرب ہو جائے، تو پھر جو بھی ہو گا وہ اسراف ہو گا، اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو گا۔ اللہ کو یہ پسند ہے کہ اس کی عطا کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ استعمال کرنے والا سکھی رہے، اپنی ذمے داری کو حسن وخوبی سے پورا کرے اور عطا کو بذاتہٖ مقصود نہ بنائے۔

حاصل : نماز کے وقت، لباس دربار الٰہی میں حاضری کے لائق ہونا چاہئے۔ کھانا، پینا، اپنی جسمانی ضرورت کے مطابق ہو، اپنی محنت کے مطابق ہو، تو کھانے، پینے کی افادیت ملحوظ ہو گی اور اگر لذت ومزہ مقصد ہو جائے تو کھانا، پینا، مسرفین کی صورت سے ہو گا۔ مسرفین پر ان کا کھانا، پینا بوجھ بنتا جاتا ہے اور ان کے اسراف کی وجہ سے ان کے اندر حقوق کی ادائیگی کی اہلیت گھٹنے لگتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا میں ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾

فرما دیجئے مجھے دکھاؤ جو شریک تم اللہ سے ملاتے ہو۔ نہیں بلکہ اللہ ہی عزت والا حکمت والا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

فرما دیجئے، کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو، جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی، اور رزق سے طیّبات۔ فرما دیجئے یہ تو حیاتِ دنیا میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔ قیامت کے دن خالصتاً انہی کے لئے ہیں۔ ہم اس طرح آیات کو مفصل کرتے ہیں، علم والوں کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حق کی احسن ادائیگی کے لئے عطائے بے بہا سے نوازا ہے۔ بعض اشیاء بلاواسطہ انسان کے استعمال میں آتی ہیں اور بعض بالواسطہ استعمال میں آتی ہیں۔ جن اشیاء کا استعمال انسان کے لئے مضر ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اگر کوئی عطائے الٰہی کو اپنی بے علمی کی وجہ سے اپنے اوپر حرام ٹھہرالے، تو یقیناً وہ حق کی احسن ادائیگی کی اہلیت کو کم کر کے اپنی مشکلات میں اضافہ کر لیتا ہے۔ علیم مطلق کے مقابل جو بھی ہو گا وہ علم نہیں کہلائے گا۔ لباس عطائے الٰہی ہے، اپنے لئے بھی بنایا جائے اور ان کے لئے بھی بنوایا جائے جو اس کے بنانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ زہد و عبادت کے لئے بھی لباس ضروری ہے۔ اجتماعی زندگی میں تو اس زینت کے بغیر عبادت کا تصور ہی ممکن نہیں۔ اسی طرح کھانے پینے کی جو چیزیں اللہ نے حلال ٹھہرائی ہیں، ان کا استعمال افادیت کے حوالے سے ہو تو اس سے حق عبدیت کی ادائیگی میں بڑی مدد ملتی ہے۔ جو کچھ بھی اللہ نے بنایا ہے اور حلال ٹھہرایا ہے اس کا استعمال باعث قرب الٰہی ہی ہو سکتا ہے کہ علیم مطلق کا شکریہ ادا کرنے کی اور کوئی صورت ہی نہیں اور شکریہ تو ایمان والے ہی ادا کرتے ہیں۔ حیات دنیا میں یہ نعمتیں ماننے والوں کے استعمال میں بھی آتی ہیں، نہ ماننے والوں کے استعمال میں بھی آتی ہیں۔ ماننے والے اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ انہیں فلاح حاصل ہوتی ہے۔ نہ ماننے والے اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ وہ خسارے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر قیامت کے دن تو یہ انہیں لوگوں کے لئے ہوں گی جو اللہ کی رضا کے مقابل کسی فرد یا جماعت کی خوشی کو اہمیت نہیں دیتے اور جنہیں اللہ کے ڈر کے مقابل کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔ جب قیامت کے دن قرب الٰہی میں یہ نعمتیں حائل نہیں ہوں گی، تو حیات دنیا میں بھی اللہ کی حلال ٹھہرائی ہوئی نعمتوں کو قرب الٰہی میں حائل جاننا حق نہیں ہے۔ تفصیل کا منشاء، بے علمی کو اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی سند سے ختم کرنا ہوتا ہے اور اسے ہمیشہ علم والے ہی مانتے ہیں۔ مگر جہاں دل اندھے ہوں وہاں علم داخل نہیں ہو سکتا۔

حاصل : حلال و حرام کا تعین، اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اگر کوئی بے علمی کی وجہ سے اس میں کمی بیشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی سند سے اس کی بے علمی کو دور کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔ نعمتوں کا شکریہ استعمال سے ادا ہوتا ہے اور شکریہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ شکریئے سے دوری پیدا ہو، یہ ناممکن ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

فرما دیجئے میرے رب نے فواحش کو حرام فرمایا ہے جو ظاہرہ ہوں اور چھپی ہوئی ہوں اور گناہ اور ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اللہ پر وہ بات کہی جائے جس کا تمہیں علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں ارشاد فرمایا ہے۔ اے ایمان والو، شیطان کے قدموں پر نہ چلو، جو شیطان کے قدموں پر چلے

گا تو وہ یقیناً اسے بے حیائی اور برائی کا ہی امر دے گا۔ شرم گاہوں کی حفاظت کے حکم خداوندی کی خلاف ورزی، فواحش کی تمام صورتوں میں موجود ہوتی ہے۔ جب شوکت نفس ظاہری بے حیائی کا تقاضا کرے تو شیطان کا اتباع کرنے والے ظاہرہ طور پر بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہیں، اور جب اس میں انہیں کچھ خطرات نظر آتے ہوں تو وہ اسے چھپ کر کرتے ہیں، اور ظاہر و باطن میں اللہ کا ڈر موجود نہ ہو تو فواحش سے اجتناب ممکن نہیں ہوتا۔ جزا کا یقین ہو تو حدود اللہ کی حفاظت کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ گناہ قولاً ہو تو عملاً کا مقام آتا ہے۔ قول پاک ہو جائے تو عمل صالح ہو جاتا ہے۔ جب زبان، سننے والوں کے نقصان کے لئے کھولی جائے تو یہ قول کی صورت سے گناہ ہو گا اور جب اپنی خواہش کی پیروی کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے تو یہ گناہ ہو گا عمل کی صورت سے، اور اللہ نے نیکی کا حکم فرمایا ہے، گناہ سے منع فرمایا ہے۔ کسی کی حق تلفی کے لئے اس سے ٹکرانا حرام ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا بھی حرام ہے۔ اللہ نے اپنے لاشریک ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔ صداقت جہاں بھی ہو، اللہ کا فرمان اس کی تائید کرتا ہے، تصدیق کرتا ہے۔ اللہ پر وہ بات کہنا جس کا کہنے والے کو علم نہیں ہے، حرام ہے۔ علم کی صورت یہ ہے کہ حکم خداوندی پر عمل کیا جائے تو علم حقیقی حاصل ہوتا ہے۔ اسی علم کی موجودگی میں بولنا حق ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ نے فروج کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ اس حکم کی خلاف ورزی ہو تو ظاہر و باطن میں بے حیائی ہو گی، اور یہ حرام ہے۔ گناہ حرام ہے، ناحق زیادتی کرنا حرام ہے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بے علمی سے بات کرنا حرام ہے۔ جو اللہ کی نازل کردہ سند سے حرام ثابت ہو گیا ہے ماننے والے اس کے قریب بھی نہیں جاتے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾

ہر امت کی ایک اجل ہے۔ پھر جب ان کی اجل آئے گی ایک ساعت پیچھے نہیں جا سکیں گے، آگے نہیں جا سکیں گے۔

فرد کی زندگی میں بھی عطائے الٰہی سے استفادہ کرنے کی ایک مہلت ہوتی ہے۔ اس مہلت میں کوئی فلاح کی راہ اختیار کرے یا خسارے کی، اس کا ہر عامل کو اختیار دیا گیا ہے اور اسی اختیار کے حوالے سے قیامت کے دن جواب دہی کا مقام آئے گا۔ اجتماعی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک مہلت رکھی ہے، اور جب کوئی امت خلاف حق کرتی ہوئی، اصلاح کے تمام امکانات سے دور ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ اس اجل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اس میں ایک ساعت کی جلدی نہیں کی جاتی تاکہ حد امکان تک اصلاح کی طرف آنے کی گنجائش رہے، اور اتمام حجت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اس میں ایک ساعت کی دیر بھی نہیں کی جاتی کہ اتمام حجت کے بعد مہلت بے مقصد ہوتی ہے۔ اجتماعی زندگی کی مہلت کی حدود پر نظر رکھنا، لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے رہنا، پاک لوگوں کی شان ہے۔

حاصل : امت کے لئے مقررہ اجل، اجتماعی زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس پر نظر نہ ہو تو حسن معاشرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ہمیں بھی لوگوں کو پوری پوری

مہلت دینی چاہئے تاکہ اتمام حجت میں کوئی کمی نہ رہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾

اے بنی آدم، اگر تمہارے پاس تم میں کے رسل تشریف لائیں کہ تم پر میری آیات پڑھیں تو جو پرہیز گاری کرے اور اصلاح لے تو ان پر خوف نہ ہو گا، اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

بنی آدم کی ہدایت کے لوازمات بھی اللہ تعالیٰ ہی پورے کر سکتا ہے۔ اس نے مرسلین کو لوگوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا ہے۔ اور یہ بھی کہ مرسلین انہی لوگوں میں سے ہوتے رہے ہیں، جن کی طرف انہیں شاہد بنا کر بھیجا جاتا رہا ہے۔ وہ اللہ کی آیات لوگوں پر تلاوت کرتے رہے ہیں: احکام خداوندی پڑھ کر سناتے رہے ہیں۔ شاہدین اور ناصحین سے جن لوگوں کو محبت ہو جائے ان کی زندگی میں پرہیز گاری اور اصلاح داخل ہوتی ہے۔ پرہیز گاری کی وجہ سے خواہش نفس کی پیروی ختم ہو جاتی ہے، اور اصلاح لینے کی وجہ سے حسنات وجود میں داخل ہونے لگتی ہیں۔ پرہیز گاری آجائے تو خوف ختم ہو جاتا ہے، اور اصلاح ہو جائے تو حزن نہیں رہتا۔ علم الٰہی کے علاوہ تمام علوم لوگوں کو خوف و حزن میں مبتلا کرتے ہیں، اور خوف و حزن میں مبتلا لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ ان کے اندر بھی سکھ نہیں ہوتا، باہر بھی سکھ نہیں ہوتا۔

حاصل : علم الٰہی کا منشاء لوگوں کو خوف و حُزن سے نجات دلاتا ہے۔ باقی علوم کا منشاء لوگوں کو خوف و حُزن میں مبتلا کرنا ہے۔ ہدایت دینے والوں کا انہی لوگوں میں سے ہونا اور انہی کی زبان سے بات کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جہاں پرہیزگاری اور اصلاح آجائے، خوف و حُزن وہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے تکبّر کیا وہ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ کی آیات کو ماننے والے، آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ جزا کے یقین کے ساتھ یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہونا چاہئے، اور اس رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شاہدین کی معیّت اختیار کی جاتی ہے۔ شاہدین کو انعام یافتہ حضرات جاننے والے اپنے قول کو شاہدین کے قول پاک پر قربان کر دیتے ہیں، اور اس طرح قول کے درجے میں تکبر سے پاک ہو جاتے ہیں۔ قول کی پاکیزگی کا شرف حاصل ہو جائے تو شاہد سے محبت ہو جاتی ہے۔ محبت ہو جائے تو عمل صالح ہو جاتا ہے، اور

عملاً تکبر ختم ہو جاتا ہے۔ تکبر ختم ہو جائے تو اپنے آپ کو دوسروں کے مقابل برتر و بہتر ثابت کرنے کی خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے، تکبر کے ارتکاب کے ساتھ شیطان کی معیّت اختیار کرتے ہیں، جس کا نتیجہ دوزخ اور دائمی عذاب ہو گا۔

حاصل : اللہ کی آیات کا انکار، جزا کے عدم یقین پر مبنی ہوتا ہے۔ جزا کا یقین نہ ہو تو تکبر سے بچنا ممکن نہیں۔ تکبّر ہو تو دنیا میں خوف و حُزن کے احاطے سے نکلنا ممکن نہیں ہوتا، آخرت میں آگ کے عذاب سے نکلنا ممکن نہیں ہو گا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۳۷

تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھا اور اس کی آیات کی تکذیب کی۔ انہیں ان کے نصیب کا لکھا پہنچے گا۔ حتیٰ کہ ہمارے بھیجے ہوئے انہیں وفات دینے آئیں تو ان سے کہتے ہیں کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے تھے۔ عرض کریں گے، وہ ہم سے گم ہو گئے اور اپنے انفس پر گواہی دیتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔

ظالم وہ ہوتا ہے جو حق کے مطابق حکم نہ کرے۔ اظلم وہ ہوتا ہے جو اپنی مرضی کو رضائے الٰہی جانتے ہوئے جھوٹ گھڑے اور اسے اللہ تعالیٰ سے منسوب کر دے، اس کے نازل کردہ حق کو جھٹلائے اور اس طرح توفیق ایزدی کو ضائع کرتا چلا جائے۔ بشارت و انذار کے لئے اللہ تعالیٰ نے شاہدین کو جو شرف بخشا ہے، وہ اس کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ واضح کرتے رہتے ہیں کہ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنے والوں کے لئے فلاح کی خوشخبری ہے، اور عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے خلاف استعمال کرنے والوں کے لئے عذاب الیم کی خبر ہے۔ یہ لکھا ہوا ہے، جو خیر کا رخ اختیار کرے گا، وہ بشارت کی صورت سے لکھی ہوئی آگاہی سے فیضیاب ہو گا اور جو حق کی خلاف ورزی کو اپنا شعار بنائے گا، وہ انذار کی صورت میں لکھی ہوئی آگاہی سے بچ نہیں سکے گا۔ حیات دنیا میں جو کچھ کسی کو حق کی احسن ادائیگی کے لئے درکار ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور دیا جاتا ہے۔ کام کرنے کی صلاحیت، مواقع، متاع اور باقی سب ارکان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر ایک کو جو ملتا ہے، اللہ کے فضل سے ملتا ہے۔ جو اسے اپنی کوشش و کاوش کی بدولت جانتا ہو، اس کو انفاق فی سبیل اللہ بہت مشکل لگتا ہے اور خلاف حق خرچ کرنے میں اس کے نفس کی خوشی موجود ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں [illegible]

کے بھیجے ہوئے وفات دینے آتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے تھے وہ کہاں ہیں۔ اللہ کا فرمان۔ جس کا تم انکار کرتے رہے ہو وہ تو سچا ثابت ہو گیا۔ تمہارا خیال تھا کہ تمہیں بے مقصد بنایا گیا ہے، اور تم سے پوچھ نہیں ہو گی، تمہیں تمہارے اعمال کی جزا نہیں ملے گی، تمہیں حق کے انکار کی طرف بلانے والے کہاں ہیں۔ وہ عرض کریں گے وہ ہم سے گم ہو گئے، اور انہیں یہ احساس ہو گا کہ حیات دنیا کی صورت سے ملی ہوئی توفیق کو خلاف حق استعمال کرنے کی جزا سے بھاگ جانا ممکن نہیں ہے۔ وہ اپنے انفس پر گواہی دیں گے کہ وہ حق کا انکار کرتے رہے ہیں۔

حاصل : اظلم وہ ہوتا ہے جو ظلم کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھتا ہے اور اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو عطائے الٰہی اپنی کاوش کی بدولت معلوم ہوتی ہے، اس لئے وہ اسے خلاف حق اور اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ موت کے وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی ساری زندگی جزا کے انکار میں ضائع ہو گئی اور وہ شہادت دیتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۸

فرمائے گا، جنّ و انس کی جو امم تم سے قبل آگ میں گئی ہیں، ان میں داخل ہو جاؤ۔ جب ایک امت داخل ہو گی تو دوسری کو لعنت کرے گی۔ حتیٰ کہ جب سارے اس میں گر جائیں گے تو پچھلے پہلوں کے بارے میں کہیں گے۔ اے ہمارے ربّ انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، تو ان کو آگ کا دگنا عذاب دے۔ فرمائے گا، سب کو دگنا ہے ولیکن تمہیں علم نہیں۔

جنّ و انس کے لئے اظہار عبدیت کی جو طریقت معبود لاشریک کی طرف سے رکھی گئی ہے اس کا انکار کرنے والے دوزخ میں جائیں گے۔ جب کوئی امت دوزخ میں داخل ہو گی تو سابقہ دوزخی امم میں شامل ہو جائے گی۔ اس طرح جن لوگوں کی راہ اختیار کی گئی تھی ان کے ساتھ میل ہو جائے گا۔ جزا کا انکار کرنے والے لوگوں کی جب ایک امت دوزخ میں داخل ہو گی تو جس کی پیروی میں اس کو دوزخ نصیب ہوا ہو گا، اس کو لعنت کرے گی۔ اور یہ سلسلہ لعنت اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک سارے دوزخی، دوزخ میں جمع نہیں ہو جاتے اور جب ساری امم اس میں گر جائیں گی، تو پچھلے لوگ پہلوں کے بارے میں کہیں گے۔ اے ہمارے رب انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، تو ان کو دگنا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم سب کو دگنا ہے، ولیکن تمہیں علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دینے والا ہے۔ اس لئے کسی کی برائی

بیان کرکے، اس کے لئے عذاب مانگنا اللہ تعالیٰ کے علم مطلق کو نہ ماننے والی بات ہے۔ ہر دوزخی فرد ہو یا جماعت اللہ کے انکار اور طاغوت پر ایمان کے دوہرے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، اس لئے ہر ایک کو عذاب بھی اسی نسبت سے دگنا ہوتا ہے۔ دوزخی گمراہ کرنے والے کو تو لعنت کرتے ہیں، مگر گمراہ ہونے والے کو اسی درجے کا گناہگار نہیں جانتے۔ یہ ان کی بے علمی ہے۔ گمراہ کرنے والے کا گناہ اپنی جگہ، مگر گمراہ ہونے والے نے اپنی خواہش کی پیروی کی تو وہ گمراہ ہوا۔ اللہ نے خواہش کی پیروی سے منع فرمایا ہے اور اس کو باعث گمراہی بتایا ہے۔ اب اگر کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اسے اس کے اعمال کی جزا تو دی جائے گی۔ اگر صرف گمراہ کرنے والے کو ہی گناہگار قرار دیا جائے تو پھر ابلیس کے علاوہ کون گناہگار ہوگا، کیونکہ گمراہ کرنے کا عہد تو اسی کا ہے۔

حاصل : جس امت کی حال پر پیروی کی جائے گی آخرت میں اس کا ساتھ ہوگا۔ اگر حال پر اللہ کا انکار اور طاغوت پر ایمان ہوگا تو دوزخ میں داخل ہونے والوں کا ساتھ ہوگا۔ گمراہ ہونے والے ہمیشہ گمراہ کرنے والوں کو لعنت کرتے ہیں، حالانکہ خود ان کا جرم ان کی گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم مانا جائے تو پھر یہ کہنا ممکن نہیں ہوسکتا کہ جس نے مجھے گمراہ کیا ہے اس کو دگنا عذاب دے۔

وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۳۹﴾ ۸ ع

اور پہلے پچھلوں سے کہیں گے۔ تو تمہیں ہم پر کچھ فضیلت نہیں ہے تو اپنے کئے کی بدولت عذاب چکھو۔

جب پچھلے پہلوں کے بارے میں یہ کہیں گے کہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو انہیں آگ کا دگنا عذاب دیا جائے، تو اس کے جواب میں پہلے پچھلوں سے کہیں گے تمہیں ہم پر کچھ فضیلت نہیں ہے، تو جو کسب تم کرتے رہے ہو اس کی جزا میں تمہیں عذاب چکھنا ہے۔ گمراہ ہونے والے اپنی خواہش کی پیروی کی بدولت گمراہ ہوتے ہیں۔ گمراہ کرنے والے برائی کی طرف بلاتے ہیں، انہیں یہ قدرت نہیں ہوتی کہ کسی کو نور سے ظلمات کی طرف لے جائیں۔ مگر جو ان سے دوستی رکھتا ہو وہ خود ان سے جڑ جاتا ہے۔

حاصل : توفیقِ ایزدی کا استعمال خلاف حق ہو تو ہمیشہ اپنی خواہش کی پیروی کی بدولت ہوتا ہے۔ اپنی خواہش کی پیروی ہی باعث گمراہی ہوتی ہے اور اسی کی جزا میں عذاب ہوگا۔ علیمِ مطلق ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری پوری جزا دے گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے بدخواہوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۱۲۰﴾

اگر تمہیں بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے، اور اگر تمہیں برائی پہنچے تو انہیں فرحت ہوتی ہے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو تو ان کا داؤ تمہیں کچھ ضرر نہ دے گا۔ بے شک جو وہ کرتے ہیں اللہ کا اس پر احاطہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے تکبّر کیا، ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے، حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو، اور ہم مجرمین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

آیات کی تکذیب، حق کا قولاً انکار ہے اور ان سے تکبّر حق کا عملاً انکار ہے۔ عمل صالح ہو تو اللہ اس کو رفعت دیتا ہے، اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ متکبّر کے عمل کو کبھی رفعت حاصل نہیں ہوتی۔ جہاں عمل کا مقصود ہی رضائے الٰہی نہ ہو وہاں بلندی کی بجائے پستی کا رخ ہوتا ہے اور زمین کی گرفت سے نکلنا ہی محال ہو جاتا ہے۔ جنت کی حقیقت راحت ہے۔ جو حیاتِ دنیا میں خوف و حزن سے پاک ہے، وہ جنتی ہے۔ آخرت میں بھی اسے راحت حاصل ہو گی۔ جو تکبّر کرے، خوف و حزن کا تسلط اس پر ضرور ہوتا ہے۔ اسے راحت حاصل ہو، یہ بالکل ایسے ہی ناممکن ہے جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا۔ تکبر عند اللہ جرم ہے اور اس جرم کی جزا، خوف و حزن کا تسلط ہے۔ متاعِ حیات دنیا کو باعث راحت جاننے والے ہمیشہ راحت سے دور ہوتے رہتے ہیں، مگر جرم تکبّر سے باز نہیں آتے۔

حاصل : قولاً حق کے انکار سے بچنا، اللہ سے ڈرنے کا ثبوت ہے۔ قولاً حق کا انکار ہو تو تکبّر سے بچنا محال ہو جاتا ہے۔ معطیٔ مطلق کی معیّت میں راحت موجود ہے۔ اگر کوئی معطیٔ مطلق کی عطا کو مقصود ٹھہرا لے تو اس متکبّر کے عمل میں رفعت کا آنا محال ہو جاتا ہے۔ متکبر کا جنت میں داخلہ محال ہے، جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا محال ہے۔ مجرم کو کبھی راحت حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی سعی، سعیٔ لاحاصل ہوتی ہے۔ یہ اس کے تکبّر کی جزا ہے۔

لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾

ان کے لئے جہنم بچھونا ہے اور اوپر سے اوڑھنا ہے۔ اور ہم ظالمین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

آیاتِ حق کا انکار اور انہیں جاننے کے بعد استکبار، ظلم ہے۔ حیات دنیا میں ظالم، خوف و حزن کی آگ میں جلتے رہتے ہیں، آخرت میں جہنم کی آگ ان کا بچھونا اور اوڑھنا ہو گا جس سے بچ جانا بھی ممکن نہ ہو گا۔ یہ بچھونا اور اوڑھنا ظالمین کی اپنی کمائی کے نتیجے میں انہیں حاصل ہو گا۔ اس نتیجے سے بچنا مطلوب ہو تو تکبّر سے بچنا ضروری ہے۔

حاصل : استکبار، ظلم ہے اور اس کی جزا نارِ جہنم کا بچھونا اور اوڑھنا ہے۔ استکبار میں نفس کو رفعت نظر آتی ہے، جو کبھی حاصل نہیں ہوتی۔ استکبار کرنے والے کا بچھونا اور اوڑھنا ہی ظلم ہوتا ہے، اسے کبھی راحت نہیں حاصل ہو سکتی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، ہم کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق، وہی اصحابِ جنت ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ایمان لانا دعویٰ ہے اور صالح عمل اس دعوے کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ معیار اصلاح عامل کی پسند کے تابع نہیں ہوتا۔ عامل کی پسند معیار اصلاح کے تابع ہوا کرتی ہے۔ توفیق دینے والا علیم مطلق ہے۔ وہ کسی پر حق عائد کرنے سے پہلے اسے حق کے ادا کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ جو بھی مقام آئے، اس کے مقابل توفیق ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے۔ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ اٹھانا پڑے، یہ ناممکن ہے۔ جب توفیق علیم مطلق نے دی ہے تو یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ حالات حاضرہ میں حق کی احسن ادائیگی ہمارے بس میں ہے۔ یہ یقین رکھنے والے جنتی ہیں، اور یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ بندہ جب تک اپنی وسعت کو اپنی خواہشات کے حوالے سے دیکھتا رہے، اس کی کم نظری اسے بے چین رکھتی ہے۔ اور جب اپنی وسعت کو معطئ مطلق کے حوالے سے دیکھے تو پھر بے اطمینانی کا کوئی مقام نہیں رہتا۔ استکبار سے بچنا اور استکبار کرنے والے کے سامنے حق کو بیان کرنا، یہ مقامات ہر مومن کی زندگی میں آتے ہیں۔ یہاں عطائے الٰہی کو پورا دیکھا جائے تو خوف و حزن کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور استقامت حاصل ہوتی ہے۔ پھر قول حق کے مقابل کوئی قول مرعوب نہیں کرتا اور صالح عمل کے مقابل کوئی عمل متاثر نہیں کرتا۔

حاصل : ایمان لانا دعویٰ ہے، اس دعوے کی صداقت صالح عمل سے ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق اس حق کے مقابل بڑی ہوتی ہے، جو حال میں ہم پر عائد ہوتا ہے۔ توفیق ایزدی علیم مطلق کی عطا ہے، اس لئے کسی بھی مقام پر اس میں کمی نظر آئے تو یہ ایمان کا ضعف ہو گا۔ عطائے الٰہی کو پورا جاننے والے ایسی راحت پالیتے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ج وَقَالُوا الْحَمْدُ

اور ہم ان کے صدور سے خفگی کو نکال دیں گے، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں

لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

گی، اور وہ عرض کریں گے حمد اللہ ہی کی ہے جس نے ہمیں اس کی راہ دی، اور ہم راہ پانے والے نہ ہوتے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ کرتا، بے شک رسول ہمارے رب کا حق لائے تھے۔ اور ندا ہو گی کہ یہ جنت ہے جس کے تم وارث ہوئے اپنے اعمال کی بدولت۔

مومنین کے مابین تعلق "رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ" کی صورت سے ہوتا ہے۔ خفگی وہ انقباض قلب ہوتا ہے جو دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت کمی علم کی وجہ سے آجاتا ہے۔ جب یہ علم ہو جائے کہ مومن بھائی نے جو کیا وہ کسی ذاتی خواہش یا غرض و غایت کے تحت نہیں تھا، تو انقباض کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جنتی حضرات کے صدور سے خفگی کو نکال دیا جائے گا۔ انہیں جو مقام ملے گا اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہاں حیات نباتات کے لئے کوئی مشقت نہیں کرنی پڑے گی۔ جنت والے پکاریں گے۔ حمد اللہ ہی کی ہے جس نے ہمیں اس کی راہ دی، اور اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو اس کی راہ پانا ممکن نہ تھا، بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ اللہ کی حمد کرنے والے حضرات، رب العالمین کے مرسلین کی صداقت کو سلام کریں گے، تو ندا آئے گی کہ یہ جنت تمہیں تمہارے اعمال کی بدولت ملی ہے۔ اللہ کی حمد دائمی ہے، ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی۔ مرسلین کی شان یہی تھی کہ ان کی بات اللہ کی بات تھی، اس میں شک کا کوئی مقام نہیں تھا۔ مگر تمہیں جنت اپنی خواہشات کے خلاف رہ کر حق کے مطابق عمل کرنے سے ملی ہے۔

حاصل : خفگی وہ انقباض قلب ہوتا ہے جو کمی علم کی بنا پر ساتھیوں سے معاملہ کرتے وقت آجاتا ہے۔ عطا سے فیضیاب ہونے والے معطی کا شکریہ ادا کریں اور معطی فیضیاب ہونے والوں کو بتائے کہ تمہاری تسلیم کی بدولت تمہیں انعام سے نوازا گیا ہے تو نور ہدایت سے سب مقامات روشن ہو جاتے ہیں۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ

اور جنت والے حضرات، دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمیں تو مل گیا جو حق وعدہ ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا تو کیا تمہیں بھی ملا جو حق وعدہ تم سے تمہارے ربّ نے کیا تھا۔ کہیں گے ہاں! تو ان کے

عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

مابین مؤذن پکار کر کہے گا کہ ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے۔

جنت والے حضرات، دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمیں جس انعام کی بشارت دی گئی تھی وہ ہمیں مل گیا ہے۔ کیا تمہیں بھی ملا ہے جس کا تمہیں ڈر سنایا جاتا تھا۔ تو دوزخی جواب میں کہیں گے۔ ہاں ہمیں بھی وہی ملا ہے جو مرسلین نے بیان فرمایا تھا۔ اسی اثنا میں پکار ہوگی کہ ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے۔ ظالم وہ لوگ ہیں جو آخرت کا انکار کرکے، حق کے مقابل ناحق کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ لعنتی کا رخ رحمت سے دوری کا ہوتا ہے، اس لئے عملاً وہ رحمت سے دور ہوتا رہتا ہے۔

حاصل : حق کے مطابق زندگی گزارنے والے جنت میں جائیں گے۔ حق کے خلاف زندگی گزارنے والے دوزخ میں جائیں گے۔ جنتی پکار کر کہیں گے کہ ہمیں تو بشارت کے مطابق انعام ملا ہے، دوزخ والو کیا تمہیں بھی انذار کے مطابق ملا ہے۔ وہ کہیں گے، ہاں۔ اور مؤذن ظالموں پر لعنت کرے گا۔

وقف لازم باختلاف

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس سے کجی چاہتے ہیں، اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

ظالموں کا طریق زندگی اللہ کی راہ سے روکنا، اس سے کجی چاہنا اور آخرت کا انکار کرنا ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنا اور اس میں اپنی پسند کو شامل کرنا، آخرت کے انکار کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ آخرت کا انکار کرنے والوں کو دیکھنا چاہئے کہ حیات و موت دینے والا ہی توفیق دینے والا بھی ہے اور توفیق کبھی بے مقصد نہیں ہوتی۔ جب ہر موجود کا مقصود ہونا ضروری ہے، تو پھر اپنے مقصود کو پانے کی سعی کرنے والے، آخرت کا انکار نہیں کر سکتے۔

حاصل : آخرت کا انکار کرنے والے ہی، اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس سے کجی چاہتے ہیں۔ آخرت کے منکر موجود کو دیکھ کر بھی، مقصود کو پانے کی سعی نہیں کرتے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا ۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور ان دونوں کے مابین حجاب ہو گا، اور اعراف کے اوپر مرد ہوں گے کہ سب کو ان کے چہروں سے پہچانیں گے، اور وہ جنت والوں کو ندا دیں گے کہ تم پر سلام

ہو۔ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے اور اس کی طمع رکھتے ہیں۔

جنت اور دوزخ کے مابین حجاب ہے۔ یہ مقام اعراف ہے۔ یہ حجاب، حال پر جن حضرات کا مقام ہے، آخرت میں وہ اعراف پر ہوں گے۔ ان حضرات کو پتہ ہوتا ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والوں کے منہ کالے ہوتے ہیں، اور متّقیوں کو حزن وملال چھوتا بھی نہیں، اس لئے یہ چہرے سے پہچان لیں گے۔ جنت والوں کو دیکھیں گے تو ان پر سلام بھیجیں گے۔ خود وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کی طمع ضرور رکھتے ہوں گے۔ جو لوگ نیکی کرتے ہوئے ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں ان کا بھلا ہے اور جو بھی کرتے ہیں اس لئے کرتے ہیں کہ ان کا بھلا ہو۔ وہ نیک تو ضرور ہیں مگر ہیں حجاب میں۔ یہ حجاب تبھی ختم ہو سکتا ہے، جب شاہد سے، ناصح سے محبت ہو جائے اور تعمیل ارشاد میں محبت کا غلبہ حال پر موجود رہے، ثواب مقصود نہ ہو۔

حاصل : جو لوگ حال پر ثواب کو مقصود بنالیتے ہیں، وہ نیکی تو کرتے ہیں مگر ثواب ان کے لئے حجاب بنا رہتا ہے۔ یہ پہچان ضرور رکھتے ہیں کہ متکبّرین کے منہ کالے ہوتے ہیں اور متّقیوں کے منہ روشن ہوتے ہیں۔ اس حجاب سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ شاہد کے ارشادات کی تعمیل میں محبت کا غلبہ حال پر موجود رہے۔

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَٰبِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّٰلِمِينَ ﴿٤٧﴾ ع

اور جب ان کی آنکھیں دوزخ والوں کی طرف پھریں گی تو عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمیں قوم ظالمین کے ساتھ نہ ٹھہرا۔

اعراف والے جب دوزخیوں کو دیکھیں گے تو دعا کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں قوم ظالمین کے ساتھ نہ کرنا۔ جیسے دنیا میں بھی نیک لوگ ظالموں کو پہچانتے ہیں۔ آخرت میں تو عذاب ظالموں کو گھیرے ہوئے ہو گا۔

حاصل : جس "ساتھ" کا انجام معلوم ہو، ناقابل تردید ہو اور مطلوب نہ ہو، اس "ساتھ" کو حال پر چھوڑنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ پھر دعا کرنی چاہئے، اللہ ظالمین کے "ساتھ" سے بچائے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَرَءَا الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾

اور مجرم دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ انہیں اس میں گرنا ہے، اور اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔

وَنَادَىٰٓ أَصۡحَٰبُ ٱلۡأَعۡرَافِ رِجَالٗا يَعۡرِفُونَهُم بِسِيمَٰهُمۡ قَالُواْ مَآ أَغۡنَىٰ عَنكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُونَ ﴿٤٨﴾

اور اعراف والے ندا دیں گے، ان لوگوں کو کہ انہیں ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے۔ کہیں گے، تمہیں کیا کام آئی تمہاری جمعیّت اور وہ جو تم استکبار کرتے تھے۔

اعراف والے جنت والوں کو بھی ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہیں، دوزخ والوں کو بھی ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہیں۔ حیات دنیا میں حاصل، متاع اور جمعیّت پر اترانے والے لوگوں کو دوزخ میں دیکھ کر، اعراف والے انہیں پکاریں گے کہ کس کام آئی تمہاری جتھا بندی اور کس کام آیا تمہارا بڑا بننا۔ متاع حیات دنیا کے حوالے سے، لوگوں کی تکریم کرنے والے تقویٰ کو معیار تکریم نہیں مانتے۔ اس لئے وہ حق کے مقابل اپنے معیار بنالیتے ہیں، اور اپنے فسق کی بدولت ذلت کے عذاب کی طرف چل نکلتے ہیں۔

حاصل : دوزخیوں کی نشانیاں حال پر دیکھنی چاہئیں اور ان نشانیوں سے حال پر بچنا چاہئے۔ وہ لوگ متاعِ حیات دنیا کو اور اپنی جتھا بندی کو اپنی خوبی جانتے ہیں، اور اس پر اتراتے رہتے ہیں۔

أَهَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ أَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُهُمُ ٱللَّهُ بِرَحۡمَةٍۚ ٱدۡخُلُواْ ٱلۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَآ أَنتُمۡ تَحۡزَنُونَ ﴿٤٩﴾

کیا یہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ انہیں اپنی رحمت سے نہ نوازے گا۔ انہیں تو فرمایا گیا ہے جنت میں داخل ہو جاؤ، نہ تم پر خوف ہے اور نہ تمہیں حزن ہو گا۔

اعراف والے، جنتیوں کی طرف اشارہ کر کے دوزخیوں سے کہیں گے۔ دنیا میں جن لوگوں کی طرف اشارہ کر کے تم کہا کرتے تھے أَهَٰٓؤُلَآءِ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَيۡهِم مِّنۢ بَيۡنِنَآۗ 6:53۔ کیا یہی لوگ ہیں جن پر ہم میں سے اللہ نے احسان فرمایا ہے۔ اور وہ تمہاری نظروں میں جچتے نہ تھے۔ اور تم قسمیں کھاتے تھے کہ ان لوگوں پر اللہ کی رحمت نہ ہو گی۔ اب تم ان پر اللہ کی رحمت کو دیکھ رہے ہو۔ اطمینان قلب وہ رحمت الٰہی ہے کہ جس کی موجودگی میں عطائے الٰہی ہمیشہ پوری نظر آتی ہے۔ ہونے کا مقام ہو تو شکریہ ادا کرتے ہوئے عطا کو معطئ مطلق کی رضا کے مطابق تصرف میں لایا جاتا ہے، نہ ہونے کا مقام ہو تو صبر سے یہ یقین رکھا جاتا ہے کہ آئندہ عطا ہونے والی نعمت کے بارے میں علم عطا کیا جا رہا ہے۔ دیکھنے والی آنکھیں اگر متاع حیات دنیا کو ہی اللہ کی رحمت جانتی ہوں تو پھر وہ کبھی حق شناس نہیں ہو سکتیں۔ جو لوگ حال پر حق کو مانتے ہیں انہیں جنت میں داخل فرمایا جائے گا اور انہیں دائمی راحت سے نوازا جائے گا۔ یہ لوگ خوف و حُزن سے دور رہیں گے۔

حاصل : متاعِ حیات دنیا کے حوالے سے لوگوں کی تکریم کرنا خلاف حق ہے۔ اطمینانِ قلب وہ رحمت ہے کہ جس کی موجودگی میں عطائے الٰہی ہر مقام پر پوری نظر آتی ہے۔ جو لوگ رحمتِ خداوندی کو اپنے پیمانوں سے جانچتے ہیں، ان کے پیمانے آخرت میں ان کے لئے باعث ندامت ہوں گے۔

وَنَادَىٰٓ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا۟ عَلَيْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ ۚ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٥٠﴾

اور دوزخ والے، جنت والے حضرات کو ندا دیں گے، کہ ہم پر بھی اس پانی اور رزق کا فیض کرو جو تمہیں اللہ نے دیا ہے۔ وہ کہیں گے، کہ بےشک اللہ نے یہ دونوں کافروں پر حرام کئے ہیں۔

دوزخ والے، جنت والے حضرات کو پکاریں گے اور درخواست کریں گے کہ وہ پانی اور رزق جو تمہیں اللہ نے عطا فرمایا ہے وہ ہم کو بھی دو، ہم پر فیض کرو۔ جنت والے حضرات جواب دیں گے کہ ان دونوں چیزوں کو اللہ نے کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ جو صلہ مومنین کو ان کے اعمال کا دیا جائے گا، وہ کافروں پر حرام ہو گا۔ جو صلہ کافروں کو ان کے اعمال کا دیا جائے گا، وہ مومنین پر حرام ہو گا۔ مومنین حیات دنیا میں رضائے الٰہی کے حصول کے لئے سعی کرتے ہیں، اس لئے حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں۔ آخرت میں بھی یہ لوگ حدود اللہ کو ادب سے مانیں گے۔ یہ جنت والوں کی شان ہے کہ وہ کافروں کی فیض طلبی کے جواب میں انہیں اللہ کا فرمان سناتے ہیں، اپنی کوئی بات نہیں کرتے۔

حاصل : جنت والوں کی نہ حال پر اپنی کوئی بات ہوتی ہے نہ آخرت میں اپنی کوئی بات ہو گی۔ معاملہ ماننے والوں سے ہو یا کافرین سے ہو، وہ حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں۔

ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا ۚ فَٱلْيَوْمَ نَنسَىٰهُمْ كَمَا نَسُوا۟ لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا وَمَا كَانُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٥١﴾

جن لوگوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنالیا ہے اور انہیں حیات دنیا نے فریب دیا ہے تو آج ہم ان پر نظر نہیں کریں گے، جیسے وہ اس دن کے ملنے پر نظر نہیں کرتے تھے، اور جیسا ہماری آیات سے انکار کرتے تھے۔

دنیا کے تنعم پر پھولے ہوئے لوگ، حیاتِ دنیا سے فریب کھا جاتے ہیں، اور اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیتے ہیں۔ جب دین میں رضائے الٰہی مفقود ہو اور ناصح سے محبت نہ ہو تو دین کے نام پر جو رسوم ادا ہوں گی وہ سب لہو ولعب کے زمرے میں ہوں گی۔ جن حضرات کو یاد ہو کہ انہیں اپنے اعمال کی جزا کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے وہ یوم الدین کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ یوم الدین کی ملاقات کو نظر انداز کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا انکار کرتے ہیں۔ فرمان الٰہی کا انکار نہ ہو تو من مانی کرنے کا مقام ہی نہیں آتا۔ من مانی کرنے والوں پر، دین کو کھیل تماشا بنانے والوں پر، قیامت کا دن بھاری ہوگا۔ حیات دنیا کے فریب میں مبتلا لوگ جو بھی کرتے ہیں اللہ کی رضا کے مقابل لوگوں کی خوشی کے لئے کرتے ہیں، اس لئے قیامت کے دن وہ جزاءِ خیر پانے والے لوگوں میں شمار نہ ہوں گے۔ ان کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔

حاصل : جو لوگ فرمانِ الٰہی کے مقابل، لوگوں کی پسند کو مانتے ہیں وہ حیات دنیا کے فریب میں مبتلا ہیں اور یہی دین کو کھیل تماشا بنانے والے لوگ ہیں۔ جزا کے دن کا عدم یقین ان کو حق کے انکار کی طرف لے جاتا ہے، یہ حق کو نظر انداز کرتے ہیں۔ جب جزا کا وقت آئے گا تو یہ بھی نظر انداز کر دئے جائیں گے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور بے شک ہم نے انہیں کتاب پہنچائی ہے جسے علم سے مفصّل فرمایا ہے، ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

کتاب اللہ کا پہنچانا، اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ اس کے بغیر حق کے عرفان کا کوئی معیار ہی نہ ہوتا۔ اس کی شان یہ ہے کہ اس کی تفصیل علیم مطلق کے علم سے ہے۔ یہ ہر حال کو روشن کرتی ہے۔ کیا نہیں ہونا چاہئے اور کیا ہونا چاہئے، یہ بیان فرماتی ہے۔ راہ راست کے تعین کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ جو راہ راست کو پالیتا ہے اس کے لئے رحمت ہے۔ یہ رحمت اپنے اندر وہ راحت رکھتی ہے جو دائمی ہوتی ہے اور اس کی موجودگی میں خوف و حزن سے نجات ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مولیٰ مان لینے سے جو آسرا ملتا ہے وہ اور کسی طرح مل ہی نہیں سکتا۔

حاصل : کتاب اللہ کے بغیر، عرفانِ حق محال ہے۔ قرآن پاک کی تفصیل علیمِ مطلق کے علم سے ہے، اس لئے اس کی ہر ہر بات معیار ہے اور سند کا درجہ رکھتی ہے۔ بیان وہی روشن ہے جس کے ساتھ قرآن پاک کی سند موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کو ماننے والے اس کی ہدایت اور رحمت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ

کا ہے کے انتظار میں ہیں کہ اس کی تاویل سامنے آئے۔ جس دن اس کی تاویل

قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

سامنے آئے گی، پکار اٹھیں گے جو اس سے قبل بھولے بیٹھے تھے، بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ تو ہیں کوئی شفاعت کرتے جو ہماری شفاعت کریں، یا ہم لوٹا دیئے جائیں، تو عمل کریں خلاف اس کے جو ہم کرتے رہے۔ بے شک انہوں نے خود کو خسارے میں ڈالا اور گم ہو جائے گا ان سے جو افتریٰ وہ باندھا کرتے تھے۔

رب العالمین کے رسولِ حق کے ماننے والوں کو ان کے انجام کے بخیر ہونے کی بشارت دیتے ہیں اور منکرین حق کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے ہوئے حق انذار ادا کرتے ہیں۔ کیا کافر اسی انتظار میں ہیں کہ جو انہوں نے سنا ہے، اس کا انجام سامنے آئے۔ وہ تو ہر لمحہ قریب آرہا ہے۔ مگر جس دن وہ انجام واقع ہو گا، وہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہو گا۔ جس دن کو وہ بھول رہے تھے وہ ان کے سامنے ہو گا۔ وہ حق کو تسلیم کر رہے ہوں گے مگر یہ تسلیم انہیں فائدہ نہیں دے گی کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے بعد تسلیم کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اس وقت انہیں شفاعت کرنے والوں کی جستجو ہوگی۔ مگر حیاتِ دنیا میں مخلصین سے مخاصمت رکھنے کی وجہ سے ان کے اعمال باعث شفاعت بھی نہ ہوں گے۔ شفاعت کو محال دیکھ کر پکاریں گے کہ اگر ہمیں مہلت کے ساتھ لوٹا دیا جائے، تو ہم صالح عمل کریں گے اور وہ نہیں کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں۔ مگر اس وقت ان کو لوٹایا نہیں جائے گا۔ کہاں گئیں وہ باتیں جو یہ بنایا کرتے تھے۔ گم ہو گئے وہ افترے جو یہ لوگ باندھا کرتے تھے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہے۔ حال پر ملی ہوئی توفیق کو بے مقصد جاننے والے ہی خسارے میں پڑتے ہیں۔

حاصل : حال پر ملی ہوئی توفیق اگر رضائے الٰہی کے مطابق استعمال نہیں ہو رہی تو پھر اس کے معنی یہی ہیں کہ قیامت کے لمحے کا انتظار ہے۔ جب قیامت آجائے گی اور موعودہ انجام واقع ہو جائے گا تو پھر حق کو تسلیم کرنا فائدہ نہ دے گا۔ اس وقت عمل کی اصلاح ممکن نہ ہوگی، اور خسارہ احاطہ کر لے گا۔ حال پر ملی ہوئی مہلت کو اس طرح استعمال کرنا چاہیئے کہ آخرت میں خاسرین کا ساتھ نہ ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

تمہارا معبود، معبودِ واحد ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے قلوب منکر ہیں، اور وہ

استکبار کرنے والے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا، پھر عرش پر استویٰ فرمایا۔ رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانپتا ہے کہ جلد ہی ایک کے پیچھے دوسرا آجاتا ہے، اور شمس و قمر اور نجوم اس کے امر سے مسخر ہیں۔ سن لو خلق بھی اسی کی ہے، امر بھی اسی کا ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ، ربّ العالمین۔

عالمین کو پالنے والا، اللہ ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے چھ دن میں خلق فرمایا۔ اس تخلیق میں جو دن شمار ہوئے ہیں، وہ حیات دنیا میں نظر آنے والے دن ہیں۔ چھ دن ہمیشہ ساکن رہتے ہیں، ساتواں متحرک ہوتا ہے اور اسی ایک کا تصرف حال پر ہوتا ہے۔ عرش پر استویٰ فرمانے کی حقیقت، آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین ہر مقام پر مقتدر ہونا ہے۔ دن رات یقیناً سورج کے طلوع و غروب سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر سورج کے خالق نے جو بیان فرمایا ہے وہ لوگوں پر واضح کرنے کے لئے ہے۔ ورنہ دن رات کا تعیّن بھی تو اللہ تعالیٰ کے علم مطلق سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو قطعاً ہر شے کا علم ہے، اور لوگوں کو بتانے کے لئے ان کے مشاہدے کے حوالے سے بیان کرنا بڑی برکت والی بات ہے۔ جس دن کو پچاس ہزار سال کا فرمایا گیا ہے، وہاں بھی اکائی تو یہی معروف دن ہے۔ رات، دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں، ایک خلوت میں جائے تو دوسرا جلوت میں آجاتا ہے۔ دن کی روشنی متحرک ہو تو رات کی تاریکی ساکن ہو جاتی ہے اور رات کی تاریکی متحرک ہو تو دن کی روشنی ساکن ہو جاتی ہے۔ موجود دونوں رہتے ہیں۔ ایک ساکن ہو تو دوسرا متحرک ہوتا ہے۔ شمس و قمر اور ستارے، سبھی اس کے امر سے مسخّر ہیں۔ مسخّر کبھی امر دینے والے کے امر سے باہر نہیں ہو سکتا۔ اسے جو کام تفویض کیا گیا ہو وہ امر دینے والے کی مرضی کے عین مطابق کرتا ہے۔ شمس و قمر اور نجوم امر الٰہی سے جس طرح متحرک ہیں، اس سے امر دینے والے کی شان روشن ہوتی ہے۔ خلق فرمانا اور امر دینا یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ کسی بھی وجود کے موجود ہونے سے پہلے اس کے مقصود کا تعین کرنا اور اس مقصود کے حوالے سے اس شے کو تحرک دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس نے سب کچھ بنایا ہے مگر اس کی ذات کسی شے کی کوئی احتیاج نہیں رکھتی۔ سب کو پالتا ہے، اور علم سے پالتا ہے۔ برکت ملاحظہ ہو کہ ماننے والے لوگوں کو بھی پال رہا ہے، نہ ماننے والے لوگوں کی ربوبیت میں بھی کمی نہیں کرتا۔ ایسے پالنے والے علیم مطلق کا ساتھ ہو تو پھر کسی مقام پر بے چینی نہیں ہو سکتی۔ جس نے ہمارے لئے سب کچھ بنایا ہے وہ ہمیں نظر انداز نہیں کرتا اور اس کو رب مان لیا جائے تو شکوے کا مقام کہیں بھی نظر نہیں

آتا۔ عرفان نفس کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔

حاصل : ربّ العالمین ہی اللہ ہے۔ چھ دن ساکن رہتے ہیں، ساتواں متحرک رہتا ہے۔ ہفتے میں کام کے دن چھ ہی ہونے چاہئیں، ساتواں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اور اظہارِ عبدیّت کے لئے ہو۔ رات، دن، شمس و قمر اور نجوم جس طرح امرالٰہی کو مانتے ہیں، ہمیں بھی امرالٰہی کو اسی ادب سے ماننا چاہئے۔ ہم جو بھی بنائیں، اس کا منشاء امرالٰہی کی اطاعت ہونا چاہئے، یہ بڑی برکت والی بات ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٥٥﴾

اپنے ربّ سے تضرّع کے ساتھ اور خفیہ دعا کرو، بے‌شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دعا کی حقیقت معبود لاشریک کے سامنے اظہارِ عبدیّت کرتے ہوئے خیر طلب کرنا ہے۔ اس میں اپنا عجز بیان ہوتا ہے، اپنے اعمال کے بارے میں یہ اعتراف ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے معیار کی نسبت سے یہ بہت ناقص ہیں اور اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو دیکھا جائے۔ اللہ سے اس کا فضل مانگا جاتا ہے۔ گریہ اس بات پر ہوتا ہے کہ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لانے میں کوتاہی ہوئی ہے، اور عطائے الٰہی بہرحال جاری ہے۔ کم علمی کی وجہ سے بے‌چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ خفیہ دعا ہمیشہ ذاتی ہوتی ہے۔ جہر کے ساتھ ہو تو اجتماعی ہوتی ہے۔ دعا خفیہ ہو تو ادب سے اپنا حال علیمِ مطلق کے سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا چاہئے۔ یا اللہ یہ مشکل ہے، اس کو حل کر دے اور جو حل تیرے نزدیک پسندیدہ ہے، ہمیں اس پر راضی رہنے کا شرف عطا فرما۔ دعا میں حد سے بڑھنا یہ ہے کہ اپنی طلب کو اپنا حق جان کر بیان کیا جائے، اسی کے حصول پر اصرار کیا جائے اور اپنے نفس کی خوشی کے لئے اعلانیہ دعا کی جائے۔ یہ سب باتیں اظہارِ عبدیت کے منافی ہیں، اس لئے اللہ ان کو پسند نہیں کرتا۔

حاصل : دعا حضورِ قلب سے ہو، گریئے کے ساتھ ہو اور خفیہ ہو تو یہ امرالٰہی کی تعمیل ہو گی۔ دعا میں اپنا استحقاق بیان کیا جائے، اپنی طلب پر اصرار ہو اور علیمِ مطلق کے علم کے مقابل اپنی بے علمی کو وقعت دی جائے، تو یہ حد سے بڑھنے کی صورت ہو گی، جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتی ہے۔ اجتماعی دعا میں بھی دعا کرنے والے امام کی آواز کو آہستہ ہونا چاہئے۔ آمین کہنے والوں کو بھی ادب سے اور آہستہ آمین کہنا چاہئے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد اور اس سے خوف و طمع کے ساتھ

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

دعا کرو۔ بے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔

زمین میں اصلاح علم الٰہی کی بدولت ہوتی ہے۔ علم والے فرمان خداوندی کو مانتے ہیں، اور دوسرے کے لئے نمونہ بنتے ہیں۔ لوگ ان حضرات سے محبت کی بدولت ناقص صفات سے پاک ہو جاتے ہیں۔ یوں حسنات کے بڑھنے سے حسنِ معاشرت بڑھتا ہے، اور اصلاح قائم ہوتی ہے۔ لوگ اپنے قول کو حق کے مطابق رکھیں، اپنے عمل کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں دیکھیں تو یہ اصلاح کے مستحکم ہونے کی سند ہے۔ اس اصلاح کے بعد اگر لوگوں کو ان خواہشات میں گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے ان کے سامنے استکبار کی مثالیں رکھی جائیں، حق کے حوالے سے جائز و ناجائز کا فیصلہ کرنے کی بجائے اکثریت کی رائے کو فیصلہ کن بنانے کی کوشش کی جائے اور ناصحین سے محبت کی راہوں کو مسدود کرنے کی سعی کی جائے تو یہ زمین میں فساد پھیلانے والی باتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت ڈر یہ ہونا چاہئے کہ دعا میں رضائے الٰہی کے حصول کے مقابل خواہش نفس وقعت نہ پا جائے، طمع یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ شاہدین کے ساتھ لکھ لے۔ حال بھی پاک لوگوں کے ساتھ ہو، مستقبل بھی پاک لوگوں کے ساتھ ہو۔ محسنین اللہ کی رحمت کے طالب ہوتے ہیں۔ اللہ کی رحمت ان کو گھیرے رکھتی ہے۔ جو اللہ کی رحمت سے فیضیاب ہونا چاہے، اسے محسنین کی معیّت اختیار کرنی چاہئے۔

حاصل : حدود اللہ کے احترام کو کم کرنے والی حرکات و سکنات کو زمین میں باعث فساد جانتے ہوئے روکنا چاہئے۔ اصلاحِ حال ناصحین سے محبت کی بدولت ہوتی ہے۔ گمراہی اور فساد اپنی خواہش کی پیروی سے بڑھتے ہیں۔ دعا میں اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنی پسند کو رضائے الٰہی کے سامنے پست رکھنا چاہئے، طمع شاہدین کے ساتھ کا ہو۔ محسنین کی معیّت، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے احاطے میں رہنے کی صورت ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور وہی ہے کہ اپنی رحمت کے آگے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے، حتیٰ کہ وہ بھاری بادل اٹھا لاتی ہیں، ہم اسے شہر مردہ کی طرف چلاتے ہیں، پھر اس سے پانی برساتے ہیں تو سبھی ثمرات نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مُردوں کو نکالیں گے، تو تم غور کرو۔

بارش سے پہلے آنے والی ہوائیں، بارش کی آمد کی بشارت دیتی ہیں، اور رحمت کے منتظر اس بشارت سے فیض حاصل

کرنے کی تیاری کر لیتے ہیں، تا کہ رحمت کا پورا پورا فائدہ حاصل ہو۔ بشارت دینے والی ہواؤں کے بعد، بادل آجاتے ہیں۔ پھر ان کو مردہ زمین کی طرف چلایا جاتا ہے۔ پھر ان سے بارش برسائی جاتی ہے، تو وہ زمین جو روئیدگی کی قوت کھو چکی تھی، زندہ ہو جاتی ہے اور اس سے سبھی ثمرات اگنے لگتے ہیں۔ یہ وہ مشاہدات ہیں جن پر غور کیا جائے تو بعث بعدالموت کا انکار محال ہو جاتا ہے۔ حال پر اگر مردہ زمین کو زندہ ہوتے دیکھ لیا جائے، تو مستقبل میں انسان کے زندہ ہونے کا انکار نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر بعث بعدالموت کو مان لیا جائے تو پھر جزا کے یقین کے ساتھ اصلاح کی طرف مائل ہونا بھی ضروری ہے۔ اور جس نے پہلے نہ ہونے سے ہونا بنایا ہے اس کو اعادہ کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہو سکتی۔

حاصل : بارش کی آمد سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں، فیض حاصل کرنے کی تیاری کرنے والوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ بادلوں کا لانا، برسانا اور مردہ زمین کو زندہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور انسان کے مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ حال پر اگر مردہ ذرات زندہ ہوتے نظر آتے ہیں تو آخرت میں یہ کام کیونکر محال ہو سکتا ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ ع

اور جو زمین اچھی ہے اس سے نبات اس کے رب کے اذن سے نکلتی ہے۔ اور جو خراب ہے اس سے نہیں نکلتی مگر ناقص۔ اسی طرح ہم شکر کرنے والوں کے لئے آیات کی تصریف فرماتے ہیں۔

بارانِ رحمت اچھی زمین پر بھی ہوتی ہے، خراب زمین پر بھی ہوتی ہے۔ اچھی زمین سے سبزہ اگتا ہے، خراب سے نہیں اگتا، اور اگتا ہے تو ناقص ہوتا ہے۔ بارش تو ایک ہی ہوتی ہے مگر اس سے منتفع ہونا حسن استعداد پر منحصر ہے۔ انسانی زندگی میں نیت بمنزلہ زمین ہے۔ جس کی نیت درست ہو گی اس کا عقیدہ درست ہو گا۔ جس کا عقیدہ درست ہو گا، اس کے اعمال درست ہوں گے۔ جس کے اعمال درست ہوں گے اس کا ثمر اچھا ہو گا۔ جس کی نیت بری ہو گی، اس کا عقیدہ درست نہیں ہو گا۔ عقیدہ درست نہ ہو گا، تو اعمال اچھے نہیں ہوں گے۔ اعمال اچھے نہ ہوں تو ثمر کبھی اچھا نہ ہو گا۔ شکر کرنے والے لوگوں کے لئے یہ روشن بیان اپنے اندر انعامات کی بشارت رکھتا ہے، اس لئے وہ اس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ نیت کو درست کرنا انسان کے ذمے ہے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ کسی بھی مقام پر اپنی خواہش کی پیروی نہ کی جائے۔ اللہ کی رضا ہر مقام پر مقصود ہو، اور علم الٰہی کے حصول کے لئے جس کو شاہد بنایا جائے، اس سے محبت ہو، تو نیت کا خبث ختم ہو جاتا ہے، اور وہ طیّب ہو جاتی ہے۔ طیّب ہو جائے تو ثمر آور ہو جاتی ہے۔

حاصل : نیت کو درست رکھنا انسان کے ذمے ہے۔ استکبار کا خاتمہ ہو تو علمِ الٰہی سے انتفاع ممکن ہوتا ہے۔ شکر کرنے والے عطائے الٰہی کو پورا مانتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ مقصد رضائے الٰہی

کا حصول ہو تو اس کے لئے سب ارکان حال پر موجود ہوتے ہیں۔ اگر موجود نہ نظر آئیں تو آرہے ہوتے ہیں۔

شہادت : سورۃ سبا میں ارشاد ہے :

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝٦

اور جنہیں علم عطا ہوا ہے جانتے ہیں کہ جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کے پاس سے نازل فرمایا گیا ہے وہی حق ہے اور عزت والے، حمد والے کی طرف راستہ دیتا ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝٥٩

بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو آپ نے فرمایا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے خوف ہے کہ تم پر ایک بڑے دن کا عذاب آئے گا۔

مرسلین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان پر سلام ہو، اس لئے لازم ہے کہ ان کے اسماء گرامی قدر کے ساتھ علیہ السلام لکھا بھی جائے اور پڑھا بھی جائے۔ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ کو، آپ کی قوم کی طرف بھیجا گیا، تو آپ نے فرمایا۔ اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس سے یہ روشن ہوا کہ قومیت نظریات اور عقائد سے نہیں بنتی۔ اللہ کی بندگی یہ ہے کہ بندہ اللہ کا مملوک ہو اور قول و فعل میں اپنے مالک کی رضا کے حصول کے لئے کوشاں رہے۔ کسی مقام پر مالک حقیقی کی رضا ملحوظ ہو اور کسی مقام پر اس کے مقابل کسی اور کی رضا ملحوظ ہو تو یہ شرک کی صورت ہو گی۔ جو پہلے خفی ہو گی، پھر جلی بھی ہو گی۔ شرک خفی ہو تو بت بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ معبود لاشریک کی یہ شان ہے کہ پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے، جزا بھی وہی دے گا۔ حق کا نازل کرنے والا بھی وہی ہے، اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے نمونہ بھی وہی بھیج سکتا ہے۔ معبود کے انکار کے معنی تو خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لینے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے رخ کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ جس رخ پر تم جا رہے ہو، اس پر ایک دن تم عذاب میں پکڑ لئے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بے مثل ہے کہ اس نے کبھی لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑنے میں جلدی نہیں کی اور ہمیشہ اتمام حجت کے تمام ارکان پورے کئے ہیں۔

حاصل : جزا دینے والا ہمیشہ لوگوں کے سامنے اپنے پسندیدہ معیار کو رکھتا ہے، تاکہ لوگ اس کو مان کر فلاح پائیں۔ اللہ کی بندگی، اس کو مالک حقیقی ماننے کے بعد ہی ممکن ہے۔ حق کے مقابل جہاں اپنی پسند آجائے وہاں اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا انکار ہو جائے گا۔ علم والے آنکھیں رکھتے ہیں،

بے علم نہیں رکھتے اور آنکھوں والے اور اندھے برابر نہیں ہوتے۔ انجام سے آگاہ کرنے والوں کو محسن جاننا چاہئے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٦٠﴾

اس کی قوم کے سرداروں نے کہا، بے شک ہم تمہیں صریحاً گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوتِ حق کو ساری قوم نے سنا مگر قوم کے سرداروں نے جواب یہ دیا کہ آپ تو صریحاً بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔ سرداری اگر تقوے کے حوالے سے ہو تو سردار ہمیشہ حق شناس ہو گا اور صاحبِ علم ہو گا اور اگر وسعتِ مال کے حوالے سے ہو تو سردار خواہشات و غایات کا بندہ ہو گا اور جب بھی اس کے سامنے خواہشات کی سطح سے بلند بات آئے گی، وہ اس کی تکذیب کرے گا۔ سرداری اس کی شان کے لائق ہے، جو عنداللہ اکرم ہے۔ جب یہ معیارِ قیادت عملاً مان لیا جائے گا، تو قیادت صحیح لوگوں کے ہاتھ میں آئے گی۔ قیادت صحیح لوگوں کے ہاتھ ہو تو اجتماعی زندگی میں رخ بھلائی کا ہو گا، اور لوگوں کو روزمرہ زندگی میں تحفظ کے احساس کے ساتھ ساتھ بہت سی آسانیاں حاصل ہوتی رہیں گی۔ ورنہ احساس عدم تحفظ اور خطرات میں اضافہ ہو گا۔

حاصل : سردار اگر حق کے مقابل اپنی خواہش کے تحت بولے تو اس کو ٹوکنا چاہئے اور دعوت خیر کے جواب میں حقائق اور اسناد کے ساتھ بات کرنے کو کہنا چاہئے۔

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾

فرمایا، اے میری قوم! میں بہکا نہیں، ولیکن میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔

قوم کے سرداروں کے اس بیان کے بعد کہ ہم آپ کو بہکا ہوا دیکھتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں بہکا ہوا نہیں۔ میری بات کسی خواہش کے تحت نہیں۔ میری بات تو اللہ کی بات ہے۔ وہی تمہارا پالنے والا ہے۔ اسی نے تمہیں اعمال کی توفیق دی ہے۔ وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ اسی نے مجھے بھیجا ہے کہ تمہیں اس کی عبدیت کی طریقت سکھاؤں، جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بہکے ہوئے کی باتیں بے جوڑ اور لاحاصل ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ کبھی سند موجود نہیں ہوتی۔

حاصل : معترضین کے اعتراض کے جواب میں اپنا حال بیان کرنا انبیاء کا طریق کار ہے۔ حق یہی ہے کہ اعتراض کے جواب کے بعد اپنا حال بیان کیا جائے۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

تمہیں اپنے ربّ کا بھیجا ہوا پہنچاتا ہوں اور تمہیں بہت نصیحت کرتا ہوں اور اللہ کی

طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، بات میری نہیں ہوتی، میرے بھیجنے والے کی ہوتی ہے، اور اسی کی بھیجی ہوئی ہوتی ہے۔ جس خسارے کی طرف تم لوگ جارہے ہو، اس سے بچنے کی تمہیں بہت نصیحت کی جاتی ہے اور نصیحت بڑے علم سے ہوتی ہے، اندازے قیافے سے نہیں ہوتی۔ حق کی نصیحت کرنے والا ماضی، حال اور مستقبل، تینوں مقامات کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ غافل کو اپنے انجام کا علم نہیں ہوتا۔ بے علمی کی بات کے جواب میں علم سے بات کرنا بڑے مرتبے کا ثبوت ہوتا ہے۔

حاصل : جس کی بات اللہ کی بات ہو، اور سننے والوں کی بھلائی کے لئے ہو، اس کا ناصح ہونا اور علم والا ہونا یقینی ہوتا ہے۔ اس سے دوستی ہو تو دونوں جہان میں بھلا ہو جاتا ہے۔ اس سے وہ علم حاصل ہوتا ہے جو اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾

کیا تمہیں تعجب ہوا کہ تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آئی تم میں سے ایک مرد پر، تاکہ وہ تمہیں ڈرسنائے اور تاکہ تم بچو، اور تاکہ تم پر رحم ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کے تعجب کو واضح کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا۔ کیا تمہیں اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی نصیحت، جس کا منشاء یہ ہے کہ تمہیں اس انجام سے آگاہ کر دیا جائے جس کی طرف تم جارہے ہو اور تم آگاہی سے فائدہ اٹھا کر برائی سے بچو اور اللہ کی رحمت سے فیض پاؤ، تم میں سے ایک مرد پر آئی ہے۔ کافروں کو یہ بات عجیب لگتی ہے کہ ان کی طرح کھاتا پیتا، چلتا پھرتا بندہ، مستقبل سے آگاہی کی بات کرے اور یقین سے کرے۔ نصیحت کے منجانب اللہ ہونے کا ذکر کرے اور پھر کسی اجر کا سوال بھی نہ کرے۔ اس کو لوگوں کی بھلائی کے علاوہ کوئی کام ہی نہ ہو اور وہ لوگوں کی بے سند باتوں کا جواب اللہ کی نازل فرمائی ہوئی سند سے دے۔ جس مالک نے لوگوں کو زندگی کے ساتھ توفیق دی ہے، وہی ان کے سامنے معیارِ ہدایت بھی رکھے تو پتہ چلے گا کہ کیا ہونا چاہئے اور کیا نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے روشن ہوا کہ نصیحت کا منجانب اللہ ہونا بھی ضروری ہے، اور ناصح کا نصیحت سننے والوں کے ساتھ رہ کر ان حالات سے منشاء الٰہی کے مطابق گزرنا بھی ضروری ہے، تاکہ جزا دینے والے کی پسندیدہ طریقت کا مشاہدہ ہو جائے اور ابلاغِ حق کی حجت پوری ہو۔

حاصل : توفیق دینے والا ہی راہ فلاح بھی دکھاتا ہے۔ شاہد کو لوگوں کے سامنے لانا اور ابلاغ حق کی حجت کو پورا کرنا بھی اسی کا کام ہے۔ اس وحدہ لاشریک سے بہتر کوئی اہتمام کر ہی نہیں سکتا۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَٰهُ وَالَّذِينَ مَعَهُۥ فِى الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِـَٔايَٰتِنَآ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾

پھر انہوں نے آپ کی تکذیب کی، تو ہم نے آپ کو اور آپ کی معیت والوں کو نجات دی جو کشتی میں تھے، اور جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے تھے انہیں غرق کر دیا۔ بے شک وہ اندھی قوم تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام ابلاغ حق کرتے ہوئے اپنی قوم کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے رہے۔ مگر ان لوگوں نے آپ کے انکار کی راہ نہ چھوڑی اور آپ کو جھٹلاتے جھٹلاتے اس حد سے گزر گئے جس سے آگے جاکر اصلاح کو قبول کرنا فائدہ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے امر سے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھی کشتی میں سوار ہو گئے۔ اس طرح امر الٰہی کو ماننے والے نجات پا گئے اور مکذبین کو غرق کر دیا گیا۔ جو قوم اجتماعی فلاح کو نہ دیکھ سکے وہ یقیناً اندھی ہوتی ہے۔ معاشرتی زندگی میں اجتماعی بھلائی کے لئے حدود کا تعین کرنا ضروری ہے۔ جب اکثریت خلوت و جلوت میں ان حدود کا احترام کرے تو سبھی کا بھلا ہوتا ہے۔ اور جب اکثریت اجتماعی بھلائی کے مقابل ذاتی مفاد کو ترجیح دے تو قومی زندگی کے حوالے سے یہ اندھا پن ہو گا۔

حاصل: حق کو ماننے والے بھلائی کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ ان کا انجام بھلا ہوتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والے بھلائی کی راہ سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ یہ دوری انہیں خسارے میں ڈال دیتی ہے۔ جو قوم اجتماعی بھلائی کو نہ دیکھے وہ اندھی قوم ہے۔ اس کے افراد ذاتی مفاد کی خاطر اجتماعی بھلائی کو نظر انداز کرتے کرتے خسارے میں جا پڑتے ہیں۔ پھر ذاتی مفاد کا مقام کب باقی رہتا ہے۔

شہادت: جو لوگ ایمان کے مقابل کفر کو پسند کرتے ہیں، وہ ہدایت کے مقابل اندھے پن کو پسند کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ ﴿١٧﴾

تو انہوں نے ہدایت کے مقابل اندھے پن کو پسند کیا۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾

اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا۔ آپ نے فرمایا، اے میری قوم اللہ کی عبدیت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں۔

قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو تبلیغ حق کے لئے بھیجا گیا۔ یہ اسی قوم سے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے

کہ بھلائی کی طرف بلانے والے، بلائے جانے والوں میں سے ہوتے رہے ہیں، تاکہ بھلائی کی طرف بلانے والے، بلائے جانے والوں کے حالات سے کماحقہٗ آگاہی کے ساتھ انہیں دعوت خیر دیں۔ استقامت سے صراط مستقیم پر رہنا اسی طرح ممکن ہوتا ہے، کہ حق کی طرف بلانے والا، بلائے جانے والوں کی ہر مقام پر رہنمائی کر سکے، اور اس کے لئے اس کا انہی میں سے ہونا ضروری ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔ اللہ کی بندگی ہو تو ہر مقام پر مقصود اللہ کی رضا ہوگی، اور ذاتی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی میں بھی ایسا نظم پیدا ہو گا جو اور کسی صورت میں ممکن ہی نہیں۔ اللہ کی عبدیت سے استکبار کی بیخ کنی ہو جاتی ہے اور لوگوں کی خدمت میں راحت ملنے لگتی ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے یہی کرتے ہیں۔

حاصل : بھلائی کی طرف بلانے والے، بلائے جانے والوں کے حالات سے کماحقہٗ آگاہ ہوں تو حقِ تبلیغ ادا ہو سکتا ہے۔ اللہ کی عبدیّت ہو تو استکبار کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ سے ڈرنا شانِ عبدیّت ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

آپ کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے ہم تمہیں بے وقوف دیکھ رہے ہیں، اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جب عاد کو حق کی طرف بلایا اور فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ڈرو اس سے جو تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دینے والا ہے، تو قوم کے کافر سردار کہنے لگے۔ ہمارے دیکھنے میں تم بے وقوف ہو اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ جس کا کام اپنی خواہش اور غرض وغایت کے تابع ہو، وہ رضائے الٰہی کے لئے سعی کرنے والے کو بے وقوف دیکھتا ہے۔ اس کی نظر اس قریبی اور قلیل فائدے پر ہوتی ہے، جو نفسِ امارہ اسے دکھاتا ہے، اور اس بعید اور کثیر فائدے پر نہیں ہوتی، جو حق کی ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے حقیقی فائدے کے لئے سعی کرنے والے کے عمل میں اسے بیوقوفی نظر آتی ہے۔ اور جب اپنے مشاہدے کے ساتھ کوئی سند پیش کرنا محال ہو تو پھر یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ بیان کرنے والا جو بیان کر رہا ہے وہ جھوٹ ہے۔ اگر حق کی طرف بلانے والے کو سچا مان لیا جائے تو پھر شرک کرنے کی اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے کی گنجائش فوراً ختم ہو جاتی ہے، اور جب خواہش کی پیروی اپنی جان کی طرح عزیز ہو تو پھر راہ فرار یہی رہ جاتی ہے کہ دعوت حق دینے والے کو جھوٹا کہہ کر اپنی راہ اس سے الگ کر لی جائے۔

حاصل : کافروں کے سرداروں کو اپنی خواہش کے عدم اتباع میں بے وقوفی نظر آتی ہے، چونکہ ان کے نزدیک وقوف اپنی خواہش کی پیروی کا نام ہے۔ جب ان کے نزدیک اپنے وقوف کو ثابت کرنا محال ہو تو وہ دعوتِ حق دینے والے کو کاذب کہہ کر اس سے اپنا راستہ الگ کر لیتے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ

فرمایا اے میری قوم میں بے وقوف نہیں،

رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾ ولیکن میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کے کافر سرداروں کے جواب میں جنہوں نے آپ کو بے وقوف اور کاذب کہا تھا، یہ فرمایا میں بے وقوف نہیں، میں تو رب العالمین کا بھیجا ہوا ہوں۔ حق کو تسلیم کرنا قول ہے۔ حق کو ادا کرنا عمل ہے۔ اور عمل ہو تو علم حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے جو حق کو ادا نہ کرے اور حق کی باتیں کرتا رہے اسے حق کا علم کبھی نہیں ہو سکتا۔ دعوت تعقل دینے والا، گزشتہ واقعات سے سبق سیکھنے کی تاکید کرتا ہے، حال پر توفیق ایزدی کے صحیح استعمال کی طریقت سکھاتا ہے، اور اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتائج کو باذن اللہ مانتا ہے۔ اسے بے وقوف کہنے والا یقیناً بے وقوف ہوتا ہے۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو، وہی صادق ہوتا ہے۔ اور جس کی بات اس کی خواہش کے تحت ہو، اس کو صداقت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔

حاصل : تبلیغ حق کے جواب میں اگر لوگوں سے یہ سننا پڑے، کہ تم بے وقوف ہو اور جھوٹے ہو تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ شاہدین کے ساتھ ہونے کی شہادت مل رہی ہوتی ہے۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾ تمہیں اپنے ربّ کا بھیجا ہوا پہنچاتا ہوں اور تمہارے لئے امین ناصح ہوں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنے تعارف میں یہ ارشاد فرمایا کہ ربّ العالمین کا رسول ہونے کی بدولت میں تمہیں وہی حق پہنچاتا ہوں جو میری طرف بھیجا جاتا ہے اور نصیحت کرنے کے عمل میں میرا یہ حال ہے کہ امانت جو تمہارے لئے بھیجی جاتی ہے، اسے کماحقہٗ، پہنچا دیتا ہوں۔ ربّ العالمین کے فرمان کی تفہیم کے لئے اس کے بھیجے ہوئے وسیلے سے بہتر کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ جزا دینے والے کا تعلق لوگوں سے کس قدر مہربانی اور رحم کا ہے، اس کو اس کے شاہدین کی سنت کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ شاہدین کی سنت یہی رہی ہے کہ ان کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ وہ نصیحت کو امانت الٰہی جانتے ہیں اور اسے محبت سے پہنچا دیتے ہیں، لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کی سعی کرتے ہیں اور مکذبین کی تکذیب کو دیکھنے کے باوجود امر الٰہی کی حد تک حق تبلیغ ادا کرتے رہتے ہیں۔

حاصل : تبلیغ حق کرنے والے کی شان یہی ہے کہ مکذبین کے جواب میں وہ اپنا حال وضاحت کے ساتھ بیان کرے اور نصیحت کو امانتِ مقدسہ جان کر لوگوں تک پہنچا دے، اس میں اس کی خواہش کو کوئی دخل نہ ہو۔ جو امین نہ ہو اس کی نصیحت قابل سماعت ہی نہیں ہوتی۔

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ کیا تمہیں تعجب ہوا کہ تمہارے ربّ کی نصیحت تم میں سے ایک مرد پر آئی کہ وہ تمہیں ڈر سنائے، اور یاد کرو جب قوم نوح

نُوحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

کے بعد تمہیں خلفاء ٹھہرایا گیا اور تمہارے بدنی پھیلاؤ کو بڑھایا، تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

حضرت ہود علیہ السلام نے عاد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک صاحب کی معرفت تمہارے رب کی نصیحت تمہیں پہنچ رہی ہے اور تمہیں اس انجام سے ڈرایا جا رہا ہے۔ جو اس راہ کے اختیار کرنے والے اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ قوم نوح اس انجام سے دوچار ہو چکی ہے۔ اس قوم کے بعد تم لوگوں کو تمکن دیا گیا اور تمہارے بدنوں کو قوت و قامت میں بڑھایا گیا۔ اس کرم کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ قوم نوح کے خاتمے کے بعد زندگی کے عمل کو جاری کرنے کے لئے اور زمین کو پھر سے آباد کرنے کے لئے کس قدر کام تھا، اور اسے سرانجام دینے کے لئے کس قدر قوت و قامت کی ضرورت تھی، جو اللہ تعالیٰ ہی عطا کر سکتا تھا۔ اس منعمِ حقیقی نے جو کچھ عطا کیا وہ علمِ مطلق سے تھا، اور اسی عطا کی بدولت سب کچھ سہولت کے ساتھ ہونے لگا۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنے والے اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں، کبھی سرکشی نہیں کرتے۔ شکریہ ادا کرنے والے ہی فلاح پاتے ہیں۔ جسمانی قوت حسب عمر اس طرح استعمال ہونی چاہئے کہ بدنی اعتدال قائم رہے۔

حاصل : ناصح کی بشریّت پر تعجب منکرینِ حق کا طریقہ ہے۔ قوت و قامت عطائے الٰہی ہے، اس کو سنبھالنا اور شکریئے کے ساتھ استعمال کرنا فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾

کہنے لگے کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء عبادت کرتے تھے، تو لے آؤ جس کا وعدہ دے رہے ہو اگر تم صادق ہو۔

عاد کو حضرت ہود علیہ السلام نے نصیحت فرمائی تو وہ کہنے لگے کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم محض ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے مقابل جن کی ہمارے آباء عبادت کرتے رہے ہیں انہیں چھوڑ دیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو اور اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب جس کا تم وعدہ دے رہے ہو، لے آؤ۔ اللہ کی بندگی کے معنی ان لوگوں پر ضرور واضح ہو گئے۔ یہ حق کے پہنچ جانے کی سند ہے کہ انہیں پتہ چل گیا کہ کیا کرنا چاہئے، اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بڑوں کے طریق کو چھوڑنے سے انکار کیا، اور عذاب الٰہی کے لے آنے کو حضرت ہود علیہ السلام کی صداقت کی سند ٹھہرایا تو اپنے استکبار کی بدولت وہ حدِّ اصلاح سے گزر گئے۔ اللہ کی عبدیت یہ ہے کہ قول و فعل میں اس کی رضا بہرحال مقصود ہو اور شاہد کی معیت میں اس سے تقدم نہ ہو۔ اس طریق زندگی کے اختیار کرنے سے، فرد کی زندگی میں، قومی زندگی میں اور بین الاقوامی

زندگی میں کیا راحتیں آسکتی ہیں، کیا سکھ مل سکتے ہیں، خوف و حزن سے کیسے نجات مل سکتی ہے، اس کا پتہ اس طریق کی باتیں کرتے رہنے سے، اس کے متعلق اٹکلیں دوڑانے سے کبھی نہیں لگتا۔ شرک یہی ہے کہ اللہ کی رضا کے مقابل اپنی تجویز کو مانا جائے۔ اس سے ذاتی زندگی میں خوف و حزن پیدا ہوتا ہے، افراد کے مابین نفرت قومی زندگی کو کمزور کر دیتی ہے، اور بین الاقوامی سطح پر کافروں کو خوفزدہ کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ سب صورتیں شرک سے پیدا ہوتی ہیں۔

حاصل : جب ناصحین سے یہ معلوم ہو جائے کہ حال پر کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے، تو ان کی صداقت کی سند مانگنے کا منشاء اپنے اعمال کی اصلاح ہونا چاہئے۔ اور اگر ایسی سند مانگی جائے کہ اعمال کے لئے دی گئی توفیق ہی ختم ہو جائے تو یہ استکبار اور بے علمی کی انتہا ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

فرمایا، تم پر تمہارے ربّ کا عذاب اور غضب واقع ہو گیا۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں پر جھگڑتے ہو، جو تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں نازل فرمائی۔ تو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی صداقت کی سند کے طور پر جب عذاب الٰہی کو مانگ لیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب واقع ہو گیا۔ ہر جلوت سے پہلے اس کی ایک خلوت بھی ہوتی ہے۔ آپ نے عذاب کے وقوع کو خلوت میں دیکھ کر یہ فرمایا کہ وہ تم پر پڑ گیا۔ انتظار، اس کے جلوت میں وقوع کا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام کو اس قوم کا شاہد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جب ان لوگوں نے آپ کو سچا ماننے کے لئے عذابِ الٰہی کی شرط عائد کر دی تو وہ اپنے استکبار کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گھر گئے۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچایا ہے، تمہیں ہر طرح سے نصیحت کی ہے، اور تم مجھ سے اپنے اور اپنے بڑوں کے تجویز کردہ ناموں پر جھگڑتے ہو، مفروضات پر جھگڑتے ہو، اصطلاحات پر جھگڑتے ہو۔ یہ سب گمان کی صورتیں ہیں، اور گمان کسی کو حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ تمہیں اپنی تجویز سے اتنا لگاؤ ہے کہ تم اسے چھوڑنے پر تیار ہی نہیں اور اب میرے سچے ہونے کی دلیل عذاب الٰہی کو ٹھہرا رہے ہو، تو انتظار کرو حتیٰ کہ وہ تم پر واقع ہو جائے، میں بھی منتظر ہوں۔

حاصل : مستکبرین اپنے مفروضات کو، اپنی بنائی ہوئی اصطلاحات کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اپنی تجاویز پر ناصحین سے جھگڑتے رہتے ہیں۔ جب کوئی حق کی سند کے طور پر عذاب الٰہی مانگنا شروع کر دے تو اس کا قصہ تمام ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ خلوت میں ہو چکا ہوتا ہے جلوت میں ہونے والا ہوتا ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

تو ہم نے آپ کو اور ان لوگوں کو جو آپ کی معیّت میں تھے اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی، اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے تھے، اور وہ ماننے والے نہ تھے۔

جب عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی صداقت کی سند کے طور پر عذاب الٰہی مانگ لیا اور انہوں نے یہ کہا کہ ہم تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو ترک نہیں کرسکتے، اور ہم تمہیں نہیں مانتے، اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کا وعدہ دیتے آرہے ہو۔ تو آپ نے فرمایا وہ عذاب تم پر واقع ہو چکا، عنقریب تم پر پڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ساتھ مکذبین سے الگ کر دیا اور مکذبین کی جڑ کاٹ دی۔ ان پر اللہ نے ایسی ہوا بھیجی جس نے انہیں ہلا کر رکھ دیا اور ان کی قوت و قامت انہیں کچھ مدد نہ دے سکی۔ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو اس ہوا کی زد سے باہر کر دینا اور کافروں کو اس ہوا کی زد میں رکھنا قادر مطلق کی ہی شان ہے۔ جو حق کی تکذیب کرتا ہو، اس کے عمل سے اس کی جڑ کٹنے لگتی ہے۔ اور اگر تکذیب مسلسل ہو تو خاتمے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ مومن حق کو مانتا ہے، اس لئے اسے بقاباللہ حاصل ہوتی ہے۔ جسے بقاباللہ مل جائے اس کی جڑ سلامت رہتی ہے۔ مکذّبین حق جب بھی مومنین سے الگ ہو جائیں، تو پھر جلد ہی وہ عذاب کے احاطے میں ہوتے ہیں۔

حاصل : جو شاہد کے ساتھ ہو اور اپنی خواہش کی پیروی نہ کرتا ہو، وہی اللہ کی رحمت سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔ حق کی تکذیب کرنے والوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ حق کی تبلیغ کے بعد جب ماننے والے، نہ ماننے والوں سے الگ ہو جائیں تو نہ ماننے والے جلد ہی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود میں ارشاد فرمایا ہے :

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾

اور یہ عاد ہیں کہ اپنے ربّ کی آیات کے منکر ہوئے، اور اس کے رسل کی نافرمانی کی اور ہر بڑے سرکش عناد رکھنے والے کا اتباع کیا۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔ فرمایا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بے شک تمہارے پاس

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

تمہارے ربّ کی روشن نشانی آچکی۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے۔ تو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین سے کھاتی پھرے، اور اسے برائی کے ساتھ مس نہ کرو، پھر تمہیں المناک عذاب پکڑ لے گا۔

عاد کی ہلاکت کے بعد ثمود کو زمین میں خلافت دی گئی اور حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا گیا۔ آپ نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مخلصین کا پیغام یہی رہا ہے۔ جو اللہ کا ہو جائے، اس کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ رکھتا ہو، وہی حق بندگی ادا کر سکتا ہے۔ پیغام کا ایک ہونا، مخلصین کو ایک ثابت کرنے کی سند ہے۔ آپ نے اس قوم کے مطالبے پر حق کو روشن کرنے کے لئے اور اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے اونٹنی والا معجزہ دکھایا۔ معجزہ وہ حقیقت ہوتا ہے جس کی وضاحت سے انسان عاجز ہو۔ منکرین، معجزہ اس لئے طلب کرتے ہیں کہ معجزہ دکھانے والا یقیناً قادر مطلق سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر ہوتا یہی رہا ہے کہ معجزہ طلب کرنے والے، معجزہ دیکھ لینے کے بعد اسے جادو کہہ کر من مانی کرنے کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ نشانی طلب کی کہ آپ پہاڑ کی ٹھوس چٹان سے حاملہ اونٹنی پیدا کر کے دکھلا دیں، پھر ہم آپ کی صداقت کو مان لیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے اللہ نے وہ اونٹنی پیدا کر دی، جو نہ کسی نر سے پیدا ہوئی نہ مادہ سے پیدا ہوئی، نہ اس کی خلقت تدریجاً کمال کو پہنچی۔ وہ نشانی جو ان لوگوں نے مانگی تھی، وہ ان کے سامنے آگئی تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا، جو تم نے چاہا تھا وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے سامنے آچکا ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی ہے اور یہ تمہارے لئے نشانی ہے۔ اب اس کا ادب بھی تم پر لازم ہے۔ اس نشانی کا ادب یوں کرو کہ اسے کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین سے کھاتی پھرے۔ اسے جب بھی مس کرو بھلائی اور ادب کے ساتھ مس کرو۔ برائی سے مس کرنا یہ ہے کہ اس کو کھانے پینے سے روکو، یا اس کو کسی جگہ دیکھ کر اپنے نقصان کے اندیشے کے تحت، اسے وہاں سے بھگانے کی کوشش کرو۔ اگر ایسا کرو گے، تو تمہیں المناک عذاب پکڑ لے گا۔ جو نشانی تم نے طلب کی ہے، اس نشانی کو اب کسی بھی جگہ اپنے لئے دکھ کا باعث نہ جانو، تو تمہارا بھلا ہو گا، ورنہ عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔

حاصل : مخلصین کا پیغام یہی ہوتا ہے، اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ ناصح کی صداقت کی نشانی طلب کرتے وقت یہ عہد کرنا چاہئے کہ اس نشانی کے دیکھ لینے کے بعد کبھی من مانی کرنے کا مقام نہیں آئے گا۔ مطلوبہ نشانی سامنے آجائے تو پھر اس کا ادب بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اگر اپنی خواہش کو مطلوبہ نشانی کے مقابل زیادہ اہمیت دی جائے تو پھر عذاب واقع ہوتے دیر نہیں لگتی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ

اور یاد کرو جب تمہیں عاد کے بعد خلفاء ٹھہرایا اور زمین میں تمہیں جگہ دی کہ نرم

سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾

زمین میں قصر بناتے ہو، اور پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو۔ تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔

ماضی کی یاد دلانے کا منشاء یہ تھا کہ وہ لوگ ماضی میں ناحق کرنے والوں کے انجام سے بھی باخبر رہیں، اور اپنے بڑوں کے نقش قدم کو بھی دیکھیں، تاکہ یہ واضح ہو کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہئے۔ عاد کے بعد ثمود کو خلفاء بنا کر اللہ نے انہیں بہت آسانیاں عطا فرمائیں اور علم تعمیر میں انہیں اس شرف سے نوازا کہ نرم زمین میں بھی وہ لوگ قصر بناتے رہے اور پہاڑوں میں بھی گھر تراشتے رہے۔ نرم زمین میں گھر بنانے کے لوازمات اور سخت چٹان میں گھر تراشنے کے لوازمات مختلف ہوتے ہیں۔ ان دو انتہاؤں کی مہارت یقیناً بڑی توفیق ہے۔ اور یہ توفیق عطائے الٰہی تھی۔ اس توفیق کے ساتھ ساتھ وہ تمام عناصر جن سے وہ لوگ کام لیتے رہے وہ بھی عطائے الٰہی تھے۔ ضرورت کے احساس سے شروع ہو کر سہولت کے حصول تک تمام مقامات پر دیکھا جائے تو یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم مطلق سے رکھے ہوئے خزانوں کی بدولت حضرت انسان آگے بڑھ رہے ہیں۔ اب منعم حقیقی کا شکریہ ادا نہ کرنا اور اس کی نعمتوں سے استفادہ کرتے رہنا، زمین میں فساد مچانے والی بات ہے۔ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مقابل اپنی خواہشات پر خرچ کرنا ہی زمین میں فساد مچانا ہے۔ اور عطائے الٰہی کو اپنی خواہش کے خلاف اور رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنا ہی اس فساد کو ختم کر سکتا ہے۔

حاصل : اگر حال پر راستہ مشکوک ہو جائے تو ماضی کی طرف دیکھ کر شک کو دور کرنا چاہئے۔ توفیقِ ایزدی کو عطائے الٰہی جان کر شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ اللہ کی نعمتوں کو اس کی رضا کے خلاف اور اپنی خواہش کی پیروی کے لئے استعمال کرنا زمین میں فساد مچانا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

آپ کی قوم کے استکبار کرنے والوں نے ایمان لانے والے کمزور لوگوں سے کہا۔ کیا تمہیں علم ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے رب کے مرسل ہیں۔ کہنے لگے ہمارا تو اس پر ایمان ہے جس کے ساتھ انہیں بھیجا گیا ہے۔

استکبار کرنے والے شیطان کے ساتھ ہوتے ہیں، اس لئے حق کا انکار کرتے رہتے ہیں۔ ایمان لانے والے لوگ استکبار سے بچتے ہیں، اس لئے کہ اسباب پر قدرت کا زعم تو انہیں ہوتا ہی نہیں۔ پھر انہیں جستجو بھی ہوتی ہے کہ حال پر صراطِ مستقیم پر رہنے والے انعام یافتہ حضرات سے میل جول ہو۔ انہیں یہ علم ہوتا ہے کہ راحت کے حصول کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے۔

ثمود میں سے استکبار کرنے والوں نے ایمان لانے والے، غریبوں سے پوچھا۔ کیا تمہیں علم ہے کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں ایمان والوں نے یہ کہا کہ ہم تو اس پیغام پر بھی ایمان رکھتے ہیں، جو ان کی بدولت ہم تک پہنچا ہے۔ جس کی صداقت کا اعتراف ہو اسی کی بات کا اثر قبول کیا جاتا ہے، اور جس کے فرمان سے اپنا رخ سیدھا کیا جائے پھر ظلمات سے نور کی طرف آنے کا شرف حاصل ہو. اس کی صداقت کو قلبًا تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس کی صداقت کو دل مان لے اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ متاع حیات دنیا کی کوئی مقدار پھر کبھی مرعوب نہیں کرتی۔

حاصل : استکبار شیطان کی صفت ہے۔ اس سے اپنے ماحول کو پاک رکھنا چاہئے۔ مستکبرین ایمان والوں سے ان کے مطاع کی صداقت کے بارے میں پوچھیں، تو ایمان والے یہ جواب دیتے ہیں، مطاع کو اللہ نے جس شرف سے نوازا ہے، محدود علم سے اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم تو اس حق پر بھی ایمان رکھتے ہیں، جو ہمارے صاحب کی بدولت ہم تک پہنچا ہے۔ جس کی صداقت کو دل سے مان لیا جائے، اس سے محبت ہو جاتی ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

استکبار کرنے والے لوگوں نے کہا کہ جس پر تم ایمان لاتے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

استکبار کرنے والوں نے جب حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو کامل پایا تو انہوں نے یہ کہا کہ جس پر تم ایمان لاتے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ مستکبرین، حق کے انکار میں یک زبان ہوتے ہیں اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ حق کو ماننے والے ان کی ملت میں لوٹ آئیں۔ انہیں ڈر اس بات کا ہوتا ہے کہ حق کے ماننے والوں کے بڑھ جانے سے، انسانوں کے مابین رشتے خوف سے پاک ہو جائیں گے، لوگوں کے اندر عدم تحفظ کا احساس جڑ نہیں پکڑ سکے گا اور استکبار کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ جب مادے کے مقابل، اخلاقی قدریں کسی کو لائق تکریم ٹھہرائیں تو مادے سے مرعوب ہونے کا سوال ہی کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ اور استکبار تو اس مسلسل کوشش کا نام ہے. جس میں منشاء اپنے ماحول کو اپنی مادی حیثیت سے مرعوب کرتے رہنا ہی ہوتا ہے۔

حاصل : حق کے انکار میں مستکبرین یک زبان ہوتے ہیں۔ انہیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ اگر حق طریق زندگی ہو جائے تو استکبار کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جب مادی حیثیت کے مقابل تکریم، اخلاق حسنہ کے حوالے سے ہو، تو لوگ مادی حیثیت سے مرعوب ہی کیوں ہوں گے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾

پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے امر سے سرتابی کی اور کہنے لگے، اے صالح (علیہ السلام) لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے تھے، اگر تم

مرسلین سے ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کی جو سند ثمود والوں نے طلب کی تھی، وہ اونٹنی تھی، جو ان کے مطلوبہ مقام سے پیدا کی گئی اور جس کے بارے میں یہ ارشاد فرما دیا گیا کہ اسے اللہ کی نشانی جانو اور خبردار رہو کہ اسے برائی سے مس کرنے کے نتیجے میں تمہیں عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔ جب ثمود نے دیکھا کہ جو نشانی انہوں نے طلب کی تھی، وہ ان کی خواہشات کی تکمیل میں حائل ہو رہی ہے تو انہوں نے امر الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی خواہش کی پیروی کی، اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام سے یہ کہنے لگے کہ اگر تم اللہ کے رسول ہو تو اب وہ عذاب لے آؤ جس سے ہمیں ڈرایا کرتے ہو۔ ثمود نے جب اللہ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو درحقیقت انہوں نے اپنی جڑ کاٹ دی۔ جہالت کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ناصح کی صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے وہ نشانی مانگی جائے جس کے آجانے کے بعد تسلیم و فلاح کا امکان ہی نہ رہے۔

حاصل : امرِ الٰہی کے خلاف کرنے کی حقیقت اپنی بیخ کنی ہوتی ہے۔ جاہل سرکشی کی انتہا پر پہنچ کر ناصح سے وہ نشانی مانگتا ہے، جس سے اس کا خاتمہ ہو جائے اور تسلیم و فلاح کا امکان ہی باقی نہ رہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

تو ان کو زلزلے نے پکڑ لیا، پھر صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے ارشاد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ کی اونٹنی کو برائی سے مس کیا، اس کی کونچیں کاٹ دیں، اور حضرت سے یہ کہنے لگے کہ اگر تم اللہ کے بھیجے ہوئے ہو، تو پھر ہم پر عذاب لے آؤ۔ اللہ کا عذاب آیا اور وہ زلزلے کے ساتھ پکڑ لئے گئے۔ پھر وہ بھاگ نہیں سکے اور صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔ جب لوگ حق کی تکذیب کرتے کرتے اپنے انجام سے بے خوف ہو جاتے ہیں تو اللہ کی پکڑ کے قریب پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ جب پکڑ لئے جاتے ہیں تو وہ حق کو مان لیتے ہیں، حق بیان کرنے والے کی صداقت کو مان لیتے ہیں، مگر یہ ماننا عمل کے لئے دی گئی توفیق کے خاتمے کے بعد ہوتا ہے، اس لئے نافع نہیں ہوتا۔ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا نہیں ہوتا۔ قول سچا ہی ہو تو نافع ہوتا ہے۔

حاصل : جب عذاب الٰہی کو ناصح کی صداقت کی سند جان کر طلب کیا جائے، تو عذاب الٰہی کو آتے دیر نہیں لگتی۔ پھر اس سے بھاگ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ قول، عمل کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے، اور سچا ہو تو نافع ہوتا ہے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

تو آپ نے ان سے منہ پھیرا اور فرمایا، اے میری قوم بے شک میں تمہیں اپنے ربّ کا بھیجا ہوا پہنچا چکا، اور تمہیں نصیحت کرتا رہا، لیکن تمہیں ناصحین سے محبت ہی نہیں تھی۔

جب ثمود عذاب الٰہی میں پکڑ لئے گئے اور اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے منہ پھیرا اور فرمایا۔ اے میری قوم بے شک مَیں تمہیں ارشادات ربانی پہنچاتا رہا، تمہیں نصیحت کرتا رہا، تمہیں تمہاری بھلائی کی طرف بلاتا رہا، عذاب الٰہی کی پکڑ سے تمہیں خبردار کرتا رہا۔ لیکن تمہیں ناصحین سے محبت ہی نہ تھی، اس لئے تمہیں نصیحت نے فائدہ نہ دیا۔ ناصح سے محبت ہو تو اس کا ادب کیا جاتا ہے۔ اس کا ادب کیا جائے تو اس کے علم سے استفادہ ممکن ہوتا ہے۔ اگر اسے اپنے جیسا یا اپنے سے کمتر جانا جائے تو پھر اس کے علم سے استفادہ ممکن نہیں ہوتا۔ یہ ارشاد قوم کی ہلاکت کے بعد ہوا۔ ہلاک ہونے والوں کی ہلاکت کا باعث، ناصحین سے عدم محبت بتایا گیا۔ اس سے حال پر موجود لوگوں کو اور بعد میں آنے والوں کو یہ معلوم ہوا کہ جس کی صداقت کو اپنے مشاہدات کے حوالے سے مان لیا جائے، اس کا ادب لازم ہے۔ اس سے محبت کرنی چاہئے۔ محبت ہو تو استکبار کا خاتمہ ہوتا ہے اور اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اپنے صاحب کی صداقت میں محبّ کو کسی مقام پر بھی تضاد نظر نہیں آتا۔ جیسے جیسے وہ نفس امارہ کے امر کے مقابل اپنے صاحب کے امر کو مانتا ہے وہ اپنے صاحب کے قریب ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ طالب، مطلوب ایک ہو جاتے ہیں۔ وجود تو دو ہی نظر آتے ہیں، حقیقت ایک ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا ساتھ ہے جو قیامت کے بعد بھی جاری رہے گا۔

حاصل : جب کسی جگہ اپنا کام پورا ہو جائے تو اپنا حال بیان کرنا چاہئے۔ جس کی صداقت کو اپنے مشاہدات کے حوالے سے مان لیا جائے، اس سے محبت رکھنی چاہئے، اس سے فلاحِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ جس کا ادب ہر مقام پر ہو محبت ہوتی اسی سے ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

اور لوط (علیہ السلام)، جب آپ نے اپنی قوم سے فرمایا، کیا تم وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی۔

حضرت لوط علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا تو آپ نے لوگوں کو اللہ کی عبودیت کی راہ اختیار کرنے کی تاکید کی اور فرمایا، کیا تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے نام کو بھی نہ تھی۔ جو برائی پہلے سننے میں آئی ہو، یا دیکھنے میں آئی ہو، یقیناً اس کا کرنا بھی گناہ ہے۔ مگر کسی برائی کی ابتدا کرنا اور لوگوں کو ان کی خواہشات کے حوالے سے برائی کے جال میں پھنسانا بہت بڑا گناہ ہے، انتہائی بے حیائی ہے اور اپنے انجام سے بے خوف ہونے کی سند ہے۔ جو لوگ کسی بے حیائی کی ابتداء کرتے ہیں، ان کو بھی دعوت خیر دینا حق ہے، اور اس حق کو وہی پورا کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو۔

حاصل : کسی بے حیائی کی ابتداء کرنا، لوگوں کو ان کی خواہشات کے حوالے سے بُرائی کے جال میں پھنسانا، بہت بڑا گناہ ہے۔ مگر ان کو بھلائی کی طرف بلانا، ان کے حال اور مستقبل کو ان پر واضح کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضروری ہے۔ ہمیں بُرائی سے ضرور دور رہنا چاہئے۔ مگر بُرائی سے دوری

کے معنی، برے سے دوری کے نہ ہوں ورنہ بھلائی کرنے والے پر جو حق عائد ہوتا ہے، اس کی ادائیگی محال ہو جائے گی، اور بھلائی کرنے والے سے اس کے حق کی پوچھ تو ضرور ہوگی۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

تم تو عورتوں کے مقابل مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو۔ بلکہ تم اسراف کرنے والی قوم ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تم شہوت کے مارے، عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر دوڑتے ہو۔ بلکہ تم اسراف کرنے والے لوگ ہو۔ جو عطا معطئ مطلق کی طرف سے بقاء نسل کے لئے ہے، اس کے استعمال میں حدود شرعی سے تجاوز کرنا اور عملاً بقاء نسل کے منشاء کا ہی انکار کر دینا یقیناً اسراف ہے۔ مسرفین افادیت کے مقابل لذت کو مقصود ٹھہرا لیتے ہیں۔

حاصل : حسبِ اجازتِ شرع، عورت کے پاس بقاء نسل کے منشاء کے ساتھ شہوت سے جانا، امر الٰہی کی اطاعت کرنا ہے۔ مردوں کے پاس شہوت سے جانا، عطائے الٰہی کو اپنی خواہش کی پیروی میں ضائع کرنا ہے، اسراف ہے اور حدود اللہ سے تجاوز ہے۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور آپ کی قوم کا جواب کچھ نہ تھا، مگر یہی کہ نکالو ان کو اپنے قریئے سے یہ لوگ تو پاکیزگی ہی چاہتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بیان کو سن کر آپ کی قوم نے کچھ جواب نہ دیا۔ ان کے چپ رہنے سے یہ واضح ہو گیا کہ انہیں حضرت کے بیان سے انکار نہیں ہے، مگر یہ اس برے فعل سے باز آنے کو بھی تیار نہیں ہیں جس سے انہیں روکا جا رہا ہے۔ جب کسی عمل کے برے ہونے کا یقین ہو اور اس کو چھوڑنا بھی گوارہ نہ ہو تو پھر اس عمل کو برا کہنے والے کو دور کرنا بہت ضروری نظر آنے لگتا ہے، تاکہ خواہشات کی پیروی میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان اصلاح کرنے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرنا چاہئے۔ یہ تو پاکیزگی کے علاوہ کچھ چاہتے ہی نہیں ہیں۔ جب پاکیزگی کا پتہ ہو اور ناپاکی کے ساتھ ایسا لگاؤ کہ پاکیزگی پر عمل پیرا حضرات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے تو پھر عمل کے لئے دی گئی توفیق قریب الاختتام ہوتی ہے۔

حاصل : اپنا حال ناصح کی زبان پاک سے سن کر کچھ جواب نہ دیا جائے، تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ برائی کے ارتکاب کا اقرار تو ہے مگر اسے چھوڑنے سے صریحاً انکار ہے۔ جب برائی سے ایسا لگاؤ ہو تو پھر پاکیزگی کی طرف بلانے والوں کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

فَأَنجَيْنَٰهُ وَأَهْلَهُۥٓ إِلَّا ٱمْرَأَتَهُۥ كَانَتْ مِنَ ٱلْغَٰبِرِينَ ﴿٨٣﴾

تو ہم نے آپ کو اور آپ کے اہل کو نجات دی، سوائے آپ کی عورت کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہوئی۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو جس انجام سے آگاہ کیا تھا، اس کے وقوع سے قبل اللہ نے آپ کو اور آپ کے سب اہل کو اس قریئے سے نکال لیا۔ مگر آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہ تھی اس لئے وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہوئی۔ جو حال پر عملاً ساتھ نہ ہو وہ نتیجے کے وقت کبھی ساتھ نہیں رہ سکتا جس کو مخلصین سے قرب مکانی حاصل ہو، اور دل اس کا کافرین سے لگا ہوا ہو، وہ مخلصین کے ساتھ نظر بھی آئے تو حقیقتاً وہ ان کے ساتھ نہیں ہوتا۔ ساتھ تو محبت سے ہوتا ہے۔ جس سے محبت ہو اس کا ساتھ ہوتا ہے، اور محبت کسی فاصلے کو نہیں جانتی۔

حاصل : جو حال پر عملاً ساتھ ہو وہ انجام کے وقت بھی ساتھ ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ محبت ہو وہ کہیں بھی ہو، لگاؤ اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ قرب مکانی کبھی "ساتھ" کی سند نہیں ہوتا۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلْمُجْرِمِينَ ﴿٨٤﴾

اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا۔ تو دیکھو مجرمین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل کے نکال لینے کے بعد، جن میں آپ کی بیوی شامل نہ تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قوم پر پتھروں کی بارش کی گئی اور انہیں مٹا کر رکھ دیا گیا۔ پھر مجرمین کو کہیں پناہ بھی نہ ملی، اور وہ بھاگ بھی نہ سکے۔ مجرم اور مسلم کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ مجرم حق کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے، مسلم اپنی خواہش کے مقابل حق کا اتباع کرتا ہے۔ جن کا عمل ایک رخ پر نہ ہو، ان کا انجام بھی ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ مجرمین کا انجام یقیناً عبرتناک ہوتا رہا ہے۔ اس انجام سے بچنے کے لئے، مجرمین کے ساتھ سے اجتناب ضروری ہے۔

حاصل : جہاں رخ حق کے خلاف ہو، وہاں انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ اس لئے توفیق الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنے میں ہی فلاح دارین ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں ارشاد فرمایا ہے :

كُلَّ مَا جَآءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ ۚ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم بَعْضًا وَجَعَلْنَٰهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٤﴾

جب کسی امت کے پاس اس کے رسول تشریف لائے، انہوں نے اس کو جھٹلایا، تو ہم نے اگلوں سے پچھلے ملا دئے اور انہیں کہانیاں کر ڈالا۔ تو دور ہوں وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸۵

(علیہ السلام) کو بھیجا۔ فرمایا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی روشن نشانی آچکی ہے۔ تو ناپ اور تول کو پورا رکھو، اور لوگوں کی اشیاء انہیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ مچاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین والوں کی طرف بھیجا گیا۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم، اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ میری رسالت کی یقینی نشانی تمہارے سامنے تمہارے رب کی طرف سے آچکی ہے۔ اب تمہیں تسلیم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس لئے میرا کہا مانو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ ناپ اور تول کو پورا رکھو۔ لوگوں کو ان کی اشیاء گھٹا کر نہ دو۔ زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔ یہ باتیں تمہارے ایمان کو ثابت کریں گی۔ ناپ اور تول کو پورا رکھنا یہ ہے کہ لین دین میں معروف معیاری پیمانے استعمال کئے جائیں، اور لوگوں کو ان کی اشیاء پوری دی جائیں۔ خرید و فروخت کے پیمانے الگ الگ نہ ہوں۔ پیمانے اس طرح استعمال نہ کئے جائیں کہ لینے والے کو بظاہر ٹھیک نظر آئیں مگر دینے والا حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہوئے ناجائز منافع کما رہا ہو۔ معاشرتی معاملات میں لوگ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہوں، دوسروں کے حقوق کی حفاظت کو اللہ کی بندگی کے لوازمات سے جانتے ہوں، اپنے ساتھ زیادتی ہو جائے تو متانت کے ساتھ صبر کریں تو یہ سب باتیں زمین میں اصلاح کو روشن کرتی ہیں۔ اگر اپنی خواہش کی پیروی کے لئے باہمی اعتماد کو مٹانے کی کوشش کی جائے، لیتے وقت زیادہ لینے کی تگ و دو ہو، دیتے وقت گھٹا کر دینے کی سعی ہو۔ اپنے ساتھ زیادتی ہو تو شور مچا دیا جائے اور دوسروں کے ساتھ زیادتی نظر آجائے تو خاموشی اختیار کر لی جائے۔ تو یہ سب باتیں زمین میں فساد کو ثابت کرتی ہیں۔ مومنین کا حق یہی ہے کہ وہ اصلاح کو مستحکم کریں اور فساد کو جڑ نہ پکڑنے دیں۔ اللہ کی بندگی حقوق العباد کے بغیر ہو تو ایمان کا دعویٰ سچا نہیں ہوتا۔

حاصل : پیغامِ حق ایک ہی ہوتا ہے۔ اس میں حال پر لوگوں کو فساد سے بچنے کی تاکید کی جاتی ہے اور اصلاح کو مستحکم کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اللہ کی بندگی صرف قول سے نہیں ہوتی، اس کے لئے ضروری ہے کہ قولی عبادت کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو اس طرح پورا کیا جائے کہ باہمی معاملات درست رہیں اور باہمی اعتماد کو نقصان پہنچانے والی حرکات و سکنات لوگوں پر اس طرح واضح کی جائیں کہ انہیں ان سے کراہت ہو جائے۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور راستوں پر یوں نہ بیٹھو کہ لوگوں کو ڈراؤ، اور انہیں اللہ کی راہ سے روکو جو اس پر ایمان لائے، اور اس میں کجی چاہو۔ اور یاد کرو جب تم قلیل تھے تو اس نے تمہیں کثیر کیا، اور نظر کرو مفسدین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

راستوں کو غیر محفوظ بنانے کی کوشش کرنے والے مفسد ہوتے ہیں، اور لوگوں کو ڈرا کر معاشرتی زندگی میں اصلاح کو مٹانے پر کمربستہ رہتے ہیں۔ پاک لوگوں کو ڈرانے کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ انہیں نیکی سے روکا جائے، انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کی جائے اور جس حوالے سے وہ بات کرتے ہوں، جس حوالے سے وہ اپنے اعمال کی اصلاح کرتے ہوں اس حوالے تک پہنچنے کا راستہ روک دیا جائے۔ پھر اس حوالے میں عیب نکالے جائیں اس پر نکتہ چینی کی جائے۔ لوگوں کو شبہات میں پھنسایا جائے۔ قریب کے فائدے دکھائے جائیں اور حقیقی فائدوں کو مفروضات ثابت کیا جائے۔ ان سب باتوں کا مقصد اللہ کی راہ میں کجی چاہنا ہوتا ہے۔ کسی بھی راستے پر بیٹھنے کا منشاء راہ گیروں کو آسانی مہیا کرنا ہو تو بڑی نیکی ہے۔ اور اگر اس کا مقصد لوگوں کو ڈرانا ہو تو یہ بہت بڑی برائی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ماضی یاد دلایا کہ تم قلیل تھے اور اللہ نے تمہیں کثیر کر دیا۔ قلیل ہونے کی وجہ سے تمہارے جو مسائل تھے وہ اللہ نے تمہیں کثرت دے کر حل کر دئے اور تمہاری اجتماعی زندگی میں قوت آگئی۔ اس قوت کے ساتھ اگر زمین میں فساد برپا کرو گے تو پہلے مفسدین کے انجام پر بھی نظر رکھو۔ وہ تم سے قوت میں کم نہیں تھے۔ ان کے انجام سے عبرت پکڑنا تمہارے لئے باعث فلاح ہے، ورنہ تم بھی اسی انجام کو پہنچو گے۔

حاصل : مفسدین راستوں کو غیر محفوظ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے، مخلصین تک پہنچنے کے راستوں کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لوگوں کو شبہات میں پھنسا کر گمراہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ صحت مند افراد کی تعداد میں اضافہ ہو تو یہ بڑی رحمت و برکت کی بات ہے۔ تعداد کوئی ہو، اللہ کی قدرت کے احاطے سے باہر نہیں ہوتی۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان لایا ہے، جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ نے نہیں مانا ہے، تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہمارے مابین حکم فرما دے، اور سب سے بہتر حکم کرنے والا وہی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا کہ پیغام حق کو سن کر تم لوگ بٹ گئے ہو۔ ایک گروہ حق کو مان رہا ہے، اور ایک گروہ انکار کر رہا ہے۔ تو اب باقی یہی رہ گیا ہے کہ انتظار کیا جائے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ آ جائے۔ سب سے بہتر فیصلہ تو اسی کا ہوتا ہے۔ حق پر ایمان لانے والے اپنے اعمال کی جزا کا یقین رکھتے ہیں، اس لئے اعمال کی اصلاح کا یقینی راستہ اختیار کرنا انہیں اپنی ضرورت معلوم ہوتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والے جزا کا انکار کرتے ہیں۔ حق بیان کرنے والے کی صداقت کی سند کو دیکھ لینے کے بعد وہ اپنی خواہشات کی پیروی کو ضروری جانتے ہیں۔ جہاں یہ دونوں گروہ واضح ہو جائیں اور الگ الگ ہو جائیں، وہاں اللہ تعالیٰ کا حکم آنے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بھلائی کرنے والے بھلائی کا انجام پاتے ہیں، برائی کرنے والے برائی کا عبرتناک انجام پاتے ہیں۔ جب استدلال کی گنجائش ہی نہ رہے، تو پھر لوگوں کو انجام کا انتظار کرنے کو ہی کہا جا سکتا ہے۔ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے کی شان ملاحظہ ہو کہ اس کا فیصلہ کبھی خواہش کے تابع نہیں ہوتا۔ اس کا فیصلہ ظلم سے پاک ہوتا ہے۔ عالمین کو پہلے بتا دیا جاتا ہے کہ انعام یافتہ حضرات کی معیّت باعث فلاح ہے اور ان سے عدم محبت باعث خسران ہے۔ انہیں مہلت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے دعاوی کے مطابق عمل کر سکیں۔ وہ اپنے تجربات، مشاہدات کی بنا پر حق کو مان لیں یا نہ مانیں، پھر شاہد ان کے حال پر شہادت دیتا ہے اور وہ اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔

حاصل : انعام یافتہ حضرات کا ساتھ ہی باعث فلاح ہوتا ہے۔ جہاں لوگ استدلال کو ماننے سے انکار کر دیں، تو پھر انہیں انجام کا انتظار کرنے کو کہنا چاہیئے۔ ہمارے فیصلے کو بھی ہمارے عبداللہ ہونے کا مظہر ہونا چاہیئے۔ اس میں ذاتی رنجش کبھی نہ ہو، خواہش کبھی نہ ہو اور جلد بازی کبھی نہ ہو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝۸۸

آپ کی قوم کے استکبار کرنے والے سرداروں نے کہا، اے شعیب (علیہ السلام) ہم آپ کو اور آپ کے ایمان والے ساتھیوں کو یقیناً اپنے قریئے سے نکال دیں گے، یا آپ ہماری ملت میں لوٹ آئیں۔ فرمایا، کیا اگرچہ ہمیں اس سے کراہت ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے استکبار کرنے والے سرداروں نے کہا، اے شعیب (علیہ السلام) ہم یقیناً آپ کو اور آپ کے ایمان والے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے۔ ہماری بستی میں رہنے کی آپ کے لئے اور آپ کے مومن ساتھیوں کے لئے ایک ہی صورت ہے کہ آپ لوگ ہماری ملت میں لوٹ آئیں۔ ملت، عقائد سے بنتی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔ اس لئے حکم خداوندی کے مطابق اظہار حق سے پہلے بھی ان کی حیات طیبہ میں کوئی بات پاکیزگی کے خلاف نہ تھی۔ مگر اظہارِ حق سے پہلے لوگ ان کو اپنے جیسا جانتے تھے، اس لئے ماضی کی اس کیفیت کی بات کر رہے

تھے۔ اس لوٹ آنے کے معنی یہی ہیں کہ جو کچھ ہو رہا تھا اس پر آپ پہلے خاموش تھے، اب بھی آپ کو خاموش رہنا چاہئے ورنہ ہم آپ کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اس کے جواب میں حضرت نے ارشاد فرمایا : ہمیں تو اس ملت سے کراہت ہے، جس کا طریق زندگی کفر، فسق اور عصیاں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ پاک لوگوں کی حیات طیّبہ کو دیکھنے والے اس پر گواہ رہے ہیں اور رہیں گے کہ ان کے ہاں تسلیم سے لے کر وصال تک کہیں بھی حق کی ادائیگی کسی سہولت سے مشروط نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفالت کا یقین ہر مقام پر باعث استقامت ہوتا ہے۔

حاصل : قوم کا عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ملت ضرور عقائد سے بنتی ہے۔ کافر ہمیشہ اپنی ملت کے لئے مخلصین کی موجودگی میں خطرات محسوس کرتے ہیں، اس لئے انہیں اپنی ملت میں لوٹ آنے کو کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ الگ کر دینے کی، مقاطعہ کر دینے کی اور سہولتیں چھین لینے کی دھمکی بھی ہوتی ہے۔ مگر رشد و ہدایت والے ہمیشہ کفر سے، فسق سے اور عصیاں سے کراہت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کفیل ماننے والوں کو جو استقامت ملتی ہے، وہ بیان میں نہیں آ سکتی، محسوس ہی کی جا سکتی ہے۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

اگر ہم تمہاری ملّت میں لوٹ آئیں، تو یقیناً یہ اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والی بات ہو گی، بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی ہے۔ اور ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم اس میں لوٹ آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا ربّ ہے۔ ہمارے ربّ کا علم ہر شے پر وسیع ہے۔ ہم نے اللہ پر توکل کیا۔ اے ہمارے ربّ، ہمارے اور ہماری قوم کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کر دے، تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی اس دھمکی کے جواب میں کہ اگر آپ ہماری ملت میں لوٹ کر نہ آئے تو ہم آپ کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یہ ارشاد فرمایا۔ اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والوں کی ملت میں جو بھی شامل ہو گا، وہ

یقیناً ان کا ساتھی ہو گا۔ قولاً بھی، عملاً بھی۔ جو لوگ اپنے ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں وہ اندھیرے میں رہتے ہیں۔ جو حق کی پیروی کرتے ہیں وہ نور والے ہوتے ہیں۔ نور والوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ظلمات کی طرف لوٹ جائیں۔ مشیّتِ الٰہی کے سامنے کسی کی مجال ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ ہر شے کا خالق ہے اور عالمین کی ربوبیت کرتا ہے۔ کوئی شے اس کے احاطۂ علم سے باہر ہو، یہ ممکن نہیں۔ جب ہر شے پر اس کا علم وسیع ہے تو پھر ہر شے کا صحیح استعمال اس کے فرمان کی اطاعت سے ہی ممکن ہے۔ جس شے کا استعمال بھی ظن و گمان سے ہو گا اور خواہش کے تحت ہو گا، اس سے کبھی سکھ نہیں ملے گا۔ اگر وقتی طور پر اس میں کچھ فائدہ بھی نظر آ رہا ہو تو اس فائدے کے پیچھے بہت بڑا نقصان ضرور موجود ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہاری اس دھمکی کے جواب میں ہم اپنا حال بیان کرتے ہیں، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے اللہ پر توکل کیا۔ حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ ہمیں درکار تھا، اس کی طرف سے عطا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اس کے علاوہ کوئی معطیٔ مطلق نہیں ہے۔ اس لئے یہ ڈر بالکل نہیں ہے کہ اللہ کی مشیت کے خلاف ہم پر کوئی مصیبت آ جائے گی۔ اس کے بعد آپ نے دعا کی اے ہمارے رب، ہمارے اور ہماری قوم کے مابین فیصلہ کر دے تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کے بعد کسی کا ظلمات سے نور کی طرف آنا ممکن نہیں تھا کہ آپ نے نتیجے کے لئے دعا کر دی تھی۔ اس قوم کو عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو چکی تھی۔

حاصل : مکذّبین حق اپنی ملّت میں لوٹ آنے کی دعوت دے رہے ہوں، تو جواب میں یہی کہنا چاہئے کہ یہ ہمیں زیب نہیں دیتا، ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں، وہی معطیٔ مطلق ہے۔ جب منکرین حق اپنے عقائد کو چھوڑ کر حق کو ماننے کا قطعی انکار کر دیں، تو پھر یہ دعا کرنی چاہئے۔ "رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٨٩﴾"

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿٩٠﴾

اور آپ کی قوم سے کافر سرداروں نے کہا، اگر تم شعیب (علیہ السلام) کا اتباع کرو گے، یقیناً تم خسارے میں رہو گے۔

کافر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے والوں سے یہ کہا کہ اگر تم حضرت کا اتباع جاری رکھو گے تو تم یقیناً خسارے میں پڑو گے۔ یہ تو ناپ اور تول کو پورا رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ ان کا حکم ہے کہ لوگوں کو ان کی اشیاء گھٹا کر نہ دو۔ یہ ہمارے طریقے کو فساد بتاتے ہیں۔ مگر تم یہ تو دیکھو کہ اگر تم اکثریت کے رویئے سے ہٹ کر چلو گے تو کہاں تک چل سکو گے۔ اگر تم اپنے ایمان کا ثبوت دیتے ہوئے ناپ اور تول کو پورا رکھو گے، لوگوں کو ان کی اشیاء گھٹا کر نہ دو گے تو یقیناً تم ہمارے مقابل تجارت میں خسارہ اٹھاؤ گے، اور اسی راستے پر چلتے رہنے سے یہ خسارہ انتہائی بھی ہو سکتا ہے۔

حاصل : حق کے خلاف باتیں کرنے والے لوگ، حق پر قائم رہنے والوں کو اپنے مقابل خسارے میں دیکھتے ہیں اور مومنین پر اپنے احساس کو واضح بھی کرتے ہیں۔ جہاں وقتی اور قلیل فائدہ نظر میں ہو اور حقیقی اور دائمی فائدہ نظر میں نہ ہو، وہاں سے نصیحت لینا، خسارے کو اپنے لئے مقدّر کرنا ہے۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿۹۱﴾

پھر انہیں زلزلے نے پکڑ لیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان نہ لانے والوں نے جب آپ کی مخالفت کو اپنا طریق زندگی بنالیا اور لوگوں کو بہکاتے ہوئے یہ کہنے لگے۔ کہ شعیب علیہ السلام کی پیروی کا انجام تو خسارہ ہی ہو سکتا ہے، تو حضرت نے یہ دعا کی کہ یااللہ ہمارے اور ہماری قوم کے مابین، ہمارے اعمال کے نتیجے کو، حق کے ساتھ کھول دے۔ اس کے بعد منکرینِ حق کو زلزلے نے پکڑ لیا، اور صبح کو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

حاصل : جب اعمال حق کے خلاف ہوں تو ان کے نتائج سے بھاگ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ توفیق دینے والا ہی جزا بھی دیتا ہے۔ اگر جزا فلاح کی صورت میں مطلوب ہو، تو ایمان کے ساتھ صالح اعمال کو اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡهَا ۚۛ اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا کَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۹۲﴾

شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کرنے والے گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا وہی خسارے والے ہوئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے کافر سردار اور ان کے ساتھی حق کی تکذیب کرتے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو ان کے اعمال کے انجام سے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر وہ لوگ تو آپ کی پیروی کو باعث خسارہ جانتے تھے اور خلاف حق کرنے میں انہیں بھلائی نظر آتی تھی۔ اس لئے وہ تیزی کے ساتھ اپنے انجام کی طرف بڑھ رہے تھے، حتیٰ کہ وہ زلزلے میں پکڑ لئے گئے، اور اس طرح مٹا دیئے گئے کہ گویا کبھی وہاں تھے ہی نہیں۔ وہ جو حضرت کی پیروی کو باعث خسارہ بتاتے تھے، ان کا انجام یہ واضح کر رہا تھا کہ خسارے کا باعث حضرت کی عدم پیروی ہے۔

حاصل : حق کی تکذیب کرنے والے ایسے مٹا دیئے جاتے ہیں، جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ مخلصین کی مخالفت باعث خسارہ ہوتی ہے۔ جس کی بات، سننے والوں کی بھلائی کے لئے ہو اور اس کی خواہش کے تحت نہ ہو، اس کی بات کو ادب سے ماننا چاہیئے۔

فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَقَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَکُمۡ ۚ فَکَیۡفَ

تو آپ نے ان سے منہ پھیرا اور فرمایا۔ اے میری قوم، یقیناً میں تمہیں اپنے رب کا بھیجا

ءَاسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ ﴿۹۳﴾

ہوا پہنچا چکا اور تمہیں نصیحت کرتا رہا، تو اب انکار کرنے والوں پر کیا افسوس کروں۔

یہ منکرینِ حق کے انجام پر گواہ ہونے کا مقام ہے۔ شاہدین، حق انذار ادا کرتے ہوئے منکرین حق کو ان کے انجام سے پوری طرح آگاہ کرتے ہیں۔ حق کے پہنچانے پر اور نصیحت کرنے پر، لوگوں کی مخالفت انہیں متاثر نہیں کرتی۔ وہ حکمِ الٰہی کی اطاعت بہرحال کرتے ہیں، اور انجام پر گواہ ہونے تک ان کا کام جاری رہتا ہے۔ حق کو پہنچانا حکمِ خداوندی سے آگاہ کرنا ہے، اور عملاً حکمِ خداوندی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے کی دعوت دینا، انہیں نصیحت کرنا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی انکار کی راہ اختیار کرتا ہے، تو وہ بھول کر گرفتار عذاب نہیں ہوتا۔ اسے ناصحین سے محبت نہیں ہوتی۔ وہ ان کی معیّت کو باعث خسارہ جانتا ہے۔ اس لئے اس کے انجام پر انہیں افسوس کیوں ہو۔

حاصل: شاہدین انجام کے واقع ہونے تک منہ نہیں پھیرتے۔ اور حق کی ادائیگی میں لگے رہتے ہیں۔ ہمیں بھی شاہدین کی معیت میں رہنا چاہئے اور حق کو سن کر عقل کرنی چاہئے۔

شہادت: حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ اور تول کے پورا رکھنے کا حکم دیا اور عدم اطاعت کے نتیجے سے بھی آگاہ کر دیا اور بتا دیا کہ منکرین حق عذاب کے احاطے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ منکرین نے کہا ہم تمہیں ضعیف دیکھتے ہیں اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو تمہیں سنگسار کر دیتے۔
وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ ﴿۹۱﴾
اور تم ہم پر کچھ عزت والے نہیں۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ يَضَّرَّعُوۡنَ ﴿۹۴﴾

اور ہم نے کسی قریئے میں نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے اہل کو سختی اور تکلیف میں پکڑا، تاکہ وہ گڑگڑائیں۔

حق کی طرف مائل ہونے میں مدد دینے کے لئے۔ مشاہدات کے حوالے سے قدرتِ الٰہی کے سامنے اپنی بساط کا تعین کرنے کے لئے، لوگوں کو ایسے حالات سے گزارا جاتا ہے، جہاں وہ سختی اور تکلیف سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی ذات کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا غلبہ نظر آتا ہے، اپنی ذات کے باہر بھی ایسی بے بسی نظر آتی ہے، جس کو فکرِ انسانی سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ اندر بھی بے بسی کا احساس ہو، باہر بھی بے بسی نظر آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے اور گڑگڑانے میں ہی اپنی نجات نظر آتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مطلق قدرت کا اور اس کے سامنے اپنے مطلق عجز کا یقین قائم رہے، تو حق سے اعراض کا امکان نہیں رہتا۔ انبیاء کرام کی بعثت کے وقت، لوگوں کو ایسے سہارے دیئے جاتے رہے ہیں، جن سے معیّتِ حق میں یقین سے رہنا آسان ہو جاتا ہے۔

حاصل : سختی اور تکلیف کے وقت گڑگڑانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی مطلق قدرت کو ماننے کا ثبوت، خلوت وجلوت میں حق کا تعین ہے۔ اپنی پسند کو اہمیت نہ دینے میں سلامتی ہے۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوا وَّقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٥﴾

پھر ہم نے دکھ کی جگہ سکھ دے دیا، حتیٰ کہ وہ بہت بڑھ گئے اور کہنے لگے، کہ تکلیف اور خوشی تو ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتی رہی ہے، تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا، اور انہیں شعور نہ تھا۔

دکھ کے وقت انسان، اپنے اندر اور باہر بے بسی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، اور قادرِ مطلق سے دکھ کے دور کرنے کی دعائیں بھی کرتا رہتا ہے۔ تضرع کے ساتھ اظہارِ عبدیت کرتا ہے۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانیاں عطا فرما دی جاتی ہیں تو ایک وقت کے بعد جب دل و دماغ میں بہت اطمینان ہو جاتا ہے تو ماضی کی سختی اور تکلیف میں گڑگڑانا بھی یاد آتا ہے۔ مگر ماضی کے تضرع پر یہ کہا جاتا ہے کہ تکلیف اور خوشی تو پہلے لوگوں کو بھی ہوتی رہی ہے۔ یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھنے کا رویہ درست نہیں تھا۔ یہ بیان ماضی کے تضرع کو بے حقیقت ثابت کر دیتا ہے۔ سختی اور تکلیف کے وقت فکرِ انسانی کو عاجز دیکھ کر ہی گڑگڑانے کا مقام آتا ہے، اور تضرع ہمیشہ شعور سے ہی ہوتا ہے۔ اگر آسانیوں کو دیکھا جائے، اور آسانیاں عطا کرنے والے کو نہ دیکھا جائے تو عطائے الٰہی کی ناشکری ضرور ہوتی ہے اور اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔ اس مقام پر پہنچ جانے والا اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس نے حق کو قبول کرنے کا عہد توڑ دیا ہے۔ پھر اسے اچانک پکڑ لیا جاتا ہے۔

حاصل : سختی اور تکلیف میں تضرع کے ساتھ قادرِ مطلق کو ماننا دعویٰ ہوتا ہے اور یہ دعویٰ تبھی سچا ثابت ہوتا ہے جب عطائے بے بہا کے وقت معطئ مطلق کو دیکھا جائے، اور سعی اس کی رضا کے حصول کے لئے ہو۔ جو حق کو تسلیم کرنے کے دعوے کو ہی قطع کر دیتا ہے، اسے اچانک پکڑ لیا جاتا ہے اور اسے شعور بھی نہیں ہوتا۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے، تو ضرور ہم ان پر آسمانوں سے اور زمین سے برکات کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے تکذیب کی، تو ہم نے انہیں ان کے کسبوں پر پکڑ لیا۔

حق کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہوا ہے۔ اس کو ماننا اسی صورت میں ممکن ہے، جب اپنی خواہش کی پیروی نہ کی جائے، جزا کا یقین ہو اور مخلصین سے محبت ہو۔ یہ سب ایمان لانے کے لوازمات ہیں۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ حق کی ادائیگی کے بعد بھی یہ احساس قائم رہے کہ مخلصین کی معیت کا حق ادا نہیں ہوا۔ جہاں یہ مقامات آجائیں، وہاں اللہ بندوں سے راضی ہو جاتا ہے اور بندے اللہ سے راضی ہو جاتے ہیں۔ آسمانوں سے بھی برکات کا نزول ہونے لگتا ہے، زمین سے بھی برکات کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ آسمان سے راحت افزا نعمتوں کا نزول ہو، زمین سے وہ کچھ ملنے لگے جو پہلے نہیں مل رہا تھا اور جس سے امن و سلامتی بڑھے، تو یہ برکتوں کے دروازے کھل جانے کا ثبوت ہوتا ہے۔ کھولتا وہی ہے جو برکات کا مالک ہے۔ مگر جب لوگ حق کو جھٹلانے پر ہی اپنی قوت صرف کرنے لگیں اور ان کا رخ ناشکری کا ہی رہے، تو پھر وہ ایک وقت کے بعد اپنے اعمال کے نتیجے کی صورت میں پکڑ لئے جاتے ہیں، آسمانوں اور زمین سے برکات کے دروازے ان پر بند ہو جاتے ہیں، اس گرفت سے بھاگ جانا بھی ان کے بس میں نہیں ہوتا۔

حاصل : معاشرتی زندگی میں ایمان وتقویٰ کو قائم رکھنا، برکتوں کا باعث ہوتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والوں پر برکتوں کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اور انہیں ان کے کئے پر پکڑ لیا جاتا ہے۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾

اب کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آئے، جب وہ سوتے ہوں۔

جن اسباب کی بنا پر پہلی اقوام پر عذاب آتے رہے ہیں، وہ اسباب جہاں موجود ہوں گے، وہاں عذاب کی آمد کو کون روک سکے گا۔ بستیوں والے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور رات کو سونے سے پہلے اپنے اعمال پر نظر کریں، کہ کیا ہمارے کسی عمل میں اللہ سے بےڈر ہونے والی کیفیت تو نہیں تھی۔ اگر نہیں تھی، تو اللہ سبحانہ کا شکریہ ادا کریں، ورنہ توبہ کریں اور آئندہ اپنی حفاظت پر پوری نظر رکھیں، تلاوت الوجود کی یہ صورت تاحیات قائم رہے۔

حاصل : رات کو سونے سے پہلے اپنے اعمال پر نظر کرنی چاہئے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے میں کسی مقام پر کوتاہی نظر آئے تو توبہ کرنی چاہئے، اور آئندہ اپنی حفاظت کے تقاضے کو بہتر طور پر پورا کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾

یا کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آئے اور وہ کھیل رہے ہوں۔

ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنا ہمیشہ باعث فلاح ہوتا ہے۔ کئی اقوام پر دن چڑھے عذاب آچکا ہے، جب وہ کھیل کود میں مصروف تھیں۔ اب جہاں ان اقوام کے اعمال سے مماثلت موجود ہوگی تو انجام بھی ویسا ہی ہو گا۔ کھیل وغیرہ بھی ایسا ہونا

چاہئے، جس میں اللہ سے ڈرنے کا مقام موجود ہو۔ مثلاً مومن جہاد کی تیاری کے لئے بچوں اور بڑوں کو ایسے کھیل کھلائیں جس سے ان کے اندر استقامت کے ساتھ حق کو ادا کرنے کی صلاحیت بڑھے، تو یہ اللہ سے ڈرنے کی سند ہوگی، یہ کھیل غافل لوگوں کا کھیل نہیں ہو گا۔

حاصل : کھیل کچھ وقت کے لئے ہونا چاہئے اور کھیل کا وقت دن چڑھے نہیں ہونا چاہئے۔ کھیل حق کی ادائیگی میں صلاحیت کو بڑھانے کے لئے ہو۔ دشمن کے طریقوں، اس کے آلات اور قوت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ اپنے اعمال پر نظر رہے کہ ماضی میں عذاب پانے والوں سے مماثل نہ ہوں۔ کھیل کا علم سکھانے والے مخلصین سے ہوں تو کھیل میں بھی استکبار کا مقام نہیں آئے گا۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کی خفی تدبیر سے۔ اور اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر خسارے میں پڑنے والے۔

مکر، وہ خفی تدبیر ہوتی ہے، جو مخالف کو مغلوب کرنے کے لئے ہو۔ اس کا تعلق علم سے ہوتا ہے۔ جس کا علم بڑا ہو گا، اس کی تدبیر بھی بڑی ہوگی۔ اللہ کا علم سب سے بڑا ہے، اس لئے اس کی تدبیر بھی سب سے بڑی ہوتی ہے۔ اس کے مکر سے پہلی اقوام خلاف حق کرنے کی بنا پر خسارے میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ اب اگر کوئی خلاف حق کرتا ہے تو اسے بھی اللہ کی خفی تدبیر کا ڈر رہنا چاہئے۔ اللہ کے مکر سے نہ ڈرنے والے ہمیشہ خسارے میں پڑتے ہیں۔ انسان اگر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے زمین میں اپنی بڑائی دکھانے لگے اور مخلصین کو مغلوب کرنے کے لئے بُری تدبیریں کرے تو پھر اللہ کی سنت یہی ہے کہ اسے وہاں سے پکڑ لیا جاتا ہے، جہاں سے پکڑے جانے کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کی سنت کبھی بدلتی نہیں۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والوں کو اپنی تدبیروں کے موثر ہونے کا بڑا گمان ہوتا ہے۔ خسارے کی طرف بڑھنے والے یہ دیکھ لیں کہ علیم مطلق کی خفی تدبیر کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا، تو وہ خسارے میں پڑیں ہی کیوں۔ خسارے میں پڑنے والے اپنے علم کو اور اپنی قدرت کو اللہ کے علم اور اس کی قدرت کے سامنے رکھ کر نہیں دیکھتے اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں۔ اور ان کا نڈر ہونا ان کے لئے باعث خسران ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ اس کی خفی تدبیر سے بچ نکلنا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ اپنے علم کو اور اپنی قدرت کو اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے اور اس کی قدرت کے سامنے ہیچ جاننا چاہئے، ورنہ خسارے سے بچ جانا ممکن نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنا خسارے والوں کی نشانی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر میں ارشاد فرمایا ہے :

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾

اور اللہ وہ نہیں جسے آسمانوں اور زمین میں کوئی شے عاجز کر سکے۔ بے شک وہ علم والا قدرت والا ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اور کیا انہیں ہدایت نہ ملی جو زمین کے اہل کے بعد اس کے وارث ہوئے کہ ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیں۔ اور ہم نے ان کے قلوب پر مہر کر دی ہے، تو وہ سنتے ہی نہیں۔

مورث کے بعد وارث زمین کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ لازم تو یہی ہے کہ مورث اگر خلافِ حق کرنے کی بدولت ہلاکت سے دوچار ہوا ہے، تو وارث اپنے قول کی حفاظت میں بھی کوتاہی سے بچے، اعمال کی اصلاح پر بھی پوری نظر رکھے تاکہ وہ فلاح پائے۔ اگر توفیق دینے والا پہلے خلاف حق کرنے والوں کو ایک وقت کے بعد پکڑ چکا ہے تو اب بھی وہ لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کی پکڑ سے بچ جانا نہ پہلے کسی کے بس میں ہوا ہے، نہ اب ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اپنے دل کو ناصحین، مخلصین سے نہیں لگاتے، وہ متاعِ حیاتِ دنیا کو اپنا مقصود بنالیتے ہیں۔ اس سے دل اندھا بھی ہو جاتا ہے، بہرا بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر سننے کی اور دیکھنے کی وہ صلاحیت، جس سے حق اور ناحق کے درمیان امتیاز کیا جاسکتا ہے، ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے دل پر ناقابل اصلاح ہونے کی مہر لگ جاتی ہے۔ یہ گرفت کا مقدمہ ہوتا ہے۔

حاصل : مورث کے انجام سے سبق حاصل کرنا، وارث کے لئے باعث فلاح ہوتا ہے۔ اللہ کی قدرت پہلے بھی محیط تھی اب بھی محیط ہے۔ خلاف حق کرتے رہنے کی صورت میں نہ پہلے کوئی بچ سکا ہے نہ اب بچ سکے گا۔ دل کو ناصحین، مخلصین کی محبت سے منور رکھنا چاہئے، ورنہ اس پر ناقابل فلاح ہونے کی مہر لگ جاتی ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾

یہ بستیاں ہیں، جن کے حالات ہم تمہیں سناتے ہیں۔ اور بے شک ان کے پاس رسول روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ تو یہ اس پر ایمان لانے والے نہ ہوئے، جسے پہلے جھٹلا چکے تھے۔ یوں اللہ کافروں کے قلوب پر چھاپ لگا دیتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے اور حضرت شعیب

علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ تمام حالات اس بات کو روشن کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرسلین کو لوگوں کی طرف ایسی روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا گیا ہے کہ وہ روشن نشانیاں مرسلین کی صداقت کا ناقابل تردید ثبوت تھیں، مگر یہ نہیں ہوا کہ لوگوں نے انہیں مان لیا ہو۔ جس حق کو جھٹلا کر پہلے لوگ ہلاک ہو چکے تھے، پچھلے بھی اس حق کو جھٹلانے والے ہی ہوئے۔ جب رضائے الٰہی کے مقابل متاع حیات دنیا کو مقصود بنالیا جائے، تو ناصحین سے محبت کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس محبت سے ہی دل میں ایمان داخل ہوتا ہے۔ اسی محبت سے نور عرفان ملتا ہے، اطمینان ملتا ہے۔ یہ نہ ہو، تو ناقابل اصلاح ہونے کی مہر لگ جاتی ہے۔ پھر سب کچھ دیکھ لینے سے بھی کچھ نہیں ملتا۔ آنکھیں تو دیکھتی رہتی ہیں مگر ناصحین سے عدم محبت کی بنا پر دل اندھے ہو جاتے ہیں۔ دل اندھے ہوں تو پھر وہ ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔

حاصل : سابقہ حالات سے سبق لینا چاہئے۔ متاعِ حیات دنیا کو کبھی مقصود نہیں بنانا چاہئے۔ مخلصین کی معیّت کو باعث فلاح جاننا چاہئے۔ ان سے محبت رکھنی چاہئے۔ دل کو پُرنور بنانا شان عبدیت ہے۔ جو دل مخلصین کی محبت سے خالی ہو جائے، وہ ہدایت کو قبول نہیں کرتا۔

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَإِنْ وَّجَدْنَآ أَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

اور ان میں اکثر کو ہم نے عہد کا پورا نہ پایا اور ضرور ان میں اکثر کو فاسق پایا۔

مندرجہ بالا اقوام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے سابقہ قوم کے انجام سے سبق لینے کا عہد ضرور کیا، مگر اس عہد کو پورا نہ کیا۔ جب انہیں توفیق ملی، اور یہ انہی حالات سے گزرے جن سے پہلے گزر چکے تھے، تو اکثر کا رویہ یہی ہوا کہ انہوں نے حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کی۔ اس طرح ہم نے ان میں اکثر کو فاسق پایا۔ پاکیزگی کے ساتھ رضائے الٰہی کے حصول کی سعی کی جائے۔ تو پاکیزگی کے ساتھ رہنے کا عہد پورا ہوتا ہے۔ اور اگر اس عہد کو پورا کرتے میں اپنی خواہشات کی پیروی کی جائے۔ تو نام چاہے کوئی رکھ لیا جائے، ہوتا وہ فسق ہی ہے۔

حاصل : پاک لوگوں کی شان یہی ہے کہ وہ بھلائی کا عہد کریں اور اسے پورا کریں۔ فاسق کبھی عہد کو پورا نہیں کرتا۔ وہ اپنے آپ کو حق کے مطابق بنانے کی بجائے، حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی کوشش اس کو خاسرین میں ملا دیتی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰى بِاٰيٰتِنَآ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٠٣﴾

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ظلم کیا، تو نظر کرو، مفسدین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انبیاءِ مذکورین کے بعد بھیجا گیا۔ آپ نے اپنی صداقت کی روشن نشانیاں دکھا کر فرعون اور اس کے درباریوں کو حق کی طرف بلایا۔ انہیں اس انجام سے آگاہ کیا، جس کی طرف وہ لوگ بڑھ رہے تھے۔ مگر وہ لوگ ماننے والے نہ ہوئے۔ بھلائی کی دعوت کا انکار کرنے والے، اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، اور یہ ظلم انہیں لے ڈوبتا ہے۔ جس زمانے میں کسی نبی کی بعثت ہوئی ہے اس زمانے میں پائے جانے والے علوم پر ہمیشہ اللہ نے اپنے نبی کا تفوق ثابت کیا ہے، تاکہ لوگ حقائق کی روشنی میں اللہ کے نبی پر ایمان لائیں اور اس کا اتباع کریں اور اتمام حجت بھی ہو۔ جہاں لوگوں نے علیم مطلق کے مقررہ معیاروں سے ہٹ کر اپنی پسند سے معیار قائم کئے ہیں، وہاں فساد ہی ہوا ہے، اور مفسدین کی عاقبت ہمیشہ عبرتناک ہوئی ہے۔ جہاں اجتماعی زندگی میں حق کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے گی، وہاں عبرتناک انجام کے واقع ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ مفسدین چاہے کسی درجے کی قدرت رکھتے ہوں، قادرِ مطلق کے سامنے ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہوتی اور ان کا فساد ہمیشہ انہیں لے ڈوبتا ہے۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے، مفسد ہوتے ہیں، اور مفسدین کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔ فلاح کی راہ کو چھوڑ کر خسارے کی راہ کو اختیار کرنے والے یقیناً اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ مفسدین ہمیشہ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ جو کر رہے ہیں یہ پہلے کسی کو سوجھا ہی نہیں ہو گا۔ مگر اللہ کے علمِ مطلق سے ان کی تجاویز بجھ کر رہ جاتی ہیں۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا، اے فرعون میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے فرعون کو خطاب کرتے ہوئے، اپنی رسالت کا اعلان کیا۔ یہ اعلان فرمان خداوندی کے پہنچانے والے کی تشریف آوری کا اعلان تھا۔ اس میں فلاح کے طالبین کے لئے بشارت تھی، اور فلاح کا انکار کرنے والوں کے لئے انذار تھا۔ جو لوگ اپنے منشاء حیات کو جاننا چاہتے ہوں، اور اسے پورا کرنے کی طریقت سیکھنا چاہتے ہوں، انہیں یقیناً انتظار ہوتا ہے کہ انہیں علمِ الٰہی سکھانے والا معلم مل جائے۔

حاصل : جو لوگ منشاء حیات کو جاننا چاہتے ہوں اور اسے پورا کرنے کی طریقت سیکھنا چاہتے ہوں، ان کے لئے کسی مخلص معلم کی تشریف آوری کا اعلان باعثِ راحت ہوتا ہے۔

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ۭ

لازم ہے کہ میں اللہ پر وہی کہوں جو حق ہے۔ میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

اللہ تعالٰی کے متعلق علم الٰہی سے بات کرنے کا شرف شاہدین کی شان کے لائق ہے۔ اس بات میں قطعاً کوئی ظن گمان موجود نہیں ہوتا۔ ایسی ہر بات جو حق ہو اپنے اندر ایک نور رکھتی ہے۔ اور اس کے مان لینے سے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ اس کی تصدیق کرتی ہوئی سب باتوں کو بھی مانا جائے۔ انسان اگر تعقل و تدبر کو چھوڑ نہ دے، تو وہ اپنے منشاء حیات کو جاننا چاہتا ہے۔ پھر اس منشاء کے پورا کرنے کی طریقت سیکھنا اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے وہ "ساتھ" مطلوب ہوتا ہے جو اسے اطمینان بخشے، انعام یافتہ حضرات کی صف میں لے آئے۔ اور اسے کفر، فسق اور عصیان سے ہمیشہ کے لئے کراہت ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے رب کی طرف سے تبلیغ حق کے لئے بھیجا گیا ہوں اور نشانی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ تاکہ تم اس نشانی کو دیکھ کر حق کو فرمان خداوندی مانو۔ یقین سے میرا اتباع کر سکو اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر دو۔

حاصل : حق کو بیان کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کے متعلق بات کرتے وقت اس کے ارشاد کو ظن گمان سے آلودہ نہ کریں۔ سننے والوں کو اپنی صداقت کا یقین دلائیں اور انہیں تکبّر سے بچنے کی تاکید کریں۔

قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ بِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾

کہنے لگا، اگر کوئی نشانی لائے ہو، تو لاؤ، اگر تم سچے ہو۔

فرعون کا یہ کہنا کہ اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو، تو دکھاؤ، جو تمہیں سچا ثابت کرتی ہو۔ یہ واضح کرتا ہے کہ اس نے یہ تسلیم کیا کہ علم حقیقی رب العالمین ہی عطا کر سکتا ہے، اور اس کا فرمان اس کے رسول کی معرفت ہی پہنچ سکتا ہے۔ اللہ کے رسول کی صداقت کی سند دیکھ لینے کے بعد فرعون پر آپ کی اطاعت لازم تھی۔ مگر جب عزم ہی انکار حق کا ہو تو ہدایت کیسے ہو سکتی ہے۔

حاصل : جس کی صداقت کی سند مانگی جائے، اس کو سچا پا لینے کی صورت میں اس کی اطاعت و اتباع کا عزم بھی ہونا چاہئے۔

فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۰۷﴾

تب آپ نے اپنا عصا ڈال دیا، تو وہ ظاہر اژدہا ہو گیا۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی رسالت کی نشانی طلب کی، تو آپ نے اپنا عصا زمین میں ڈال دیا، تو وہ اژدہا بن گیا۔ یہ ایسی نشانی تھی جس کی وضاحت سے انسانی علم عاجز تھا۔ اس طرح حضرت نے اپنی صداقت کو روشن کرنے کے لئے ایک معجزہ دکھا دیا۔

حاصل : جب اپنی صداقت کا ثبوت پیش کیا جائے، تو اس کو قطعی طور پر واضح ہونا چاہئے۔

ع وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور اپنا ہاتھ نکالا تو وہ ناظرین کو سفید نظر آنے لگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسری نشانی جو انہیں ان کے رب کی طرف سے سند رسالت کے طور پر عطا ہوئی تھی، یوں دکھائی کہ انہوں نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالا اور جب نکالا تو وہ چمکتا ہوا ہاتھ تھا اور ناظرین اس کی وضاحت سے عاجز تھے۔ ادب سے دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ یہ دونوں معجزے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب العالمین کا رسول ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے ماننا جیسے ماننے کا حق تھا۔ سورۃ الحجرات میں نبی اکرم رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا ہے۔ اللہ جو آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے ہاتھ سے بڑا نور والا ہاتھ کسی کا نہیں ہو سکتا۔ پاک ہاتھ کی شان دیکھئے کہ حضور پاک کے ہاتھ کی امانت اور پاکیزگی کا اعتراف دشمنوں کو بھی تھا۔ امتی بھی اسی شان کے مظہر ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اپنے تعلق کو ثابت کر سکیں گے۔

حاصل : جو ہاتھ رضائے الٰہی کے لئے حرکت کرتا ہو، اس میں نور ہوتا ہے۔ ادب سے دیکھنے والے اسے سلام کرتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ عباد مخلصین میں سب سے زیادہ روشن ہاتھ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہیں۔ ہر پاک ہاتھ کو حضور پاک کے مبارک ہاتھ سے ایک نسبت ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ النور میں یہ ارشاد فرمایا ہے :

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

مومنین کی بات تو یہی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ ان کے مابین حکم فرمائیں تو وہ یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم اطاعت کرتے ہیں، اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾

قوم فرعون کے سردار کہنے لگے، یہ تو بڑا علم والا ساحر ہے۔

فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو ان کے اس دعوے کے بعد کہ وہ ربّ العالمین کے رسول ہیں، یہ کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو نشانی لاؤ۔ آپ نے دو نشانیاں دکھائی۔ آپ کا عصا مبارک اژدہا بن گیا اور آپ کا ہاتھ مبارک چمکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ ان دو نشانیوں کو دیکھنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی صداقت کو تسلیم کرنے کی بجائے قوم فرعون کے سردار کہنے لگے۔ یہ تو بڑا علم والا جادوگر ہے۔ جادو کا تعلق سیکھنے سکھانے سے ہوتا ہے۔ معجزے کی کسی کو تعلیم نہیں

[illegible]

حاصل : [illegible] سے نکلے ہوئے الفاظ کو اہمیت دینی چاہیے۔ انہی الفاظ سے آنے والے حالات [illegible] کا مقام آتا ہے۔ اپنے مشاہدے کو احتیاط کے ساتھ بیان کرنا چاہیے۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾	تمہیں تمہاری جگہ سے نکالنا چاہتا ہے، تو تمہاری کیا رائے ہے۔

فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم والا جادوگر کہہ کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ لوگ عموماً اپنی خواہشات کے حوالے سے گمراہ ہوتے ہیں، اس لئے فرعون نے انہیں یہ کہا کہ یہ علم والا جادوگر لوگوں میں [illegible] حاصل کر کے حکومت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے، اور چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری جگہ سے نکال دے۔ اب تمہاری کیا رائے ہے۔

حاصل : ظالم حکمران لوگوں کو پہلے اپنے زاویہ نگاہ پر لاتے ہیں، پھر ان کی رائے معلوم کرتے ہیں۔ [illegible] لوگوں کی رائے کہہ کر نافذ کر سکیں۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾	کہنے لگے، ان کو اور ان کے بھائی کو ٹھہرائیے اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیجئے۔

فرعون نے اپنے لوگوں کی رائے معلوم کی کہ اب ان کے ساتھ کیا کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ان کو اور ان کے بھائی کو ٹھہرائیے اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دیا جائے۔ تاکہ علم والے جادوگروں کو ان کے مقابلے پر لایا جائے۔ قبل اس کے کہ یہ لوگوں کو متاثر کریں، مقابلے کا اہتمام ہو جائے۔

حاصل : جابر حاکم یہ کوشش کرتے ہیں کہ جو لوگ رائے عامہ کو ان کے خلاف کر سکتے ہوں، ان کو لوگوں سے ملنے نہ دیا جائے اور پوری تیاری کر کے لوگوں کے سامنے انہیں جھوٹا ثابت کیا جائے۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾	کہ ہر علم والے ساحر کو خدمت سرکار میں لے آئیں۔

درباری جب بھی بادشاہوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو آداب شاہی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ جمع کرنے والوں کے ذمے یہ

کام تھا کہ علم والے جادوگروں کو خدمت سرکار میں حاضر کرنا ہے۔ اس لئے ان پر لازم تھا کہ صرف انہی لوگوں کو دربار فرعون تک لائیں، جنہیں علم سحر میں کمال حاصل ہو۔

حاصل : حکومتیں یقیناً اپنے وسائل اور اختیار کی بدولت بڑا اہتمام کر لیتی ہیں جو محکوموں کے بس میں نہیں ہوا کرتا۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

جادوگر فرعون کے پاس آکر گزارش کرنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اجر ملے گا۔

جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے پر لانے کا منشاء ان پر واضح کر دیا گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے پوچھا کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اجر ملے گا۔ اجر کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے اور اس کو جاننے کے لئے سوال کا موقع یہی تھا۔ مقابلے پر اترنے سے پہلے مقابلہ کرانے والوں کی خواہش کو جاننا اور اجر کی مناسبت سے کوشش کرنا جادوگروں کو ضروری معلوم ہوا۔

حاصل : خواہش اور غرض وغایت کے تحت کام کرنے والے اپنے اجر کا اطمینان پہلے حاصل کرتے ہیں، کام بعد میں کرتے ہیں۔

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

فرعون نے کہا ہاں، اور یقیناً تم مقرّب ہو جاؤ گے۔

جادوگروں کی گزارش پر کہ غلبے کی صورت میں انہیں اجر ملے گا، فرعون نے کہا، ہاں اجر تو ملے گا ہی، اور اس کے ساتھ تم مقربین میں بھی شامل ہو جاؤ گے۔ یہ اتنا بڑا رتبہ تھا کہ جادوگر اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں کبھی دربار شاہی میں رکن کی حیثیت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

حاصل : جابر حاکم اپنی مجبوری کے وقت مطلوبہ صفات کے حاملین کو بڑے درجے کی پیشکش کرتے ہیں اور بڑا درجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی کو اپنا مقرب بنالیں اور اپنی منشاء کے مطابق استعمال کریں۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

کہنے لگے اے موسیٰ (علیہ السلام) یا تو آپ ڈالیں یا ہم ہوں ڈالنے والے۔

فرعون سے اجر کا یقین حاصل کرنے کے بعد جادوگر اپنے سحر کا کمال دکھانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے یا

آپ پہلے اپنا کمال دکھانا شروع کریں، یا ہمیں اجازت دیں۔ جس کو بھی اپنے علم پر زعم ہوتا ہے، اس کے رویئے میں اتنا وقار ضرور ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے مدِ مقابل سے پہل کرنے کو نہ کہہ سکے تو اس سے پہل کرنے کی اجازت ضرور لے لیتا ہے۔

حاصل : علم کسب میں اتنا کمال حاصل ہو جائے کہ اپنے علم پر زعم ہو، اجر کا یقین ہو، اور مدِّ مقابل سامنے ہو تو اظہار علم میں جلدی بھی ہوتی ہے۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۱۶﴾

فرمایا تم ڈالو۔ تو جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کیا اور انہیں ڈرایا اور وہ سحر عظیم لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے فرمایا، تم ڈالو جو تمہیں ڈالنا ہے۔ جب انہوں نے اپنا کمال دکھایا، تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرایا۔ اور وہ ایسا عظیم جادو لائے، جس نے لوگوں کو مرعوب کیا۔ ان کی آنکھوں کو متاثر کیا، ان کی قوت متخیلہ کو متاثر کیا۔ فرعون اور اس کے درباریوں کے لئے اس سحر عظیم میں، اپنے غلبے کا امکان باعث فرحت تھا۔ لوگ اپنے مشہور سے ڈرے۔ یہ حقیقت تھی، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کرتے تھے، وہ امر الٰہی سے کرتے تھے۔ اس لئے قدرت بشری تو اس کے سامنے عاجز ہو سکتی تھی۔ سفلی علوم کا، علم الٰہی کے سامنے مقام ہی کیا ہے۔

حاصل : علمِ حقیقی کا شرف ہو تو متانت کے ساتھ اپنے مدِ مقابل کو دعوت اظہار دینی چاہئے۔ جادو کا اثر آنکھوں پر، قوّت متخیّلہ پر ہو سکتا ہے، مگر جو آنکھیں حق کو پہچانتی ہوں، وہ جادو سے متاثر نہیں ہوتیں۔

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ۚ

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈالئے، تو جبھی وہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔

جادوگروں کے سحر عظیم سے لوگ ڈرے ہوئے تھے، جو کچھ انہیں کرنا تھا وہ کر چکے تھے، اور ان کا کیا ہوا لوگوں کو متاثر کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی گئی کہ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ آپ نے اپنا عصا ڈالا تو جبھی وہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔ جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کی ماہیت تو نہیں بدلی تھی، نہ یہ ان کے بس کی بات تھی۔ یہ بناوٹیں تو ایک تھوڑے وقت کے لئے لوگوں کی نظر بندی کی وجہ سے انہیں سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ ان بناوٹوں کو اس کے بعد اپنی اصلی حالت میں نظر آنا ہی تھا۔ قبل اس کے کہ یہ جادو ختم ہوتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا انہیں نگلنے لگا۔ اس طرح معجزے نے جادو کو نابود کر دیا۔

حاصل : علمِ الٰہی، جادو کو اس کے جوبن پر قابو کر لیتا ہے اور نابود کر دیتا ہے۔ علمِ الٰہی کی فوقیت ہر

حال میں قائم رہتی ہے۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ تو حق واقع ہوا اور ان کا عمل باطل ہو گیا۔

حق فرمان خداوندی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو بھی فرمایا تھا وہ وحی الٰہی کے تحت تھا۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے جو کچھ ثابت کرنا چاہا، وہ غلط ثابت ہو گیا۔ ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سحر عظیم کو نگل جانے والا اژدہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہی تھا۔ اور اس مشاہدے کی وضاحت سے وہ عاجز تھے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کے تحت کئے جانے والے عمل کے مقابل، انسانی خواہشات کے تحت کیا جانے والا عمل باطل ہو جاتا ہے، اور ناکام ہو جاتا ہے۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ تو یہاں وہ مغلوب ہوئے اور رسوا ہو کر پلٹے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ربّ العالمین کا رسول ماننے کی بجائے فرعون اور اس کے ساتھیوں نے آپ کو جادوگر کہا۔ اور جادوگروں کو ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے اکٹھا کیا۔ حکومت وقت کی طرف سے اہتمام میں بڑا زور لگایا گیا تھا اور وہ جادوگر لائے بھی سحر عظیم تھے۔ مگر معجزے کے سامنے وہ سحر عظیم ہیچ ثابت ہو گیا۔ آپ سے مقابلہ کرنے والے مغلوب ہو گئے۔ اور اتنے بڑے اہتمام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے شکست ہو گئی، تو اس میں مقابلہ کرانے والوں کی رسوائی بھی واضح تھی۔

حاصل : کسی صاحبِ حق کو مغلوب کرنے کے لئے جب بہت بڑا اہتمام کیا جائے اور اہتمام کرنے والے خود مغلوب ہو جائیں تو انہیں اپنی رسوائی کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ اگر مقابلہ صداقت و کذب کے وضوح کے ارادے سے ہو تو نتیجے کو اسی حوالے سے دیکھنا چاہئے۔

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اور جادوگر سجدے میں گر پڑے۔

جادوگروں کو اپنے علم سحر پر بڑا ناز تھا۔ وہ یقیناً سحر عظیم لائے تھے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دکھایا ہے وہ قدرت بشری سے نہیں ہو سکتا، یہ یقیناً حضرت کے رب العالمین کی طرف سے رسول ہونے کی نشانی ہے، تو انہوں نے اسے دل سے تسلیم کر لیا اور سجدے میں گر پڑے۔

حاصل : جس کو بھی اپنے علم پر زعم ہو، اور وہ حق کو نہ مانتا ہو، حق کی عظمت کے سامنے جب بھی وہ اپنے آپ کو مغلوب پائے، فوراً مان جاتا ہے اور دل سے مان جاتا ہے۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ عرض کرنے لگے، ہم ربّ العالمین پر

ایمان لائے۔

جادوگروں نے جب اپنے ہر تحریر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک کے سامنے ہیچ پایا اور دیکھا کہ عصا مبارک سب کچھ نگل گیا ہے۔ اس کی حقیقت جو کچھ کہ یہ ہم جانتے تھے سب کچھ ہو سکتا ہے تو رب العالمین کی قدرت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام رب العالمین کے رسول ہیں۔ یہ حق ہے۔ اس مقام پر وہ عرض کرنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لاتے ہیں۔

حاصل : علم کسب میں کمال رکھنے والے۔ علم حقیقی کے سامنے اپنے عجز کو دیکھ کر۔ حق کو مان لیتے ہیں۔ پھر مانتے ہیں جیسے ماننے کا حق ہوتا ہے۔

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

جو موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کا رب ہے۔

جس حوالے سے عرفانِ حق کا شرف حاصل ہو وہ حوالہ واجب التکریم ہوتا ہے۔ اسے اپنی تسلیم پر شاہد بنانا آدابِ حضرت میں شامل ہے۔ اس لئے جادوگروں نے یہ کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لاتے ہیں، جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔ ربّ الاعلیٰ ہونے کا دعویٰ فرعون کو بھی تھا۔ اور اس دعوے کے ساتھ اس کی رسوائی بھی دیکھی جا چکی تھی۔ جادوگروں نے ربّ العالمین کی قدرت کا مشاہدہ کیا تھا، اور جن حضرات گرامی کی بدولت انہیں یہ مشاہدہ ہوا تھا، وہ ان کی تکریم و تکریم جلوت میں کر رہے تھے۔

حاصل : جس حوالے سے عرفان حق کا شرف حاصل ہو، اس کی توقیر و تکریم جلوت میں کرنی چاہئے کہ یہ ادب ہے، اور باادب ہی بامراد ہوتے ہیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

فرعون نے کہا، کیا تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ یہ تو ایک مکر ہے جو تم نے شہر میں پھیلایا ہے کہ شہر سے اس کے اہل کو نکال دو۔ تو جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان سن کر فرعون نے جادوگروں سے یہ کہا کہ تم میری اجازت سے قبل ہی ایمان لے آئے ہو۔ یہ تو تم لوگوں نے شہر میں مکر کا جال بچھایا ہے۔ اور اس ملی بھگت کا منشا یہ ہے کہ طاقت

کے اس مظاہرے کے ساتھ تم اس شہر کے اہل کو یہاں سے نکال دینا چاہتے ہو اور خود قابض ہو جانا چاہتے ہو۔ تمہارے اس مکر کا انجام تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔

حاصل : ظالم حاکم کے سامنے کوئی حق کو مان لینے کا دعویٰ کر دے، تو یہ اسے بہت ناگوار ہوتا ہے۔ وہ اپنی اجازت کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ اس کے بغیر کوئی تبدیلی ناقابل معافی ہو جاتی ہے۔ جب بات حق کی ہو تو اسے وہ اپنے خلاف سازش نظر آتی ہے، اور وہ حق کو مان لینے والوں کو خوفناک انجام کی دھمکی دیتا ہے۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

میں ضرور تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی دوں گا۔

اجر کا اطمینان حاصل کر لینے کے بعد کمال دکھانے والے جادوگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور حضرت ہارون علیہ السلام پر ایمان لے آتے ہیں تو فرعون یہ کہتا ہے کہ تم میری اجازت سے قبل ہی ایمان لے آئے ہو۔ یہ مکر کا جال ہے جو تم نے اہل شہر کو یہاں سے نکالنے کے لئے پھیلایا ہے۔ تو تمہیں اپنے مکر کا انجام جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں گے، پھر تم کو سولی پر چڑھایا جائے گا۔ سزا کے اعلان کا منشاء یہ تھا کہ حاکم وقت کی پسند کے خلاف کرنے والوں کا عبرتناک انجام، لوگوں میں گفتگو کا موضوع بنے۔ اور سزا کے وقوع سے پہلے فضا ایسی بن جائے کہ سرکار کا ڈر ہر جگہ محسوس کیا جائے اور لوگوں کو اپنے مجبور ہونے کا احساس ہو۔

حاصل : ظالم حاکم جب یہ محسوس کرے کہ کچھ لوگ اس کی پسند کو وقعت نہیں دیتے، اور اس کی پسند کے مقابل حق کی بات کرتے ہیں، تو وہ ان کے لئے بہت بڑی سزا کا اعلان کر کے فضا کو خوفناک بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگ خوفزدہ ہوں تو وہ ظالم حاکم کو پُرسکون نظر آتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

کہنے گے، ہم اپنے ربّ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

فرعون کی زبان سے سزا کے اعلان کو سن کر ایمان لانے والے جادوگر کہنے لگے کہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ زندگی تو عطائے الٰہی ہے، کوئی اس میں بھلائی کی راہ اختیار کرے یا برائی کی راہ اختیار کرے، اپنے کئے کی ہی جزا پائے گا۔ ہمارا ایمان سزا کے اعلان کو سن کر ڈولتا نہیں۔ تمہاری طرف سے دی جانے والی سزا ہمارے لئے باعث وصال ہوگی، باعث لقاء اللہ ہوگی۔

حاصل : حق کو مان لینے کے بعد کسی سزا سے خوفزدہ ہونے کا مقام نہیں آسکتا۔ ظالم کا ظلم مظلوم کو باعثِ قربِ الٰہی نظر آتا ہے۔ حق کو ماننے والوں کو جو اطمینان حاصل ہوتا ہے، وہی اطمینان انہیں ہر مقام پر پورا رکھتا ہے۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۴/۱۸

اور تم ہم سے اسی بات کا انتقام لیتے ہو کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہم تک پہنچیں۔ اے ہمارے ربّ، ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں مسلمان اٹھا۔

فرعون کی طرف سے سزا کے اعلان کو سن کر جادوگروں نے، جو ایمان لا چکے تھے، یہ کہا کہ ہم سے انتقام تو اسی بات کا لیا جارہا ہے کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ ہم نے اپنے رب کی نشانیوں کو دیکھ کر حق کو تسلیم کیا ہے۔ جب اس کی نشانیاں ہم تک پہنچی ہیں اور ہم نے انہیں رب العالمین کی نشانیاں پایا ہے، تو ہم نے مان لیا ہے کہ یہ جادو نہیں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ربّ العالمین کے رسول ہیں۔ یہ بیان ان حضرات کی کیفیت کو واضح کرتا ہے، اور یہ بیان فرعون کے اس دعوے کو کہ تم لوگ اہل شہر کو یہاں سے نکالنے کی چالیں چل رہے ہو، باطل کرتا ہے۔ اگر یہ لوگ فرعون کو اتنے طاقتور نظر آتے تھے تو پھر ان کے سامنے اسے نرم ہو جانا چاہئے تھا۔ فرعون کو اپنا حال سنا دینے کے بعد اب یہ پاک لوگ وہیں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب، اے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب : ہم کو صبر سے نواز دے۔ ہمارے ساتھ جو بھی گزرے، تیرا اسہارا ہمارے ساتھ رہے۔ بدنی سزاؤں کو برداشت کرنے کا حوصلہ تیرے عطا کردہ اطمینان سے ہی ممکن ہے۔ ہم ہر حالت میں تیری طرف جھکے رہیں، اور جب اس دنیا سے رخصت ہوں، تو مسلمان ہوں۔ فرعون کے دربار میں یہ دعا کرنا، اتنی بڑی جرات کی بات تھی کہ رضائے الٰہی کے علاوہ سب کچھ چاہنے والے، حیرت زدہ تھے۔ جن نشانیوں کو دیکھ کر فرعون اور اس کے درباری لوگوں نے جادو کہا، جادو کا انتہائی علم رکھنے والوں نے انہیں دیکھا، تو شہادت دی، یہ جادو نہیں ہے، اور ہم ان حضرات پر بھی ایمان لاتے ہیں، اور ان کے حوالے سے رب العالمین پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ ان کو تسلیم حق کے مقام پر دیکھ کر بہت ڈرایا گیا، تو دیکھنے والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ سب اپنی زندگی کو اپنی تسلیم پر قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔

حاصل : ظالم حاکم سے سزا کا اعلان سن کر اپنا حال بیان کرنا چاہئے، اور اپنے رب سے دعا کرنی چاہئے رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ تسلیم کی انتہا یہی ہے کہ یہ اپنی جان سے بھی عزیز ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس تشریف لائے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :

أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ﴿٧٧﴾

کیا حق کے متعلق یہ کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آ چکا ہے، کیا یہ جادو ہے۔ اور جادوگر فلاح نہیں پاتے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾

اور قوم فرعون کے سردار کہنے لگے، کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو اس لئے چھوڑ رہے ہیں کہ وہ زمین میں فساد کریں، اور آپ کو اور آپ کے بتوں کو چھوڑ دیں۔ کہنے لگے، اب ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیاں زندہ چھوڑیں گے، اور ہم بے شک ان پر قہر کرنے والے ہیں۔

اب قوم فرعون کے سردار، فرعون سے اپنی وفاداری کا اظہار کرنے کے لئے یہ کہنے لگے : کیا موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو چھوڑنا باعث فساد نہیں ہو گا۔ یہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی صلاحیت تو رکھتے ہی ہیں۔ اس طرح آپ کو رب اعلیٰ ماننا اور آپ کے بتوں کی پرستش کرنا ناممکن بنا دیا جائے گا، اور انتظام حکومت درہم برہم ہو جائے گا۔ بنی اسرائیل سے جو خدمات لی جاتی تھیں، وہ خدمات قوم فرعون کو اپنی شان کے منافی معلوم ہوتی تھیں۔ اس لئے ان لوگوں کو آزاد چھوڑ دینا بھی انہیں بہت مشکل معلوم ہوتا تھا۔ مجبوری یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت بھی میدان میں ثابت ہو چکی تھی اور اس حوالے سے بنی اسرائیل کو آزادی دینی بھی ضروری تھی۔ فرعون نے اپنے سرداروں کی بات سن کر یہ جواب دیا کہ تم فکر کیوں کرتے ہو، ان سے خدمت بھی لی جاتی رہے گی اور ان کے ذکور کو کوئی عددی قوت بھی نہیں بننے دیا جائے گا۔ ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے گا، اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھا جائے گا۔ ہم بے شک ان لوگوں پر غالب ہیں اور ہم اپنے غلبے کو قہر سے قائم رکھیں گے۔

حاصل : درباری پاک نہ ہوں تو اتنے چالاک ہوتے ہیں کہ بات اپنی غرض و غایت کی کرتے ہیں، نام حاکم وقت کے مفاد کا لیتے ہیں۔ اور حاکم وقت اپنی انا کے مقابل حق کو اہمیت نہ دیتا ہو، تو وہ اپنی مجبور رعایا پر مزید قہر کرنے لگتا ہے۔

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا، اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ بے شک زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنائے، اور عاقبت تو متّقین کے لئے ہی ہے۔

فرعون کی طرف سے قہر کا اعلان ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حوصلہ دینے کے لئے فرمایا : اے میری قوم، اللہ سے مدد مانگو، وہی سب سے بڑی قدرت والا ہے۔ اس کی مدد سے ہی مصائب و آلام دور ہوتے ہیں۔ جب تکلیف کو اس یقین سے برداشت کیا جائے کہ یہ باذن اللہ ہے، حکیمِ مطلق کی طرف سے اس میں حکمت رکھی گئی ہے، اور جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والا ہے، اس کے لئے یہی حالات موزوں ترین ہیں، تو زبان اللہ کے ذکر میں لگ جاتی ہے، دل درود پاک میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کا احساس اتنی تقویت دیتا ہے کہ سب دکھ درد اس میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ صبر ہی دکھوں کا دارو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، زمین اللہ کی ہے، جس کو چاہے اس کا وارث بنا دے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس وقت تم مقہور ہو، تم اللہ کی مدد چاہو، صبر کرو۔ وہ چاہے تو تمہیں اسی زمین کا وارث بنا دے، اور یقیناً انجام کار بھلائی متقین کے لئے ہی ہوتی ہے۔ اس لئے تمہیں اللہ ہی سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اللہ سے ڈرتے رہنا یہ تقاضا کرتا ہے کہ تمہارا قول ہر حال میں پاک رہے، اعمال میں بہرحال اللہ کی رضا مقصود ہو۔ اس سے انجام کار تمہاری ہی بھلائی ہو گی۔

حاصل : قہر و ظلم کو اللہ کی مدد سے اور صبر کر کے ہی برداشت کیا جا سکتا ہے۔ زمین اللہ کی ہے، اسے کسی کو وارث بنانے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ انجام کار بھلائی متّقین کو ہی حاصل ہوا کرتی ہے۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵

عرض کرنے لگے، ہمیں آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی ایذا دی گئی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ فرمایا، قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہارے عدو کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ زمین میں تمہیں خلافت دے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد گرامی کو سن کر بنی اسرائیل یہ عرض کرنے لگے کہ حضرت آپ فرماتے ہیں اللہ سے مدد مانگو، صبر کرو اور انجام کار متقین کا ہی بھلا ہوتا ہے۔ یہ بجا ارشاد ہے، مگر ہم تو ایک عرصے سے ایذا برداشت کر رہے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی ہمیں ایذا دی جاتی تھی۔ اب قتل ابناء کی صورت میں ہم پر قہر کرنے کا اعلان ہوا ہے۔ آخر کب ان مصائب کا خاتمہ ہو گا۔ آپ نے فرمایا، عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا۔ اس کی جگہ زمین میں تمہیں تصرف حاصل ہو جائے گا۔ آج تم سے بیگار لی جاتی ہے۔ تم سے غلاموں جیسا برتاؤ ہوتا ہے۔ پھر تم اس جگہ کے وارث ہو

جاؤ گے، اور تمہارا پالنے والا تمہیں یہ توفیق دے کر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ تمہیں ابھی سے یہ عہد کرنا چاہیۓ کہ جب تمہیں آزادی ملے گی، جب تم اس زمین میں مالک بنا دیئے جاؤ گے، تو تم وہی کرو گے جس میں اللہ کی رضا موجود ہو گی۔ جو تکالیف تمہیں پہنچتی رہی ہیں، وہ تم سے کسی کو نہ پہنچیں گی۔ جن اعمال کو تم اس وقت ظلم کہتے ہو، تم وہ نہیں کرو گے۔ بلکہ تمہارا رخ ہر مقام پر خیر و برکت کا ہو گا۔

حاصل : ایذا دینے والے جب حق کی تصدیق کرنے والی روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی اپنے رویۓ کو نہ بدلیں تو ان کی جڑ کٹتے دیر نہیں لگتی۔ پھر ایذا پانے والے لوگوں کو توفیق دے کر یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں۔ کسی کو غلط کہنے کے بعد اگر ہم بھی وہی کچھ کرتے ہیں تو ہمارا بیان بے حقیقت ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسرآ میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

اور تمہارا رب کافی ہے، اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور ہم نے آل فرعون کو قحطوں میں اور ثمرات کی کمی میں پکڑ لیا کہ وہ نصیحت مانیں۔

جب آل فرعون نے بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کی بجائے، ان پر قہر کرنے کا راستہ چن لیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قحط مسلط کر دیۓ گئے۔ پھلوں کی پیدوار بھی کم ہو گئی۔ ظلم کرنے والے کو آنکھیں کھولنے میں مدد دینے کے لئے جو اہتمام اللہ تعالیٰ کرتا ہے، وہ علیم مطلق کی ہی شان کے لائق ہے۔ جب ظالم یہ دیکھ لے کہ جس عطا کو وہ بے جا استعمال کر رہا ہے، اس کا مالک حقیقی تو وہ نہیں ہے اور اس عطا کا تسلسل بھی اس کی قدرت میں نہیں ہے، تو اسے اپنے آپ کو پہچاننے کی طرف آنا پڑتا ہے۔ وہ قادرِ مطلق کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھ لے، تو اسے حق کو ماننا چاہیۓ، اور ناصحین کی نصیحت کو ماننا چاہیۓ۔

حاصل : ظالم کو جب اپنی پڑ جاتی ہے تو پھر وہ ظلم کے تسلسل کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اسے قادرِ مطلق کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنا چاہیۓ۔ اگر وہ اپنے مشاہدات کو بھی اہمیت دیتا ہو تو بھی نصیحت کو ماننے لگتا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ

تو جب انہیں بھلائی ملتی، کہتے یہ ہمارے لئے ہے۔ اور جب برائی پہنچتی تو اسے موسیٰ (علیہ السلام) اور آپ کے ساتھیوں

اللّٰہِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۱﴾

کی نحوست بتلاتے۔ سن لو ان کی شامت تو اللہ کے پاس ہے، لیکن ان میں اکثر کو پتہ نہیں۔

آل فرعون کو جب بھلائی ملتی، حالات ان کی خواہشات کے مطابق نظر آتے، تو وہ کہنے لگتے کہ ہماری خوش طالعی کے لائق تو یہی حالات ہیں۔ اور جب تنگی ہوتی اور حالات ناخوشگوار ہوتے تو کہتے یہ سب نحوست موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی بدولت ہے۔ ان کی شومئ قسمت سے ہمیں بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ متکبرین کا مزاج یہی ہوتا ہے کہ وہ وسعتِ مال کے حوالے سے خوش بختی کا تعین کرتے ہیں اور جو لوگ صاحب ثروت نہ ہوں انھیں بدبخت جانتے ہیں۔ اصل خوش بختی یہ ہے کہ بندہ جزا کے یقین کے ساتھ، عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لائے، اور اس کی معیت باعث عافیت ہو۔ اور بدبختی یہ ہے کہ جزا کے عدم یقین کی وجہ سے اپنی من مانی کی جائے اور استکبار کو طریق زندگی بنالیا جائے۔ حیاتِ دنیا میں تو خلاف حق کرنے والوں کو ملنے والی سزا تنبیہ کے لئے ہوتی ہے۔ یہ ان کی اصل سزا کا ایک حصہ ہی تو ہوتا ہے۔ اصل سزا تو جزا دینے والے کے پاس ان لوگوں کے اعمال کے نتیجے کے طور پر موجود ہے، اور وہ انہیں ملے گی۔ لیکن ان میں اکثر کو یہ معلوم نہیں ہوتا۔

حاصل : متکبرین کے نزدیک حالات اگر ان کی منشاء کے مطابق ہوں تو اس کی وجہ ان کی اقبال مندی اور خوش بختی ہوتی ہے۔ اگر اس کے خلاف صورت ہو، تو یہ حالات نادار لوگوں کی بدبختی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ حیاتِ دنیا میں ملنے والی سزا تو تنبیہ کے لئے ہوتی ہے، اصل تو اعمال کی جزا کی صورت میں، جزا دینے والے کے پاس ہے۔

وَقَالُوۡا مَهۡمَا تَاۡتِنَا بِهٖ مِنۡ اٰيَةٍ لِّتَسۡحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۲﴾

اور کہنے لگے کہ تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ اس سے ہم پر جادو کرو، ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کے مشاہدے کے بعد آل فرعون نے یہ کہا کہ تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ، ہم پر اس سے جادو کرو، ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ یہ دعویٰ کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے، جو کچھ بھی ہو گا برداشت کریں گے، ان کے استکبار کو واضح کرتا ہے اور استکبار جہاں آجائے وہاں حق کو پانے کی طلب مفقود ہو جاتی ہے۔

حاصل : استکبار سے مزاج اس قدر ٹیڑھے ہو جاتے ہیں کہ حق کو پانے کی طلب ہی مفقود ہو جاتی ہے۔

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾

تو ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈی اور چچڑی اور مینڈک اور خون بھی، مفصل نشانیاں، تو انھوں نے استکبار کیا اور وہ مجرم

لوگ تھے۔

آلِ فرعون کے اس بیان کے بعد کہ ہمارے پاس کوئی بھی نشانی لے آؤ، ہم ایمان لانے والے نہیں، ان پر عذاب بھیجے گئے۔ پہلا عذاب طوفان کی صورت میں تھا۔ دوسرا ٹڈی کی صورت میں تھا۔ تیسرا چچڑوں کی صورت میں تھا۔ چوتھا مینڈکوں کی صورت میں تھا۔ اور پانچواں خون کی صورت میں تھا۔ پہلے بارش کثرت سے ہوئی حتیٰ کہ زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ پانی کی کثرت سے جو مسائل پیدا ہوئے وہ ان لوگوں کے لئے ناقابل تصور تھے۔ اس سے ان پر یہ واضح ہوا کہ یہ جادو نہیں ہے۔ پھر بھی استکبار کی وجہ سے یہ لوگ ماننے والے نہ ہوئے، تو ان پر ٹڈی کا عذاب بھیجا گیا، اور وہ سب کچھ کھا گئی جہاں تک وہ پہنچ سکتی تھی اور جو کچھ اس سے کھایا جا سکتا تھا۔ جب درخت بے برگ ہو جائیں اور کھیتیاں اجڑ جائیں، تو زندگی کے لوازمات میں خوراک کی اہمیت کو جاننے والے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے انسان کی بے بسی بھی روشن ہوتی ہے۔ اس عذاب کے بعد بھی ان لوگوں کو مہلت دی گئی۔ اور انہوں نے پھر استکبار کیا، تو ان پر چچڑیوں کا عذاب بھیجا گیا۔ چچڑیوں کے عذاب سے ان کے جسم بھی متاثر ہوئے، ماحول بھی متاثر ہوا۔ ایک ناپسندیدہ ایذا رساں کیڑے کی کثرت کس قدر کربناک ہوئی، اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کو پھر مہلت دی گئی۔ اور یہ پھر استکبار کی طرف لوٹ گئے، تو ان پر مینڈکوں کی صورت میں عذاب بھیجا گیا۔ مینڈکوں نے زندگی دوبھر کر دی۔ ہر حرکت کو متاثر کیا، اور اتنا پریشان کیا کہ انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی بھی اپنا اعتدال کھو بیٹھی۔ ہر قول کا تسلسل ٹوٹا، ہر عمل کا تحرک ٹوٹا، ناقابل بیان بلا میں پکڑے جانے کے بعد پھر ان کو مہلت دی گئی۔ اور اس مہلت میں بھی وہ حق کے انکار سے باز نہ رہے۔ پھر ان پر خون کی صورت میں عذاب آیا، اور جو پانی انہیں میسر تھا خون ہو گیا۔ اب اس کا پینا بھی ممکن نہ تھا۔ اس طرح پیاس سے یہ لوگ نڈھال ہو گئے اور ہر عذاب کی طرح یہ عذاب بھی ان کے اس دعوے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ٹل گیا کہ آلِ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی لائیں گے اور بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ جانے کی آزادی بھی دے دیں گے۔ کوئی بھی عذاب ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کافی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ لوگوں کی بھلائی کے لئے اتمام حجت کی جاتی ہے، اور عذاب بھی پہلے ماحول کو متاثر کرتا ہے، پھر قریب آتے آتے، جسموں کو مس کرنے لگتا ہے۔ ہر عذاب ایک روشن نشانی کے طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔ اس میں توبہ کی جاتی ہے، آئندہ پاک رہنے کا عہد کیا جاتا ہے، بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ مگر عذاب کے خاتمے کے بعد اس عہد سے مکر جانا بھی آلِ فرعون کی طریقت تھی۔ استکبار سے ہی تمام جرائم پیدا ہوتے ہیں، اور جب استکبار قومی رویہ بن جائے، تو وہ قوم مجرم ہو جاتی ہے۔ اور جو قوم مجرم ہو جائے، اس کو دی گئی مہلت قریب الاختتام ہی ہوتی ہے۔

حاصل : اتمامِ حجت اللہ کی سنت ہے۔ ہمیں بھی عبداللہ ہونے کا ثبوت دینا چاہئے اور سزا کو ابتداء اصلاح کی طرف لانے کا ذریعہ بنانا چاہئے۔ استکبار سے حق کو پانے کی طلب ختم ہو جاتی ہے۔ مجرم قومیں اپنے انجام کو پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لیتی۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ ایک جگہ رہنے والے لوگ، پاک ہونے کی صورت میں مبتلاء عذاب نہ ہوں اور ناپاک رہنے والے مبتلاءِ عذاب ہوں۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا، کہنے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ ۖ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٣٤﴾

لگتے۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) اپنے رب سے اس عہد کی بدولت دعا فرمائیے جو آپ کے پاس ہے۔ اگر آپ ہم پر سے یہ عذاب کھول دیں گے۔ یقیناً ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ جانے دیں گے۔

آل فرعون کا یہ کہنا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کچھ بھی کریں۔ کوئی نشانی بھی لے کر آئیں، ہم ایمان نہیں لائیں گے، انہیں خوب یاد رہتا تھا۔ مگر جب ان پر عذاب پڑتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بڑے ادب سے یہ عرض کرتے کہ اے حضرت، اپنے رب سے اس عہد کی بدولت دعا فرمائیے جو آپ کے پاس ہے۔ اگر آپ اپنی دعا سے ہم پر مہربانی کریں، اور موجودہ عذاب کو دور کر دیں تو ہم یہ دونوں کام ضرور کریں گے۔ ایک تو آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ دوسرے بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ جانے کی آزادی دے دیں گے۔ وقت عذاب آل فرعون کو اللہ کی نشانیاں نظر آتی تھیں۔ اس کا عہد واجب التکریم نظر آتا تھا۔ مگر اس کے بعد وہ اپنے کہے سے پھر جاتے تھے۔

حاصل : جس بات کے خلافِ حق ہونے کا پتہ چل جائے۔ اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اور جس حقیقت کا اعتراف تکلیف کے وقت کر لیا جائے، اس اعتراف کو تکلیف کے بعد مضبوطی سے تھام رکھنا چاہئے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿١٣٥﴾

پھر جب ہم ان سے عذاب اٹھا لیتے، ایک وقت کے لئے جس تک انہیں پہنچنا تھا، جبھی وہ پھر جاتے۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے کسی کو حق کے ماننے کے لئے کس قدر مہلت دینی ہے، کن کن حالات سے گزارنا ہے، وہی معبود لاشریک جانتا ہے۔ اتمام حجت اس سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ اس نے آل فرعون کو ایک عذاب میں تائب ہونے کے بعد مہلت دی، تو وہ اس مہلت میں اپنے عہد سے پھر جاتے تھے۔ پھر دوسرے عذاب میں پکڑے جانے پر تائب ہوتے تھے، اور عذاب کے دور ہوتے ہی اپنے عہد کو توڑ دیتے تھے۔ مہلت کا یہ سلسلہ لامتناہی نہیں تھا۔ اللہ نے ان کے لئے ایک وقت رکھا تھا، جس میں یہ اصلاح کو قبول کر سکتے تھے۔ اس وقت میں ان کو ایسے حالات سے گزارا گیا کہ انہوں نے پاک رہنے کا عہد بارہا کیا، مگر اس عہد کو نبھایا نہیں۔

حاصل : اپنے عہد کو حق کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ اگر عہد حق کے مطابق ہو، تو اس کو توڑنا عمل کے لئے دی گئی مہلت کو ضائع کر کے، خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لینے والی بات ہو گی۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾

تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔ پھر انہیں دریا میں غرق کر دیا۔ اس لئے کہ وہ ہماری آیات کی تکذیب کرتے تھے اور ان سے غافل تھے۔

جب آل فرعون نے عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو عہد شکنی کرتے کرتے ضائع کر لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور بنی اسرائیل کو حضرت کے ساتھ جانے کی اجازت دینے کے وعدے کر کر کے توڑتے رہے۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانا اور ان سے غفلت برتنا ان لوگوں کا طریق زندگی بن گیا، تو ان پر حجت تمام ہو گئی۔ پھر اللہ نے ان سے انتقام لیا اور انہیں دریا میں غرق کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انتقام لیا جاتا ہے، اس سے بڑا انتقام کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ اس انتقام کا سبب اللہ کی نشانیوں کی تکذیب اور ان سے تغافل ہوتا ہے۔ تکذیب تو حق کی ناقابل تردید نشانیوں کا انکار ہوتا ہے، اور تغافل یہ ہے کہ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی بے بسی کو دیکھ لینے کے بعد بھی وہی کیا جائے، جس کی خواہش ہو۔

حاصل : ہمارے رویئے میں اللہ کی نشانیوں کی تکذیب اور ان سے تغافل کبھی نہ ہو کہ یہ اللہ کے انتقام کو دعوت دینے والی باتیں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انتقام لینے والا ہو، تو پھر اس سے بچ جانا ناممکن ہوتا ہے۔

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور ہم نے ان لوگوں کو وارث بنا دیا، جنہیں کمزور کر دیا گیا تھا، اس زمین کے مشارق و مغارب کا کہ جس میں ہم نے برکت رکھی۔ اور بنی اسرائیل کے صبر کی بدولت، ان سے تیرے ربّ کا بھلائی کا وعدہ پورا ہوا۔ اور ہم نے برباد کر دیا، جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے بنایا تھا، اور جو بلندیاں پائی تھیں۔

آل فرعون کو غرق کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو وارث بنا دیا، جو پہلے غلامانہ زندگی گزارتے تھے۔ جن کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جاتا تھا، اور جن کی بیٹیوں کو خدمت لینے کے لئے زندہ رکھا جاتا تھا۔ وہ لوگ جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجنے کے لئے آل فرعون نے وقت عذاب تو وعدے کئے، مگر عذاب کے بعد ہمیشہ انہوں نے وعدہ خلافی کی، وہی لوگ اس سرزمین کے وارث بنا دیئے گئے، جو وسیع الاطراف بھی تھی، بابرکت بھی تھی۔ اس میں نہریں تھیں، اس میں پھل دار درخت تھے، پیداوار بکثرت ہوتی تھی۔ محنت کرنے والوں کو ان کی محنت کا پھل اس قدر ملتا تھا کہ وہ اس سے خوش ہو جاتے تھے، آسودہ ہو جاتے تھے۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے اس بھلائی کا وعدہ کیا ہوا تھا، جو اس نے بنی اسرائیل کے صبر کی بدولت پورا کیا۔ اگر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیّت میں صبر سے نہ رہتے، تو یقیناً وہ اس انجام کو نہ پہنچتے۔ اگر یہ لوگ بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیّت کے مقابل کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتے، تو مصائب و آلام میں پس کر ختم ہو جاتے۔ صبر کی بدولت ان لوگوں کو آزادی اور وراثت ملی اور ایسی ملی کہ جو ان کی توقعات سے بڑھ کر تھی۔ وہ تمام مقامات جو سابقہ دور کے ظلم کدے تھے، اور آل فرعون کی نخوت اور استکبار کے نشان تھے، برباد ہو گئے۔ مظلوم کو یہ آرزو ہوتی ہے کہ جس مقام کو اس پر ظلم کرنے کے لئے بنایا گیا ہو، وہ برباد ہو جائے، نابود ہو جائے۔ اس کے آثار بھی اس کو رلا دیتے ہیں۔

حاصل : صبر کی بدولت جو انعامات ملتے ہیں، وہ کسی دوسری صورت میں نہیں مل سکتے۔ مصائب و آلام سے بحفاظت گزر جانے کی صورت صرف صبر ہے۔ کمزوروں کو تائیدِ ایزدی حاصل ہو جائے، تو وہی زور والے ہو جاتے ہیں۔ مظلوم کی یہ بڑی آرزو ہوتی ہے کہ جو مقامات اس پر ظلم کے محل کے طور پر استعمال ہوتے رہے ہیں، وہ برباد ہو جائیں، مٹ جائیں۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتارا تو ان کا گزر ایک قوم پر ہوا، جو اپنے بتوں کے سامنے آسن مارے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے، اے موسیٰ (علیہ السلام) ان کے معبودوں کی طرح ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے۔ فرمایا تم لوگ یقیناً جہالت کی بات کرتے ہو۔

جب اللہ نے اپنے فضل سے بنی اسرائیل کو آل فرعون کے ظلم و قہر سے نجات دلا دی اور یہ آزادی کے ساتھ دریا کے پار اتار دیئے گئے، تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا، جو اپنے بتوں کے سامنے آسن مارے بیٹھی تھی۔ اس قوم کی بت پرستی ان لوگوں کو ایسی اچھی لگی کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ دیکھئے ان کے بتوں کی طرح ہمیں بھی ایک بت بنا دیجئے، جس کے سامنے ہم آسن مار کر بیٹھیں، جس کی عبادت کریں۔ آپ نے فرمایا، تم لوگ بڑی جہالت کی بات کرتے

ہو۔ بت پرست قوم کے انجام کو دیکھ کر آ رہے ہو، اور پھر ظلم عظیم کے راستے کو اختیار کرنے کی بات کرتے ہو۔ جاہل قوم وہ ہوتی ہے، جو کسی چیز کو اچھا کہے تو رضائے الٰہی کے حوالے سے اچھا نہ کہے، اور کسی چیز کو برا کہے تو بھی حق کے حوالے سے نہ کہے، ماضی سے سبق نہ لے، حال پر من مانی کرے، عمل کے لئے دئے گئے وقت کی اہمیت کو نہ جانے اور لوگوں کی بنائی ہوئی رسومات کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے۔

حاصل : آزادی مل جانے کے بعد، بنی اسرائیل نے بت پرستی کی طرف جھک کر اپنی جہالت کا پہلا ثبوت دیا۔ جاہل قوم کسی امر کے ٹھیک یا نہ ٹھیک ہونے کا فیصلہ فرمان خداوندی کے حوالے سے نہیں کرتی، لوگوں کی بنائی ہوئی رسومات کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٩﴾

جس میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں، یہ حال تو بربادی کا ہے، اور باطل ہے جو عمل وہ کر رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر واضح فرمایا کہ یہ بت پرست قوم تو برباد ہونے والی ہے، اور جو عمل وہ قوم کر رہی ہے، باطل ہے۔ بربادی کے راستے کو اختیار کرنا اور باطل عمل کرنا تم لوگوں کو کیوں اچھا لگتا ہے۔ جو راستہ جزا دینے والے، مالک یوم الدین کی رضا کے خلاف ہو، وہ یقیناً بربادی کا راستہ ہے اور جو عمل اس کے ارشاد کے تحت نہ ہو، باطل ہے۔ اور جو لوگ باطل کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتے ہیں، جتنی وہ حق کو دیتے ہیں، وہ یقیناً جاہل لوگ ہیں۔

حاصل : جو راستہ جزا دینے والے مالک کل کی رضا کے خلاف ہو، وہ بربادی کا راستہ ہے۔ جو عمل فرمان خداوندی کے تابع نہ ہو وہ باطل ہے۔ توفیقِ ایزدی کو باطل اعمال میں ضائع کرنے والے ہمیشہ خسارے میں پڑتے ہیں۔

قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٤٠﴾

فرمایا کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی اور معبود تلاش کروں اور تمہیں عالمین پر فضیلت تو اسی نے دی ہے۔

بنی اسرائیل، آزادی پالینے کے بعد بت پرستی کی طرف مائل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے، جس کی ہم پرستش کرتے رہیں، جس کے سامنے آسن مار کر بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا جن لوگوں کو دیکھ کر تم نے یہ بات کی ہے، وہ تو باطل عمل والے ہیں، اور وہ بربادی کی راہ پر ہیں۔ اس سے بڑی ناشکری کیا ہو گی کہ جس اللہ نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے، اس کے سوا کسی اور کو معبود بنایا جائے۔ خالق کل کے مقابل فضل و احسان پر کون

قادر ہے، جس کو میں تمہارے لئے تلاش کروں۔ معبود کی شان یہ ہے کہ اس کی کوئی مثل نہیں ہو سکتی، اس کا تعین ممکن نہیں ہوتا۔ غیر اللہ کی مثل بھی ہوتی ہے اور تعین بھی ہوتا ہے۔ تمہارے محسن حقیقی کے مقابل کسی اور کو لائق عبادت جاننا میرے لئے ممکن نہیں۔

حاصل : محسنِ حقیقی ہی فضل و احسان پر قادر ہے۔ وہی معبود لاشریک ہے۔ اس کے سوا کسی کی عبادت کی جائے تو یہ شرک ہے اور ظلمِ عظیم ہے۔

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۱۴۱

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی کہ تمہیں بُری سزا دیتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو مار دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ جس نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے۔ اسی نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی ہے۔ اور تمہیں خوب یاد ہے کہ آل فرعون تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور تم بڑے عذاب میں گرفتار تھے۔ یہ بہت بڑی ابتلا تھی، جو اللہ کے وعدے کے مطابق ختم ہوئی۔ اور اسی ابتلا کے دور میں تمہیں بتا دیا گیا تھا کہ تمہارا دشمن مٹا دیا جائے گا، اور تمہیں اس کی جگہ استخلاف حاصل ہو گا، پھر یہ دیکھا جائے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ یہ تو انتہائی ناشکری اور جہالت کی بات ہے کہ جس مقام کے بارے میں تمہیں پہلے آگاہ کر دیا گیا تھا اور جس پر تمہیں پورا رہ کر صداقت کا ثبوت دینا تھا، اس مقام پر آکر تم وہی کر رہے ہو، جو تمہیں نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کرب عظیم سے نجات پانے کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے، ناشکری کے رویئے کو اپنا لیا جائے تو اس کا نتیجہ بربادی ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : ماضی میں اللہ کے فضل و احسان کو یاد کرنا بھلے لوگوں کی نشانی ہے۔ اس سے غفلت دور ہوتی ہے، حال پر حق کی ادائیگی کی سعی کی جاتی ہے اور شکر گزاری مزید انعامات کا باعث بنتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسرآمیں ارشاد فرمایا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝۸۳

اور جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں تو وہ اپنی جانب دور ہٹ جاتا ہے۔ اور جب اسے برائی پہنچے تو ناامید ہو جاتا ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور انہیں دس مزید سے پورا کیا۔ تو اس کے ربّ کا وعدہ چالیس رات کا ہوا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے کہا کہ آپ میری قوم میں خلیفہ بنئے اور اصلاح کیجئے اور مفسدین کی راہ پر نہ چلئے۔

آل فرعون کی غلامی کے دور میں بنی اسرائیل کی زندگی کے تقاضے ہمہ وقتی خدمت اور صبر کے ساتھ ان کی ایذاؤں کو برداشت کرنے کے علاوہ کیا تھے۔ آزادی حاصل ہونے کے بعد قول و عمل میں ہر مقام پر رضائے الٰہی کا رخ اختیار کرنا اظہارِ عبدیت کے لئے ضروری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ یا اللہ تیرا نازل کردہ حق ہی علمِ حقیقی ہے، اور علمِ حقیقی ہی ہمیں ہر مقام پر پورا رکھ سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس شرف سے نواز دے، تاکہ تیرا فرمان صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لئے نورِ مبین کی صورت میں موجود ہو۔ اس عطائے بے بہا کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا۔ ان تیس راتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امور سلطنت حضرت ہارون علیہ السلام کو تفویض کر کے معتکف ہونا تھا۔ اسی اثنا میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کے حصول کے لئے پہاڑ پر گئے ہوئے تھے، بنی اسرائیل نے حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت کو چھوڑ کر گئوسالہ پرستی شروع کر دی، اور جو روگ اس قوم کے اندر چھپا ہوا تھا، وہ ظاہر ہو گیا۔ یہ مدت اس لئے بڑھائی گئی کہ حق کو ماننے والے اور گئوسالہ پرست واضح ہو جائیں۔ ورنہ علیم مطلق کا وعدہ تو تیس رات کا تھا۔ جن کے لئے یہ عطا ہونے والی تھی، ان کا ایک حصہ گئوسالہ پرستی میں لگ گیا، تو طالب و غیر طالب کے مابین واضح فرق ہونے کے لئے بھی کچھ وقت درکار تھا۔ مزید دس راتوں میں یعنی کل چالیس راتوں میں طالبین حق، غیر طالبین سے الگ ہو گئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حسب وعدہ تورات عطا فرما دی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کی مفسدہ پردازی کا علم تھا، اس لئے آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو تاکید کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ آپ میری قوم میں خلیفہ رہیں گے اور اصلاح کرتے رہیں گے۔ جہاں آپ کو کوئی بات انفرادی یا اجتماعی زندگی میں خلاف حق نظر آئے گی، آپ اصلاح فرمائیں گے۔ اور جو باتیں آپ کے نزدیک درست ہوں گی، ان کی تصدیق کرتے رہیں گے۔ اور اگر مفسدین کوئی راہ اختیار کر لیں، تو آپ اپنے مقام کو نہیں چھوڑیں گے، وہ آپ کا مسئلہ نہیں ہو گا۔ اصلاح تو ان کی ہی کی جا سکتی ہے جو اصلاح کے طالب ہوں۔ جو لوگ حق کے مقابل اپنی خواہشات کی پیروی کرنے میں لگ جائیں وہ مفسد ہوتے ہیں، اور مفسد گمراہ ہو جاتے ہیں۔

حاصل: مسلم اور مجرم مساوی نہیں ہوتے۔ اس لئے جب طالبین خیر کے ساتھ، غیر طالب بھی موجود ہوں تو خیر عطا کرنے سے پہلے معطئ خیر کو اتنا ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ غیر طالب، طالبین سے الگ ہو جائیں۔ جو لوگ تبلیغ حق میں لگے ہوئے ہوں انہیں اپنے بعد کسی صاحب علم کو خلیفہ بنانا

چاہئے، اس کی اطاعت کی تاکید کرنی چاہئے اور خلیفہ کو اصلاح کی تاکید کے ساتھ یہ بھی کہنا چاہئے کہ جو فساد کی راہ اختیار کرے، حق سے الگ ہونے کی کوشش کرے، اس کے پیچھے جانے کی اور اس کو اہمیت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے وعدہ پر حاضر ہوئے اور آپ سے آپ کے ربّ نے کلام فرمایا۔ عرض کی اے میرے ربّ مجھے ہمت دیدار دے کہ میں تیری طرف نظر کر سکوں۔ فرمایا آپ مجھے نہیں دیکھ سکیں گے، ولیکن اس پہاڑ پر نظر رکھیئے، یہ اگر اپنی جگہ ٹھہرا رہا، تو عنقریب آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔ پھر جب آپ کے ربّ نے پہاڑ پر تجلّی کی، تو اسے پاش پاش کر دیا، اور موسیٰ (علیہ السلام) بےہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب افاقہ ہوا، عرض کرنے لگے، تجھے پاکی ہے، میں تیری طرف رجوع لایا اور سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس راتیں پہاڑ پر خلوت میں عبادت کے بعد ربّ العالمین کے وعدے کے مطابق حاضر ہوئے، اور آپ کو کلام الٰہی سے نوازا گیا۔ یہ عبدیت کا انتہائی مقام ہے کہ معبود، عبد سے کلام فرمائے۔ اس بلاواسطہ پاک کلام سے جو راحت حضرت کو ملی اس سے آپ نے یہ عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے ہمت دیدار دے کہ میں تیری طرف دیکھوں۔ جواب ملا، آپ دیکھ نہیں پائیں گے۔ اس پہاڑ پر نظر رکھئے یہ اگر اپنی جگہ قائم رہا تو آپ دیکھ سکیں گے۔ آپ نے اس پہاڑ کی طرف نظر کی، اس پر اللہ نے اپنے نور کی تجلی فرمائی اور وہ پاش پاش ہوگیا۔ یہ اس قدر منور منظر تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بےہوش ہوگئے۔ افاقہ بھی اللہ کے فضل سے ہی ہوا اور افاقے کے بعد آپ نے پکارا، یا اللہ تجھے پاکی ہے، میں تیری طرف رجوع لاتا ہوں اور سب سے پہلے ماننے والا ہوں۔ اس سے یہ روشن ہوا کہ حسنِ کلام کے اعتراف سے دیدار متکلّم کی آرزو پیدا ہوتی ہے

اور اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اگر یہ محال ہوتا، تو اس کا سوال ہی نہ ہوتا اور پھر اللہ تعالیٰ کے جواب میں بھی اس کا محال ہونا واضح نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی سکت کے حوالے سے یہ فرمایا گیا کہ پہاڑ پر نظر رکھئے۔ اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو آپ دیکھ لیں گے۔ پہاڑ پاش پاش ہو گیا اور حضرت بے ہوش ہو گئے۔ طلب دیدار کی وسعت کو پہاڑ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جب حضرت ہوش میں آئے، تو پکارنے لگے، یا اللہ تجھے پاکی ہے، اور اس پاکی کا اقتضاء یہ ہے کہ کوئی طلب تیری اجازت کے بغیر نہ ہو۔ فرطِ اشتیاق میں مجھ سے ایسی بات ہو گئی جس پر توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں کہ خواہش کوئی بھی نہیں ہونی چاہئے۔ حتیٰ کہ دیدارِ الٰہی جیسی پاک خواہش بھی نہیں ہونی چاہئے۔ اگر اللہ کے نزدیک دیدار سے مشرف کرنا ضروری ہو تو اس کے لوازمات عطا کرنے والا بھی وہی علیم مطلق ہے، پھر بے ہوشی کا کوئی امکان نہیں ہو سکتا۔

حاصل : خلوت میں ریاضت باعث قرب الٰہی ہوتی ہے۔ حسن کلام کا اعتراف ہو تو دیدار متکلم کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ خواہش دیدارِ الٰہی کی بھی نہیں ہونی چاہئے۔ کوئی طلب اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہونی چاہئے۔ دیدارِ الٰہی ممکن ہے مگر جب اللہ چاہے۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) میں نے آپ کو لوگوں سے چن لیا، اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ، تو لیجئے جو میں نے آپ کو عطا فرمایا اور شاکر رہئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تسبیح اور اول المومنین ہونے کے اظہار کے بعد، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا : اے موسیٰ علیہ السلام میں نے آپ کو لوگوں سے چن لیا ہے۔ آپ کو امتیاز بخشا گیا ہے۔ آپ رسالت کے امین ہیں۔ اور آپ سے اللہ نے کلام فرمایا ہے۔ آپ حق کو لوگوں تک پہنچائیں گے، اور حق کو قولاً اور عملاً ادا کر کے دکھائیں گے۔ تو لیجئے جو آپ کو عطا ہوا۔ اسے مضبوطی سے تھامیئے۔ اور شاکر رہئے۔ حق کو مضبوطی سے تھامنا یہ ہے کہ اس کے مقابل کسی بات کو وقعت نہ دی جائے، ظن و تخمین کبھی پریشان نہ کرے اور شاکر رہنا یہ ہے کہ عطا کو معطی کی رضا کے مطابق تصرف میں لایا جائے اور اجر کا سوال کبھی نہ ہو۔

حاصل : اللہ کے چنے ہوئے سے جو فائدہ لوگوں کو پہنچتا ہے، وہ کسی اور صورت سے نہیں پہنچ سکتا۔ حق کے مقابل ظن و تخمین کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، اور حق کی تبلیغ کو کسی طرح بھی مشروط نہیں کرنا چاہئے۔ حق کو مضبوطی سے تھامنا اور شاکر رہنا، اللہ کے چنے ہوئے بندوں کی صفات ہیں۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ

اور ہم نے آپ کو ہر شے کی موعظت اور ہر شے کی تفصیل تختیوں پر لکھ دی، تو انہیں

فَخُذۡهَا بِقُوَّةٍ وَّاۡمُرۡ قَوۡمَكَ يَاۡخُذُوۡا بِاَحۡسَنِهَا ؕ سَاُورِيۡكُمۡ دَارَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾

قوت سے تھامیئے، اور اپنی قوم کو امر دیجئے کہ اسے اچھی طرح تھامیں۔ عنقریب میں آپ کو فاسقین کا گھر دکھاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو الواح عطا فرمائی گئیں، ان میں ہر شے کے بارے میں موعظت اور ہر شے کی تفصیل موجود تھی۔ جن امور میں اللہ کی رضا موجود ہوتی ہے وہ سب موعظت کے درجے میں ہوتے ہیں۔ ماننے والوں کو کس طرح اپنا احتساب کرنا چاہئے تاکہ وہ فلاح پائیں، یہ سب اس کی تفصیل ہوتی ہے۔ علم الٰہی سب سے بڑا علم ہے کہ یہ علیم مطلق کا علم ہے۔ اس میں موعظت اور تفصیل بھی علم مطلق سے رکھی گئی ہے۔ جن جن مقامات پر راہ راست سے بھٹک جانے کا امکان ہو سکتا ہے ان مقامات پر آیات ربانی روشنی کے میناروں کی صورت میں موجود ہیں۔ کوئی لفظ زائد از ضرورت نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی الواح عطا فرما کر یہ ارشاد فرمایا گیا۔ انہیں قوت سے تھامیئے۔ آپ تو چنے ہوئے بندے تھے۔ آپ کا اپنا حال فرمان خداوندی کے مطابق تھا۔ اس میں کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ کا قوت سے تھامنا، حق کو قوت کے ساتھ نافذ کرنا ہے۔ اور اسی سے لوگوں کو احساس تحفظ میسر آسکتا ہے۔ پھر اپنی قوم کو امر دینے کی تاکید تھی کہ وہ بھی اس کو اچھی طرح پکڑیں۔ حکم خداوندی تو کلی طور پر احسن ہوتا ہے۔ ماننے والوں کا اچھی طرح ماننا اسی طرح ممکن ہے کہ وہ کسی مقام پر حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کریں کہ یہی فسق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آگاہی بھی فرما دی گئی کہ عنقریب آپ کو ایسے لوگوں کے مشاہدے کا موقع ملے گا، جو فاسق ہوں گے۔ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت نہ کی اور گئوسالہ پرستی شروع کر دی، وہ سب فاسق ہی تھے کہ انہوں نے بھی حق کو ماننے کے دعوے کے باوجود اپنی خواہش کی پیروی کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے بعض لوگوں کے فاسقانہ رویئے سے آگاہ ہو جانا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضروری تھا۔ اس لئے نزول تورات کے ساتھ ہی یہ آگاہی فرما دی گئی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کا فرمان علم مطلق سے ہوتا ہے، اس لئے اس کی موعظت اور تفصیل میں کوئی لفظ زائد نہیں ہوتا۔ اگر اس کے نافذ کرنے کا شرف ہو تو اسے قوت سے نافذ کرنا چاہئے اور تائید ایزدی کو شامل حال جاننا چاہئے۔ ماننے کا حق یہ ہے کہ کسی مقام پر حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ حق کو نافذ کرنے والوں کو آگاہ کرنا چاہئے کہ ان کا واسطہ ایسے لوگوں سے بھی ہو گا، جو نام تو حق کا لیں گے اور کریں گے اپنی خواہش کی پیروی۔

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا

جو لوگ زمین میں ناحق تکبّر کرتے ہیں، میں انہیں اپنی آیات سے پھیر دوں گا۔ اور اگر سب نشانیاں دیکھیں ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر رشد کا راستہ دیکھیں تو

سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٤٦﴾

اس راستے کو نہ پکڑیں، اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس راستے کو پکڑیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور وہ ان سے غافل رہے۔

زمین میں ناحق تکبّر کرنے والے کبھی ہدایت کے طالب نہیں ہوتے۔ جو بات انہیں اپنی خواہشات کے خلاف معلوم ہو اس کی تکذیب میں دیر نہیں کرتے۔ انہیں اپنی پسند کے علاوہ کچھ حق نظر ہی نہیں آتا۔ اس لئے ان کو آیات حق سے پھیر دیا جاتا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ اگر حق کو روشن کرنے والی سب نشانیاں بھی ان کے مشاہدے میں آجائیں تو یہ ان پر ایمان نہیں لاتے۔ نشانیاں ان کے لئے اہم ہوتی ہیں، جو عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور جزا کے یقین کے ساتھ اپنا رخ ہر مقام پر خیر کی طرف رکھتے ہیں۔ نشانیوں کے مشاہدے سے ان کو تقویت ملتی ہے اور تائید حاصل ہوتی ہے۔ متکبرین کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اگر رشد کے راستے کو دیکھ لیں تو اسے کبھی اختیار نہیں کرتے۔ وہ انہیں اپنی خواہشات کے خلاف نظر آتا ہے۔ مگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے ضرور اختیار کرتے ہیں کہ یہ ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے۔ اپنی خواہشات کی پیروی، اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے سے اور حق سے غافل رہنے کی وجہ سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ناصحین سے محبت نہ ہو تو ناحق تکبّر طریق زندگی ہو جاتا ہے۔ دل ناصحین کا دشمن ہو جاتا ہے، تو ایسے دل والے کو اللہ تعالیٰ اپنی آیات سے پھیر دیتا ہے۔

حاصل : زمین میں ناحق تکبّر کرنے والے، برائی کو پھیلا کر خوش ہوتے ہیں۔ حق کی نشانیاں دیکھ کر ایمان نہیں لاتے۔ ان نشانیوں کی تکذیب اور ان سے تغافل کو ضروری جانتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اپنی اولاد کی اور اپنے متعلقین کی حفاظت کرنی چاہئے، جب تک یہ حق اور ناحق کے درمیان امتیاز کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔ اللہ فاسقین کو ہی گمراہ کرتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٧﴾ ع ۱۷

اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، ان کے اعمال برباد ہوئے۔ انہیں کیا جزا ملے گی مگر وہی جو عمل وہ کرتے تھے۔

جو لوگ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اور آخرت کا یقین نہیں رکھتے ان کے اعمال کبھی رضائے الٰہی کے لئے نہیں ہوتے۔ وہ بظاہر مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے بھی نظر آتے ہوں اور بڑے بڑے بھی معلوم ہوتے ہوں تو بھی ان کے پیچھے یہ خواہش موجود ہوتی ہے کہ لوگ عاملین کو اچھا کہیں، ان کی قدر و منزلت بڑھے۔ جو عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا پانے کے ارادے

سے کیا ہی نہ گیا ہو، اس کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ عمل دنیا میں ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ جس نیت سے کوئی عمل کیا جائے، اسی نیت کے مطابق اس کی جزا دی جائے گی۔

حاصل : جو لوگ اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کرتے ہیں، قیامت میں شک کرتے ہیں، وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔ ان کے اعمال جزا کے عدم یقین کی وجہ سے برباد ہو جاتے ہیں۔ جب عامل اللہ کی رضا کے مقابل لوگوں کی قدر و منزلت طلب کرے تو آخرت سے اس عمل کا تعلق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ ہر شے کا علم رکھنے والے سے بڑا کوئی جزا دینے والا نہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے :

وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ ﴿٢٠﴾

جو آخرت کی کھیتی چاہے، ہم اس کے لئے اس کی کھیتی بڑھائیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے دیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہو گا۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿١٤٨﴾

اور موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد آپ کی قوم نے ایک بچھڑا بنا لیا، اپنے زیوروں سے۔ ایک بدن کہ جس میں گائے کی آواز تھی۔ کیا یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے کلام نہیں کرتا اور نہ انہیں راستہ بتاتا ہے۔ اسے معبود بنالیا اور وہ ظالم تھے۔

وقف لازم

حضرت موسیٰ علیہ السلام حصولِ تورات کے لئے گئے، تو حکم خداوندی کے مطابق، حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ خلیفہ بنا کر گئے۔ مگر بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت سے انکار کر دیا، اور اپنے زیوروں کو گلا کر ایک بچھڑے کی شکل میں ڈھال لیا۔ یہ ایک بے جان جسم تھا جس میں سے گائے کی آواز آتی تھی۔ حماقت و سفاہت اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ اپنے بنائے ہوئے کو معبود بنالیا، اور بے مثل کی مثل بنانے کی غلطی کی۔ وہ آواز کوئی کلام بھی نہ تھی۔ اس سے راستہ بھی نہیں ملتا تھا۔ جو لوگ اپنی تجاویز سے حق کو پانے کی کوشش کرتے ہیں، وہی بت پرستی کی طرف جایا کرتے ہیں۔ حق کو پانے کی صورت تو یہی ہے کہ اپنی خواہشات کی پیروی نہ کی جائے، اور مخلصین کا اتباع کیا جائے۔ جو لوگ اپنی پسند کو، اپنی تجویز کو حق کا درجہ دے دیتے ہیں، وہ یقیناً مشرک ہوتے ہیں، اور ظالم ہوتے ہیں۔ یہی حال بنی اسرائیل کا تھا۔

حاصل : جن لوگوں کے اندر اپنی خواہشات کی پیروی کا رجحان ہوتا ہے، وہ اگر مخلصین کے سامنے

اپنی تجاویز کو بیان نہیں کرتے تو ان کے بعد صرف اپنی تجاویز کو ہی وقعت دیتے ہیں۔ فرمان خداوندی کے مقابل اپنی تجویز کو وقعت دینا ظلم ہے۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِیٓ اَیۡدِیۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَیَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾

اور جب پچھتائے اور سمجھے کہ ہم گمراہ ہوئے، کہنے لگے کہ اگر ہمارا ربّ ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہمیں نہ بخشے تو یقیناً ہم خاسرین سے ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات شریف کے حصول کے لئے تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل کو معلوم تھا کہ حضرت ایک مہینے کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس عرصے میں بت پرستی کا ارتکاب کرنے والوں کو جب حضرت کی واپسی قریب نظر آئی تو وہ اپنے اعمال کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمودات کی روشنی میں دیکھنے لگے۔ انہیں یاد آیا کہ حضرت نے تو اس عمل کے جہالت ہونے کی شہادت دی تھی۔ یہ تو بہت بُرا ہوا کہ ہم بت پرستی کر کے گمراہ ہو گئے۔ اور گمراہوں کا انجام تو خسارہ ہی ہوتا ہے۔ آل فرعون کی بات ابھی دور کی بات نہیں تھی۔ اب یہ لوگ دعا کرنے لگے کہ اگر ہمارا رب بت پرستی کے گناہ کے بعد ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہمیں نہ بخشے، تو پھر ہمارے لئے خسارے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

حاصل : حق کو جانتے ہوئے اپنی تجاویز کو وقعت دینے والے ہی پچھتاتے ہیں۔ جب انہیں حق کے حوالے سے اپنی گمراہی کا احساس ہوتا ہے، تو پھر وہ اپنے رب سے رحم اور بخشش طلب کرتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو پھر ان کے لئے خسارہ ہی خسارہ رہ جاتا ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰۤی اِلٰی قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّكُمۡ ۚ وَاَلۡقَی الۡاَلۡوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِیۡهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیۡهِ ؕ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِیۡ وَكَادُوۡا یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ ۫ۖ فَلَا تُشۡمِتۡ بِیَ الۡاَعۡدَآءَ وَلَا تَجۡعَلۡنِیۡ مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۵۰﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غصے اور افسوس کے ساتھ لوٹے، کہنے لگے، میرے بعد تم نے میری کیا بری خلافت کی۔ کیوں عجلت کی تم نے اپنے ربّ کے امر سے، اور آپ نے الواح کو رکھ دیا، اور اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ عرض کیا، اے میرے ماں جائے، قوم نے مجھے ضعیف جانا اور

قریب تھا کہ مجھ سے لڑتے، تو دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسایئے اور مجھے ظالم لوگوں کے ساتھ نہ رکھئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ معیار حق لینے کے لئے گئے تھے۔ جن لوگوں کو اللہ کی رضا مطلوب ہو، انہیں ذکر و فکر میں مشغول رہنا چاہئے، اور رجوع الی اللہ رہنا چاہئے۔ جب حضرت کو اپنے بعد لوگوں کی گئوسالہ پرستی کا علم ہوا، تو غصے اور افسوس کا اظہار قدرتی بات تھی۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کو خلافت دے کر گئے تھے، اس لئے آپ سے ہی مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ میرے بعد تم نے میری کیا بُری نیابت کی، فرمان خداوندی کے آنے کا انتظار کرتے ہوئے، تمہیں میری تعلیمات پر عمل پیرا رہنا چاہئے تھا۔ تم نے امر الٰہی کے انتظار کی بجائے عجلت سے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ حکم نافذ کرنے والے کا حق یہی ہے کہ وہ اپنے نائب کو اس کی ذمہ داری کے حوالے سے پوچھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام غصے میں تھے۔ آپ نے فرمان خداوندی والی تختیوں کو ادب سے رکھ دیا، اور حق کی عدم تکریم کے سلسلے میں لوگوں کے سامنے اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ تب حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا: بھائی صاحب میری گزارش یہ ہے کہ میں نے آپ کے ارشادات کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کی۔ لوگوں نے مجھے ضعیف جانا۔ میری نصیحت کو اہمیت نہیں دی۔ میری نصیحت پر یہ مجھ سے لڑنے کو تیار تھے۔ آپ ان دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے، اور مجھے ان ظالم لوگوں کے ساتھ نہ رکھئے۔

حاصل: جن کی بھلائی باعث راحت ہو، وہ خسارے کی طرف بڑھ جائیں تو افسوس ضرور ہوتا ہے۔ حکم نافذ کرنے والے کو اس کی ذمے داری کے حوالے سے پوچھنا چاہئے۔ نیابت کرنے والے کو خلافت دینے والے کے سامنے اپنا حال بیان کر دینا چاہئے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ۱۸ / ۸

عرض کی، اے میرے ربّ! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے جواب سے مطمئن ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔ اے میرے ربّ مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔ ہم سے اگر تیرے احکام کو نافذ کرنے میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو، تو معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما۔ ہر رحم کرنے والے سے اوپر کوئی رحم کرنے والا ہوتا ہے، مگر تجھ سے اوپر کوئی رحم کرنے والا نہیں۔ پاک لوگوں کی شان یہی ہے کہ وہ اپنا حق ادا کرنے کے بعد یہی اعتراف کرتے رہیں کہ حق معرفت ہم سے ادا نہیں ہوا۔

حاصل: احکامِ خداوندی کے نافذ کرنے والوں کو اپنے لئے اللہ سے بخشش اور رحمت طلب کرنی چاہئے

کہ وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ جو لوگوں پر رحم کرے وہی اللہ تعالیٰ کے ارحم ہونے سے استفادہ کر سکتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسرا میں ارشاد فرمایا ہے :

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور ہم قرآن میں وہ اتارتے ہیں جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالمین کو خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا، انہیں حیات دنیا میں ان کے ربّ کی طرف سے غضب اور ذِلّت پہنچے گی۔ اور ہم مفترین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے بعد گئوسالہ پرستی کی، وہ ظلم کے مرتکب ہوئے۔ حیات دنیا میں ان پر اللہ کا غضب پڑا، اور وہ ذلیل ہوئے کہ اللہ پر افتریٰ باندھنے والوں کو یہی جزا دی جاتی ہے۔ حق کے مقابل اپنی تجویز کو وقعت دینے والے، اللہ کی رحمت سے دور ہوتے جاتے ہیں، اور اللہ کے غضب کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ رضائے الٰہی کے خلاف کر کے اپنی عزت کو بڑھایا جائے. مگر اللہ کی مشیت انہیں ذلّت سے نوازتی ہے۔ افتریٰ باندھنے والوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ حیات دنیا میں ان پر اللہ کا غضب پڑتا ہے، اور وہ ذلیل ہو کر رہتے ہیں۔ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر افتریٰ باندھنے والے اپنے کئے کی جزا پا رہے ہیں۔

حاصل : شرک ظلم عظیم ہے۔ حیات دنیا میں اس کی جزا یہ ہوتی ہے کہ مفتری پر اللہ کا غضب پڑتا ہے، اور وہ ذلیل ہو جاتا ہے اور دیکھنے والوں کو اس کے حال سے درس عبرت ملتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

اور جنہوں نے بُرے عمل کئے، پھر توبہ کی ان کے بعد، اور ایمان لائے، تو اس کے بعد یقیناً تمہارا رب بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، ان کے اعمال بُرے ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چھوڑ دیں اور حق کو مان لیں جیسے ماننے کا حق ہے، ہر عمل میں رضائے الٰہی کو مقصود رکھیں، یہ یقین رہے کہ انہیں ان

کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اس لئے یہ نہ دیکھیں کہ لوگ ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہی دیکھیں کہ انہیں حق کے مطابق کیا کرنا چاہئے۔ تو ایسے لوگوں کا حال پاک ہو جاتا ہے، اور اس حال کا ماضی سے تعلق نہیں رہتا۔ ان کی سابقہ برائیوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ انہیں بخش دیا جاتا ہے، اور آئندہ وہ رحمت خداوندی سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔

حاصل : جو عمل اپنی خواہش کی پیروی کے لئے کیا جائے، وہ بُرا عمل ہے۔ جو اس رویئے سے تائب ہو کر، حق کی ادائیگی کو مقصود بنالے، اس کو بخشش اور رحمت سے نواز دیا جاتا ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۵۴﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ تھما، تختیاں اٹھالیں، اور ان کی تحریر میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں، ہدایت اور رحمت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے رویئے کے بارے میں حضرت ہارون علیہ السلام کا بیان سنا تو یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حق خلافت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔ تو آپ کا غصہ تھم گیا اور وہ تختیاں جو آپ نے ادب سے ایک طرف رکھ دی تھیں، اٹھالیں اور ان میں جو فرمان خداوندی تھا اس کا ذکر خیر شروع کیا۔ ان تختیوں کو پہلے ایک طرف رکھنا تقاضاء ادب تھا کہ جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ کون لوگ اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں، اور کون ظالم ہیں، فرمانِ خداوندی ان کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے تھا۔ فرمان خداوندی میں انہی لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہوتی ہے، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اس ڈرنے کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ ان کے قول و عمل کی جزا دینے والا، اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے ان کے قول بھی خواہش کے تابع نہیں ہوتے۔ عمل میں بھی وہ لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ کی رضا ہی احق ہے۔ انہی لوگوں کو ہدایت مطلوب ہوتی ہے۔ اس لئے یہی ہدایت پاتے ہیں۔ جو ہدایت پا جائے، رحمت خداوندی اس کا احاطہ کئے رکھتی ہے۔

حاصل : اپنے متعلقین کے ظلم کو دیکھ کر غصے کا اظہار کرنا پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ فرمانِ خداوندی، اپنے ربّ سے ڈرنے والوں کے لئے باعث ہدایت و رحمت ہوتا ہے۔ جب قول خواہش نفس کے تابع ہونے کی بجائے اللہ کی رضا کے تحت ہو اور عمل میں اللہ کی رضا کو احق مان لیا جائے تو یہ اللہ سے ڈرنے کی سند ہوتی ہے۔

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۚ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے ہماری میقات کے لئے ستّر مرد چنے۔ پھر جب انہیں زلزلے نے پکڑ لیا، آپ نے پکارا، اے میرے ربّ اگر تو چاہتا تو انہیں اور

مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾

مجھے اس سے قبل ہی ہلاک کر سکتا تھا۔ کیا ہم میں سے بے وقوفوں کے فعل پر ہمیں ہلاکت ہو گی۔ یہ تو تیری طرف سے آزمائش ہے۔ تو جسے چاہے بھلا دے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، اور تو سب سے بڑا بخشنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی جماعت کے ساتھ نزول تورات کے مقام پر حاضر ہوئے اور اپنے چنے ہوئے ستر (70) ساتھیوں کے ساتھ مصروف عبادت ہوئے، تو آپ کے کچھ ساتھیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ اللہ کو ظاہر نہ دیکھ لیں۔ آپ نے انہیں سمجھایا کہ یہ کلمات اللہ کے نزدیک قابل گرفت ہیں۔ تمہیں اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ تمہیں اس مقام مقدسہ پر حاضری کا شرف ہوا ہے، اور تمہیں اللہ نے بڑی عزت سے نوازا ہے۔ مگر وہ لوگ اپنے مطالبے سے باز نہ آئے، تو انہیں زلزلے نے پکڑ لیا، اور وہ ختم ہو کر رہ گئے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ اے میرے رب اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی ہلاک کر سکتا تھا۔ تیری مشیت میں دخل دینے کی مجال تو کسی کو نہیں ہو سکتی۔ یہاں لا کر اور بڑے شرف سے نواز کر ہمارے کچھ بے وقوفوں کے پُر حماقت رویئے کی بنا پر ہمیں ہلاک نہ کر، یہ تو تیری طرف سے آزمائش ہے کہ کون اپنی خواہشات کو اللہ کی رضا کے سامنے پست رکھتا ہے اور کون اپنی خواہشات کو نیک جانتے ہوئے بڑھاتا رہتا ہے۔ اب اگر کسی کو ہدایت ملتی ہے تو وہ بھی تیرے کرم سے ملتی ہے۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ تیرا کرم کسی کے شامل حال نہ ہو اور وہ ہدایت پا جائے۔ تیری آزمائش میں تیرے کرم کے ساتھ ہی پورا رہنا ممکن ہے۔ تو ہمارا دوست ہے۔ ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تجھ سے بڑا بخشنے والا کوئی نہیں ہے۔ ہم سے جو بول بولے گئے، وہ کم علمی کی وجہ سے تھے۔ ہم بخشش اور رحم کے طالب ہیں۔ تیرے کرم سے ہی ہم صراط مستقیم پر رہ سکتے ہیں۔

حاصل : اپنے شاہد سے تقدّم باعثِ ہلاکت ہوتا ہے۔ شاہد دعا کا جو علم رکھتا ہے وہ دوسروں کو نہیں ہوتا۔ ہدایت یافتہ ہونے کا شرف ہو، تو اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، اور اپنے ساتھیوں کے لئے بخشش اور رحم طلب کرنا چاہئے۔ اللہ کی رضا کے لئے لوگوں کو معاف کرتے رہنا شان عبدیت ہے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ

اور ہمارے لئے اس دنیا میں اور آخرت میں بھلائی لکھ دے۔ ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ فرمایا میں اپنے عذاب کو جس پر

وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵۶﴾

چاہوں ڈالتا ہوں، اور میری رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔ تو جلد ہی میں اسے ان کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور وہ لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان لوگوں کو زندہ کر دیا، جو زلزلے میں پکڑے جانے کے بعد مر گئے تھے۔ اب حضرت نے یہ دعا فرمائی۔ یا اللہ ہمارے لئے دنیا و آخرت میں بھلائی لکھ دے۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ تیرے کرم سے ہی ہر مقام پر پورا رہنا ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں عذاب کو جس پر چاہوں ڈالتا ہوں۔ میری مشیت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جو خلاف حق کرنے کا راستہ اپنے لئے چن لیتا ہے اسے اس کے اعمال کی جزا دینا بھی میرا کام ہے۔ جہاں تک رحمت کا تعلق ہے، تو وہ ہر شے پر وسیع ہے۔ اور کسی کو اس کی بھلائی کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے، اس کا معطیٔ مطلق بھی میں ہی ہوں۔ بھلائی تو انہی کے لئے لکھی جائے گی، جو اللہ سے ڈرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ اپنا حق ادا کرنے کے بعد یہ اعتراف کیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت رکھنے کا کلی حق ادا نہیں ہوا، اور ہمارے عمل کو حضورؐ کے اسوۂ حسنہ سے نسبت ہی کیا ہے، اللہ تعالیٰ قبول کرے تو اس کی مہربانی۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک ہو جاتا ہے، اور فی سبیل اللہ خرچ ہونے کے لائق ہو جاتا ہے۔ اللہ کی آیات پر ایمان لانے سے پریشانی ختم ہو جاتی ہے، اور دائمی پاک دامنی کا شرف عطا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی طرف جھکاؤ کا امکان ہی نہیں رہتا۔

حاصل : دعا کرنی چاہئے، یا اللہ ہمارے لئے دنیا و آخرت میں بھلائی لکھ دے، ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ سزا برائے اصلاح ہو اور رحمت عام ہو، تو اللہ کی بندگی ہو گی۔ تقوےٰ کے ساتھ زکوٰۃ دی جائے اور اللہ کی آیات پر ایمان لایا جائے، تو خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے، اور دائمی پاک دامنی کا شرف عطا ہوتا ہے۔ جسے دائمی پاک دامنی کا مقام مل جائے، اس کے لئے دنیا و آخرت میں بھلائی لکھ دی جاتی ہے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ

وہ لوگ جو رسول کا اتباع کرتے ہیں، جو نبیٔ امیؐ ہے، کہ جس کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں بھلائی کا امر کرے گا اور برائی سے منع

وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٥٧﴾ ع

کرے گا، اور طیّبات کو ان کے لئے حلال ٹھہرائے گا اور خبائث کو ان کے لئے حرام ٹھہرائے گا، اور ان پر سے ان کے بوجھ اور گلے کے پھندے اتارے گا۔ تو جو لوگ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تعظیم کریں اور آپ کی مدد کریں، اور اس نور کا اتّباع کریں جو آپ کے ساتھ نازل ہوا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں، وہ اس کے رسول کا اتباع کرتے ہیں۔ اور اس رسول ؐ کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ وہ ایسے نبی ہیں جو اُمّی ہیں، اہل کتاب سے نہیں ہیں، یعنی بنی اسمٰعیل علیہ السلام سے ہیں۔ اللہ کے رسول کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کرتے تھے، ان کے لئے معلم اللہ تعالیٰ ہوا، اور وہ لوگوں کے لئے معلم ہوئے۔ اہلِ کتاب اس بات پر گواہ ہیں کہ وہ اُمّی نبی کی مبارک صفات کو تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ تورات اور انجیل کی تحریف چاہے جس حد تک بھی ہو چکی ہے، یا آئندہ ہو سکتی ہے، ان کے اندر اُمّی نبی کی مبارک صفات کا ذکر پاک موجود ہے، اور موجود رہے گا اور یہود و نصاریٰ کو ہمیشہ ان صفات مبارکہ کا پتہ ہو گا۔ اُمّی نبی کے قریب ہونے کے لئے اہل کتاب کو یہ آسانی عطا فرمائی گئی ہے کہ اس کا ہر امر بھلائی کے لئے ہو گا، اور جس بات سے وہ منع کر دے وہ برائی ہو گی۔ بھلائی اور برائی کے تعین میں اُمّی نبی کے ارشاد سے بڑا کوئی معیار نہیں ہے۔ اس لئے اتباع کے لئے دیئے گئے وقت کو سوچ بچار میں ضائع نہ کیا جائے۔ تحلیل و تحریم کی انسانی زندگی میں بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے بھی اُمّی نبی کی شان ملاحظہ ہو کہ جس کو وہ حلال فرما دے، وہ شے طیبات میں داخل ہو گی اور جس شے کو وہ حرام فرما دے، وہ خبائث میں داخل ہو گی۔ طیّبات کے کھانے سے رجوع الی اللہ ہونے میں مدد ملتی ہے۔ خبائث کے کھانے سے طاغوت کی بندگی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ امی نبی کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اہل کتاب کو ان کے بوجھ سے اور ان کے گلے کے پھندوں سے نجات دلا دے گا۔ یہ بوجھ اور پھندے بنی اسرائیل کے لئے ضروری تھے کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کی پیروی سے اسی طرح بچ سکتے تھے۔ آپ پر ایمان لانے والے، آپ کی تعظیم کریں، آپ کے مددگار بنیں اور اس نور ہدایت کے پیچھے چلتے رہیں جو آپ کے ساتھ نازل ہوا، تو وہ یقیناً فلاح پائیں گے۔ تعظیم یہ ہے کہ امی نبی کے ارشاد کے سامنے اپنی علمیت کو ادب کے ساتھ پست رکھیں۔ یہ یقین رہے کہ بندوں میں سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں۔ مدد یہ ہے کہ حضور کے ارشاد کی تائید میں بات کریں اور جو اسناد ان کے پاس ہوں، اظہار حق کے لئے انہیں بیان کریں۔ مال سے بھی مدد کریں، جان سے بھی مدد کریں، اور آپ کی طرف سے ملنے والے نور ہدایت کی پیروی کرتے رہیں۔ یہ حال کو تسلیم کرنے کے آداب ہیں، اور صاحب تسلیم کے لئے فلاح رکھی گئی ہے۔

حاصل : اُمّی وہ لوگ ہیں، جو اہل کتاب یعنی بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُمّی نبی ہیں اور آپ کی مبارک صفات کا ذکر تورات اور انجیل میں موجود ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جن باتوں کے کرنے کا امر دیں، وہ بھلائی ہے، جس سے منع کریں وہ برائی ہے۔ جس کو حلال ٹھہرا دیں وہ طیب ہے، جس کو حرام ٹھہرا دیں وہ خبیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اہل کتاب کو آسانیاں عطا فرمائی ہیں۔ ایمان لانے والے، آپ کی تعظیم کریں، آپ کے مددگار ہوں، اور اس نورِ ہدایت کے پیچھے چلیں جو آپ سے حاصل ہوا، تو وہ فلاح پا جائیں گے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا ہے :

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو حیات دنیا اور آخرت میں حق بات پر ثابت رکھتا ہے، اور ظالمین کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اور اللہ جو چاہے کرے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٨﴾

فرما دیجئے، اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی حیات و موت دیتا ہے۔ تو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے بھیجے ہوئے اُمّی نبی پر ایمان لاؤ جو کہ اللہ اور اس کے کلمات کو مانتے ہیں، اور آپ کا اتباع کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو بھی فرمایا، وہ حکم خداوندی سے تھا اور وہ ماننے والوں کے لئے باعث ہدایت رہا ہے اور رہے گا۔ آپ نے فرمایا، اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جو آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کے دائرہ قدرت میں ہے۔ اس کے سوا کسی کی بندگی جائز نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہو، اسی کی رضا کے لئے ہو، تو یہ اللہ کو معبود ماننے کا ثبوت ہو گا۔ حیات دینے والا بھی وہی ہے اور موت دینے والا بھی وہی ہے۔ اس کی طرف سے آنا ہوا ہے اور اسی کی طرف جانا ہو گا، اور اس حیات و موت کے عمل میں انسانی تجویز کو دخل نہیں ہوتا۔ تو ان دو مقامات کے درمیان وقفے میں بھی اللہ کی بندگی ہی حق ہے۔ اللہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس کے نازل کردہ حق کو مانا جائے اور جزا کے یقین کے ساتھ رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر عمل کیا جائے۔ اس کے اُمّی نبی پر ایمان لانا یہ ہے کہ حضور کو ناصح مانا جائے،

اور آپ سے محبت رکھی جائے۔ یہ یقین رہے کہ آپ عالمین کے لئے رحمت ہیں۔ آپ کے بارے میں اللہ نے یہ شہادت دی ہے، کہ آپ اللہ اور اس کے کلمات کو ماننے کے اعتبار سے سند کا درجہ رکھتے ہیں، اس لئے جو آپ کی پیروی کرے گا، وہ ہدایت پائے گا۔

حاصل : سب لوگوں کی طرف رسول ہونے کا مرتبہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہی حاصل ہوا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں ہر مقام پر احکاماتِ الٰہی کے حوالے سے بات ہونی چاہئے۔ معبود کی رضا میں عبدیّت کی شان ہے۔ حیات و موت دینے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ پر ایمان لانا دعویٰ ہے، جو اللہ کے نبی پر ایمان لانے کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ ایمان لانے والے ہی اتباع کرتے ہیں، اور آپ کا اتباع باعث ہدایت ہوتا ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰٓ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِۦ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٩﴾

اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم سے ایک گروہ ہے جو حق کی راہ بتاتا ہے اور اس سے عدل کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے وہ لوگ بھی ہیں، جو انبیاء سے جھگڑتے رہے ہیں، زمین میں فساد کرتے رہے ہیں، من مانی کرتے رہے ہیں۔ مگر آپ کی قوم سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی راہ بتاتا ہے، اور خود اپنے قول کو عملاً سچا ثابت کرتا ہے۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ قومیت، عقیدے سے تعلق نہیں رکھتی۔ ایک ہی قوم میں متضاد رخ رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ جو لوگ حق کی راہ بتاتے ہیں وہ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں اپنی پسند کو شامل نہیں کرتے اور اس ارشاد گرامی کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرتے۔

حاصل : قومیت کا عقائد و نظریات سے تعلق نہیں ہوتا۔ حق کو بیان کیا جائے تو اس پر خود پورے رہنا تقاضاء عدل ہے۔ قوم موسیٰ سے ان لوگوں کو لائق احترام جاننا چاہئے جو حق کو بیان کرتے ہیں، اور خود اس پر پورے رہتے ہیں۔

وَقَطَّعْنَٰهُمُ ٱثْنَتَىْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ إِذِ ٱسْتَسْقَىٰهُ قَوْمُهُۥٓ أَنِ ٱضْرِب بِّعَصَاكَ ٱلْحَجَرَ ۖ فَٱنۢبَجَسَتْ مِنْهُ ٱثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ ٱلْغَمَٰمَ

اور ہم نے انہیں بارہ قبیلوں میں بانٹ دیا، گروہ گروہ۔ اور جب آپ کی قوم نے آپ سے پانی مانگا تو ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی کہ اپنے عصا سے اس پتھر کو ضرب لگایئے۔ جبھی اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔ ہر

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

قبیلے نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا، اور ہم نے ان پر من و سلویٰ اتارا۔ کھاؤ طیّبات سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا۔ اور انہوں نے ہمارے ساتھ ظلم نہیں کیا، لیکن اپنے ساتھ ظلم کرتے رہے۔

آل فرعون کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے بیٹے ذبح ہو جاتے تھے۔ اس طرح بنی اسرائیل کے عددی قوت بننے کے امکان کو ہی ختم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ بنی اسرائیل کو آزادی دینے کے ساتھ اللہ نے یہ برکت بھی عطا فرمائی کہ یہ تعداد میں بہت بڑھ گئے اور یہ کثرت مقتضی ہوئی کہ ایک بڑی قوم کو قبیلوں میں بانٹ دیا جائے تاکہ افراد کے مابین روابط بہتر ہو جائیں اور زندگی کے عمل میں آسانیاں پیدا ہوں۔ یہ تقسیم بارہ قبیلوں میں ہوئی. ہر گروہ کا ایک تعارف بنا، اس کے لئے جگہ کا تعین ہوا۔ یہ بتایا گیا، وقتی اور مقامی ضرورتوں کے سلسلے میں کن کن حضرات سے رہنمائی حاصل کرنی ہے۔ اس طرح بنی اسرائیل کی معاشرت میں ترقی ہوئی۔ قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض پیش کی کہ حضرت پانی کے لئے دعا فرمایئے، کہ پانی ضروریات زندگی میں اہم ترین شے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے عصا کو اس پتھر پر ماریئے، آپ نے اپنا عصا اس پتھر پر مارا تو اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔ ہر قبیلے کو معلوم ہو گیا کہ اس کے قریب پانی کی گزر گاہ، اس کا حصہ ہے۔ اس سہولت کے حاصل ہونے کے بعد زندگی میں تحرک بڑھا، تو صحرا کی دھوپ کی تمازت آڑے آنے لگی۔ اس کے لئے اللہ نے حضرت کی دعا سے یہ آسانی عطا کر دی کہ بادل سایہ کئے رکھتے تھے، اور چلنے پھرنے کا کام مشکل نہیں رہا تھا۔ اب خوراک کا مسئلہ تھا۔ دعا کروائی گئی، من و سلویٰ عطا ہونے لگا۔ آداب حصول واضح فرما دیئے گئے۔ اس رزق کا تسلسل باعث اطمینان ہونا چاہئے تھا۔ پانی مل گیا، سایہ مل گیا، رزق مل گیا، اب توجیات کی صورت میں ملی ہوئی توفیق کو رضائے الٰہی پر لگانا بہت آسان ہو گیا۔ مگر شکریہ وہی لوگ ادا کرتے ہیں، جو اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتے۔ اور جن کی نظر افادیت سے ہٹ کر لذت کی طرف نہیں جاتی۔ ان لوگوں نے خواہشات کی پیروی شروع کر دی، اور اس طرح ظلم کے مرتکب ہوئے۔ مگر ان کا ظلم انہی کے لئے باعث خسران تھا۔ معطیٔ مطلق تو احتیاج سے پاک ہے۔ اس کی عطا کی ناشکری کی جائے، تو اس سے معطیٔ مطلق کو کیا نقصان ہو سکتا ہے۔

حاصل : کثرت کے نتیجے میں تقسیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تقسیم علمِ حقیقی رکھنے والوں کا کام ہے۔ قاسم کی مقرر کردہ حدود کا احترام اس لئے ضروری ہے کہ اس نے جو کیا ہوتا ہے، رضائے الٰہی کے لئے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آسانیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ افادیت کے مقابل لذت کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ ناشکری سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں ہوتا، نقصان ناشکری کرنے والوں کا ہی ہوتا ہے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

اور جب ان سے فرمایا گیا کہ اس قریئے میں سکونت اختیار کرو اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ اور حِطَّۃٌ کہو، اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔ البتہ محسنین کو زیادہ دیں گے۔

جب بنی اسرائیل نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے طعام واحد پر صبر نہیں ہو سکتا، ہمارے لئے ہماری پسندیدہ چیزوں کا اہتمام ہونا چاہئے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، تو آپ نے فرمایا، کیا خیر کے بدلے ادنیٰ کو پسند کرتے ہو۔ مگر قوم کا مطالبہ جاری رہا، تو ان سے فرمایا گیا کہ اس بستی میں اترو، وہاں سکونت اختیار کرو۔ جو تمہیں پسند ہے، وہ وہاں ہے۔ جو چاہو کھاؤ اور حِطَّۃٌ (ہماری خطائیں معاف کیجئے) کہتے رہو، دروازے میں داخل ہوتے وقت سجدہ شکر بجالاؤ، اس سے تمہاری خطائیں بخش دی جائیں گی، اور محسنین کو مزید انعامات سے نوازا جائے گا۔ طیبات کے استعمال کرنے والوں پر حق ہے کہ وہ اللہ سے بخشش طلب کرتے رہیں۔ جو نعمتیں انہیں میسر ہوں، انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہیں۔ اور یہ اعتراف بھی کرتے رہیں کہ معرفت الٰہی کا حق ادا نہیں ہوا۔ اپنے اعمال کو خوب نہ کہیں، اور بخشش طلب کرتے رہیں۔ دوسروں کی خطاؤں کو بھی معاف کرنے میں دیر نہ کریں۔ تو یہ عطائے رزق کا شکریہ ادا کرنے کی صورت ہوگی۔ جائے سکونت بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرنا بھی حق ہے۔ اور اس شکریئے کے ساتھ عجز بھی ہونا چاہئے، استکبار نہیں ہونا چاہئے۔ حدود اللہ کا ادب واحترام کرنے والے، محسنین ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ بڑی شان سے نوازتا ہے۔

حاصل : طیّبات سے کھانا چاہئے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے دوسروں کو بھی کھلانا چاہئے۔ لذت مقصود نہیں ہونی چاہئے، افادیت مقصود ہونی چاہئے۔ اللہ کی مخلوق سے معاملات کرنے والوں کو بخشش طلب کرتے رہنا چاہئے۔ اپنے اعمال کو خوب کہنے سے دوسروں کے اعمال کا ناقص نظر آنا یقینی ہوتا ہے۔ اپنے اعمال کو حق کے حوالے سے دیکھا جائے تو عجز پیدا ہوتا ہے۔ جائے سکونت کو بھی عطائے الٰہی جاننا چاہئے، اور خوف خدا کے ساتھ اسے پاک رکھنا چاہئے۔ محسنین بڑے انعامات سے نوازے جاتے ہیں۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا

تو ان میں کے ظالموں نے اس ارشاد کو بدل ڈالا جو انہیں فرمایا گیا تھا۔ تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لئے کہ

يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾

وہ ظلم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کی عظیم شہادتیں وہاں موجود تھیں۔ اس قریئے میں داخل ہونے کے آداب یہ بیان فرمائے گئے تھے کہ حِطَّةٌ کہتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہو۔ ان لوگوں نے مغفرت طلبی کی بجائے حِنطَةٌ کہنا شروع کر دیا۔ اور سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کی بجائے سرینوں پر سرکتے ہوئے داخل ہوئے۔ یہ ارشاد الٰہی کو بدل ڈالنے والی بات تھی، اور ارشاد الٰہی کو بدلنے کی کوشش صریحاً ظلم ہے۔ ان لوگوں کے ظلم کی بدولت ان پر آسمان سے عذاب بھیجا گیا۔ پھر وہ اس سے ہلاک ہوئے۔

حاصل : ارشادِ خداوندی ماننے والوں کے لئے باعث فلاح ہوتا ہے۔ اس کو بدلنے کی کوشش صریحاً ظلم ہے۔ اور ظلم باعثِ عذاب ہوتا ہے۔ اللہ کے عذاب سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے، اور وہ ہے حدود اللہ کا ادب و احترام۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا ہے :

وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٥﴾

اور جو ایمان کی نفی کر دے تو بے شک اس کا عمل اکارت ہوا، اور آخرت میں وہ خاسرین سے ہے۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾

اور ان سے بستی کے متعلق پوچھئے جو دریا کنارے تھی۔ جب وہ سَبت کے حکم میں حد سے بڑھنے لگے، جب ہفتے کے دن مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے آتیں اور ہفتہ نہ ہو تو نہیں آتی تھیں۔ اس طرح ہم انہیں دیکھتے تھے، اس لئے کہ وہ فسق کرتے تھے۔

حق کو اس طرح مانا جائے کہ ناصحین سے محبت کا ثبوت ملے تو یہ مومن ہونے کی سند ہو گی اور اس طرح مانا جائے کہ دعویٰ حق کو ماننے کا ہو اور پیروی اپنی خواہش کی ہو تو یہ فاسق ہونے کی سند ہو گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ روشن کرنا چاہتے تھے کہ حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش پہلے بھی ہوتی رہی ہے اور اس کا انجام بھی ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہوا، اب اگر کوئی وہی راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے انجام سے بے خبر نہ رہے۔ مثال بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کا ایک قریہ دریا کنارے تھا۔ انہیں حکم ہوا کہ تم لوگ ہفتے کو مچھلی نہیں پکڑو گے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ لوگ حکم کو مانتے ہیں یا اپنی

خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مچھلی ہفتے کے روز پانی کے اوپر بکثرت تیرتی نظر آتی تھی اور ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نیچے چھپی رہتی تھی۔ ان لوگوں نے یہ دیکھا تو تجویز نکالی کہ ہفتے کے دن مچھلی کو ایسی جگہوں میں جمع کر لیا جائے جہاں سے وہ واپس نہ جا سکے اور اس کا پکڑنا آسان ہو، مگر اس سارے عمل میں مچھلی کو ہاتھ نہ لگے اور ہفتے سے اگلے دن اسے پکڑ لیا جائے۔ اگر یہ لوگ کچھ وقت کے لئے ہفتے کے دن کو ادباً مچھلی نہ پکڑتے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تو انہیں بڑے انعامات سے نوازا جاتا۔ جن لوگوں کو اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے وہ کبھی من مانی نہیں کرتے۔

حاصل : جن لوگوں کو اللہ کی رضا مطلوب ہو وہ کبھی حق کی ادائیگی کے نام پر اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتے کہ یہ فسق ہے۔ انسانی زندگی میں ایسے مقامات ضرور آتے ہیں جہاں عملاً ثابت ہو جاتا ہے کہ عامل کا رخ حق کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا، ان لوگوں کو کیوں وعظ کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں شدید عذاب دینے والا ہے۔ کہنے لگے، تمہارے ربّ کے حضور معذرت کے لئے، اور اس لئے کہ وہ ڈریں۔

وعظ اسے فائدہ دیتا ہے، جو اسے سنے اور مانتے ہوئے، اپنے قول و فعل کو حق کے مطابق بنانے کی سعی کرے۔ جو لوگ حق کو نہ سنیں اور سنیں تو بھی من مانی کرنے سے باز نہ آئیں، وہ ہلاکت کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہلاکت کو کچھ دیر کے لئے مؤخر کر دے تو پھر خلاف حق کرنے والے عذاب شدید میں پکڑے جاتے ہیں۔ جب دریا کنارے بستی والوں نے یومِ سبت کو مچھلی نہ پکڑنے کا حکم سنا تو رضائے الٰہی کے طالبین ہفتے کے دن مچھلی پکڑنے کو حرام جاننے لگے، اور اس وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہنے لگے۔ انہی کے کچھ ساتھی ہفتے کے روز مچھلی پکڑنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ انہیں وعظ کرتے تھے کہ حدود اللہ کا احترام کرنا چاہئے اور یہ بتاتے تھے کہ تم حکمِ الٰہی کو ماننے کے نام پر اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہو۔ یہ مت سمجھو کہ اللہ تمہارے مکر سے آگاہ نہیں ہے۔ خاموش رہنے والے پاک لوگوں نے وعظ کرنے والے دوستوں سے یہ کہا، کہ تم ایسے لوگوں کو وعظ کرتے ہو جو ہلاکت یا عذاب شدید میں پکڑے جانے والے ہیں۔ وعظ کرنے والے حضرات نے جواب دیا، کہ ہمارا منشاء تو یہ ہے کہ ہم تمہارے ربّ کے حضور معذرت خواہ ہو سکیں کہ ہم نے اپنا وقت اس کی رضا کے لئے لگایا ہے اور ممکن ہے یہ بھی اس وعظ سے متاثر ہو کر اللہ سے ڈرنے لگیں۔

حاصل : جو لوگ من مانی کرنے والے ہوں، انہیں وعظ کم ہی فائدہ دیتا ہے۔ اگر وہ حق کو ماننے

کے نام پر اپنی خواہشات کی پیروی کے مرتکب ہو رہے ہوں تو پھر وہ قابل اصلاح نہیں ہوتے۔ وعظ کرنے والے اپنے وقت کو رضائے الٰہی پر لگاتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور معذرت خواہ ہو سکیں اور ممکن ہے کہ کوئی اس وعظ کو سن کر اللہ سے ڈرنے بھی لگے۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾

پھر جب بھلا بیٹھے، اس نصیحت کو جو انہیں دی گئی تھی، ہم نے انہیں بچالیا جو برائی سے منع کرتے تھے، اور ظالموں کو ان کے فسق کے سبب بڑے عذاب میں پکڑا۔

حق کو سن کر جب لوگ اپنی خواہشات کی پیروی سے باز نہ آئیں تو وہ نصیحت کو بھلا دینے کے مقام پر ہوتے ہیں۔ یہ مقام عذاب الٰہی سے زیادہ دور نہیں ہوتا۔ قبل اس کے کہ منکرین حق کو عذاب میں پکڑا جائے، حق کے ماننے والوں کو ان سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ دریا کنارے بستی والوں نے بھی جب ہفتے کے دن مچھلی کے شکار سے باز رہنے کے حکم کو بھلا دیا، اور حق کی خلاف ورزی کو اپنا شعار بنالیا، تو اللہ نے ان لوگوں کو برے عذاب میں پکڑنے سے پہلے ناصحین کو وہاں سے نکال لیا۔ ظالموں کو ان کے اعمال کے نتیجے میں پکڑا گیا۔ یہ لوگ اپنی پسند کو حق کا درجہ دیتے تھے، اس لئے فاسق تھے۔ فاسق ہمیشہ بری مار کا مستحق ہوتا ہے، کہ حق کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور اپنی من مانی بھی کرتا ہے۔ جو لوگ فاسقین کے انجام کو دیکھ کر وعظ سے رک گئے تھے، وہ بڑے علم والے تھے۔ جو لوگ وعظ کو فاسقین کی کیفیت کے مشاہدے کے باوجود جاری رکھتے تھے۔ یہ اللہ سے ڈراتے رہنے کو اپنا مشن جانتے تھے۔ یہ بھی یقیناً نیک کام میں مصروف تھے۔ فاسقین کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ اس بات کو دیکھنے والے تو پہلے ہی فاسقین سے الگ ہو گئے تھے۔ نصیحت کو جاری رکھنے والوں کو اللہ نے عذاب سے پہلے منکرین حق سے الگ کر لیا۔

حاصل : نصیحت کو بھلا دینا ہمیشہ باعثِ عذاب ہوتا ہے۔ فاسق کو نصیحت فائدہ نہیں دیتی۔ فاسقین کو فسق سے منع کرنے والے نیک لوگ ہوتے ہیں اور نصیحت میں لگے رہتے ہیں۔ ظالموں کو عذاب میں پکڑنے سے پہلے اللہ ناصحین کو وہاں سے نجات دے دیتا ہے۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾

پھر جب اس کام میں بڑھنے لگے جس سے منع کیا گیا تھا، ہم نے فرمایا، ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔

بستی والوں میں سے جن لوگوں نے سبت کے دن مچھلی نہ پکڑنے کے حکم کو یوں اپنی خواہش کے مطابق بنالیا کہ ہفتے کے دن مچھلی کو ایسی جگہوں میں سنبھال لیتے جہاں سے وہ واپس نہ جا سکتی تھی اور اگلے دن اسے پکڑ لیتے تھے، بڑھتے بڑھتے یہ لوگ

سبت کے احترام کو بھلا کر من مانی کرنے لگے اور ممانعت سے بے پرواہ ہو گئے۔ اللہ نے ناصحین کو ان سے الگ کر دیا اور منکرین حق کو بندر بنا دیا۔ قادرِ مطلق کو سزا دیتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ اس کی مقرر کردہ حدود کا احترام، ماننے والوں کے لئے ہی باعث فلاح ہوتا ہے۔ حدود کا تعین کرنے والا قادرِ مطلق کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔

حاصل : حدود اللہ کا عدم احترام باعث عذاب ہوتا ہے۔ کسی کی تجویز اسے عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکتی۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

اور جب تمہارے ربّ نے خبر دے دی کہ ضرور یوم قیامت تک ان پر ایسے کو اٹھاتا رہوں گا جو انہیں بری مار مارے۔ بے شک تمہارا ربّ ضرور جلد عتاب والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

بنی اسرائیل نے حدود اللہ کے عدم احترام کو اپنا طریق زندگی بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرما دیا کہ اب قیامت کے دن تک ان کے ساتھ یہ ہوتا رہے گا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسے حاکم کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بُری مار مارنے والا ہو گا۔ بنی اسرائیل کی محکومانہ زندگی ان کی تاریخ میں کوئی راز نہیں ہے۔ عذاب وقفوں کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اس لئے دو عذابوں کے درمیان وقت میں خوف و حزن تو رہے گا۔ مگر اس وقت میں اصلاح کو قبول کرنے والے بخشش و رحمت سے فیض بھی پا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ کسی فرد یا گروہ کو عذاب میں پکڑنے کے لئے اسے کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ جلد عذاب دینے پر قادر ہے اور اس کی قدرت کسی سبب کی محتاج نہیں ہوتی۔ بنی اسرائیل کے ساتھ یہ قیامت تک ہوتا رہے گا کہ ایک حاکم سے بُرا عذاب پانے کے بعد یہ کچھ قوت جمع کریں گے اور اترانے لگیں گے تو ان پر دوسرا حاکم مسلط کر دیا جائے گا۔ دو عذابوں کے درمیانی وقفے میں ان لوگوں کو دیکھنے والا انہیں ماضی اور مستقبل کے حوالے سے دیکھے تو اس کا مشاہدہ درست ہو گا۔

حاصل : بنی اسرائیل یوم قیامت تک محکومانہ زندگی ہی گزاریں گے اور وقفوں کے بعد ان پر ایسے حاکم مسلط ہوتے رہیں گے جو انہیں بُری مار ماریں گے۔ عذاب سے قبل بنی اسرائیل کا رویہ ظالمانہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کسی تیاری کی محتاج نہیں ہوتی۔ جو اللہ سے بخشش اور رحم کے طالب ہوں وہ ضرور فیضیاب ہوتے ہیں۔

وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ

اور ہم نے انہیں زمین میں گروہ گروہ کر کے بانٹ دیا۔ ان میں کچھ صالح ہیں اور

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

کچھ ان کے مقابل۔ اور ہم نے انہیں بھلائیوں اور برائیوں سے دیکھا کہ وہ رجوع لائیں۔

بنی اسرائیل پر مستمر عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ من حیث القوم یہ لوگ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہیں۔ یہ کبھی عالمی قوت نہیں بن سکتے۔ ان میں کچھ صالح ہیں کچھ غیر صالح ہیں۔ صالحین کی تعداد دوسروں کے مقابل کم ہے۔ صالح لوگوں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ حق کا علم ہو جانے کے بعد من مانی نہیں کرتے۔ اس کے خلاف فاسقین کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حق وہی ہوتا ہے جو انہیں پسند ہو۔ رجوع اور انابت الی اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو بھلائیاں بھی دی گئیں کہ یہ شکر گزاری کے ساتھ رجوع لائیں۔ برائیاں بھی دی گئیں کہ نتائج پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھیں اور جزا کے یقین کے ساتھ اپنے حال کی اصلاح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائیں۔

حاصل : بنی اسرائیل کا زمین میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جانا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر مستمر عذاب ہے۔ صالح، اپنی پسند کو حق کے تابع کر دیتا ہے۔ غیر صالح، حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ بھلائی پہنچے یا برائی پہنچے علمِ الٰہی کے مطابق وہ انابت الی اللہ میں انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

پھر ان کے بعد وہ ناخلف کتاب کے وارث ہوئے کہ دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہو جائے گی۔ اور اگر ویسا ہی مال ان کے پاس آئے تو لے لیں۔ کیا ان پر کتاب میں میثاق نہیں لیا گیا کہ اللہ پر وہی کہیں جو حق ہو، اور انہوں نے اسے پڑھا ہے۔ اور دار آخرت تقویٰ کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔ تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

پہلے تو بنی اسرائیل میں کچھ صالح تھے، کچھ غیر صالح تھے۔ پھر ان کے بعد وہ ناخلف آئے، کہ نام کو تو وارث کتاب ہوئے مگر دنیا کے ادنیٰ مال کے عوض آیات کتاب میں تحریف کر دیتے ہیں اور اس گناہ کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ اس کو بخش دیا

جائے گا۔ یہ اعتراف تو موجود ہے کہ وہ خلاف حق کر رہے ہیں۔ اس اعتراف کے بعد مستقبل میں اس گناہ کا اعادہ خلاف عقل ہے۔ مگر ویسا ہی موقع آجائے تو وہ پھر اسی گناہ کے کرنے کو تیار ہوتے ہیں، اور مال لے کر پھر تحریف و کتمان کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کتاب الٰہی میں تو ان سے یہ میثاق لیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں وہی کہیں گے جو اس نے نازل فرمایا ہے، اور کتاب کی درس و تدریس بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ لوگ اس میثاق سے باخبر ہیں، مگر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے اس میثاق کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حیات دنیا کے قلیل فائدے کے لئے خلاف حق کرتے ہیں۔ مگر اس دارِ فانی کے بعد دارِ آخرت بھی آنے والا ہے، جس میں اعمال کی جزا دی جائے گی۔ جن لوگوں کے اعمال حق کے مطابق ہوں گے وہ پاک ہونے کی بدولت فلاح پائیں گے۔ حق کے خلاف کرنے والے، اور حق کے مطابق زندگی گزارنے والے، حیات دنیا کی صورت میں ملی ہوئی توفیق کو استعمال کرتے ہوئے اس دارِ فانی سے گزر جاتے ہیں۔ حق کے خلاف کرنے والے بے عقلی کرتے ہیں کہ قلیل فائدے کے لئے دائمی خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔ حق کے مطابق رہنے والے بڑے عقل مند ہوتے ہیں کہ دنیا میں خوف و حُزن سے بچتے ہیں اور آخرت میں ان کے لئے فلاح ہے۔ تقاضائے عقل تو یہی ہے کہ جس بات کے حق ہونے کا یقین ہو اس کو اپنا حال بنایا جائے۔ جس عمل کی جزا خسارے کے علاوہ کچھ نہ ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔

حاصل : اپنے کسی عمل کے بارے میں یہ سوچ لینا کہ یہ ہے تو خلافِ حق مگر بخشش ہو جائے گی، غافلین کا طریق زندگی ہے۔ ناخلف کا عمل اس کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔ اللہ کے متعلق وہی بات کہنی چاہئے جو اس کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔ جو لوگ تقویٰ کرتے ہیں وہی عقل مند ہیں اور دار آخرت انہی کے لئے بہتر ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ بے شک ہم مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

مصلحین کی شان یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کو خوب تھام کر رکھیں۔ اس کے احکام کو اس طرح جانیں کہ ان کی زندگی میں ان کا ہر قول اور ہر عمل کتاب اللہ کی تصدیق سے منور ہو۔ ان پر ان کے نفس کا امر غالب نہ ہو۔ انسانوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج کے سامنے مرعوب ہونے کی بجائے وہ حق کو اس طرح ادا کریں کہ ان کا عمل بولتا ہوا نظر آئے اور وہ نماز بھی قائم رکھتے ہوں۔ نماز اسی صورت قائم ہو سکتی ہے کہ نماز میں کئے ہوئے پاک رہنے کے عہد پر بعد از نماز قائم رہا جائے۔ مصلحین کا اجر عند اللہ ہوتا ہے۔ اللہ ان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

حاصل : ہمیں کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام کر رکھنا چاہئے، نماز قائم کرنی چاہئے اور مصلحین کی تکریم کرنی چاہئے۔ مصلحین سے اصلاح لینے کے ساتھ ساتھ ان کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے۔

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧١﴾

اور جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اٹھایا، گویا وہ سائبان ہو اور ڈرے کہ وہ ان پر گرے گا۔ قوت سے پکڑو جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اور یاد رکھو جو اس میں فرمایا گیا ہے تاکہ تم تقویٰ کرتے رہو۔

جب بنی اسرائیل نے احکام الٰہی کو وہ اہمیت نہ دی جو احکام الٰہی کی شان کے لائق تھی، تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر سائبان کی صورت میں لٹکا دیا، اور وہ اس سے ڈرے کہ یہ ان پر گرا دیا جائے گا۔ اس تخویف کے ساتھ انہیں فرمایا کہ جو کچھ تمہیں عطا فرمایا گیا ہے، اسے قوت سے تھام کر رکھو۔ وہی کرو جو اس میں فرمایا گیا ہے۔ اپنی پسند اور ناپسند کو حق کے مقابل وقعت دینے سے بچنے کی یہی صورت ہے۔ اسی تقوے سے تم ہدایت پاسکو گے، اور اسی سے تمہیں فلاح حاصل ہو گی۔ جہاں تقویٰ نہیں ہو گا، شیطان کا اتباع ضرور ہو گا اور شیطان کا اتباع ہو تو دونوں جہان کا خسارہ بھی ضرور ہو گا۔

حاصل : حق کی ادائیگی میں تساہل برتنے والوں کو تخویف کے ساتھ، تاکید کرنی چاہئے کہ حق کو قوت کے ساتھ تھام کر رکھو اور تمہیں یاد رہے کہ تم نے رضائے الٰہی کو ماننا ہے۔ تقویٰ کرنے والے، اپنے الفاظ کو بھی حق کے تابع رکھتے ہیں، اپنے اعمال پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھوں کیا آگے بھیج رہے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسرآ میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾

اور ہم نے قرآن میں نازل فرمایا ہے جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالمین کو اس سے خسارہ ہی بڑھے گا۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾

اور جب بنی آدم کی پشتوں سے تمہارے ربّ نے ان کی ذریت کو نکالا اور انہیں اپنے انفس پر شاہد کیا۔ کیا میں تمہارا ربّ نہیں۔ عرض کرنے لگے، تو ہی ہے، ہم شہادت دیتے ہیں۔ کبھی قیامت کے دن کہنے لگو، ہم تو اس سے غافل تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے بنی آدم اور بنی آدم سے ان کی ذرّیت جلوت میں ظہور پذیر ہونے سے پہلے خلوت کے مقام پر تھی۔ علیم مطلق کے ارشاد سے یہ روشن ہے کہ اولاد آدم نے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کو تسلیم کیا تھا، اور پھر شہادت دی تھی کہ تو ہی ہمارا رب ہے۔ خلوت میں اس شہادت کی موجودگی، کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کبریٰ کو مانا تھا، جلوت میں کیوں یاد نہیں رہتی۔ صاحبو! اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کو چھوڑ دو۔ سب سے پہلے یہ دیکھنے کا شرف ہو گا، کہ تمہارا مقصد تخلیق کیا ہے۔ پھر یہ نظر آئے گا کہ تخلیق کے ساتھ جس ربوبیّت کا تعلق ہے، وہ ربوبیت کبریٰ، اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی شان کے لائق ہے۔ آج بھی دیکھو۔ پالنے کے عمل کے اسباب سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ مرد و عورت کے مادہ منویہ کی تخلیق و پرورش کے بارے میں انسانی علم بہت ہی قلیل ہے۔ رحم مادر میں پرورش ربّ العالمین کے علم سے ہوتی ہے۔ وضع حمل کے بعد کی خوراک رب العالمین کی عطا کردہ ہوتی ہے۔ شعور کے وقت میں بھی جو ہم کھاتے ہیں، معطیٔ مطلق کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اس کو پاک ہاتھ سے لیا جائے تو لینے والا خوف و حزن سے پاک رہتا ہے۔ ناپاک ہاتھ سے لیا جائے تو وہ خوف و حُزن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہماری خوراک سے خون بنا کر سارے جسم کی پرورش کرنا بھی ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ رب العالمین کا کام ہے۔ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، توفیق دی ہے اور معیار ہدایت بھیجا ہے۔ وہ ہی یوم الدین کا مالک ہے، ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو نہ مانا جائے تو یہ غفلت انسان کو خسارے میں ڈال دے گی۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کو ماننا اور حال پر اپنی تسلیم کو عملاً سچا ثابت کرنا ہم پر حق ہے۔ جب یہ مان لیا جائے کہ پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اپنی خواہشات کی پیروی سے ہٹ جانا ضروری ہے۔ ہر مقام پر پاک رہنا ضروری ہے۔ جو پاک نہ ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ کے ربّ ہونے کا منکر ہوتا ہے۔

أَوْ تَقُولُوٓا۟ إِنَّمَآ أَشْرَكَ ءَابَآؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۢ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ ٱلْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾

یا یہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے آباء نے کیا، اور ہم ان کے بعد ان کی ذرّیت ہوئے۔ تو کیا تو ہمیں اس پر ہلاک کرے گا جو اہل باطل نے کیا۔

بنی آدم کے ہر فرد نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کبریٰ کو شعور کے ساتھ تسلیم کیا اور عمل کے لئے دی گئی توفیق سے پہلے کیا۔ اس تسلیم کے مطابق ہر نفس پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ وہ جس طرح اس دنیا میں پاک پیدا ہوا تھا، حدود خداوندی کا احترام کرتے ہوئے اسی طرح پاک رہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو۔ یہ کہنا کہ ہم اپنے آباء کی اقتداء میں شرک کرتے رہے اور ان کے اتباع سے بچنا ہمارے لئے ممکن نہ تھا، کہ ہم ان کی اولاد تھے جو مشرک تھے اور اہل باطل تھے، درست نہیں ہو سکتا۔ ہر نفس کو اس کے عمل کی جزا دی جائے گی۔ جو راستہ کوئی اختیار کرتا ہے اپنے شعور کے ساتھ کرتا ہے۔ جو اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کے لئے اللہ نے جہنم رکھا ہوا ہے اور جو اللہ کے حضور ایمان اور صالح اعمال کے ساتھ آئے گا اس کے لئے جنت ہے کہ یہ اس کی پاکیزگی کی جزا ہے۔ آباء اگر خوف و حزن میں مبتلا ہوں اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے ہوں تو ان کا اتباع صرف گمراہی کا باعث ہی ہو سکتا ہے۔ جب رخ گمراہی کا ہو گا، تو ہدایت نہیں ملے گی اور جب رخ ہدایت کا ہو گا، تو گمراہی نہیں ہو گی۔ گمراہی ہمیشہ اپنی خواہشات کی پیروی سے ہوتی

ہے اور یہ ہر نفس کا ذاتی فعل ہے۔ کسی دوسرے کا فعل کسی نفس کو گمراہ نہیں کرتا۔

حاصل : جزا کا یقین ہو تو آباء کے اعمال کو سند نہیں مانا جا سکتا جب تک وہ معیار ہدایت کے مطابق نہ ہوں۔ جس کے حال سے ہمارا حال ملتا ہے، اس کے مستقبل سے ہمارا مستقبل کیوں نہیں ملے گا۔ جو رخ اختیار کیا جائے گا اسی کی جزا دی جائے گی۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

اور اسی طرح ہم آیات کو مفصّل کرتے ہیں اور تا کہ وہ پھر آئیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کا منشاء یہ ہے کہ تدبّر اور تفکّر سے لوگ یہ دیکھیں کہ موجودہ حال کا ایک ماضی بھی تھا اور اس حال کے بعد ایک مستقبل بھی ہو گا، حال پر جو توفیق موجود ہے، اس کو کس طرح استعمال کیا جا رہا ہے اور اس کے کیا نتائج مرتب ہوں گے۔ اگر یہ واضح ہو جائے کہ اختیار کردہ راستہ مصلحین کا ہے تو شکریہ ادا کیا جائے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ یہ راستہ خاسرین کا ہے تو پھر اپنی پسند کو چھوڑ دیں۔ ٹھیک اور نہ ٹھیک کا فیصلہ خود نہ کریں۔ اللہ کے مخلص بندے کو اپنا شاہد بنائیں۔ اسی منیب کا اتباع کریں۔ یہ رجوع الی اللہ ہونے کا طریقہ ہے۔

حاصل : ہمارا منشاء لوگوں کو آسانیاں عطا کر کے، بیان کی تفصیل سے، دعوت فکر و تدبّر دینا ہو اور انہیں رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دینا ہو تو حق ادا ہو گا۔ اگر ہمارے بیان سے لوگ رجوع الی اللہ ہونے کی بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کی طرف لوٹ جائیں تو پھر وہ بیان حق کے مطابق نہیں ہو گا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

اور انہیں اس کی خبر سنائیے، جسے ہم نے اپنی آیات عطا کیں تو وہ ان سے نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔

یہ ایک انسان کی خبر ہے جسے حکم خداوندی کے مطابق اللہ کے رسول علیہ السلام نے حق سنایا۔ اللہ نے اس بندے کو اپنی نشانیاں دی تھیں۔ اس کو معلوم تھا کہ اس کی دعائیں سنی جاتی ہیں اور اس کی مدد کی جاتی ہے۔ رجوع الی اللہ رہنے کے لئے یہ بہت بڑی مدد ہے۔ اس بندے کے سامنے جب شیطان نے خواہشات نفس کا جال پھیلایا تو وہ اس میں پھنس گیا اور گمراہ ہو گیا۔ جو بندہ عطائے الٰہی کو اپنی ذاتی اہلیت کی بدولت سمجھے، اور اپنی ذاتی اہلیت پر فخر کرنے لگے، شیطان کو اس کے گمراہ کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ شیطان صرف مخلص کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ مخلص جب بھی زبان کھولتا ہے تو وہ حدود عبدیت کے اندر رہ کر بات کرتا ہے۔

حاصل : اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس کو عطا کرنے والا

جانتا ہے یا اس کا محبوب جانتا ہے۔ باقی سب صرف اس عطا کو بیان کر سکتے ہیں جو ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہوئی یا آپ کے شاہدین سے ہوئی، حدود عبدیت میں رہنا بہر حال ضروری ہے۔ قول میں فخر ہو تو شیطان کو وہاں آتے دیر نہیں لگتی۔ گمراہ کرنے والا جانتا ہے کہ مخلص پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا، باقی اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

اور ہم چاہتے تو اسے ان کی بدولت رفعت دیتے مگر وہ تو زمین سے لگ گیا اور اپنی خواہش کا پیرو ہوا، تو اس کا حال کتے کی مثل ہے۔ تو اس پر بوجھ ڈالے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے۔ یہ ہے حال ان لوگوں کا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ تو آپ بیان فرمائیے تاکہ وہ تفکر کریں۔

جو نشانیاں اللہ نے مذکورہ بندے کو عطا فرمائی تھیں، وہ نشانیاں یقیناً اس کے لئے باعث رفعت ہو سکتی تھیں۔ مگر جب وہ اپنی خواہش کی پیروی کرنے والا ہو گیا تو اس نے گمراہی کے لئے سعی کی۔ جو ہدایت کا طالب ہو، اسے ہی ہدایت ملے گی۔ جسے ہدایت ملے گی اس کے درجات ضرور بلند ہوں گے۔ جس کے درجات بلند ہوں گے، وہ کسی شے کو اپنا مقصود نہیں بنائے گا۔ جو کسی شے کو اپنا مقصود بنائے گا، وہ خواہشات کی پیروی کرنے لگے گا۔ پھر اس کی زبان حرص کبھی تسکین نہیں پائے گی۔ جو ملے گا وہ ناکافی معلوم ہو گا، اور نہیں ملے گا تو بھی بے چینی ہی ہو گی۔ کتے کا حال بھی یہی ہوتا ہے۔ آپ اس کے ساتھ کچھ بھی کریں، اس کی زبان حرص لٹکتی رہے گی۔ یہ خواہشات سے جُڑ جانے کی مثال ہے۔ جو لوگ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں، وہ اللہ کے کرم کو دیکھ کر اس کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے اپنی مہارت کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ ان کے نزدیک کامیابی یہی ہوتی ہے کہ ان کی خواہش پوری ہو جائے۔ جو بھی اللہ نے بنایا ہے، اس میں سے کسی شے کو اپنے لئے نہیں بنایا ہے۔ حیاتِ دنیا میں جو توفیق دی گئی ہے، اس توفیق سے حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ اگر نظر حق کی ادائیگی سے ہٹ جائے اور اشیاء کو مقصود بنا لیا جائے تو سارا وقت اشیاء کے اکٹھا کرنے میں ضائع ہونے لگے گا۔ جب عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو گا تو اس کا احساس ہو گا مگر اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہو گا۔ یہ دعوت تفکر ہے۔ جو خواہش کی پیروی سے ہٹ جائے، اس کا دونوں جہان میں بھلا ہو گا۔

حاصل : جو ہدایت کا طالب ہو اس کو ہدایت ملتی ہے۔ جو اپنی خواہشات کے ساتھ لگ جائے، اسے زمین پکڑ لیتی ہے۔ وہ اشیاء کو مقصود بنا لیتا ہے اور حق کی ادائیگی سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اللہ کے کرم

سے جو ملتا ہے۔ اس کو اپنی مہارت کی بدولت جانتا ہے۔ اس طرح وہ معطئ مطلق سے دور ہوتا رہتا ہے اور آیات کی تکذیب کرتے کرتے خاسرین میں جا ملتا ہے۔ دعوت تفکر یہ ہے، کہ حال پر کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہیئے۔

سَآءَ مَثَلَا ِۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

جس توفیق کو بندے کے لئے باعث رفعت ہونا چاہیئے، اسی توفیق کی ناشکری سے جو اپنے اوپر ظلم کرنے لگے، یقیناً اس کی مثال ہی سب سے بری مثال ہے۔ لوگوں کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اس سے ان کی راحت میں اضافہ ہو رہا ہے یا خوف و حُزن بڑھ رہا ہے۔ جس طریقے سے خوف و حُزن بڑھتا جا رہا ہو اس کو نہ چھوڑنا اپنے اوپر ظلم کرنے والی بات ہے۔ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کیا جائے تو فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔ عطائے الٰہی کو اپنی خواہشات کی پیروی پر ہی صرف کر دیا جائے تو یہ گمراہی ہے اور اپنے اوپر ظلم کرنے کی صورت ہے۔

حاصل : اللہ کی آیات کی تکذیب کی حقیقت اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ اپنی زندگی میں اللہ کے کرم کو نہ دیکھنا، اس کی مہربانی اور رحم کو نہ دیکھنا اللہ کی نشانیوں کا انکار ہے۔ یہ انکار کبھی باعثِ راحت نہیں ہو سکتا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

جسے اللہ ہدایت دے، وہی ہدایت والا ہے۔ اور جسے گمراہ کرے تو وہی خسارے میں رہے۔

جو اپنے مقصدِ حیات کو دیکھے، عطائے الٰہی کو حدود اللہ کے احترام کے ساتھ استعمال میں لائے اور اپنی خواہش کو حق نہ جانے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کا اتباع کرتا ہے۔ اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔ جسے ہدایت مل جائے اسے خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ جو حق کو اسی قدر مانے جس قدر اس کا نفس پسند کرے۔ وہ فاسق ہو جاتا ہے اور فاسق کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے۔ گمراہ ہمیشہ خوف و حُزن میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ دنیا میں اس کے لئے خسارہ ہے۔ آخرت میں تو اس کے لئے خسارہ ہے ہی۔

حاصل : جسے اللہ ہدایت دے وہ لائق اتباع ہے کہ وہ کسی بھی مقام پر من مانی نہیں کرتا۔ جس کے نزدیک اس کی پسند ہی معیار ہو وہ گمراہ ہے اور خسارے میں ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور بے شک ہم نے بہت سے جنّ و انس کو جہنم کے لئے اٹھایا ہے۔ وہ قلوب رکھتے ہیں جن سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں رکھتے ہیں جن سے دیکھتے نہیں، اور کان رکھتے ہیں جن سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ بہت ہی گمراہ ہیں۔ وہی لوگ غافل ہیں۔

کلی طور پر توجنّ وانس کی تخلیق عبدیّت کے لئے ہے۔ مگر جو افراد اپنی شعوری کوشش کے ساتھ اپنے آپ کو مخلصین کی صف میں نہ لائیں ان کے لئے جہنم ہے اور وہ جہنم کے لئے ہیں۔ دل کا کام ہے حق اور ناحق کے درمیان خط امتیاز کھینچنا، اختیار کردہ راستے کے بارے میں اطمینان دینا، اور خواہش نفس کو اپنی سمجھ پر غالب نہ آنے دینا۔ جو دل یہ کام نہیں کرتا وہ چوپائے کا دل ہے۔ اس میں ۔بہیمیت بھی انتہائی ہے۔ آنکھ کا کام ہے دیکھنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ مثلاً اگر ہم لوگوں کی کوتاہیوں پر سخت گرفت کریں اور اپنی کوتاہیوں کے بارے میں یہ توقع رکھیں کہ انہیں لوگ نظر انداز کر دیں گے تو آنکھیں رکھنے کے باوجود یہ نہ دیکھنے کی صورت ہے۔ کان کا کام ہے سننا، اور سننا یہ ہے کہ اپنی سماعت کو اپنی پسند سے نہ جوڑ دیا جائے۔ بلکہ اپنی سماعت کو یہ سکھایا جائے کہ جو قول، کہنے والے کے خیال پر مبنی ہو، اور اس کے ساتھ حق کا حوالہ موجود نہ ہو وہ لائق توجہ نہیں ہوتا۔ چوپایوں کے سامنے کوئی معیار نہیں ہوتا۔ ان کی سب قوتیں ان کے بہیمی جذبات کی تحصیل و تکمیل کے کام ہی آتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ چوپایوں کی طرح ہیں۔ "اضَل" اس اعتبار سے ہیں کہ جو توفیق انہیں دی گئی تھی وہ ان کے لئے باعث رفعت ہو سکتی تھی، مگر انہوں نے اس توفیق کو اس طرح استعمال کیا کہ بہیمی جذبات کے دائرے میں ہی سب قوتیں ضائع ہو گئیں۔ یہ گمراہی حق سے غافل ہونے کا نتیجہ ہے۔

حاصل : جنّ وانس کی تخلیق یقیناً عبدیّت کے لئے ہوئی ہے۔ جو لوگ غفلت کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں ان کے لئے جہنم ہے، اور وہ جہنم کے لئے ہیں۔ جو دل سمجھنے کا کام چھوڑ دے، وہ جانور کا دل ہے۔ جو آنکھیں یہ نہ دیکھیں کہ انہیں کیا کرنا چاہئے اور وہ کیا کر رہی ہیں وہ اندھی ہیں۔ جو کان اپنی پسند کی بات ہی سنیں وہ بہرے ہیں۔ ہمارے ادراکات کو عباد مخلصین سے نور حاصل کرنا چاہئے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کو اس کے اسماء حسنیٰ ہی سے پکارو۔ اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں۔ وہ جلد ہی اپنے کئے

کی جزا پائیں گے۔

خالق کل، مالک کل اور ربّ العالمین کا ذاتی نام اللہ ہے باقی تمام اسمائے حسنیٰ صفاتی ہیں، جیسے قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

الرَّحْمٰنُ ، الرَّحِيْمُ ، العَزِيْزُ ، الجَبَّارُ ، اَلْمَلِكُ ، القُدُّوْس ، السَّلَامُ ، المُؤمِنُ ، المُهَيْمِنُ ، اَلْمُتَكَبِّرُ ، اَلْخَالِقُ ، اَلْبَارِئُ ، اَلْمُصوِرُ ، اَلْغَفَّارُ ، اَلْقَهَّارُ ، اَلْوَهَّابُ ، الرَّزَّاقُ ، اَلْفَتَّاحُ ، اَلْعَلِيْمُ ، اَلْقَابِضُ ، اَلْبَاسِطُ ، اَلْخَافِضُ ، الرَّافِعُ ، اَلْمُعِزُّ ، الْمُذِلُّ ، اَلسَّمِيْعُ ، اَلْبَصِيْرُ ، اَلْحَكَمُ ، اَلْعَدْلُ ، اَللَّطِيْفُ ، اَلْخَبِيْرُ ، اَلْحَلِيْمُ ، اَلْعَظِيْمُ ، اَلْغَفُوْرُ ، اَلشَّكُوْرُ ، اَلْعَلِيُّ ، الكَبِيْرُ ، اَلْحَفِيْظُ ، اَلْمُقِيْتُ ، اَلْحَسِيْبُ ، اَلْجَلِيْلُ ، اَلْكَرِيْمُ ، اَلرَّقِيْبُ ، اَلْمُجِيْبُ ، اَلْوَاسِعُ ، اَلْحَكِيْمُ ، اَلْوَدُوْدُ ، اَلْمَجِيْدُ ، اَلْبَاعِثُ ، اَلشَّهِيْدُ ، اَلْوَكِيْلُ ، اَلْقَوِيُّ ، اَلْمَتِيْنُ ، اَلْوَلِيُّ ، اَلْحَمِيدُ ، اَلْمُحْصِىُ ، اَلْمُبْدِئُ ، اَلْمُعِيْدُ ، اَلْمُحْيِى ، اَلْمُمِيْتُ ، اَلْحَيُّ ، اَلْقَيُّوْمُ ، اَلْوَاجِدُ ، اَلْمَاجِدُ ، اَلْوَاحِدُ ، اَلاَحَدُ ، اَلصَّمَدُ ، اَلْقَادِرُ ، اَلْمُقْتَدِرُ ، اَلْمُقَدِّمُ ، اَلْمُؤَخِّرُ ، اَلاَوَّلُ ، اَلاٰخِرُ ، اَلظَّاهِرُ ، اَلْبَاطِنُ ، اَلْوَالِىْ ، اَلْمُتَعَالِ ، اَلْبَرُّ ، اَلتَّوَّابُ ، اَلْمُنْتَقِمُ ، اَلْعَفُوُّ ، الرَّؤُفُ ، مَالِكُ الْمُلْكِ ، ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ، اَلْمُقْسِطُ ، اَلْجَامِعُ ، اَلْغَنِىُّ ، اَلْمُغْنِىُ ، اَلْمَانِعُ ، اَلضَّارُّ ، اَلنَّافِعُ ، اَلنُّوْرُ ، اَلْهَادِىْ ، اَلْبَدِيْعُ ، اَلْبَاقِىْ ، اَلْوَارِثُ ، اَلرَّشِيْدُ ، اَلصَّبُوْرُ ، لَااِلٰهَ اِلاَّ هُوَ۔

انسانی زندگی میں مصائب و آلام کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے کسی اسم پاک کا ذکر کرنا باعث اطمینان ہوتا ہے۔ مثلاً خطرات میں گھرے ہوئے لوگ یاحَفِیظُ سے جو سکون پائیں گے وہ صرف اسی اسم پاک کا حصہ ہے۔ کچھ مشکلات خلوت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں کچھ جلوت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ کس مقام پر کس اسم پاک کا ذکر کرنا چاہئے یہ اہل ذکر سے پوچھنا چاہئے۔ یاوَدُوْدُ کا ذکر بہرحال کیا جاسکتا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے۔ خلوت و جلوت کے تمام مقامات پر اسی کا تصرف ہے۔ اللہ کے ہر اسم پاک کا ذکر کرنے کے آداب ہیں۔ ذاکر کو حدود عبدیت کے اظہار کے ساتھ اس اسم پاک کا مظہر ہونا چاہئے۔ مثلاً ذکر کرتا ہے۔ یاعَلِیمُ یاعَلِیمُ تو اپنے علم کو علم الٰہی کی سند سے بیان کرنا چاہئے۔ اور ذکر کرتا ہے یَا خَالِقُ یَاخَالِقُ، تو اپنی تخلیق کو اپنی غرض کے لئے نہیں مفاد عامہ کے لئے بنانا چاہئے۔ جس نام پاک کا ذکر کیا جائے۔ اہل ذکر سے اس کے بارے میں پوچھنا ضروری ہے کہ اس اسم پاک کے ذکر کے آداب کے پیش نظر اس کی اہمیت بہت واضح ہے۔ اللہ کے اسمائے حسنیٰ، ذکر کرنے والوں کے لئے اتنا بڑا انعام ہیں کہ اس سے بڑا انعام ان کے لئے ناقابل تصور ہے۔ اللہ کو اس کے ناموں سے پکارتے ہوئے جو لوگ حق سے نکلتے ہیں، ان سے الگ ہو جانے کا حکم ہے۔ اللہ کے کسی اسم شریف کا ذکر اپنے بھیمی جذبات کی تحصیل و تکمیل کے لئے کیا جائے تو یہ حق سے نکلنے والی بات ہوگی۔ اللہ کے اسمائے حسنیٰ اس کے بیان کردہ ہیں۔ اس میں اضافہ کرنے والا، اللہ سے تقدّم کرنے کا مرتکب ہو گا، جو خلاف حق ہے۔ جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، وہ اگر کسی اسم الٰہی کا ذکر بھی کرتے ہوں، تو ان کو چھوڑ دینا چاہئے، ان سے اپنا تعلق توڑ لینا چاہئے۔ انہیں ان کے کئے کی جزا حال پر بھی مل جاتی ہے۔ آخرت میں تو ملے گی ہی۔

حاصل : اللہ کے اسمائے حسنیٰ کا ذکر باعث اطمینان قلب ہوتا ہے۔ اپنے مقام کے اعتبار سے

اہلِ ذکر سے پوچھ لینا چاہئے کہ کس اسمِ پاک کا ذکر کیا جائے۔ جس اسم الٰہی کا بھی ذکر کیا جائے، اس سے متعلق آداب بھی معلوم ہونے چاہئیں۔ اللہ کے کسی اسم پاک کا ذکر خلاف حق کیا جائے تو یہ ذکر میں حق سے نکلنے والی بات ہوگی۔ ایسے لوگوں کو چھوڑ دینا چاہئے جو حق سے نکل جاتے ہیں۔ وہ اپنے کئے کی جزا جلد ہی پالیتے ہیں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِۦ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾

اور ہماری خلق میں سے ایک امت ہے کہ حق کے ساتھ ہدایت کرتی ہے، اور اس سے عدل کرتی ہے۔

یہ امت۔ اللہ کی مخلوق سے وہ لوگ ہیں جو حق کو سن کر اس کا احسن اتباع کرتے ہیں۔ جب یہ لوگ بات کرتے ہیں تو حوالہ حق کا دیتے ہیں۔ جس عمل کے درست ہونے کی شہادت دیتے ہیں، اس کے ساتھ بھی حق کا حوالہ دیتے ہیں۔ جس عمل سے منع کرتے ہیں، فرمانِ خداوندی سے یہ حوالہ دیتے ہیں کہ وہ عمل اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اس طرح لوگوں کو ایسی راہ دکھائی جاتی ہے جس میں عامل کو اپنی خواہشات کی پیروی سے روکا جاتا ہے۔ حق سے عدل کرنے کی صورت یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ معاملہ اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ اپنے قول کی حفاظت کی جائے۔ لغو گوئی سے اعراض کیا جائے۔ اپنے قربیٰ اگر خلاف حق کریں تو ان کے ساتھ سختی کی جائے۔ دوسرے لوگوں سے اگر ویسا ہی عمل ہو جائے تو انہیں ان کی کمی علم کے حوالے سے رعایت دی جائے۔

حاصل: ایک امت بہرحال حق سے ہدایت کرنے والی اور عدل کرنے والی رہے گی۔ حق سے ہدایت کرنے والے ہمیشہ سنجیدگی سے بات کرتے ہیں۔ لغو گوئی سے اعراض کرتے ہیں۔ کبھی اپنی پسند کا حوالہ نہیں دیتے۔ خود نمونۂ خیر بنتے ہیں۔ ان کے قربیٰ اگر خلاف حق کریں تو ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے ویسے ہی اعمال پر انہیں ان کی کمئ علم کی وجہ سے رعایت دیتے ہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے۔

ٱلَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ ٱلْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ هَدَىٰهُمُ ٱللَّهُ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمْ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٨﴾

تو بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کے احسن کا اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہدایت والے ہیں اور یہی عقل والے ہیں۔

وَٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾

اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی، ہم انہیں آہستہ آہستہ ایسی جگہ لے جائیں گے، جس کا انہیں علم بھی نہیں ہوگا۔

اللہ کی آیات کی تکذیب پہلے قول سے ہوتی ہے، پھر عملاً ہوتی ہے۔ قول سے اللہ کی آیات کی تکذیب یہ ہے کہ اپنے مقصد حیات کو ماننے سے انکار کیا جائے۔ عملاً تکذیب یہ ہے کہ جو بھی اللہ نے دیا ہے، اس کو اپنی کاوش کا نتیجہ سمجھ کر اپنی خواہشات کی تحصیل و تکمیل میں لگا دیا جائے۔ ایسے لوگ یہ نہیں جانتے کہ جس راستے پر وہ چل رہے ہیں وہ کہاں ختم ہو گا۔ اگر اپنے حال پر نظر ہو اور اس کے بعد آنے والے مستقبل کی فکر ہو تو پھر لازم ہے کہ حال پر دیکھ لیا جائے کہ کیا ہو رہا ہے۔ اور کیا ہونا چاہئے۔ مگر خواہشات کی پیروی سے انہیں فراغت ہی کہاں ہوتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اس مقام کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں، جہاں انہیں عطا کی گئی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ وہاں سے آگے بھی وہ نہیں جا سکتے۔ پیچھے بھی نہیں جا سکتے۔

حاصل : اللہ کی آیات کی تکذیب، اپنے مقصدِ حیات کا انکار ہے، اپنے مشاہدات کا انکار ہے۔ یہ انکار، مکذّبین کو اس جگہ پہنچا دیتا ہے جس کی انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ وہ وہاں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی توبہ قابل سماعت نہیں ہوتی۔

وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾

اور میں انہیں مہلت دوں گا، بے شک میری تدبیر پکّی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ وہ مکذّبین کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ انہیں جو مہلت دی جاتی ہے، اس میں وہ دیکھ لیتے ہیں کہ وہ نتائج پر قدرت نہیں رکھتے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی کوشش ان کے علم کے مطابق بہت صحیح ہوتی ہے، مگر نتیجہ بالکل ان کی پسند کے خلاف نکل آتا ہے۔ جس کی نظر مہلت پر نہ ہو، اس کو جب گرفت ہو گی تو اسے اچانک معلوم ہو گی۔ اللہ کی تدبیر ہمیشہ متین ہوتی ہے۔ اس تدبیر سے بچ نکلنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ فلاح کی راہ کو واضح فرما دینے کے بعد، مہلت دی جاتی ہے۔ جو اس مہلت میں اپنے آپ کو مجرم ثابت کر دیتا ہے، اس کے پکڑنے کے لئے اللہ کی پکی تدبیر موجود ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ کی دی ہوئی مہلت سے استفادہ اسی طرح ممکن ہوتا ہے کہ اپنے ماضی سے سبق سیکھا جائے، حال پر اصلاح کو قبول کیا جائے اور آخرت کی فکر کی جائے۔ غفلت، خلاف حق کرنے کی شعوری کوشش کا نام ہے۔ اللہ کی تدبیر علم مطلق سے ہوتی ہے۔ اس سے پکی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾

کیا وہ تفکّر نہیں کرتے کہ ان کے صاحب کو جنون سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ وہ تو صریحاً ڈر سنانے والے ہیں۔

تفکّر کرنا انسانی صفت ہے، جس میں کسی کے قول کو یا فعل کو کسی مصدقہ معیار کی نسبت سے دیکھا جاتا ہے۔ جو نتیجہ نکلے، اس کے مطابق اپنے مقام کو دیکھ لیا جاتا ہے کہ اس وقت کیا حق عائد ہو رہا ہے، اور اسے کس طرح بطریق احسن پورا کیا جا سکتا

ہے۔ تفکر کے بغیر راہ عمل متعین نہیں کی جا سکتی۔ مجنون کے قول میں شعور کی کمی واضح ہوتی ہے، مقصد کا تعین اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا اور ماحول کی بھی اسے پرواہ نہیں ہوتی۔ آنے والے خطرات کا ادراک ہو، عملاً وہ کچھ کیا جائے جس سے خوف و حزن کا خاتمہ ہو جائے، اور ساتھیوں کو ان کے راستے کے انتہائی مقام اور اس سے متعلق خطرات سے آگاہ کر دیا جائے۔ یہ نہ دیکھا جائے کہ لوگ جان بوجھ کر خلاف حق کر رہے ہیں، بلکہ یہ دیکھا جائے کہ کس علم کی بنا پر وہ ویسا کر رہے ہیں۔ تو یہ عقل کی بلندی کو ثابت کرنے والی باتیں ہوں گی۔ نذیر ہمیشہ انذار کا حق ادا کرتے ہیں۔ انذار کا حق ادا کرنے والا مجنون نہیں ہو سکتا۔

حاصل : تفکر کرنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر راہ عمل متعین نہیں کی جا سکتی۔ خوف و حُزن سے نجات جس کے اتباع کا حاصل ہو، جو ڈر سنانے کا حق ہمیشہ ادا کرتا رہے، وہ مجنون نہیں ہو سکتا۔ عقل کا انتہائی مقام تو اسی ذات بابرکات کے قدم سے تعلق رکھتا ہے۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾

کیا انہوں نے نظر نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو شے اللہ نے خلق فرمائی، اور یہ کہ شاید ان کی اجل قریب آ گئی ہو، تو اس کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔

آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں نظر کرنے سے اس کائنات میں انسان کو اپنا مقام دیکھنا چاہیئے۔ جو شے بھی اللہ نے بنائی ہے، وہ عدم سے وجود میں آئی ہے۔ اس کے اجزاء ترکیبیہ بھی اسی خالقِ کُل کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہر شے کی تخلیق سے پہلے اس کے منشاء تخلیق کا تعین ضروری ہوتا ہے، اور اسی منشاء کی تکمیل کے لئے ایک وقت بھی مقرر ہوتا ہے۔ اسی وقت میں انسان نے اپنی صداقت کو ثابت کرنا ہے، یا اپنے کذب کو ثابت کرنا ہے۔ اگر یہ وقت ضائع ہو گیا، تو پھر ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ اور سب سے بڑی بات تو حال پر انسان کے سامنے موجود ہے۔ اس کا مشاہدہ یہ بتا رہا ہے کہ خالق کل اللہ ہے، انسان کو عمل کے لئے دی گئی توفیق محدود ہے۔ دو راستے اس کے سامنے ہیں، اگر اپنی خواہش کی پیروی چھوڑ کر مخلصین کا اتباع کرے تو فلاح پا سکتا ہے اور اگر اپنی خواہش کی پیروی کرتا رہے تو اللہ کی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ پھر خسارے سے بچ نہیں سکتا۔ تلاش تو سب کو راحت ہی کی ہے۔ مگر عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو جو لوگ اپنی خواہشات کی تحصیل و تکمیل میں لگا دیتے ہیں، انہیں راحت کبھی ملی نہیں۔

حاصل : اس کائنات میں انسان کو اپنا مقام دیکھنا چاہیئے۔ جو وقت محدود ہے اور جس کا کچھ حصہ گزر چکا ہے، اس وقت کے خاتمے کو دور نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جو حال پر حق کی ادائیگی سے غافل ہو، وہ مستقبل میں خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیتا ہے۔

مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ

جسے اللہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت

فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۸۶﴾

دینے والا نہیں۔ اور وہ انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹکیں۔

اللہ صرف فاسقین کو گمراہ کرتا ہے۔ فاسق ہمیشہ حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے میں لگا رہتا ہے۔ اس کے سامنے اس کی پسند ہی سب سے بڑا معیار ہوتا ہے۔ وہ حق کو ماننے کا دعویٰ ضرور کرتا ہے، مگر مانتا اسی قدر ہے جس قدر اسے پسند ہو۔ جہاں اس کی خواہش، حق کے خلاف ہو وہاں وہ اپنی خواہش ہی کی پیروی کرتا ہے اور پھر اپنے لئے جواز بھی بنالیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ گمراہ کرتا ہے، اور انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔ یہ سرکشی ان کا ذاتی عمل ہوتا ہے، جس کا حاصل گمراہی ہے۔ گمراہ کبھی اپنے تجربے یا مشاہدے سے وہ نتیجہ اخذ نہیں کرتا جو اس کو بھلائی کی طرف لے جائے۔

حاصل : حق کو ماننے میں اپنی پسند کی نفی ضروری ہے۔ سرکش لوگوں کو ہدایت دینا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ جو کسی بھی مقام پر خطا کو اپنے اندر نہ دیکھے اور ہمیشہ دوسروں کو غلط ثابت کرنے میں لگا رہے وہ ناقابلِ اصلاح ہو چکا ہوتا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی حق ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

وقف منزل

آپ سے ساعت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کے ٹھہرنے کا وقت کب ہو گا۔ فرما دیجئے اس کا علم تو میرے ربّ کے پاس ہے۔ وہی اسے اس کے وقت پر جلوت میں لائے گا۔ آسمانوں اور زمین میں بھاری ہو گی۔ تم پر اچانک ہی آئے گی۔ آپ سے یوں سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی تلاش میں ہیں۔ فرما دیجئے اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

پوچھنے والوں نے خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے حکم خداوندی کے مطابق یہ جواب دیا کہ اس کے قائم ہونے کے وقت کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ وہی اس کو خلوت سے جلوت میں لائے گا، اور جو وقت اس نے قیامت کے لانے کا رکھا ہے، اسی وقت پر لائے گا۔ سوال کرنے والوں کے جواب میں وہی بتانا چاہئے جو ان کے لئے مفید ہو، اس لئے کہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کا صحیح استعمال صرف اسی طرح ممکن ہے۔ قیامت کے بارے میں یہ بتایا

گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بھاری ہوگی اور جو لوگ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو من مانی کرتے ہوئے گزار رہے ہیں، ان کے لئے اس کا آنا بالکل اچانک ہو گا۔ قیامت کا بھاری ہونا اس طرح ہے کہ اجل مسمّٰی تک دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہو گا۔ اس وقت توبہ کرنا کسی کو نفع نہ دے گا۔ جو لوگ رضائے الٰہی کے مطابق رہتے ہوئے اس مقام تک پہنچے ہوں گے، انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی جباری اور قہاری کے مشاہدے سے ڈر آئے گا، اور جب تک شاہدین ان کی پاکیزگی کی شہادت نہیں دیتے تب تک وہ ڈر رہے گا۔ اس دن کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہو گا۔ ساری کائنات میں تبدیلی کے بوجھ کو محسوس کیا جائے گا۔ جو لوگ اس کو مانتے ہی نہیں ان کے لئے اس کا آنا اچانک ہو گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہی پایا جو اللہ تعالیٰ نے عطا کرنا پسند فرمایا۔ آپ کے علم کے بارے میں زبان کھولنے کے بھی آداب ہیں، اور جو آداب سے آگاہ نہ ہو، اس کے لئے خاموش رہنا بہتر ہے۔ آپ کو علم عطا کرنے والا علیمِ مطلق ہے۔ آپ کو کس قدر علم عطا فرمایا گیا، اس کو علیم مطلق جانتا ہے، یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جانتے ہیں۔ باقی جو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علم کے بارے میں بات کرے گا، اسی قدر کرے گا جس قدر اس کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہے، یا آپ کے بعد شاہدین کی طرف سے دیا گیا ہے۔ اگر آپ کے علم کو اندازے، قیافے سے جاننے کی کوشش کی جائے تو یہ بڑی بے ادبی ہوگی اور حدود اللہ کے عدم احترام کو ثابت کرے گی۔ قیامت کے قائم ہونے کا لمحہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو وہ اس کو دور جان کر غفلت میں ہی پڑ سکتے ہیں۔ اس لئے مخلصین کو کبھی ایسی باتوں کے جاننے کی طلب ہی نہیں ہوتی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان تو بہت بلند ہے۔ بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے جو علم بندے کو درکار نہیں ہے، وہ اللہ کے پاس ہی رہنا چاہئے اور اللہ کے پاس ہی رہتا ہے۔ اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں۔ جن کا بولنا علم حقیقی کے تابع ہو گا، وہ اس بات کو سمجھتے ہیں۔

حاصل : حصولِ علم کا منشاء بندگی کے حقوق کو احسن طور پر ادا کرنے کی اہلیت کے مقام تک پہنچنا ہو تو حق ہے۔ قیامت کو خلوت سے جلوت میں لانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے لانے کے وقت کو بھی وہی جانتا ہے۔ ساری کائنات اجل مسمّٰی کے خاتمے کو اور قیامت کے ٹھہرنے کو محسوس کرے گی، اس لئے آسمانوں اور زمین میں وہ بہت بھاری ہوگی۔ جو بات بندگی کے حق کو ادا کرنے کے لئے درکار نہیں ہے، مخلصین کبھی اسے نہیں تلاش کرتے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان تو بہت بلند ہے۔ اس بات کی سمجھ اسے ہی آتی ہے جس کا بولنا علمِ حقیقی کے تابع ہو۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ مع ع

فرما دیجئے کہ میں اپنے نفس کے نفع و ضرر کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے، اور اگر میں غیب کو خود جان لیا کرتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کبھی برائی نہ پہنچتی۔ میں تو ایمان لانے والوں کے لئے ڈر سنانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں۔

ساعت کے بارے میں سوال کرنے والوں کا جواب یہاں پورا ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس کے نفع وضرر کا مالک نہیں۔ مجھے وہی ملتا ہے جو اللہ چاہے۔ میں غیب کو خود نہیں جان لیا کرتا، میں وہی جانتا ہوں جو علام الغیوب مجھے عطا کرتا ہے۔ بھلائی راحت ہے، برائی تنگی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو راحت اسی بات میں ہے کہ آپ کی رحمت سے تمام لوگ فیضیاب ہوں اور تنگی اس بات میں ہے کہ لوگ رحمت وراحت کے مقابلے میں خوف وحزن کو گلے لگالیں۔ آپ نے فرمایا۔ ایمان لانے والوں کو میرا ڈر سنانا نفع دیتا ہے۔ ان ہی کے لئے مجھے بشارت دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔

حاصل : اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتائج کو باذن اللہ جاننا ضروری ہے۔ رحمت سے لوگ فیضیاب ہوں تو اس میں رحمۃٌ للعالمین کو راحت ہوتی ہے، اور لوگ خوف وحزن کی راہ سے نہ ہٹیں تو تنگی بھی ہوتی ہے۔ جو علم اللہ تعالیٰ عطا کرنا چاہتا ہے، عطا کر دیتا ہے۔ نفع وضرر کا مالک بھی وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ ایمان لانے والوں کو ڈر سنانا فائدہ دیتا ہے۔ انہی کے لئے فلاح کی بشارت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں ارشاد فرمایا ہے :

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

فرما دیجئے کس کے ہاتھ ہے ہر شے کا قابو اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ دینے والا نہیں، اگر تمہیں علم ہو۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

وہی ہے جس نے تمہیں نفس واحدہ سے خلق فرمایا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے سکون پائے۔ پھر جب مرد اس پر چھایا یہ خفیف حمل سے حاملہ ہو گئی تو اسے لئے پھرتی رہی۔ پھر جب بھاری ہو گئی دونوں اپنے رب کو پکارنے لگے۔ اگر ہمیں صالح بچہ عطا فرمائے گا ضرور ہم شاکر ہوں گے۔

سب انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا گیا، جو نفس واحدہ کی صورت سے پیدا کئے گئے۔ نفس واحدہ سے اس کے جوڑے کو بنایا گیا کہ وہ اس سے سکون پائے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا علیہما السلام سے نسل چلی اور یہ صورت قیامت تک جاری رہے گی۔ عورت اگر میاں کو سکھ چین دینے کے علاوہ اپنی کوئی مصروفیت بنالے تو وہ بڑے دکھ میں پڑ جاتی ہے۔ مرد اگر اس سے سکون حاصل کرنے کی بجائے کوئی خدمات لینی شروع کر دے تو مرد کی گھریلو زندگی میں کوئی سکون نہیں

رہ جاتا۔ ازدواجی زندگی کا منشاء بقاء نسل ہے اور بقاء نسل کے عمل کے لئے صحیح طریقہ یہی ہے کہ مرد عورت پر چھائے۔ عورت ایام حیض کے بعد پاک ہو تو اس کے قریب جانا حق ہے۔ شروع میں حمل خفیف ہوتا ہے کہ تین مہینے تک ثقل کا احساس نہیں ہوتا۔ ان ایام میں کسی حد تک سابقہ معمولات جاری رہتے ہیں۔ پھر جیسے جیسے بوجھ کا احساس بڑھتا جاتا ہے، روزمرہ زندگی کے معمولات میں تبدیلی بھی آتی ہے۔ اور دونوں میاں بیوی منعم حقیقی کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر ہمیں صالح بچہ عطا فرمائے گا ہم ضرور تیرا شکریہ ادا کریں گے۔ ماں باپ کی دعا یہی ہوتی ہے کہ بچہ صورتاً بھی ٹھیک ہو اور سیرتاً بھی ٹھیک رہے۔ شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ ماں باپ بچے کو خدائی مہمان سمجھ کر اس کی پرورش کریں اور اسے اپنی خواہشات کا غلام بننے کا راستہ کبھی نہ دکھائیں۔ جب تک وہ بلوغت کے مقام پر نہیں پہنچتا، جہاں وہ حق کے حوالے سے فیصلے کرنے کی اہلیت کا حامل ہو گا، تب تک اس کے ہر فیصلے کو مخلصین کی منشاء کے تحت ہونا چاہئے۔ طریقت تو اہل طریقت سے ہی سیکھی جا سکتی ہے۔

حاصل : سب لوگ نفس واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں، اس لئے نسلی تفاخر خلاف حق ہے۔ عورت کو میاں کے لئے باعث سکون ہونا چاہئے۔ ازدواجی زندگی کا منشاء بقاء نسل ہے اور اس کے بھی کچھ آداب ہیں۔ ابتدائی تین مہینے بوجھ کا احساس خفیف ہوتا ہے، پھر حاملہ کو ثقل کا احساس ہونے لگتا ہے۔ میاں بیوی دونوں دعا کرتے ہیں، یا اللہ ہمیں صالح بچہ عطا فرما ہم تیرا شکریہ ادا کریں گے۔ اولاد کو راہ راست پر رکھا جائے تو اللہ کی عطا کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

پھر جب اس نے انہیں صالح بچہ عطا فرما دیا، انہوں نے اس کی عطا میں شریک ٹھہرائے۔ تو اللہ بہت بالا ہے ان کے شرک سے۔

ماں باپ بچہ ہونے سے پہلے یہی دعا کرتے ہیں۔ یا اللہ ہمیں صالح بچہ عطا فرما ہم تیرا شکر ادا کرنے والے ہوں گے۔ جب اللہ انہیں صالح بچہ عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس کی عطا میں شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ یہ بہت بڑی ناشکری ہے۔ معطئ مطلق لاشریک ہے۔ اگر مخلصین میں سے کسی صاحب نے دعا کی ہو تو دعا یقیناً اللہ سے ہی کی جاتی ہے، اور اسے عطا کرنے والا لاشریک جان کر کی جاتی ہے۔ اس لئے اللہ کے پاک بندوں سے کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ عباد مخلصین ہر مقام پر اظہار عبدیت کے بعد بات شروع کرتے ہیں۔ معطئ مطلق کی عطا علم مطلق سے ہوتی ہے اور علم مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا انتہائی جہالت ہے۔

حاصل : معطئ مطلق کی عطا علم مطلق سے ہوتی ہے، اور علم مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے، اس لئے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا انتہائی جہالت کی بات ہے۔

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾

کیا اسے شریک بناتے ہیں جو کچھ خلق نہ کرے اور خود مخلوق ہو۔

جسے اللہ کا شریک ٹھہرایا جائے وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ تخلیق کے عناصر کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ روح کے بارے میں اس کا علم قلیل ہی ہوتا ہے۔ پرورش کے مدارج کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ ضروریات جنین کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ وضع حمل سے پہلے بچے کی خوراک کا بندوبست کرنے کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ اس خوراک کے اجزاء ترکیبی کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ وضع حمل کے وقت افعال الاعضا میں ربط پیدا کرنے کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ پیدائش اتنے بڑے علم سے ہوتی ہے کہ علم والے خالق کل کے سامنے سربسجود ہی رہتے ہیں۔ جو خود پیدا کیا گیا ہو، وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ انسان، اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے عناصر سے استفادہ کر کے اپنی سہولت کے لئے کچھ بندوبست کرتا ہے تو اس سے اس کا درجہ خالق کا نہیں ہو جاتا۔

حاصل : مخلوق کو خالق کل کا شریک ٹھہرانا انتہائی جہالت ہے۔ بندگی اللہ کی ہونی چاہئے اور مخلصین کی طریقت کے مطابق ہونی چاہئے۔ اولاد کو اللہ کی رضا کے خلاف رسم و رواج کا پابند بنانے کی کوشش بھی ناشکری ہے اور شرک ہے۔

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾

اور انہیں ان کی نصرت کی استطاعت نہیں اور اپنی مدد کی بھی نہیں۔

جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے وہ اپنے ماننے والوں کے بارے میں جانتے ہی کیا ہیں کہ وہ کسی کی مدد کر سکیں گے۔ مدد کرنا بہت بڑا علم ہے، اور اس علم کا سب سے بڑا جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی مدد سے بڑی کوئی مدد نہیں ہوتی۔ مدد کی استطاعت اسے ہوتی ہے، جو مدد چاہنے والے کی بھلائی چاہتا ہو، مطلوبہ اشیاء کا مالک ہو، اور ان کو تصرف میں لانے کی ایسی قدرت رکھتا ہو کہ مدد مانگنے والے کو آسانی حاصل ہو۔ بت تو وجود اور کمالات وجود کے اعتبار سے اپنے لئے بھی کچھ نہیں کر سکتے۔

حاصل : جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ مشرکین کی مدد تو کیا کریں گے، اپنی بھی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ قادر مطلق اور رب العالمین کے مقابل یعنی اپنے اوپر قدرت رکھنے والے اور اپنے پالنے والے کے مقابل کسی کی قدرت کو تسلیم کرنا انتہائی جہالت ہے۔

وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ ﴿١٩٣﴾

اور اگر تم انہیں راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہیں آئیں گے۔ تم پر برابر ہے چاہے انہیں پکارو، یا چپ رہو۔

ناقابل اصلاح کافروں کی یہ صفت ہے کہ انہیں ڈر سنایا جائے یا نہ سنایا جائے وہ مانتے نہیں۔ ان کے قلوب پر مہر ہوتی ہے، ان کی سماعت پر مہر ہوتی ہے اور آنکھوں پر پردہ ہوتا ہے۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ اپنے لئے بھی کچھ نہیں کر سکتے، کسی دوسرے کے لئے کیا کریں گے۔ جس کی ذات میں احتیاج ہو وہ معطئ مطلق نہیں ہو سکتا۔ جو معطئ مطلق نہیں اس کو معبود کہنا انتہائی گمراہی ہے۔

حاصل : جو حق کو نہ مانے وہ ناحق کو ماننے سے بچ نہیں سکتا۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، ان کے وجودی نقائص بھی مشرکین کو نظر نہیں آتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

بے شک وہ جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے ہو، تمہاری مثل بندے ہیں، تو انہیں پکارو پھر وہ تمہاری عرض قبول کریں، اگر تم سچے ہو۔

معبود کی شان یہ ہے کہ وہ تعین سے بالاتر ہے۔ اس کی مثل کوئی نہیں۔ وہ ہر خفی اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے۔ ہر ایک کو علم سے پالتا ہے، اور ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے۔ جس کو اللہ کے مقابل معبود بنایا جائے وہ ان صفات کا حامل نہیں ہو سکتا۔ جو معطئ مطلق نہیں، وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ کے مقابل کوئی معطئ مطلق ہے تو اسے پکارو، وہ تمہاری عرض کو سنے، اور مانے، تبھی تم اپنی صداقت کو ثابت کر سکو گے۔

حاصل : جو معطئ مطلق ہے وہی معبود ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہر مقام پر اسی کی رضا مقصود ہو، تو عبدیت کا دعویٰ، سچا ثابت ہوتا ہے۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں، یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں، یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں، یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں۔ فرما دیجئے اپنے شرکاء کو پکارو اور مجھ پر داؤں چلو، تو مجھے مہلت نہ دو۔

پاؤں چلنے کے لئے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں۔ چلنے کی استعداد کسی کی اپنی پیدا کردہ نہیں

ہوتی۔ ہاتھ کو پکڑنے کا ایسا آلہ بنایا گیا ہے کہ یہ آلہ اپنے بنانے والے کو لاشریک ثابت کرنے کے لئے ایک سند ہے۔ آنکھیں دیکھنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ افادیت پر نظر ہو تو بنانے والے کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کان سننے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ آلہ سماعت انسانی زندگی میں انفرادی طور پر دوسرے آلات کی طرح اپنی اہمیت رکھتا ہے مگر دوسرے آلات کے مقابل افراد کے مابین رابطے کا بڑا ذریعہ ہے۔ ان چار آلات کا اور ان کے ساتھ متعلقہ قوتوں کا بنانے والا یقیناً لاشریک ہے۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے وہ تو کچھ بھی خلق نہیں کرتے، کسی شے کے بھی مالک نہیں ہوتے، جو نتائج ان کے لئے مضر ہوں ان سے خود کو بچا نہیں سکتے، کسی دوسرے کی مدد کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔ اس کے باوجود مشرکین، حق بیان کرنے والوں کو یہ دھمکی دیتے ہیں کہ ان کے معبودوں کی قدرت کا انکار کرنے والے برباد ہو جائیں گے۔ اس مقام پر ان سے یہ کہنا چاہئے، تم اپنے شریکوں کو پکارو، انہیں کہو کہ وہ اپنی قدرت کا اظہار کریں۔ جو داؤ وہ چل سکتے ہوں، چلیں اور اپنے نہ ماننے والے کو مہلت نہ دیں، قطعاً کچھ رعایت نہ کریں۔ جب وہ کچھ بھی نہ کر سکیں گے، تو ان کے بارے میں مشرکین کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔

حاصل : پاؤں، ہاتھ، آنکھیں اور کان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں۔ دوسرا کوئی ان اعضاء کا عطا کرنے والا ہو نہیں سکتا۔ مشرکین سے یہ کہنا چاہئے، جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو، انہیں پکارو، جو کچھ کر سکتے ہو کرو اور ہمیں مہلت نہ دو۔

إِنَّ وَلِـِّۧيَ ٱللَّهُ ٱلَّذِي نَزَّلَ ٱلۡكِتَٰبَۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿١٩٦﴾

بے شک میرا ولی، اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ صالحین کو دوست رکھتا ہے۔

مشرکین کے دعوے کے ابطال کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا حال بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے میرا ولی، اللہ ہے۔ اس کی حمایت سے بڑی کوئی حمایت نہیں ہو سکتی۔ اس نے کتاب نازل فرمائی ہے، جس میں رضائے الٰہی کو واضح فرما دیا گیا ہے۔ اللہ کی رضا کے چاہنے والے صالحین ہیں۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے۔ صالحین اللہ کی رضا کے مقابل کسی بھی مقام پر اپنی کسی قوت کو ضائع نہیں کرتے۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے، اس لئے یہ برکت والے لوگ ہیں۔

حاصل : اپنا حال بیان کرتے ہوئے اپنے معلم کی شان کو روشن کرنا چاہئے۔ جس کو اللہ دوست رکھے وہ صالحین میں سے ہے۔ اللہ کا دوست، لوگوں کی پسند کے مقابل اللہ کی پسند کو مانتا ہے، اور لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ سے ڈرتے رہنے کو احق جانتا ہے۔ ایسے لوگوں کو دوست بنانا خدائی صفت ہے۔

وَٱلَّذِينَ تَدۡعُونَ مِن دُونِهِۦ لَا يَسۡتَطِيعُونَ نَصۡرَكُمۡ وَلَآ أَنفُسَهُمۡ يَنصُرُونَ ﴿١٩٧﴾

اور جن کو تم اس کے مقابل پکارتے ہو، وہ تمہاری نصرت کی استطاعت نہیں رکھتے اور

اپنی جان بھی نہیں بچا سکتے۔

اللہ کو پکارنے سے جو اطمینان ملتا ہے، اس کی نصرت سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، اس کی دوسری کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔ جب مالک کل ہے ہی وحدہٗ لاشریک، تو کسی دوسرے کو اس کے مقابل نصرت کی استطاعت ہو ہی نہیں سکتی۔ خود اپنی جان کو بچا سکنے کی قدرت بھی کس کو ہے۔

حاصل : جو خود حق پر نہ ہو، اس سے کبھی مدد نہیں لینی چاہئے۔ جو اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا، وہ کسی کی نصرت کیا کرے گا۔

وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٩٨﴾

اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ سنتے نہیں، اور آپ انہیں دیکھیں کہ وہ آپ کی طرف نظر کر رہے ہیں اور انہیں سوجھتا کچھ نہیں۔

ہدایت کی طرف وہی بلا سکتا ہے جس کو نور ہدایت کے قاسم ہونے کا شرف ہو، جس کے اتباع سے خوف و حزن کے خاتمے کی ضمانت ملے۔ جسے بلایا جائے، وہ سنتا ہو تو بلانے والے سے اس کا رابطہ ہو سکتا ہے۔ اور سنتا ہی نہ ہو تو بلانے والا اس کے اندر تحرک پیدا نہیں کر سکتا۔ ہدایت کی طرف آنے کے لئے دوسرا ذریعہ بصارت ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ راستہ دکھانے والے کو یہ محسوس ہو کہ اس کی طرف دیکھا جا رہا ہے، مگر دیکھا نہیں جا رہا ہوتا۔ جب دیکھا ہی نہ جا رہا ہو تو موجود سے مقصود کی طرف حرکت کیسے ہو گی۔

حاصل : نور ہدایت سے استفادہ کرنے کے لئے سننا اور دیکھنا ضروری ہے۔ سننے کی صورت یہ ہے کہ سنتے وقت اپنے نفس کی آواز کو ساکن کر لیا جائے اور دیکھنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی پسند کا چشمہ اتار کر دیکھا جائے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿١٩٩﴾

عفو اختیار کیجئے اور بھلائی کا امر فرمایئے اور جاہلین سے اعراض کیجئے۔

عفو یہ ہے کہ جس سے اپنی ذات کو تکلیف پہنچے اس کو معاف کیا جائے، اور اس یقین کے ساتھ معاف کیا جائے کہ اس کی لاعلمی باعث تکلیف ہوئی ہے۔ جس کی لاعلمی کا احساس ہو، اس کو راستہ دکھانا ضروری ہوتا ہے، اس کو آسانی عطا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بھلائی کا امر اس طرح دیا جاتا ہے کہ سننے والے کے اندر حدت نہ پیدا ہو، اور وہ جان لے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔

اس کے بعد بھی اگر وہ وہی کرتا رہے۔ جو خلاف حق ہے تو وہ جاہل ہے اور اس سے اعراض کرنا چاہئے۔

حاصل : اپنے ذاتی مخالف کو معاف کرنا عفو ہے۔ اس کو بھلائی کا امر اس طرح دینا چاہئے کہ حق کو سنتے وقت اس کے اندر حدت نہ پیدا ہو۔ جو حق کو جان کر خلاف حق کرے وہ جاہل ہے، اس سے اعراض کرنا چاہئے۔ جاہل، ہدایت کا طالب نہیں ہوتا۔

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُۥ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٠٠﴾

اور اگر تم کو شیطان کی چھیڑ ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

یہ خطاب واحد حاضر کے صیغہ میں ہے۔ بات کسی سطح کی بھی ہو، وساطت تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہی ہو گی۔ طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب حق کے ماننے والوں کو شیطان کی طرف سے چھیڑ چھاڑ ہو اور انہیں ان کا نفس اس بات پر ابھارے کہ وہ اپنے ذاتی مخالف کو سزا دینے کے لئے جواز کو دیکھیں اور اپنا ردعمل ظاہر کریں، ایسے وقت میں تلاوت الوجود کرتے ہوئے یہ دیکھنا چاہئے کہ اپنی خواہش کی پیروی، شیطان کے غلبے کو دعوت دیتی ہے۔ مخالف کی طرف سے جو تکلیف پہنچتی ہے، اس کا مداوا صرف اللہ کی پناہ میں ہے۔ اللہ سب سے بڑا سننے والا اور سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ جب اللہ کی پناہ طلب کی جائے، تو اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی اسم پاک کا ذکر کیا جائے۔ یاوَدُودُ کا ذکر کیا جائے تو یہ بہرحال بہتر ہے۔ مخالف کے لئے جو بھی کہا جائے اس میں متانت ضرور ہو اور اپنے لئے یہ دعا کی جائے کہ یا اللہ میرے ہر عمل میں تیری رضا کا حصول مقصود ہو۔

حاصل : میدان جہاد کے علاوہ جب اپنے نفس کی طرف سے مخالف کو سزا دینے کی ترغیب ملے تو یہ شیطان کی چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے۔ یہ سنبھلنے کا مقام ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اللہ سے پناہ مانگنی چاہئے، ذکر کرنا چاہئے، درود پاک پڑھنا چاہئے اور اپنے شاہد کے قدم اور نقش قدم پر نظر رکھنی چاہئے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴿٢٠١﴾

بے شک جو ڈرنے والے ہیں، جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے، ہوشیار ہو جاتے ہیں، جبھی وہ دیکھنے لگتے ہیں۔

اللہ سے ڈرنے والوں کی نشانیاں یہ ہیں کہ جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے، تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ جب حق کو، سننے والے کی خواہش کے حوالے سے بیان کیا جائے تو یہ وسوسہ شیطان ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے اس خیال کے آتے ہی چونک جاتے ہیں کہ حق کے نام پر یہ خواہش کی پیروی کی دعوت ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں آنے والے واقعات بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔

حاصل : اللہ سے ڈرنے والے شیطانی وسوسے سے فوراً چونک جاتے ہیں، آنے والے واقعات انہیں دکھائی دینے لگتے ہیں۔

وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٢٠٢﴾

اور جو شیطان کے بھائی ہیں، انہیں وہ گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں، پھر وہ کمی نہیں کرتے۔

جو لوگ استکبار میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ یہ لوگ فضیلت کے ایسے معیار بنا لیتے ہیں جن کا سیرت اور حسن اخلاق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جب معیار ہی درست نہ ہو، تو اس کی نسبت سے حاصل ہونے والا نتیجہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کی صفت لائق تکریم ہے۔ جو لوگ تکبر کرتے ہیں وہ کبھی متقی نہیں ہوتے۔ جن باتوں میں انہیں فضیلت نظر آتی ہے. ان کے حوالے سے شیطان انہیں گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ شیطان کبھی اپنے بھائیوں کو دوزخ تک پہنچانے میں کمی نہیں کرتے اور اس مقام تک پہنچانے کے عمل کے تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔ شیطان ہر وقت یہ دھیان رکھتے ہیں کہ انسان صریح خسارے میں مبتلا ہونے سے پہلے کسی بھی مقام سے فلاح کی طرف جا سکتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے مقصود سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔

حاصل : شیطان صرف اپنے بھائیوں کو گمراہ کرتے ہیں، اس لئے گمراہ ہونے والے ہی گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ شیطان کبھی انسان دشمنی میں کمی نہیں کرتے اور اپنے مقصود سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠٣﴾

اور جب آپ ان کے پاس کوئی آیت نہ لے کر جائیں تو کہتے ہیں، آپ نے اپنی طرف سے کیوں نہ بنالی۔ فرما دیجئے، میں تو اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے ربّ کی طرف سے مجھ پر ہوتی ہے۔ یہ تمہارے ربّ کی طرف سے بصائر ہیں، اور یہ ہدایت و رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

کافر فرمانِ خداوندی کو، اللہ کے رسول کی اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتیں جانتے تھے اور جانتے ہیں۔ اس لئے جب ان کے پاس کوئی آیت نہ لائی جائے تو وہ کہنے لگتے تھے کہ آپ نے اپنی طرف سے کیوں نہ بنالی۔ کافر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات میں حسنِ کلام کو ضرور دیکھتے تھے مگر یہ نہیں مانتے تھے کہ ان کی بات، اللہ کی بات ہے اور علم مطلق سے ہے۔ آپ نے تو کبھی خواہش کے تحت نطق ہی نہیں فرمایا۔ کسی بھی سوال کا جواب وہی دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے۔ اس مقام پر حکم خداوندی سے جواب یہ دیا گیا ہے کہ میں تو اس وحی پر چلتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے بصائر ہیں، آنکھیں کھولنے والی اور ناقابل تردید نشانیاں ہیں، اور جو ایمان لائیں ان کے لئے ہدایت و رحمت ہیں۔ سب سے بڑی بات، اللہ کی بات ہے کہ وہ علم مطلق سے ہوتی ہے۔ اس کے اندر نتائج کی ضمانت موجود ہوتی ہے، چاہے وہ بشارت کے حوالے سے ہوں یا انذار کے حوالے سے ہوں۔ تدبر کرنے والوں کو یہ نظر آتا ہے کہ حق وہی ہے جو فرمان خداوندی ہے۔ جو اس کو مان لے اور شاہد کے حوالے سے مان لے، اس کو ہدایت و رحمت سے نوازا جاتا ہے۔ جو استقامت ماننے والوں کو حاصل ہوتی ہے، حق کو نہ ماننے والے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

حاصل : حق کو حسنِ کلام کے حوالے سے دیکھنا اور اسے فرمان خداوندی نہ جاننا کافروں کی نشانی ہے۔ جواب اپنے حال کے مطابق ہونا چاہئے، اور عطائے الٰہی کی نسبت سے ہونا چاہئے۔ نہ ماننے والوں کو ماننے والوں کی صورت دکھائی چاہئے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾

اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم ہو۔

قرآن پاک مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس کے پڑھنے اور سننے کے آداب کا لحاظ ضروری ہے۔ پڑھنے والا باوضو ہو، لوگوں کو فرمان خداوندی کے حوالے سے دعوت اصلاح دے، خود ان صفات کا حامل ہو جو اس کی زبان سے بیان ہو رہی ہوں، اس مقام پر تلاوت نہ کرے جہاں لوگ کاروباری مصروفیات کی وجہ سے شور سے رک نہیں سکتے اور سننے والوں کو یہ موقع دے کہ وہ متوجہ ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔ سننے والوں پر لازم ہے کہ جسمانی طور پر حاضر ہونے کے ساتھ ذہنی طور پر بھی حاضر ہوں۔ ماننے کی نیت سے سنیں اور خاموش رہیں۔ اس وقت آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کلام کرنا بے ادبی ہو گی۔ اللہ کی تسبیح بیان کی جائے تو بھی خفی ہو۔ اور جب سنانے والا سنا چکے تو اجتماعی طور پر اللہ سے اس کی رحمت کا سوال کیا جائے۔ دعا یہ ہو کہ یا اللہ ہم اپنی خواہش کی پیروی کے مقابل تیری رضا پر رہنے کے لئے تیری مدد کے طلبگار ہیں۔ تو ہم پر رحم فرما اور ہمیں ہمارے قول و فعل میں پورا رکھ۔

حاصل : قرآن پاک کے پڑھنے اور سننے کے آداب کا لحاظ ضروری ہے۔ پڑھنا اس طرح ہو کہ حال سے تعلق رکھتا ہو، اور سننے والوں کو تھکا نہ دے۔ سننا اس طرح ہو کہ پوری توجہ سے سنا جائے، ماننے کی نیت ہو، اندر بھی خاموشی ہو، باہر بھی خاموشی ہو اور بیان کے پورے ہو جانے کے بعد اجتماعی

دعا کی جائے اور اللہ سے مدد مانگی جائے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

اور اپنے ربّ کو اپنے دل میں تضرّع اور ڈر کے ساتھ یاد کرو، اور بے آواز نکالے صبح کے وقت اور شام کے وقت اور غافلین سے نہ ہونا۔

ذکر الٰہی ان اوقات میں بھی ہونا چاہیئے، جن میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ مثلاً نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور نماز عصر سے نماز مغرب تک۔ ان اوقات میں ذکر خفی ہو، جہری نہ ہو۔ اپنے نفس کو یہ احساس دلایا جائے کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق اس کی رضا کے مطابق کماحقہٗ استعمال نہیں کی گئی، کوتاہی ہوئی ہے۔ کرم "اتنا بڑا" اور شکر "اتنا کم"، یہ احساس باعث تضرع ہوتا ہے۔ ڈر اس بات کا ہونا چاہیئے کہ پوچھ اس توفیق کی نسبت سے ہوگی، جو اللہ نے عطا فرما رکھی ہے۔ غفلت سے بچنے کے لئے ان اوقات میں ذکر الٰہی کو اپنا معمول بنانا چاہیئے۔ حقوق العباد کی ادائیگی کی صورت میں بھی ذکر خفی ہو سکتا ہے، ان کا کام کیا جائے، باتیں نہ کی جائیں۔

حاصل: صبح اور شام ذکر خفی کرنا چاہیئے۔ غفلت سے بچنے کے لئے ابتداءً زور لگا کر اپنی غیر ضروری مصروفیات کو ترک کرنا پڑے گا، پھر ان اوقات میں ذکر معمول ہو جائے گا۔ کرم کی وسعت اور شکر کی قلت کا احساس باعث تضرع ہوتا ہے۔ ڈر یہ ہونا چاہیئے کہ علیم مطلق کی طرف سے پوچھ ہوگی اور اس کی عطا کردہ توفیق کی نسبت سے ہوگی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ ۩

بے شک جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبّر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، اور اسے ہی سجدہ کرتے ہیں۔

قرب الٰہی رکھنے والوں کی صفات اس لئے بیان ہوئی ہیں کہ جن کو انعام مطلوب ہو وہ فیضیاب ہوں۔ عبادت سے تکبر نہ کرنا یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اپنی پسند کے مطابق استعمال نہ کیا جائے کہ یہ مقربین کی شان کے خلاف ہے۔ تسبیح سے قول پاک رہتا ہے، اور قول پاک ہو جائے تو عمل صالح ہو جاتا ہے۔ اللہ کو ہی سجدہ کرنا یہ ہے کہ خوشی مطلوب ہو تو اسی کی ہو، اور ڈر ہو تو بھی اسی کا ہو۔ آیت سجدہ پر پڑھنے والے کو اور سامعین کو عملاً سجدہ کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے وقت کا تعین بھی نہیں ہے، سمت کا تعین بھی نہیں ہے۔ جو جہاں ہو فوراً سجدے کے لئے سعی کرے۔ جسماً حالت سجدے کی ہونی چاہیئے۔

حاصل: مقربین الٰہی اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، کبھی من مانی نہیں کرتے۔ اپنے قول کو

پاک اور سدید رکھتے ہیں۔ انہیں خوشی بھی اپنے معبود لاشریک کی مطلوب ہوتی ہے، ڈر بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا ہوتا ہے۔ اللہ کو ہی سجدہ کرنے والا مشرک نہیں ہو سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا ہے۔ ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے، اس کا ذکر کیا جائے، تو ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں، ان کا ایمان بڑھے اور اپنے ہی رب پر توکّل کریں، وہ نماز کو قائم کریں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کریں۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾

یہی حقیقی مومن ہیں۔ ان کے درجات ان کے ربّ کے پاس ہیں اور ان کے لئے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

آپ سے غنیمتوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے غنیمتیں اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی ہیں۔ تو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔

صاحبو! غنیمتوں کے متعلق سوال ان کی تقسیم کے حوالے سے تھا۔ جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ غنیمتیں اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملکیت ہیں۔ جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چاہیں گے اسی طرح تقسیم ہوں گی، اور وہی تقسیم عنداللہ پسند ہوگی۔ اگر کوئی طلب غنیمت میں اپنا استحقاق ثابت کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ اللہ سے نہ ڈرنے والا ہو گا اور لوگوں سے جھگڑا کرنے والا ہو گا، یہ حدود اللہ سے صریحاً تجاوز ہے۔ غنیمت کا مال لینے والے کے متعلق جو علم دینے والے کو ہوتا ہے، وہ دوسرے لوگوں کو نہیں ہوتا۔ اس لئے کسی لینے والے سے اختلاف ہو تو قاسم پر اعتراض ہو گا۔ اور قاسم کی حیثیت کو جاننے والا اعتراض کا حق ہی نہیں رکھتا۔ مومن ہونے کا ثبوت یہی ہے کہ اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ اطاعت اگر اپنا فائدہ دیکھ کر کی جائے تو وہ اطاعت نہیں ہوگی۔ مومن کبھی اپنی خواہشات کو حق کا لبادہ پہنا کر بیان نہیں کرتا۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ خواہشات کی پیروی کا نتیجہ گمراہی کے علاوہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : سوال کا منشاء پاک رہنے کی کوشش میں مدد حاصل کرنا ہو تو حق ہے۔ غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملکیت ہیں۔ اسی حوالے سے تقسیم ہوں گی۔ اللہ سے ڈرنے والا اپنے حال پر نظر رکھتا ہے، اور لینے والوں سے ناراض نہیں ہوتا۔ وہ اطاعت میں اپنی پسند کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہو

قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾

تو ان کے دل ڈرتے ہیں۔ اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جائیں، ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اپنے رب ہی پر توکّل کرتے ہیں۔

ایمان والوں کے سامنے جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے قلوب پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ بیان کرنے والا اللہ کی عطا کو اپنے تجربے اور مشاہدے کے حوالے سے بیان کر رہا ہو تو ان کے دل ڈرتے ہیں۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنا بہت بڑا کام ہے اور قیامت کے دن اس کی پوچھ ہوگی، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ جو اپنے اعمال میں خوبی دیکھتا ہو اس کا دل اللہ کے ذکر سے نہیں ڈرتا۔ ایمان والوں کے سامنے جب اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ ایمان میں اضافہ ہو تو اپنا عمل بہت چھوٹا نظر آتا ہے، اور عطائے الٰہی کی نسبت سے دیکھا جائے تو ایسے ہی نظر آنا چاہئے۔ ایمان والے یہ یقین رکھتے ہیں کہ جو موجود ہے وہ بھی ہماری ضرورت سے زیادہ ہے، اس کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال ہونا چاہئے، اور جو مزید درکار ہوگا وہ علیمِ مطلق کی طرف سے صحیح وقت پر عطا کر دیا جائے گا۔

حاصل : اللہ سے ڈرنا، اس کی آیات کو سن کر ایمان کا بڑھنا اور اللہ پر توکّل کرنا ایمان والوں کی نشانیاں ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

وہ جو نماز قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

ایمان والے نماز قائم رکھتے ہیں۔ نماز مغرب سے پہلے اس کی تیاری کرتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں اور وضو کے بعد نماز کی نیت کر کے اذان کا انتظار کرتے ہوئے، اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد عشاء کی نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور نماز کی نیت کے ساتھ اذان کا انتظار کرتے ہیں۔ رات کو سونے سے پہلے وضو کر کے صلوٰۃ وسطیٰ کی نیت کر کے سوتے ہیں۔ "اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کی آواز سن لینے کے بعد ایک دم بستر سے باہر آ جاتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں اور نماز کی نیت کے ساتھ حاضر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نماز ظہر سے پہلے اس کے لئے وضو کرتے ہیں اور اس کے پڑھنے کی نیت کرتے ہیں اور پھر نماز عصر سے پہلے اس کے لئے وضو کرتے ہیں اور وقت پر پڑھنے کی نیت کے ساتھ تیار رہتے ہیں۔ اللہ کے دئے ہوئے رزق کی حقیقت وہ عطائے الٰہی ہے جو بندے کو جائز ذرائع سے ملے اور جو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر، اس کا حق بنتا ہو۔ اس کے علاوہ جو بھی ہوگا، وہ اللہ کا دیا ہوا رزق نہیں ہوگا، اور اللہ کی راہ پر لگنے کے قابل نہیں ہوگا۔

حاصل : نماز کے وقت سے پہلے اس کے لئے وضو کرنے اور وقت پر ادا کرنے کی نیت رکھنے سے نماز قائم ہوتی ہے۔ اللہ کا دیا ہوا رزق پاک ہوتا ہے اور وہی اللہ کی راہ پر لگایا جا سکتا ہے۔ اسی سے

رضائے الٰہی حاصل ہو سکتی ہے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾

حقیقتاً مومن یہی ہیں۔ ان کے لئے ان کے ربّ کے پاس درجات ہیں، اور مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔

مومن ہونا ایک دعویٰ ہے۔ اس دعوے کے ساتھ مذکورہ بالا نشانیاں موجود ہوں تو یہ دعویٰ صحیح ثابت ہو جاتا ہے۔ مومنوں کے درجات ان کے رب کے پاس ہیں۔ اگر ان درجات کو واجب التکریم مان لیا جائے، تو اجتماعی زندگی میں حسنِ اخلاق بڑھے گا، لوگوں کو بہت سی آسانیاں حاصل ہوں گی۔ جو عنداللہ درجات رکھتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے۔ ان کے لئے دعاء مغفرت کرنا تحصیل حاصل کے مترادف ہو گا۔ ان کے حوالے سے اپنے لئے خیر و برکت کی دعا کی جائے تو یہ اظہار ادب ہو گا۔ رزق کریم ایسی عطا ہے جو کسی مشقت سے تعلق نہیں رکھتی۔ مومن کسی بھی مقام پر اپنا حق ادا کرنے میں ڈھیل نہیں کرتے، اور جو ملے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا جانتے ہیں۔ صرف اپنے لئے نہیں، بلکہ ان سب کے لئے بھی جن کا ان پر حق ہوتا ہے۔

حاصل : مومنوں کے درجات کا احترام کرنا چاہیئے کہ وہ اللہ کے نزدیک ہوتے ہیں۔ جسے اللہ نے مغفرت عطا فرما دی ہو، اس کے حوالے سے اپنے لئے دعائے خیر کرنی چاہیئے۔ مومن کے ہاں کھانا رزق کریم سے حصہ لینے والی بات ہے۔ اس سے جسمانی فائدہ بھی ہوتا ہے، روحانی فائدہ بھی ہوتا ہے۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ﴿٥﴾

جیسے آپ کو آپ کے ربّ نے آپ کے بیت شریف سے حق کے ساتھ نکالا اور مومنین کے ایک فریق کو اس سے کراہت تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی پوری حیاتِ مبارکہ میں جو بھی کیا حکمِ الٰہی کے مطابق کیا۔ جو لوگ آپ سے محبت رکھتے تھے اور آپ کے ارشادات کو اپنی تجویز کے پیمانوں سے نہیں ناپتے تھے، انہوں نے آپ کے ہر حکم کو حکمِ خداوندی جان کر مانا اور نتائج کو باذن اللہ سمجھا۔ متوالی آنکھوں کا مشاہدہ، فانی آنکھوں کے مشاہدے سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ متوالی آنکھیں اپنے شاہد کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ اس لئے انہیں دشمن کی تعداد، اس کے ہتھیار اور اس کی قوت مرعوب نہیں کرتی۔ مبتدی مومن سبب کی طرف دیکھتے ہیں، تو انہیں پریشانی ہوتی ہے، حالانکہ حق اور باطل کی جنگ میں صرف اسباب کا اسباب سے مقابلہ نہیں ہوتا، بلکہ حق کے منکرین کو جب تک اپنی عددی برتری کا یقین نہ ہو، اپنے سامان حرب کے بہتر اور زیادہ ہونے کا یقین نہ ہو اور میدان جنگ ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو، وہ جنگ کی طرف نہیں آیا کرتے۔

حاصل : بہتر جاننے والوں کا فیصلہ بہتر ہوتا ہے۔ مبتدی مومن اسباب کی طرف دیکھتے ہیں. تو دشمن کی تیاری سے پریشان بھی ہوتے ہیں۔ جو مسبّب کی طرف دیکھتے ہیں انہیں اپنا حق ادا کرنے کے لئے سب کچھ پورا نظر آتا ہے۔ متوالی آنکھوں کا مشاہدہ درست ہوتا ہے۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

وہ حق میں آپ سے مجادلہ کرتے تھے اس کے روشن ہو جانے کے بعد، گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جو نازل فرمایا گیا وہ حق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے سب سے بہتر جاننے والے بندے ہیں۔ جب دیکھنے والوں کے مشاہدے کے مطابق آپ کا بیان ان پر واضح ہو چکا تھا، تو پھر آپ کے سامنے اپنی تجویز کو اہم ثابت کرنے کی کوشش یقیناً مجادلہ تھی۔ جب حق کی ادائیگی میں صریحاً موت نظر آتی ہو، اور زندگی عزیز ہو، تو نفس ایسی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے کہ گویا اسے آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکا جارہا ہے۔

حاصل : حق کو بہتر طور پر جاننے والوں اور اس کا احسن اتباع کرنے والوں سے مجادلہ یقیناً بے ادبی ہے۔ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف جانے اور ہانکے جانے میں بڑا فرق ہے۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو طائفوں میں سے ایک تمہارے لئے ہے، تم چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہ ہو. اور اللہ پاک یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو حق کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

اس حال پر جن دو گروہوں سے مقابلہ ممکن تھا، ان میں سے ایک جنگ کے لئے پوری طرح تیار تھا، تعداد اور تیاری دونوں لحاظ سے۔ دوسرے قافلے کی صورت یہ نہ تھی۔ مومنین کا ایک فریق یہ چاہتا تھا کہ اس گروہ سے مقابلہ ہو، جس میں کانٹے کا کھٹکا بھی نہ ہو۔ دشمن کی طرف سے مزاحمت کا امکان کم ہو تو پھر یہ اس پر محض چڑھ دوڑنے والی بات ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جس گروہ سے مقابلے کا حکم فرمایا، وہ مومنین کے ساتھ جنگ کے لئے تیار تھا۔ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے یہ روشن کیا جانے والا تھا کہ اس کے کلمات حق ہیں، مومنین کو غلبہ حاصل ہو گا۔ باوجود اس کے کہ یہ دشمن کی کثرت اور تیاری کو دیکھ کر اس سے مرعوب ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ کافروں کی جڑ کاٹنا چاہتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو گروہوں میں سے ایک پر غلبے کا وعدہ تھا، تو پھر بڑے گروہ کو مغلوب کرنا یقیناً بڑی بات تھی۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو پسند ہو۔ اللہ کی پسند کو حوصلے اور ہمت سے مان لیا جائے تو اس سے جو انعامات ملتے ہیں ان کو بے حساب ہی کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ بھی کرنا وہی پڑتا ہے جو اللہ چاہے، اور گزرنا بھی وہیں سے پڑتا ہے جہاں سے وہ گزارنا چاہے۔

حاصل : اللہ سے بڑا وعدہ کسی کا نہیں ہو سکتا۔ جنگ میں اپنی سہولت کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ بڑا کام کیا جائے تو اس سے تائید ایزدی کا یقین ظاہر ہوتا ہے۔ کافروں کی جڑ مالی نقصانات سے نہیں کٹتی، مومنین کے ساتھ لڑنے والے سرداروں کے کٹنے سے کٹتی ہے۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝٨

تاکہ حق کو حق کرے اور باطل کو باطل کرے اور چاہے مجرموں کو اس سے کراہت ہو۔

جب فرمانِ خداوندی کسی مقام پر عملاً واقع ہو جاتا ہے تو حق اس قدر روشن ہو جاتا ہے کہ اس کا انکار ناممکن ہو جاتا ہے۔ حق کے مقابل جب انسانی تجویزیں پٹ جاتی ہیں تو پھر ان کو کسی بھی سہارے سے کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ باطل کی نفی کا مقام ہوتا ہے۔ مجرم سہولت پسندی کی وجہ سے ان دو مقامات کے درمیان رہنا پسند کرتے ہیں، تاکہ جس طرف مفاد نظر آئے فوراً اس طرف کو جھک سکیں۔ اور جب مفاد پرستی ناممکن ہو جائے تو مجرموں کو کراہت ضرور ہوتی ہے۔

حاصل : جب حق عملاً روشن ہو جائے تو ناقابل تردید ہو جاتا ہے، اور جب باطل پٹ جاتا ہے تو اس کو کسی سہارے سے کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔ مجرم مفاد پرستی کی وجہ سے حق کے حق ہونے کو اور باطل کے باطل ہونے کو دیکھ کر کراہت کرتے ہیں۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩

جب تم اپنے ربّ سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہاری مدد کو ہزاروں فرشتے بھیجوں گا، لگاتار آنے والے۔

اپنے رب سے مدد مانگنا یہ ہے کہ اظہار عبدیت کے ساتھ اپنا حال بیان کیا جائے اور اپنے علم کی حد تک پوری بات کی جائے۔ منشاء یہ نہ ہو کہ یا اللہ وہ کر جو ہم چاہتے ہیں، بلکہ یہ ہو کہ یا اللہ ہماری مدد فرما کہ پوری ہمت سے تیری عطا کردہ توفیق کو تیری رضا کے مطابق استعمال کر سکیں۔ سچی فریاد، اللہ کو پسند ہوتی ہے کہ وہ مخلصین کی فریاد ہوتی ہے۔ ایسی فریاد کو سن کر اللہ موقع

کی نسبت سے جیسی مدد درکار ہو، اپنے علم سے عطا فرما دیتا ہے۔ اس مقام پر اللہ نے فرشتوں کی لگاتار آنے والی جماعت سے مومنین کی مدد فرمائی۔ کام اللہ نے کیا، نام مخلصین کا روشن ہوا اگر مخلصین مقام عبدیت پر پورے رہے۔

حاصل : فریاد اللہ کے سامنے ہو، اظہار عبدیت کے ساتھ ہو اور اس دعا کی صورت سے ہو کہ یا اللہ تجھ سے بہتر کوئی جاننے والا نہیں۔ جو کچھ ہمیں درکار ہے اس کا سب سے بہتر جاننے والا اور سب سے بہتر عطا کرنے والا تو ہی ہے۔ ہماری مدد فرما کہ پوری ہمت سے تیری عطا کردہ توفیق کو تیری رضا کے مطابق استعمال کر سکیں۔ اللہ کی طرف سے دی جانے والی مدد ہمیشہ علم مطلق سے ہوتی ہے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

اور یہ تو اللہ نے بشارت دی اور تاکہ تمہارے قلوب کو اس سے اطمینان ملے۔ اور نصرت تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بے شک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی بشارت یقیناً باعث اطمینان قلوب ہوتی ہے۔ دل مطمئن ہو تو حال پر اپنے حق کو صحیح طور پر ادا کر سکتا ہے۔ ورنہ اپنی استعداد اور استطاعت کا بڑا حصہ اپنی سلامتی اور حفاظت کی نذر ہو جاتا ہے۔ علیم مطلق کی طرف سے نصرت ملے تو وہ ہر لحاظ سے پوری ہوتی ہے۔ دوسری کوئی نصرت اس قدر علم سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ کی نصرت میں عزت و حکمت دونوں ہوتی ہیں۔ دیکھنے والوں کو اس رخ سے دیکھنا چاہئے۔ اپنی قوت اور اپنے اسباب کو صحیح تناظر میں دیکھا جائے، تو اللہ سے اس کی نصرت کا طلب گار ہونا ہمیشہ ضروری ہوتا ہے۔ جس کو اپنی حیثیت پر ناز ہو وہ عزت اور دانائی سے دور ہوتا جاتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی بشارت باعث اطمینان قلوب ہوا کرتی ہے۔ اللہ کی نصرت ہی علم مطلق سے ہوتی ہے۔ جسے اپنی حیثیت پر ناز ہو وہ عزت اور دانائی سے دور ہوتا رہتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا ہے :

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

اے کافرو! اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ تم پر آچکا اور اگر باز آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم پھر شرارت کرو، تو ہم پھر سزا دیں گے۔ اور تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا، چاہے کتنا ہی کثیر ہو۔ اور بے شک اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ

جب اس نے تم پر اپنی طرف سے امن

يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

کے لئے اونگھ ڈال دی اور تم پر آسمان سے پانی نازل فرمایا کہ تمہیں اس سے پاک کر دے اور شیطان کی ناپاکی کو تم سے دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مربوط کر دے اور تمہارے قدموں کو ثبات دے۔

اس حال پر علیمِ مطلق کی طرف سے دی جانے والی مدد کا اس آیت میں ذکر ہے۔ مسلمانوں کی تعداد کافروں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ ان کے بہتر سامانِ حرب کے مقابل ان کے ہاں ایک طرح کی بے سروسامانی تھی۔ میدان جنگ میں کافروں کا مقام ان کے نقطۂ نظر سے ان کے لئے فائدہ مند تھا۔ جنگ سے پہلے نظر آنے والی تمام چیزوں کو دیکھا جائے تو کافروں کی حیثیت دیکھنے میں بہتر نظر آتی تھی۔ اللہ نے مسلمانوں کو امن و سکون دینے کے لئے ان پر اونگھ ڈال دی۔ اس سے بہت تھوڑے وقت میں مسلمانوں کو جو سکون ملا، وہ بدنی بھی تھا اور قلبی بھی تھا۔ اس سکون نے ان کی پریشانی کو دور کر دیا۔ اس عطائے الٰہی کو اندازے کے کسی پیمانے سے ناپا نہیں جا سکتا۔ مقام کے لحاظ سے جو فائدہ کافروں کو حاصل تھا، بارش کے بعد وہ بدل گیا، اور مسلمان ان کے مقابلے میں بہتر حیثیت میں آ گئے۔ پانی کی "سہولت سے دستیابی" اللہ کی بڑی عنایت تھی۔ پاک کرنے کا جو شرف اللہ نے پانی کو دیا ہے وہ کسی دوسری شے کو نہیں دیا، اور اللہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ ظاہری حالات سے جو پریشانی تھی اس میں شیطان مسلمانوں کو وسوسوں میں ڈال رہا تھا۔ جب وہ اسباب کے مقابل اسباب کو دکھائے گا تو اسباب سے آگے نہ دیکھنے والے اس سے مرعوب ہوں گے اور ناپاکی ان کے قریب ہو جائے گی۔ اسباب کے بنانے والے کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے اپنی عطا سے مسلمانوں کو اس طرح نوازا کہ ان سے شیطان کی ناپاکی دور ہو گئی اور ان کے دل جو پہلے کسی حد تک سہمے ہوئے تھے، سمٹے ہوئے تھے، مربوط ہو گئے اور اللہ نے انہیں ثابت قدمی بھی عطا فرما دی۔

حاصل : اللہ کی مدد انتہائی علم سے ہوتی ہے۔ اندر جو درکار ہو، اسے بھی وہی عطا کر سکتا ہے، باہر جو درکار ہو اسے بھی وہی عطا کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے دلوں کو مربوط رکھنا ان کی ثابت قدمی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اسباب سے مرعوب ہونا، ناپاکی ہے، اور مسلمانوں کو اس سے بچنا ضروری ہے۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

جب تمہارے ربّ نے ملائکہ کی طرف وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو ایمان والوں کو ثابت رکھو۔ عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، تو کافروں کی گردنوں پر مارو، اور ان

کے ہر جوڑ پر مارو۔

ملائکہ کو اللہ نے ایمان والوں کی مدد کے لئے بھیجا تھا، ان کو اپنی تائید کے ساتھ یہ کام دیا گیا کہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھیں۔ ثابت قدمی تبھی ہو سکتی ہے جب کام بڑا ہونے کے باوجود، ہوتا نظر آنے لگے۔ اس حال پر دشمنوں کے دلوں پر ایمان والوں کا رعب ڈال دیا گیا۔ مرعوب کافروں کی کارکردگی ان کے زعم کی نفی کر دیتی ہے۔ ملائکہ نے بھی کافروں کی گردنوں پر مارا اور ان کے ہر جوڑ پر مارا۔ ایمان والوں نے بھی ان کی گردنوں پر اور ہر جوڑ پر مارا۔ تائید ایزدی سے ایمان والے غالب ہوئے اور کافروں کی قوت، جس کے سامنے وہ ایمان والوں کو ہیچ سمجھتے تھے، نابود ہو گئی۔

حاصل : اللہ ثابت قدمی عطا کرنے والا ہے۔ ایمان والوں کو ثابت قدمی حاصل ہو تو کافروں کے دل مرعوب ہو جاتے ہیں۔ جب ان کے دل مرعوب ہو جائیں تو ان کے زعم کی نفی ہو جاتی ہے۔ پھر ان کی گردنوں اور ہر جوڑ پر مارنے کا مقام آتا ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے مخالف ہوئے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا مخالف ہوا تو بے شک اللہ کی مار شدید ہوتی ہے۔

کافروں کا طریقِ زندگی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت ہوتا ہے۔ جو حق ہو، کافر اس کے خلاف کرتے ہیں۔ قول کی حد تک حق کا انکار ہو، تو اصلاح کی طرف آنے کا امکان موجود رہتا ہے۔ عملاً ایمان والوں کے ساتھ جنگ ہو جائے تو پھر اللہ کی شدید مار سے کافروں کو کوئی بچا نہیں سکتا۔ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے مخالف جس تعداد اور جس سامان کے ساتھ بھی ہوں، اللہ کی مار سے بچ نہیں سکتے۔

حاصل : حق کا انکار قول کی حد سے آگے ہو تو یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مخالف اللہ کی مار سے بچ نہیں سکتا۔ ایمان والوں کو اللہ کے "ساتھ" سے جو قوت ملتی ہے، اسباب سے وہ قوت کبھی نہیں حاصل ہو سکتی۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

یہ تو چکھ لو اور کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

ایمان والوں کے ہاتھوں شدید مار، کافروں کے لئے عذابِ دنیا کی ایک صورت ہے۔ آخرت میں انہیں آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ آگ کا عذاب ان کے اپنے اعمال کا حاصل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل : جو حال پر حق کو ناقابل تردید پائے اور پھر بھی تسلیم نہ کرے، اسے آخرت میں آگ کا عذاب ملے گا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾

اے ایمان والو جب میدان جنگ میں تم کافروں سے بھڑو، تو انہیں پیٹھ نہ دو۔

ایمان والوں کو کافروں سے لڑنے کے اصول بتائے جا رہے ہیں کہ جب میدان جنگ میں کافروں سے مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ دکھا کر بھاگنا خلافِ حق ہے۔ اللہ کے "ساتھ" کا فائدہ بھاگنے والے کو نہیں پہنچ سکتا۔ کافروں کی عددی قوت اور سامانِ حرب کی کثرت تمہیں مرعوب نہ کرے۔

حاصل : میدان جنگ میں کفار سے مقابلہ ہو، تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جانا ایمان والوں کے لئے حرام ہے۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾

اور جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا، سوائے لڑائی کے ہنر کے یا اپنے گروہ میں جا ملنے کے تو یقیناً وہ اللہ کے غضب میں پلٹا، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

میدان جنگ میں کافروں کے مقابلے سے پیٹھ دے کر بھاگنا ایمان والوں کے لئے حرام ہے۔ جنگی ہنر کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی مقام تک دشمن کو پہنچانے کے لئے پسپائی ہو، جہاں سے بھاگ جانا اس کے بس میں نہ رہے، یا یہ کہ کچھ لوگ اپنی جماعت سے دور نکل گئے ہوں اور امیر جماعت ان کی واپسی کو ناپسند نہ کرتا ہو یا ان کو واپس آنے کا حکم دے، تو یہ پسپائی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بات نہ ہوگی۔ جب پسپائی محض اپنی جان بچانے کے لئے ہو تو یہ اللہ کے غضب کی طرف پلٹنے والی بات ہو گی۔ اس طرح حق سے بھاگنے والے کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ وہ ٹھکانا جہاں سزا مسلسل ہو اور وہاں سے بھاگ جانا بھی ناممکن ہو، یقیناً برا ہوتا ہے۔

حاصل : لڑائی کے ہنر کی صورت سے یا اپنے گروہ میں ملنے کے لئے میدان جنگ سے بھاگنا اور بات

ہے، لڑائی سے جان بچا کر بھاگنا دوسری بات ہے۔ جو اللہ کی رضا کے مقام سے بھاگے گا وہ اللہ کے غضب میں پلٹے گا۔ اس کا ٹھکانا بہت ہی بُرا ہو گا، جہاں سے بھاگ جانا بھی ممکن نہ ہو گا، سزا بھی مسلسل ہو گی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

تو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور آپ نے وہ مٹھی نہیں پھینکی تھی جب پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی اور تاکہ مومنین پر اپنی طرف سے احسان کرے۔ بے شک اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

جماعت فی سبیل اللہ میں مومنین اپنے جان و مال کو اللہ کی رضا پر لگاتے ہوئے اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں۔ جب نتائج ان کے لئے باعث راحت ہوں تو ان کو اپنی کاوش کا حاصل نہیں کہنا چاہیے، بلکہ اللہ کی مہربانی کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، جس نے اپنی تائید سے اپنی نصرت سے قلیل کو کثیر پر غالب کر دیا۔ غزوۂ بدر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی مٹھی میں خاک لی اور اس کو امر الٰہی کے مطابق کافروں کی طرف پھینکا۔ اللہ نے فرمایا ہے وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی، اسے اللہ نے پھینکا تھا۔ اس کا اثر ہر ایک کافر پر ہوا اور اتنا ہوا کہ وہ آنکھیں ملتا رہ گیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین پر بڑا احسان تھا کہ کافروں کی اجتماعی قوت، مٹھی کے ذروں کی طرح بکھر گئی، اور ہر ایک کو اپنی پڑ گئی۔ جو کافر بھی مارا گیا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدد سے مارا گیا۔ مومنین کو اپنی عددی قوت کا بھی پتہ تھا، اپنے سامان حرب کا بھی پتہ تھا۔ اس لئے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دعا کی درخواست بھی کر چکے تھے۔ اللہ نے دعا کو سنا اور اپنے علم سے مدد دی، جس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : تائیدِ ایزدی کے بعد نتائج کو اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے حوالے سے بیان کرنا چاہیے۔ علمِ الٰہی رکھنے والے کا بظاہر چھوٹا عمل بھی اتنی بڑی تبدیلی کا سبب بن جاتا ہے کہ جس سے دشمن کی اجتماعی قوت ٹوٹ جاتی ہے۔ امیر جماعت کا محبّ رسول ہونا ضروری ہے۔ اللہ دعاؤں کو سنتا ہے اور اپنے علم سے مدد کرتا ہے، جس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

یہ تو ہو چکا اور بے شک اللہ کافروں کے داؤ کو سست کرنے والا ہے۔

اللہ نے اپنی مہربانی سے مومنین کی چھوٹی جماعت کو کافروں کی بڑی اور بڑے سامان حرب سے لیس جماعت پر غالب کر

دیا۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، نتائج بہرحال باذن اللہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کافروں کے داؤ کو ست کرنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ جب ماضی کے تجربات کے حوالے سے کافر، لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی تگ و دو کرتے ہیں تو مرعوب دلوں کے ساتھ وہ لوگوں کو متاثر نہیں کر سکتے۔ سننے والوں کو ان کی غرض و غایت کی نسبت سے پھنسانے کی کوشش ضرور کرتے ہیں مگر داؤ ست ہوتا چلا جاتا ہے۔

حاصل : مومنین کو ماضی میں بھی جو ملا، اللہ کے ساتھ سے ملا اور آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ ماضی کے تجربات کی روشنی میں جب کافر نیا داؤ لگانے کی کوشش کرتے ہیں تو مرعوب دلوں کے ساتھ وہ لوگوں کو متاثر نہیں کر سکتے۔ اس طرح اللہ ان کے داؤ کو ست کر دیتا ہے۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾ ع ۲ / ۱۶

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے پاس آچکا ہے، اور اگر باز آجاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر اعادہ کرو گے تو ہم بھی یہی کریں گے، اور تمہارا گروہ تمہیں کچھ کام نہ دے گا چاہے کثرت میں ہو اور بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

کافروں نے مومنین کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ جو غالب ہو گا، وہ سچا ہو گا، اور یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا۔ مومنین باوجود قلیل ہونے کے کافروں کی بڑی جماعت پر غالب آئے۔ اگر فیصلہ مطلوب تھا تو فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ اس کے بعد یہ فرمایا گیا کہ اگر باز آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ مؤمنین سے لڑائی نہ کرنے میں کافروں کو متاع حیات دنیا کے استعمال کی مہلت موجود رہتی ہے۔ تدبر کرنے کا موقع ملتا ہے اور صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اور یہ سب ان کے لئے بہتر ہے۔ لڑائی کی صورت میں کافروں کو ذلت آمیز شکست ملے گی اور ان کا گروہ چاہے کتنا ہی زیادہ ہو انہیں کچھ کام نہ دے گا۔ ان کے ساتھ وہی ہو گا جو پہلے ہو چکا ہے۔ اللہ نے واضح فرما دیا ہے کہ وہ مومنین کے ساتھ ہے۔

حاصل : منکرینِ حق پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ راہ راست پر نہیں ہیں، مگر وہ اس فیصلے کو مانا نہیں کرتے۔ کافروں کی کثرت بھی ہو، مومنین سے شکست ہی کھائے گی۔ مومنین کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے کہ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ مومن ہونے کے لئے ناصحین سے محبت ضروری ہے۔ جس سے محبت ہو اس کو اپنے جیسا کہنا بے ادبی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں ارشاد فرمایا ہے :

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾

ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اور کافر شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو شیطان کے دوستوں سے لڑو، بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی اطاعت کرو، اور حق کو سن کر اس سے منہ نہ پھیرو۔

ایمان والوں سے یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اللہ کی اطاعت کا دعویٰ تبھی سچا ثابت ہو سکتا ہے، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت اس دعوے کے ساتھ شہادت کے طور پر پیش کی جاسکے۔ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت حال پر اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ان کا احسن اتباع کرنے والے کی اطاعت کی جائے اور حق کو جاننے کے لئے اپنی خواہشات کو کبھی معیار نہ بنایا جائے۔ اپنی پسند اور ناپسند سے فیصلہ کیا جائے تو شاہد سے تعلق نہیں رہتا اور شاہد سے تعلق نہ رہے تو استقامت سے صراطِ مستقیم پر رہنا ممکن نہیں رہتا۔ حق کو سن کر، اس کو اپنی تاویل کے مطابق ماننا، حق سے منہ پھیرنے والی بات ہے۔

حاصل : ایمان والوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی پسند سے کبھی نہ جوڑیں۔ حق کو سن کر، اس پر شاہد کے حوالے سے عمل کریں، ورنہ رخ ٹھیک نہیں رہے گا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا، جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا، اور وہ سنتے نہیں۔

جو لوگ حق کو سننے کے بعد وہی کرتے ہیں، جو ان کا جی چاہتا ہے، وہ حقیقتاً حق کو سنتے ہی نہیں۔ ان کی پسند ان کو اس طرح گھیرے رکھتی ہے کہ وہ اپنی پسند کے دائرے کے اندر ہی اپنے لئے سلامتی سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کسی لحاظ سے بھی اس لائق نہیں ہوتے کہ ان جیسا ہونے کی کوشش کی جائے۔

حاصل : حق کو سن کر من مانی کرنے والوں کو کبھی اس لائق نہیں جاننا چاہئے کہ ان جیسا ہونے کی کوشش کی جائے۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ

بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے

الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

نزدیک وہی بہرے، گونگے ہیں، جو عقل نہیں کرتے۔

تمام جانوروں پر انسان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ یہ عقل کی بدولت تضاد سے بچنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس کا سننا اس کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے اور اس کا سنانا سننے والوں کو فائدہ دیتا ہے۔ جو سن کر بھی نہ سنے اور نمونۂ حق کو دیکھنے کے بعد بولنے کے مقام پر خاموش رہے، وہ حقیقتاً بہرہ اور گونگا ہے۔ جانوروں سے ان کے اعمال کی پوچھ نہ ہوگی، انسان سے ضرور اس کے اعمال کی پوچھ ہوگی۔ بہترین توفیق کے باوجود کارکردگی، جانوروں سے بھی کم ہو تو پھر انسان کا دعوئے فضیلت ترقئ معکوس کو ہی ثابت کرے گا۔

حاصل : عقل کرنے کا ثبوت انسانی زندگی میں تضاد سے پاک رہنے کی سعی کرنے سے ملتا ہے۔ جب کہنے اور سننے کا معیار ایک ہو تو قول متوازن ہو جاتا ہے، اور جب اپنے عمل اور اپنے ساتھ ہونے والے عمل کو ایک پیمانے سے دیکھا جائے تو عمل متوازن ہو جاتا ہے۔ ورنہ نام انسانوں کا ہو گا، کارکردگی جانوروں سے بہت پست ہوگی۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی دیکھتا، انہیں سنا دیتا، اور اگر ان کو سنا دے تو منہ پھیر کر اعراض کریں۔

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، علیم مطلق ہے، اس کا علم کسی سبب کا محتاج نہیں ہے۔ نہ ہونے کے تمام مدارج بھی اللہ کے سامنے ہوتے ہیں اور ہونے کے تمام مدارج بھی اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ جس کو وہ سنانا چاہے، وہ اس کو سنانے پر قدرت رکھتا ہے۔ مگر سناتا اسی کو ہے، جس میں اسے کچھ بھلائی دکھائی دے۔ جو اپنی خواہشات کی پیروی کے ساتھ جڑ جائے اور نام حق کا لیتا ہو، وہ فاسق ہو جاتا ہے اور فاسق گمراہی سے بچ نہیں سکتا کہ اللہ اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ وہ اگر حق کو سن بھی لے تو اس سے منہ پھیر کر اعراض ہی کرتا ہے۔

حاصل : علیم مطلق کے کام کو پورا جاننا چاہئے۔ جو اپنی خواہشات کے ساتھ جڑ جائے وہ حق کو سن کر بھی اس سے منہ پھیر کر اعراض ہی کرتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَ

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے لئے حاضر ہو جاؤ جب تمہیں بلایا جائے کہ تمہیں

اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

حیات بخشی جائے گی۔ اور معلوم رہے کہ اللہ کا حکم، آدمی اور اس کے قلب کے مابین ہوتا ہے۔ اور بےشک تمہیں اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلاوا، اللہ کا بلاوا ہے۔ اب اگر کوئی اللہ کی عبادت میں بھی مصروف ہو، تو اللہ کے بلاوے پر اسے فوراً حاضر ہونا چاہئے کہ اسے وہ ملنے والا ہو گا جو پہلے اسے حاصل نہیں تھا۔ شاہد کا بلانا بھی اللہ کا بلانا ہو گا۔ اس میں حیات اس طرح ملے گی کہ بلایا جانے والا، فوراً حاضر ہو کر قول سے اپنی صداقت کو ثابت کر کے عمل کے مقام پر آجائے گا۔ اور اس کے فوراً حاضر ہونے سے اس کے وجود میں جو تبدیلیاں آئیں گی، ان کو حیات دینے والا جانے گا، یا حیات پانے والا جانے گا۔ ایسا حیات پانے والا ہمیشہ باادب اور بامراد ہوتا ہے۔ فرد کو بلایا جائے یا جماعت کو بلایا جائے، شاہد کے بلاوے پر فوراً حاضری، حق ہے۔ بلانے والے کا بلانا، اللہ کے لئے ہے، جو علیم مطلق ہے، اس لئے اپنی کیفیت کو دیکھ کر رکنا بےادبی ہوگی۔ جواب فوراً دینا چاہئے اور اگر لباس درست کرنے کی ضرورت بھی ہو، تو چلتے چلتے وہ عمل کر لینا چاہئے۔ بلاوے کے بعد سرعت سے حاضری ادب کو ثابت کرتی ہے۔ آدمی کے دو کان بیرونی اور دو کان دل میں ہوتے ہیں۔ باہر کے کان، دل کے کانوں تک آواز کو پہنچاتے ہیں۔ دل قبول کرنے کا یا رد کرنے کا حکم لگا دیتا ہے۔ اللہ کا حکم ان دو مقامات کے درمیان ہوتا ہے۔ جو خیر کو قبول کرے، دل کی گواہی کے ساتھ، وہ عقل مند ہے۔ اور جو حق کا انکار کرے، وہ دل تو رکھتا ہے، عقل نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو توفیق دی ہے۔ جزا بھی وہی دے گا اور جزا کے لئے سب کو اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔

حاصل : شاہد کا بلانا اللہ کے رسول کا بلاوا ہو گا، اللہ کا بلاوا ہو گا، حاضری فوراً ہونی چاہئے۔ بلانے پر جواب دینا چاہئے، اور حاضر ہونے کا اعلان کرنا چاہئے۔ کرم باادب پر ہی ہوتا ہے، بےادب پر کبھی نہیں ہوتا۔ بےادب چاہے کچھ پڑھتا رہے، پڑھاتا رہے، دل پر حکم دلبر کا ہو تو سلامتی رہتی ہے۔ دل اپنی خواہشات کے تابع ہو جائے تو سلامتی نہیں رہتی۔ جس وحدہ لاشریک کی طرف جانے سے رک جانا ممکن نہیں ہے، اس کی طرف جانے کی تیاری کرنی چاہئے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور اس فتنے سے بچو جو تم میں خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا اور معلوم رہے کہ اللہ کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔

شیوخ کے ادب و احترام میں کوتاہی وہ فتنہ ہے جس کا اثر صرف ظالموں پر ہی نہیں ہو گا بلکہ اللہ کی شدید پکڑ میں دوسرے لوگ بھی آ پہنچیں گے۔ جن حضرات کے نقوشِ قدم سے صراطِ مستقیم کا تعین ہوتا ہے، جب ان کو اپنے قول و عمل میں شاہد بنانا غیر

ضروری ہو جائے اور لوگوں کا اپنا خیال ان کی رہنمائی کرنے لگے، تو مومن افراد کے مابین حق کے حوالے سے جو روابط ہونے چاہئیں وہ کمزور ہونے لگتے ہیں۔ ایسی صورت میں کفر کے سیلاب کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ اللہ کی پکڑ سے شدید کوئی دوسری پکڑ نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اصول پسندی کے نام پر اپنے خیالات کی ترویج میں لگے رہتے ہیں، وہ تو خلافِ حق کرنے کی وجہ سے ظالم ہیں۔ مگر ان سے مداہنت برتنے والے، ان سے اظہار نفرت نہ کرنے والے بھی ظلم کو بڑھاوا ہی دیتے ہیں۔ پھر جب اللہ کی طرف سے پکڑ ہوتی ہے تو اتنی شدید ہوتی ہے کہ اپنے خیال کا اظہار ہی ناقابلِ معافی جرم ہوتا ہے۔

حاصل : شاہدین کے ادب و احترام میں کوتاہی سے بچنا ضروری ہے۔ ورنہ اس سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں وہ سیلاب آئے گا جو روکے نہیں رکے گا۔ اخلاقی قدروں کو بہا کر لے جائے گا اور آزادئ اظہار رائے بھی نہیں رہے گی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور یاد کرو جب تم قلیل تھے، ملک میں دبے ہوئے تھے، تمہیں خوف تھا کہ لوگ تمہیں اچک لے جائیں گے، تو اس نے تمہیں ٹھکانا دیا اور اپنی نصرت سے تائید دی اور تمہیں طیّبات سے رزق دیا، تاکہ تم شکر کرو۔

مومنین ابتداً قلیل تھے، کافر کثیر تھے۔ قلت و ضعف کی وجہ سے ایمان والوں کو خوف رہتا تھا کہ کہیں کافر انہیں اچک نہ لے جائیں۔ وہ زمین میں دبے دبے رہتے تھے۔ اللہ نے انہیں ٹھکانا دیا اور اپنی نصرت سے تائید دی۔ انہیں کافروں پر غالب کر دیا۔ وہ زمین میں عزت سے چلنے لگے۔ اس کے ساتھ اللہ نے انہیں طیبات سے رزق دیا۔ مومنین کو ہر زمانے میں اپنی ابتدا پر نظر کر کے اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ اور شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اللہ کی تائید و نصرت کو ماضی کے حوالے سے بیان کیا جائے، حال پر اللہ کی عطا کی قدر کی جائے اور اللہ کی عطا کو اپنے کمالات کی بدولت نہ دیکھا جائے بلکہ شاہدین کی برکت کی بدولت دیکھا جائے اور مستقبل میں اللہ سے اس کا فضل مانگا جائے۔

حاصل : اپنی ابتدا پر نظر رکھنی چاہئے۔ اللہ کی عطا کو اپنے کمالات کی بدولت نہیں جاننا چاہئے، بلکہ شاہدین کی برکت کی بدولت جاننا چاہئے اور اللہ کی عطا کو معطئ مطلق کی رضا کے مطابق تصرف میں لانا چاہئے۔ شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ

اے ایمان والو، اللہ اور رسول (صلی اللہ

اَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

حیات بخشی جائے گی۔ اور معلوم رہے کہ اللہ کا حکم، آدمی اور اس کے قلب کے مابین ہوتا ہے۔ اور بے شک تمہیں اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بلاوا، اللہ کا بلاوا ہے۔ اب اگر کوئی اللہ کی عبادت میں بھی مصروف ہو، تو اللہ کے بلاوے پر اسے فوراً حاضر ہونا چاہئے کہ اسے وہ ملنے والا ہو گا جو پہلے اسے حاصل نہیں تھا۔ شاہد کا بلانا بھی اللہ کا بلانا ہو گا۔ اس میں حیات اس طرح ملے گی کہ بلایا جانے والا، فوراً حاضر ہو کر قول سے اپنی صداقت کو ثابت کر کے عمل کے مقام پر آجائے گا۔ اور اس کے فوراً حاضر ہونے سے اس کے وجود میں جو تبدیلیاں آئیں گی، ان کو حیات دینے والا جانے گا، یا حیات پانے والا جانے گا۔ ایسا حیات پانے والا ہمیشہ باادب اور بامراد ہوتا ہے۔ فرد کو بلایا جائے یا جماعت کو بلایا جائے، شاہد کے بلاوے پر فوراً حاضری، حق ہے۔ بلانے والے کا بلانا، اللہ کے لئے ہے، جو علیم مطلق ہے، اس لئے اپنی کیفیت کو دیکھ کر رکنا بے ادبی ہوگی۔ جواب فوراً دینا چاہئے اور اگر لباس درست کرنے کی ضرورت بھی ہو، تو چلتے چلتے وہ عمل کر لینا چاہئے۔ بلاوے کے بعد سرعت سے حاضری ادب کو ثابت کرتی ہے۔ آدمی کے دو کان بیرونی اور دو کان دل میں ہوتے ہیں۔ باہر کے کان، دل کے کانوں تک آواز کو پہنچاتے ہیں۔ دل قبول کرنے کا یا رد کرنے کا حکم لگا دیتا ہے۔ اللہ کا حکم ان دو مقامات کے درمیان ہوتا ہے۔ جو خیر کو قبول کرے، دل کی گواہی کے ساتھ، وہ عقل مند ہے۔ اور جو حق کا انکار کرے، وہ دل تو رکھتا ہے، عقل نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو توفیق دی ہے۔ جزا بھی وہی دے گا اور جزا کے لئے سب کو اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔

حاصل : شاہد کا بلانا اللہ کے رسول کا بلاوا ہو گا، اللہ کا بلاوا ہو گا، حاضری فوراً ہونی چاہئے۔ بلانے پر جواب دینا چاہئے، اور حاضر ہونے کا اعلان کرنا چاہئے۔ کرم باادب پر ہی ہوتا ہے، بے ادب پر کبھی نہیں ہوتا۔ بے ادب چاہے کچھ پڑھتا رہے، پڑھاتا رہے، دل پر حکم دلبر کا ہو تو سلامتی رہتی ہے۔ دل اپنی خواہشات کے تابع ہو جائے تو سلامتی نہیں رہتی۔ جس وحدہ لاشریک کی طرف جانے سے رک جانا ممکن نہیں ہے، اس کی طرف جانے کی تیاری کرنی چاہئے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور اس فتنے سے بچو جو تم میں خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا اور معلوم رہے کہ اللہ کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔

شاہدین کے ادب و احترام میں کوتاہی وہ فتنہ ہے جس کا اثر صرف ظالموں پر ہی نہیں ہو گا بلکہ اللہ کی شدید پکڑ میں دوسرے لوگ بھی آجائیں گے۔ جن حضرات کے نقوشِ قدم سے صراطِ مستقیم کا تعین ہوتا ہے، جب ان کو اپنے قول و عمل میں شاہد بنانا غیر

ضروری ہو جائے اور لوگوں کا اپنا خیال ان کی رہنمائی کرنے لگے، تو مومن افراد کے مابین حق کے حوالے سے جو روابط ہونے چاہئیں وہ کمزور ہونے لگتے ہیں۔ ایسی صورت میں کفر کے سیلاب کو کس طرح روکا جاسکتا ہے۔ اللہ کی پکڑ سے شدید کوئی دوسری پکڑ نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اصول پسندی کے نام پر اپنے خیالات کی ترویج میں لگے رہتے ہیں، وہ تو خلافِ حق کرنے کی وجہ سے ظالم ہیں۔ مگر ان سے مداہنت برتنے والے، ان سے اظہار نفرت نہ کرنے والے بھی ظلم کو بڑھاوا ہی دیتے ہیں۔ پھر جب اللہ کی طرف سے پکڑ ہوتی ہے تو اتنی شدید ہوتی ہے کہ اپنے خیال کا اظہار ہی ناقابلِ معافی جرم ہوتا ہے۔

حاصل : شاہدین کے ادب و احترام میں کوتاہی سے بچنا ضروری ہے۔ ورنہ اس سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں وہ سیلاب آئے گا جو روکے نہیں رکے گا۔ اخلاقی قدروں کو بہا کر لے جائے گا اور آزادیٔ اظہار رائے بھی نہیں رہے گی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۲۶

اور یاد کرو جب تم قلیل تھے، ملک میں دبے ہوئے تھے، تمہیں خوف تھا کہ لوگ تمہیں اچک لے جائیں گے، تو اس نے تمہیں ٹھکانا دیا اور اپنی نصرت سے تائید دی اور تمہیں طیّبات سے رزق دیا، تاکہ تم شکر کرو۔

مومنین ابتداً قلیل تھے، کافر کثیر تھے۔ قلت و ضعف کی وجہ سے ایمان والوں کو خوف رہتا تھا کہ کہیں کافر انہیں اچک نہ لے جائیں۔ وہ زمین میں دبے دبے رہتے تھے۔ اللہ نے انہیں ٹھکانا دیا اور اپنی نصرت سے تائید دی۔ انہیں کافروں پر غالب کر دیا۔ وہ زمین میں عزت سے چلنے لگے۔ اس کے ساتھ اللہ نے انہیں طیبات سے رزق دیا۔ مومنین کو ہر زمانے میں اپنی ابتدا پر نظر کر کے اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ اور شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اللہ کی تائید و نصرت کو ماضی کے حوالے سے بیان کیا جائے، حال پر اللہ کی عطا کی قدر کی جائے اور اللہ کی عطا کو اپنے کمالات کی بدولت نہ دیکھا جائے بلکہ شاہدین کی برکت کی بدولت دیکھا جائے اور مستقبل میں اللہ سے اس کا فضل مانگا جائے۔

حاصل : اپنی ابتدا پر نظر رکھنی چاہئے۔ اللہ کی عطا کو اپنے کمالات کی بدولت نہیں جاننا چاہئے، بلکہ شاہدین کی برکت کی بدولت جاننا چاہئے اور اللہ کی عطا کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق تصرف میں لانا چاہئے۔ شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ

اے ایمان والو، اللہ اور رسول (صلی اللہ

الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

علیہ و آلہ وسلم) سے خیانت نہ کرو۔ اور نہ دانستاً آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔

اللہ سے خیانت یہ ہے کہ خلوت میں فرمان خداوندی کے خلاف کیا جائے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خیانت یہ ہے کہ ان کی سنت کا علم ہونے کے باوجود وہ کچھ کیا جائے، جس میں لوگوں سے داد حاصل کرنے کی طلب ہو۔ ایمان کا دعویٰ تو ہو مگر لوگوں کی پسند کو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پسند کے مقابل اہمیت دی جائے۔ مومنین کی طرف سے سپرد کی گئی امانتوں میں خیانت یہ ہے کہ جن کی امانتیں ہیں، ان کی منشاء کے مطابق انہیں واپس نہ کیا جائے، اور جان بوجھ کر اپنی غرض و غایت کے لئے انہیں روک لیا جائے۔ جب کسی جگہ، خیانت مومنین کے علم میں آجائے، تو ان پر لازم ہے کہ وہ اپنا حق ادا کریں۔ اللہ کے حکم کو پڑھ کر سنائیں، لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرائیں، اور جب تک امانتیں پوری طرح ادا نہ کر دی جائیں، تب تک اپنے اجتماعی اثر کو استعمال کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

حاصل: خلوت میں خلاف حق کرنا اللہ سے خیانت ہے۔ جان بوجھ کر خلافِ سنّت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خیانت ہے۔ اور مومنین کی امانتوں کو اپنی غرض و غایت کے لئے استعمال کرنا، مومنین سے خیانت ہے۔ جب مومنین اپنے اجتماعی اثر کو حق کے مطابق استعمال کرنا چھوڑ دیں تو خیانت بڑھنے لگتی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

اور معلوم رہے کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔

اموال و اولاد کا عطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس عطا کو اللہ کی رضا کے مطابق تصرف میں لایا جائے تو اللہ کی بندگی کا حق ادا ہوتا ہے۔ اور اس عطا کو بذاتہ مقصود بنا لیا جائے تو اس سے دوسروں کی حق تلفی ضرور ہوتی ہے۔ اموال و اولاد کو بندہ اپنے مستقبل میں باعث راحت جانتا ہے۔ یہ راحت بھی باذن اللہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ کوئی خلاف حق کر کے کبھی اس راحت کو نہیں پا سکتا۔ اس لئے اموال کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، اور اولاد کو اس طرح رکھنا حق ہے کہ خواہشات کی پیروی ان کا طریق زندگی نہ بنے۔ جو اجر اللہ عطا کر سکتا ہے اور عطا کر دیتا ہے، انسان کی اپنی تجویز سے وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

حاصل: اموال کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔ اولاد کو اس طرح رکھنا چاہئے کہ حق کے مقابل ان کی پسند کبھی ان کے لئے اہم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر دنیا و آخرت میں اس قدر دے گا، جس سے بہتر کا تصور ہی بے ادبی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصّف میں فرمایا ہے۔ کیا میں تمہیں وہ تجارت بتادوں جو تمہیں المناک عذاب سے نجات دے۔

تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال و انفس سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تمہیں علم ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے، وہ تمہارے لئے فرقان ٹھہرا دے گا اور تمہاری برائیوں کی نفی کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے۔

اللہ سے ڈرنا اور ڈرتے رہنا حق ہے۔ قول میں اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ بولنے سے پہلے دل میں تعوذ و تسمیہ پڑھ لیا جائے اور ایسے الفاظ میں اور ایسے لہجے میں بات کی جائے کہ استکبار سے اجتناب واضح ہو، سننے والوں کی بھلائی مقصود ہو، اور انہیں تدبر سے صحیح مقام تک پہنچنے میں مدد دی جائے۔ سنتے وقت، دوسروں کی حسن نیت کو دیکھا جائے۔ الفاظ کی موزونیت کو دیکھنے کی بجائے ان کے منشاء کو دیکھا جائے اور اگر بیان کرنے والے کا منشاء حق کے مطابق بات کرنا ہو، تو اچھی ترجمانی سے اس کی تائید کی جائے۔ عملاً نیکی اور تقویٰ میں تعاون کیا جائے اور گناہ و عدوان میں تعاون نہ کیا جائے۔ اپنے عمل پر اس طرح نظر رکھی جائے کہ یہ شاہدین کی طریقت کے مطابق رہے اور اپنے ساتھ ہونے والے عمل کو باذن اللہ جان کر اپنے توازن کو قائم رکھا جائے۔ علم حقیقی کو عطائے الٰہی جانتے ہوئے اس کے نور کو طالبین تک پہنچانے کی سعی کی جائے اور مخلصین کے بارے میں یہ یقین رہے کہ ان کو شیطان بہکا نہیں سکتا۔ اگر ان کے کسی عمل کو اپنے علم کے حوالے سے سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو یہ کہا جائے کہ مخلصین کا عمل رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے، سمجھنے والے پر وہ مقام آئے گا تو اسے سمجھ آئے گی۔ مخلصین میں تضاد نظر آئے تو دیکھنے والا بے ادب ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کو یہ انعام ملتا ہے کہ اللہ انہیں قول و فعل میں حق اور ناحق کے درمیان فرق کرنے کی اہلیت عطا فرما دیتا ہے۔ اس سے ان کی ذاتی زندگی میں بھی سکھ بڑھتا ہے، اور ان سے مشورہ لینے والوں کی زندگی میں بھی آسانیاں آتی ہیں۔ پاک ہو جانے کی بدولت ان کے ماضی کی برائیوں کی نفی کر دی جاتی ہے۔ ان کا پاک حال ان کے ناقص ماضی کی شہادت نہیں دیتا۔ جس ماضی کی حال شہادت نہ دے اس کی نفی ہو جاتی ہے۔ جن کی برائیاں مٹا دی جائیں، اللہ انہیں اپنے فضل سے بخش دیتا ہے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اللہ کا فضل اتنا بڑا ہے کہ اسے بخشش چاہنے والوں کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے، اور تمام لوگ بھی اس فضل سے فیضیاب ہو جائیں تو بھی وہ بڑا ہی رہے گا۔

حاصل : اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کو صاحبِ فرقان ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ ان کی

برائیوں کی نفی ہو جاتی ہے اور اللہ اپنے فضل سے انہیں بخش دیتا ہے۔ اللہ کے فضل کو بخشش طلب کرنے والوں کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے۔ جس کے پاک ہونے کا یقین ہو جائے اس کے ماضی کی کوتاہیوں کو معاف کر دینا، اللہ کے فضل والوں کی شان ہے۔

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب کافر آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے کہ آپ کو قید کر لیں، یا قتل کر دیں یا خارج کر دیں۔ اور وہ مکر کرتے تھے اور اللہ بھی تدبیر فرماتا تھا۔ اور اللہ کی تدبیر سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان پاک سے حق کو سن کر اور آپ کی ذات بابرکات میں حسنِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ دیکھ کر لوگ کفر کی ظلمات سے نکل کر حق کی طرف آنے لگے۔ اور ایمان لانے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہونے لگا۔ تو کافروں نے اپنے اجتماع میں آپ کے بارے میں یہ داؤ سوچے کہ یا تو آپ کو قید کر لیا جائے۔ یا آپ کو شہید کر دیا جائے۔ یا آپ کو جہاں آپ ہیں وہاں سے نکال دیا جائے۔ جو کام آپ کر رہے تھے، اس کو روکنے کی یہ تدبیریں ان لوگوں کے سامنے آئیں۔ قید کر لینے والی تدبیر کے نتائج پر غور ہوا تو وہ کافروں کو پریشان کن نظر آئے۔ قتل والی تدبیر میں سب کافروں کی شمولیت کی راہ نکل گئی۔ اور اس کو قابل عمل مان لیا گیا۔ بستی سے نکالنے والی تدبیر کے نتائج بھی اچھے نظر نہیں آتے تھے۔ کافروں نے اپنا داؤ خوب سوچ کر چلا۔ مگر بہت ہی محدود سوچ سے، جس کی توفیق بھی اللہ نے دی ہے، اللہ کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ نے بھی تدبیر فرمائی۔ جو لوگ آپ کو قید کرنے کی تجویز دے رہے تھے وہ اللہ کی تدبیر سے قید ہوئے۔ جو آپ کو قتل کرنے کی تجویز دے رہے تھے وہ قتل ہوئے۔ جو آپ کو بستی سے نکالنے پر اصرار کرتے تھے وہ وہاں سے نکالے گئے۔ اللہ کی تدبیر کی قوت دیکھئے کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے جو چاہا وہ اس کے ساتھ ہوا، اور وہ اس سے بھاگ نہیں سکا، اس سے بچ نہیں سکا۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف سوچنے والوں کی سوچ انہی کے لئے باعث عذاب بن جاتی ہے۔ شاہدین کے ساتھ مکر کرنے والے بھی اپنے مکر کے مطابق سزا پاتے ہیں۔ اللہ کی تدبیر سے بچ کر نکل جانا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جائیں، کہتے ہیں ہم نے سنا، ہم اگر چاہتے تو ہم بھی اس کی مثل کہہ دیتے، یہ تو اولین

کی کہانیاں ہی ہیں۔

کافروں کے سامنے جب قرآن پاک کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو وہ سن کر یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے۔ ہم اگر چاہتے تو ہم بھی ایسا ہی کہہ دیتے۔ یہ ہیں تو اگلوں کی کہانیاں ہی۔ علیم مطلق کے ارشاد کا ہر حصہ علم مطلق سے ہے۔ بندہ اس کی مثل نہیں لا سکتا کہ علم کا علمِ مطلق سے مقابلہ ہی کیا ہے۔ جس راستے پر پہلے چلنے والے، ہلاکت سے بچ نہیں سکے اس راستے پر چلنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنے کے لئے اولین کا تذکرہ ضروری ہے۔ اگر اس تذکرے کو اگلوں کی کہانیاں کہہ کر اس سے سبق نہ لیا جائے، تو یہ حال پر غفلت کو اپنا شعار بنانے والی صورت ہو گی۔

حاصل : اللہ کی کتاب کا ہر ہر حصہ علم مطلق سے ہے۔ بندہ علم مطلق کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بندہ کتاب اللہ کی مثل نہیں لا سکتا۔ اولین کا ذکر اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کے انجام سے بچنے کے لئے، حال پر اپنے راستے کو بدلا جائے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور جب وہ کہنے لگے کہ اے اللہ، اگر تیرے نزدیک یہی حق ہے، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے، ہم پر المناک عذاب لے آ۔

کافروں کی جہالت دیکھئے کہ وہ حق کی سند کے طور پر عذاب طلب کرتے ہیں۔ آسمان سے پتھر برسا دئے جائیں، یا المناک عذاب بھیج دیا جائے، تو کافروں کی مطلوبہ سند انہیں مل جائے گی، مگر اس سے انہیں دنیا و آخرت میں خسارہ ہی ہو گا۔ کافروں کا یہ کہنا کہ اگر یہ حق ہے تو ہم پر عذاب آ جائے، اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے حق کو سنا ہی نہیں۔

حاصل : اپنے استیصال کو حق کی علامت قرار دینا جہالت ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے بعد قبولِ حق کبھی نافع نہیں ہوتا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں، جب آپ ان میں ہوں۔ اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

پہلی امتوں کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے کہ ان امتوں کی طرف بھیجے گئے انبیاء حضرات نے لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کیا۔ لوگوں نے انکار کیا۔ جس امت پر بھی عذاب آیا، اس امت کی طرف بھیجے گئے نبی صاحب کی اس شہادت کے بعد آیا کہ

یااللہ، یہ لوگ حق کے انکار کو اپنا شعار بنا چکے ہیں اور ناقابل اصلاح ہوگئے ہیں، اس لئے ہمارے اور ان لوگوں کے مابین فیصلہ فرما دے۔ نبی صاحب اور ان کے ساتھیوں کو اللہ نجات دے دیتا تھا، اور منکرین عذاب میں مبتلا کر کے ختم کر دئے جاتے تھے۔ اس آیت میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ آپ کی موجودگی، اور اللہ سے بخشش طلب کرنے والوں کا استغفار کرنا، ان دو صورتوں میں اللہ عذاب کرنے والا نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منکرین حق کے بارے میں یہ شہادت دی کہ جو لوگ حق کا انکار کر رہے ہیں، وہ لاعلم ہیں اور لاعلمی، اللہ کے نزدیک واجب العذاب نہیں ہے۔ اللہ سے اس کی بخشش طلب کرنے والے، عملاً خوف خدا رکھتے ہیں۔ انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی اور جس معیار کی نسبت سے ان کے اعمال کو دیکھا جائے گا، وہ معیار نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اس معیار کا ادب کرنے والے جہاں بھی ہوں اللہ وہاں عذاب نہیں لایا کرتا۔

حاصل : شاہدین کی موجودگی اور ان کی معیت کی طلب رکھنے والے لوگوں کی موجودگی، ان دو صورتوں میں اللہ کا عذاب نہیں آیا کرتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ادب ہو تو اللہ سے بخشش طلب کرنا، نفع دیتا ہے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور ان میں کیا بات ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ کرے، اور وہ تو مسجد حرام سے روکتے ہیں، اور وہ اس کے اولیاء نہیں۔ اس کے اولیاء تو متّقی ہی ہیں، ولیکن ان میں اکثر کو علم نہیں۔

عذاب الٰہی کے نہ آنے کی دو وجوہ اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ ان دو صورتوں کے علاوہ جو بھی ہو، وہاں اللہ سے نہ ڈرنے والے عذاب کی طرف بڑھ رہے ہوں گے۔ جو لوگ مسجدِ حرام میں آنے والوں کو روکتے ہوں، اور یہ ثابت کرتے ہوں کہ وہ بااختیار ہیں، جس کو چاہیں آنے دیں، جس کو چاہیں روک دیں، وہ متقی نہیں ہوتے۔ اور حرم شریف کے متولی صرف متقی ہی ہو سکتے ہیں۔ متقی حضرات، حرم شریف کی طرف آنے والوں کے لئے سہولتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور آنے والے خدائی مہمانوں کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ خدائی مہمانوں کی خدمت کا علم اسی کو ہوتا ہے، جو اللہ سے ڈرنے والا ہو، استکبار سے بچنے والا ہو، مخدوم کی سہولت کو اپنی سہولت پر ترجیح دے اور اجر کا سوال بھی نہ کرے۔

حاصل : حرم شریف میں آنے والوں کو روکنا اور خلاف حق کرتے ہوئے اپنے آپ کو بااختیار ثابت کرنا، اللہ سے نہ ڈرنے والوں کی نشانیاں ہیں۔ حرم کے متولی صرف متقی ہی ہو سکتے ہیں۔ خدائی مہمانوں کی خدمت کا علم صرف خوفِ خدا رکھنے والوں کو ہی ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾

اور ان کی نماز بیت اللہ کے پاس نہیں مگر سیٹی اور تالی، تو اب عذاب چکھو، بدلہ اپنے کفر کا۔

کافروں کی نماز تو بیت اللہ شریف کے قریب سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہی تھا۔ کافر جو بھی کرتے ہیں وہ حق کے خلاف کرتے ہیں، اس لئے بے ادبی اور گستاخی ان کے ہر عمل سے واضح ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنے قول و فعل میں خلاف حق کرنے کو اپنا طریق زندگی بنالیتے ہیں، انہیں ان کے کفر کے بدلے عذاب دیا جاتا ہے، اور وہ عذاب ان کے زعم کو اس طرح ختم کر دیتا ہے کہ اس میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت موجود ہوتی ہے۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ وہ معیار ہے، جس کا ادب و احترام سے اتباع، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ عبادت کا جو طریقہ اس معیار کے مطابق نہ ہو وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ جو اللہ کی پسند کے خلاف کرتا ہے وہ اپنے کفر کے بدلے ضرور عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾

بے شک کافر اپنے اموال کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ تو اب انہیں خرچ کریں گے، پھر وہ ان پر حسرت بنیں گے، اور آخر مغلوب ہوں گے۔ اور کافروں کو جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔

کافر جو بھی کرتے ہیں خلافِ حق کرتے ہیں۔ وہ اپنے اموال کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس مقصد کے ساتھ جو بھی خرچ کیا جائے گا، اس کے اثرات کو مومنین کی اجتماعی زندگی میں دیکھا جائے گا۔ اگر وہاں مشکلات بڑھتی ہوئی نظر آئیں تو کافروں کو خوشی ہوگی اور وہ مزید خرچ کرنے کے لئے بھی تیار ہوں گے۔ مگر وہ جو بھی کریں گے، اس کے نتائج پر ان کو قدرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ بہت سے اموال کو خرچ کر لینے کے بعد جب نتائج ان کی منشاء کے بالکل خلاف نظر آئیں گے، تو ان کا اپنا کیا ان کے لئے باعث حسرت ہو گا۔ جب لوگوں کو مومنین کے قرب میں اپنے لئے سلامتی نظر آئے گی تو کافر مغلوب ہو جائیں گے۔ معاشرتی زندگی میں ہر فرد کو اپنے لئے اور اپنے اہل بیت کے لئے جو سکون ضروری معلوم ہوتا ہے، وہی سکون دوسروں کا بھی حق مان لیا جائے، تو قومی اور بین الاقوامی سطح پر وہ کچھ ہو جائے گا، جو پہلے کبھی نہیں ہوا۔ مگر یہ صرف حق کے حوالے سے ہی ہو سکتا ہے۔ انسان کے تجویزی علم سے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کافر خلاف حق کرنے کی وجہ سے جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے، اور انہیں ان کے اعمال کی جزا بصورت جہنم دی جائے گی۔

حاصل : حق ہی ایک حوالہ ہے۔ جو خلوت و جلوت کے تمام مقامات پر واجب الاحترام مانا جا سکتا ہے۔ جو کسی حال میں کسی صورت میں کسی کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کافر اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے جو بھی خرچ کریں گے، ان کے لئے باعث حسرت بنے گا۔ دنیا میں کافر مغلوب ہوں گے۔ آخرت میں ان کے لئے جہنم ہے۔

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾

تاکہ اللہ خبیث کو طیّب سے جدا کر دے اور خبیث کے ایک کو دوسرے پر رکھ کر جمع کر کے ڈھیر بنا دے، پھر اسے جہنم رسید کر دے، وہی لوگ خسارے والے ہیں۔

خبیث وطیب کو ایک دوسرے سے جدا کرنا عمل کے لئے دئے گئے وقت کے بعد ضروری ہے، کہ خبیث کو اس کی من مانی کی جزا دی جائے گی، اور طیب کو حق کے اتباع کی جزا دی جائے گی۔ خبیث کے پاس زندگی میں اس کی پسند سے بڑا کوئی حوالہ نہیں ہوتا۔ طیب کے پاس قول کی صورت سے حوالہ حکم خداوندی اور عمل کی صورت سے حوالہ شاہدین کی طریقت ہوتا ہے۔ خبیث اپنی خواہشات کے حوالے سے جس خبیث کا اثر قبول کرتا ہے، اسی کے ساتھ اسے اکٹھا کیا جائے گا، اسی طرح یہ ڈھیر جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ یہی لوگ خسارے والے ہیں۔ ان لوگوں نے وقتی خوشی کے لئے جو ان کو ان کی منشاء کے مطابق ملی بھی نہیں، دائمی دکھ خرید لیا ہے۔

حاصل : خبیث اور طیب کے مابین ہر مقام پر وقف رکھنا چاہیئے۔ من مانی کرنے والے، خسارے والے لوگ ہیں۔ طیّب لوگ اپنے اموال کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ پر چلنے میں آسانی ہو۔ خبیث اپنے اموال کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا جائے۔ مستقبل میں جہنم سے بچنے کے لئے حال پر خبیث لوگوں کے ساتھ سے بچنا ضروری ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ روم میں ارشاد فرمایا ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾

تو اپنا رخ دین کے لئے سیدھا کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے، جسے اللہ کی طرف سے ٹلنا نہیں۔ اس دن الگ الگ ہو جائیں گے (خبیث و طیّب)۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ

کافروں سے فرما دیجئے کہ اگر وہ باز رہے تو جو ہو چکا ہے، انہیں معاف کر دیا جائے

سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾

گا۔ اور اگر پھر وہی کریں گے، تو اولین کی سنت موجود ہے۔

کافروں نے مومنین کو مغلوب کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو تدبیریں سوچی گئیں ان کا ذکر پچھلے رکوع میں ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ کافروں کو بتا دیجئے کہ اگر ان کا رویہ یہ ہو جائے کہ وہ آئندہ مومنین سے مکر و فریب اور دشمنی کا راستہ چھوڑ دیں، تو ماضی میں جو ہو چکا ہے وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ اپنی خواہشات کی پیروی سے باز رہنا بہت بڑا کام ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب اپنے تجربات و مشاہدات کو مشعل راہ بنایا جائے، اور ان سے حاصل ہونے والے علم سے اپنے موجودہ رویئے کی اصلاح کی جائے۔ اگر یہ نہ کیا جائے تو پھر اپنے سابقہ رویئے سے باز رہنا مشکل ہو گا۔ اور اگر مومنین سے مکر و فریب اور دشمنی کی جائے گی، تو جو ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ ہو چکا ہے، وہ ان کے ساتھ بھی ہو گا۔ کافروں کی کوئی تعداد، کوئی سامان، کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کافروں کو مٹانے میں اللہ کو دیر ہی کیا لگتی ہے۔

حاصل : مومنین سے مکر و فریب اور دشمنی کا راستہ چھوڑ دینے والوں کو معاف کر دینا چاہیئے۔ اگر کافر اپنی سابقہ روایت کا اعادہ کریں تو پھر وہ مٹ جانے کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣٩﴾

اور ان سے لڑتے رہو حتیٰ کہ فتنہ نہ رہے اور دین سارا، اللہ ہی کا ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز رہیں تو بے شک اللہ ان کے عمل دیکھ رہا ہے۔

کافروں سے لڑتے رہنا میدان جنگ میں بھی ہوتا ہے، اور میدان جنگ سے باہر بھی ہوتا ہے۔ میدان جنگ سے باہر جو ہوتا ہے وہ بھی جہاد کی ایک صورت ہے، اور زیادہ وقت اسی صورت میں صرف ہوتا ہے۔ مومنین کی انفرادی زندگی میں کسی مقام پر ان کی خواہشات ان کی رہنمائی نہ کریں اور اجتماعی زندگی میں بھی ان کی خواہشات کو یہ اہمیت نہ ملے کہ وہ حق کے مقابل، قابل بیان سمجھی جائیں، تو فتنہ ختم ہو جائے گا اور دین سارا، اللہ ہی کا ہو جائے گا۔ کافر اس وقت مومنین کے ساتھ ظاہراً شرارت اور عداوت سے باز رہیں تو ان سے قتال کی اجازت نہیں ہے۔ خلوت میں وہ اگر مکر و فریب سے کوئی چال چلتے ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتی ہے، جس کے دائرہ قدرت سے باہر جانا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

حاصل : کافروں کی انفرادی زندگی سے اور اجتماعی زندگی سے جب مومنین کوئی بھی اثر قبول نہ کرنے کے مقام پر ہوں تو فتنہ ختم ہو جائے گا، اور دین سارا اللہ ہی کا ہو جائے گا۔ اگر کافر ظاہراً شرارت و عداوت سے باز رہیں تو ان سے قتال منع ہے۔ خلوت میں ان کے اعمال اللہ کے سامنے

ہیں۔ مگر جلوت میں ان کی کسی بھی شرارت کو چھوٹی کہہ کر نظر انداز کرنا، خلافِ حق ہے۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

اور اگر وہ پھر جائیں تو معلوم رہے کہ اللہ تمہارا مولا ہے۔ کیا خوب مولا اور کیا خوب نصرت دینے والا ہے۔

کافر اگر باز رہنے کے وعدے سے پھر جائیں اور عداوت و فریب کا راستہ اختیار کرلیں، تو پھر مومنین کو یہ جاننا چاہئے کہ اللہ ان کا مولا ہے۔ اس سے بہتر کوئی مولا نہیں اور اس سے بڑا کوئی نصرت دینے والا نہیں۔ مولا کا کام، دوستی کرنا اور حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے علم اور قوت ضروری ہے۔ اللہ سے بڑا علم والا اور اس سے بڑا قوت والا کوئی نہیں۔ اس لئے اس سے بہتر مولا بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ نصرت وہ مدد ہوتی ہے جو مدد چاہنے والے کو درکار ہو، اور جس سے وہ دشمن کو مغلوب کرنے پر قادر ہو سکے۔ اللہ سے بڑا کوئی نصرت دینے والا ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : مومنین کو یہ علم ہونا چاہئے کہ اللہ ان کا مولا ہے اور اللہ انہیں نصرت دینے والا ہے، اس لئے وہ ہر مقابلے کے لئے پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ دشمن کی کوئی تعداد اور اس کا کوئی سامان، مومنین کو مرعوب نہیں کر سکتا۔

الجزء العاشر ۱۰

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

اور معلوم رہے کہ جو کچھ تمہیں غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور قربیٰ کے لئے اور یتاما اور مساکین کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے، اگر تمہیں اللہ پر ایمان ہے اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فرقان کے دن نازل فرمایا، جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

غنیمت وہ مال ہے جو کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے۔ اس میں سے پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے بڑے ادب سے دینا چاہئے۔ خدا کی نیابت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقام تھا، اس لئے غنیمت کا پانچواں حصہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا

تھا، اور آپ اسے علمِ الٰہی سے اپنی ذات پر، اپنے قرابت والوں پر، یتاما پر، مساکین پر اور مسافروں پر تقسیم کرتے تھے۔ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کا شرف امیرالمومنین کو حاصل ہوتا ہے، اس لئے خمس اس کے ہاتھ سے تقسیم ہو گا۔ امیرالمومنین کے قربیٰ میں سے وہ لوگ پہلے پائیں گے جو نادار ہوں گے۔ یتیم وہ ہوتا ہے جو خود بالغ نہ ہو اور اس کے گھر میں کمانے والا فوت ہو جائے۔ مسکین وہ ہوتا ہے، جس کا کام رک جائے اور وہ اپنے اہلِ بیت کی کفالت نہ کر سکتا ہو۔ مسافر وہ ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہوئے سفر خرچ کے لحاظ سے مدد کا طالب ہو۔ یہ پانچوں حصے تاقیامت جاری رہیں گے۔ یہ اللہ پر ایمان کا ثبوت ہے۔ یہ یوم الفرقان وہ دن ہے جس دن بدر کے مقام پر تائید ایزدی نے ایمان والوں اور کافروں کے درمیان فرق واضح کر دیا۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر "سکینہ" کے ساتھ فرشتوں کی کمک بھیجی، اور مومنین کی ایسی مدد کی کہ یہ اپنے مقابلے میں کثیر فوج پر، جس کے پاس سامان حرب بھی بہتر اور زیادہ تھا، غالب آئے۔ یہ اللہ کی قدرت سے ہوا۔ اللہ کی قدرت کو ماننے والے، جان لیں کہ ان کا کام حدود اللہ کے اندر رہ کر اپنا حق ادا کرنا ہے۔ اللہ ان کا مولا ہے، اللہ انہیں نصرت دینے والا ہے۔ اس لئے سب سے بڑا حوصلہ مومنین کا ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : خمس مال غنیمت کا پانچواں حصہ ہے، اللہ کے فرمان کے مطابق تقسیم ہونا چاہئے۔ ایمان والوں کو علم ہونا چاہئے کہ اللہ ان کا مولا ہے، اور وہی انہیں نصرت دینے والا ہے۔ اس لئے ان سے بڑا آسرا کسی کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

جس وقت تم ورلے کنارے پر تھے اور وہ پرلے کنارے پر، اور قافلہ تم سے نیچے اتر گیا تھا اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے تو ضرور میعاد میں اختلاف کرتے۔ لیکن یہ اس لئے کہ اللہ پورا کرے اس کام کو جو ہونا ہے کہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو، اور جو حیات پائے دلیل سے حیات پائے۔ اور بے شک اللہ ضرور سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

میدانِ جنگ کی وہ طرف جو مدینہ طیبہ سے قریب تھی ورلا کنارہ تھا، اور وہ طرف جو بعید تھی پرلا کنارہ تھا۔ اور وہ قافلہ جس پر حملے کی صورت میں مزاحمت کا امکان کم تھا، وہ مسلمانوں کے سامنے نہیں تھا، بلکہ نیچے اتر گیا تھا، اور کفار کی فوج ان کے سامنے آ گئی تھی۔ آمنے سامنے آنے کی صورت اگر کسی وعدہ پر بنتی، جس کا وقت معین کیا جاتا، تو اس کی میعاد میں ضرور اختلاف ہوتا۔ کافروں کا یہ طریق چلا آ رہا ہے کہ انہیں اپنی عددی برتری کا یقین ہو، سامان حرب کے بہتر اور کثیر ہونے کا علم ہو،

ضرورت کے وقت اس کے مہیا ہونے کا پتہ ہو اور میدان جنگ ان کی منشاء کے مطابق ہو تو وہ جنگ پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایمان والوں میں سے وہ لوگ جو اعداد و شمار کی زبان میں بات کرنے کو بہت اہم سمجھتے ہیں، کافروں کے ساتھ جنگ کے لئے معین وقت پر جانے میں ضرور اختلاف کرتے کہ انہیں ان کی تعداد، ان کا سامان اور اس کے ساتھ بہت کچھ اور نظر آتا۔ لیکن اللہ نے یہ صورت پیدا کر دی کہ فوجیں بغیر کسی وعدے کے آمنے سامنے آگئیں۔ اور اللہ نے یہ کام کر دیا کہ جو جو ہلاک ہو وضوح حق کے بعد ہو، اور جو حیات پائے وہ وضوح حق کا شاہد ہو۔ اور دونوں صورتوں میں حجت قائم ہو، سند موجود ہو۔ کافر اپنی عددی برتری، کثیر سامان حرب، وغیرہ کے باوجود مغلوب ہوئے، اور مومنین اپنی قلیل تعداد اور قلیل سامان کے ساتھ مظفر و منصور ہوئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے یہ اجتماعی دعا کی گئی تھی، جو اظہارِ عبدیت کے لئے تھی : یا اللہ ہم تیری رضا کو مقصود جان کر حاضر ہو گئے ہیں، تجھ سے کچھ مخفی نہیں، تو علیم مطلق ہے۔ جو ہمیں در کار ہے اس کا بھی سب سے بہتر جاننے والا تو ہی ہے۔ ہماری مدد فرما اور ہمیں پورا رکھ۔ اللہ تعالیٰ سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔ اس نے جو کیا شاکرین نے اس کا شکریہ ادا کیا، اور قیامت تک ادا کرتے رہیں گے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت سے اگر اچانک دشمن کے ساتھ آمنا سامنا ہو جائے، تو دعا کرنی چاہئے۔ یا اللہ ہماری مدد فرما اور ہمیں پورا رکھ۔ اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ سمیعٌ علیم کی طرف سے دی جانے والی مدد پوری ہوتی ہے۔ علیم مطلق کے علم کے سامنے اپنے علم کو ہیچ جاننا، ادب ہے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾

اور جب اللہ نے آپ کی خواب میں وہ آپ کو قلیل دکھائے، اور اگر آپ کو کثیر دکھاتا، تو تم لوگ بزدلی کرتے اور امر میں تنازعہ کرتے، ولیکن اللہ نے سلامت رکھا۔ بے شک وہ دلوں کی باتوں کا علم رکھتا ہے۔

کافروں کی تعداد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خواب مبارک میں کم دکھائی گئی۔ حضور کا طریقہ یہی تھا، کہ جو اللہ نے دکھایا اس کو آپ کی زبان پاک نے بیان فرمایا ہے۔ اگر آپ کو کافروں کی بڑی تعداد خواب میں دکھائی جاتی، تو آپ یقیناً اس کو بھی ویسے ہی بیان فرماتے، جیسے اس کو بیان کرنے کا حق تھا۔ اس صورت میں وہ لوگ جو تائیدِ ایزدی کے بارے میں علم نہیں رکھتے اور اعداد و شمار سے حساب کی زبان میں بات کرتے ہیں، یقیناً بزدلی کا مظاہرہ کرتے اور امر کے ماننے والوں سے جھگڑتے۔ اللہ نے ایمان والوں کو بزدلی، تردد اور باہمی اختلاف سے بچایا۔ دلوں میں جو کچھ مخفی ہوتا ہے، وہ اللہ سے چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ اس سے اپنی قلبی کیفیت کے مطابق سلامتی طلب کرنی چاہئے۔

حاصل : شاہد کے علم کے مقابل، اپنے اندازے، قیافے کو اہمیت دینے سے بزدلی، پیدا ہوتی ہے۔ باہمی اختلاف سے بچنا اور بچانا اجتماعی قوت کے لئے ضروری ہے۔ اپنی دلی کیفیت کے مطابق

اللہ سے سلامتی طلب کرنی چاہئے۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

اور جب مقابلہ کے وقت اس فوج کو تمہاری آنکھوں میں قلیل دکھلایا اور تمہیں ان کی آنکھوں میں قلیل دکھلایا کہ اللہ پورا کرے اس کام کو جو ہونا ہے۔ اور سب کاموں کا رجوع، اللہ کی طرف ہے۔

مقابلے کے وقت شروع میں کافروں کی فوج مومنین کو قلیل دکھائی دی، اور مومنین کی فوج کافروں کو قلیل دکھائی دی۔ اس سے یہ ہوا کہ دونوں فوجیں لڑائی کے لئے جم گئیں۔ لڑائی کے وقت کافروں کو مسلمان بہت نظر آنے لگے۔ اللہ کو یہ کام پورا کرنا تھا کہ جو ہلاکت کی راہ لینا چاہے وہ بھی اتمامِ حجت کر لے، اور جو حق کو مان کر حیات پانا چاہے اس کے پاس بھی سند موجود ہو۔ ہر ایک اپنے شعور کے مطابق جو راہ لینا چاہے، لے۔ کام کوئی بھی ہو، اس میں کرنے والے کی نظر اس حق پر رہنی چاہئے جو اس پر عائد ہوتا ہے، اور جس کی اس سے پوچھ ہوگی۔ اس سے آگے نظر جائے تو حال پر حق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ نتائج کو باذن اللہ ماننا لازم ہے۔ جہاں بھی اپنی کاوش کو کسی مطلوبہ نتیجے کا سبب سمجھا جائے، وہاں فخر و غرور کا اظہار زبان سے نہ ہو تو جسم کی حرکات سے ضرور ہو جاتا ہے۔

حاصل : اللہ کا ہر کام علمِ مطلق سے ہوتا ہے۔ ہر ایک کو اپنے شعور کے مطابق لئے گئے رخ کی جزا دی جائے گی۔ ہر کام میں ہمارا رخ اللہ کی رضا کا ہونا چاہئے۔ نتیجے کو اپنی کاوش کی بدولت جاننے سے ہمیشہ فخر و غرور کا اظہار ہی ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے :

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

فرما دیجئے اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔ اسے علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ جو باطل پر ایمان لائے، اور اللہ کے منکر ہوئے وہی خسارے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

اے ایمان والو جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو، تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا ذکر کثیر کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ایمان والوں کو لڑائی کے آداب سکھائے گئے ہیں کہ جب تمہارا کسی فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو۔ ثابت قدمی ہو گی تو تائیدِ ایزدی سے فائدہ پہنچے گا۔ ثابت قدمی ہو گی تو مقابلہ اس یقین سے ہو گا کہ اللہ کی نصرت ہمیں غالب کرے گی۔ ثابت قدمی یہ ہے کہ اپنے امیر کی اطاعت کی جائے۔ دشمن کی قوت کو، اللہ کی نصرت کے مقابل ہیچ سمجھا جائے اور زبان سے اللہ کا ذکر کثیر کیا جائے۔ اس سے کامیابی ہوتی ہے۔ میدان جنگ میں ذکر الٰہی کر ہی وہ سکتا ہے جو ثابت قدم ہو۔ میدان جنگ میں کامیابی یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کثیر کیا جائے، اور اپنے امیر کی اطاعت میں ہر مقام پر تائید ایزدی کے شاملِ حال ہونے کا یقین ہو۔

حاصل : جس فوج سے بھی مقابلہ ہو، اس کی کثرت اور قوت کے مقابل اللہ کی نصرت کو دیکھنا چاہئے۔ ثابت قدمی سے لڑا جائے اور اللہ کا ذکر کثیر کیا جائے، تو کامیابی ہوتی ہے۔ جسے اللہ کی رضا حاصل ہو جائے وہ یقیناً کامیاب ہے۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۴۶﴾

اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازعہ نہ کرو کہ پھر بزدلی کرو گے، اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی، اور صبر کرو۔ بے شک اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

میدان جہاد میں جو شدائد پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی تعمیل، اطاعت ہے۔ اطاعت تبھی ہو سکتی ہے، جب یہ یقین ہو کہ حکم دینے والا وہ بھی جانتا ہے، جو حکم ماننے والے کے علم میں ہے اور وہ بھی جانتا ہے جس کا ماننے والے کو علم نہیں ہے۔ آپس میں تنازعہ، فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی ہے۔ اس سے بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ آپس میں تنازعہ کرنے والے بے رعب اور بے وقار ہو جاتے ہیں۔ اس سے دشمن کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ آپس میں تنازعہ سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بات کرنے والا، اپنی پسند اور ناپسند کو قابل ذکر نہ سمجھے، بلکہ حق کے حوالے سے بات کرے، اور سننے والا اگر تصحیح کرنا چاہتا ہے، تو اس طرح بات کرے کہ اس کے بیان سے حدت نہ پیدا ہو۔ جب تک ایک دوسرے کی حسن نیت کا یقین ہو، تنازعہ کی صورت نہیں بنتی۔ اگر امیر کی اطاعت کو اپنا شعار بنالیا جائے تو ہر فیصلہ طلب بات اس کے سامنے جانی چاہئے اور اس کے فیصلے کو ادب سے ماننا چاہئے۔ اگر کسی ساتھی کے رویئے سے تکلیف پہنچے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی کم علمی اس رویئے کا سبب ہے اور کم علم کو راستہ دینا، صبر ہے، اور یہ اللہ کا حکم ہے۔ صابرین کی یہ شان ہے کہ انہیں اللہ کی معیت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ثبوت حال پر شاہد کی اطاعت سے ملتا ہے۔ آپس میں تنازعہ، بے رعبی اور بے وقاری کا سبب بنتا ہے۔ ساتھیوں کے رویئے پر تکلیف ہو تو صبر کرنا چاہئے۔ صبر، اللہ کی معیت کے حصول کے لئے لازم ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾

اور ان جیسے نہ ہونا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے، اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ اور جو وہ کرتے ہیں اللہ کے احاطے میں ہے۔

آدابِ جہاد کو بیان فرمایا گیا ہے کہ جب تمہاری جہاد کے لئے روانگی ہو، تو ان امور پر نظر رکھنا کہ ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے تھے، اور فخر و غرور سے لوگوں کو بن بن کر دکھا رہے تھے۔ منشاء یہ تھا کہ ایمان والوں کو اللہ کی راہ سے روکنا ہے۔ جو کچھ بھی انہوں نے کیا، اس کی توفیق تو اللہ نے دی تھی۔ ان کا چھپا اور ظاہر اس کے سامنے تھا۔ اللہ کی قدرت ان پر محیط تھی، اور یہ بے عقل اس قادر مطلق سے مقابلہ کرنے چلے تھے۔ مومنین کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تمہارا جہاد کے لئے نکلنا، عجز و انکساری کے ساتھ ہو۔ لوگوں کو دکھانے کی کوشش ہمیشہ کسی خواہش کے تحت ہوتی ہے، اور خواہش کی پیروی ہو تو راہِ حق سے ہٹ جانا ضروری ہوتا ہے۔ منشاء جہاد، اللہ کی راہ کو ماننے والوں کے لئے آسان بنانا ہے، انہیں حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادئ اظہار دینا ہے، اور یہ یقین رکھنا ہے کہ ہر حال میں اللہ کی قدرت ہم پر محیط ہے۔

حاصل : جہاد کے لئے نکلنے والوں کو اپنی طریقت اس طرح بنانی چاہیئے کہ اس میں عجز و انکساری واضح ہو، لوگوں کو دکھانے کی کوشش نہ ہو، اللہ کی معیّت مقصود ہو، اور اس کی قدرت کے احاطے پر بہر حال نظر رہے۔

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع

اور جب شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو زینت دی اور کہنے لگا آج کے دن تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب نہ ہو گا اور میں تمہارا حمایتی ہوں۔ پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اپنی ایڑیوں پر الٹا پھرا اور کہنے لگا میں تم سے الگ ہوں۔ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ کا خوف ہے، اور اللہ کا عذاب شدید ہے۔

جو لوگ گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے تھے، شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو زینت دی، اور ان کے اعمال کو اخلاقی قدروں کے حوالے سے ان کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ ان کا فخر و غرور بہت بڑھ گیا۔ ان کی طاقت ان کے لئے باعث

فرحت ہوئی تو شیطان نے کہا کہ آج تم طاقت کے اس مقام پر ہو کہ لوگوں میں سے تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔ میں تمہارا یار ہوں، تمہارا حمایتی ہوں۔ جس صورت میں وہ ان لوگوں کو نظر آیا وہ صورت ان کے مخالف کی تھی۔ اور مخالف جب حمایتی ہونے کا اعلان کر دے تو اس سے بڑی راحت ہوتی ہے۔ کافروں کے لشکر کو اپنی حمایت اور دوستی کا سہارا دے کر جب وہ مؤمنین کی فوج کے سامنے لایا، تو وہ اپنی ایڑیوں پر الٹا پھر گیا۔ اور کافروں سے کہنے لگا، میں تم سے الگ ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا۔ مجھے اللہ کا خوف ہے اور اللہ کی پکڑ بڑی شدید ہوتی ہے۔ شیطان کا کام یہ ہے کہ جو بھی مخلص نہ ہو، اس کو بہکا کر خسارے تک پہنچا دیتا ہے۔ اور جب یہ دیکھ لیتا ہے کہ خسارے میں مبتلا ہونے والے کی واپسی کی راہ مسدود ہو گئی ہے، تو اس سے الگ ہونے کا اعلان کرتا ہے، اور اس اعلان کے ساتھ ایسی باتیں بھی کرتا ہے، جو خسارے میں پڑنے والے کو مسلسل دکھ دیتی رہتی ہیں۔ بظاہر وہ حق ہوتی ہیں، مگر عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کے بعد ان سے دکھ ہی پہنچ سکتا ہے۔

حاصل : جب رخ خلافِ حق ہو، تو شیطان شوکتِ نفس کو اس طرح بڑھاتا ہے کہ اپنے اعمال بہت بھلے نظر آنے لگتے ہیں، اپنی طاقت ناقابلِ تسخیر نظر آنے لگتی ہے۔ جب شیطان کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کی پیروی کرنے والے خسارے کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے واپسی ان کے بس میں نہیں تو وہ ان سے الگ ہو جاتا ہے۔ الگ ہوتے وقت جو کہتا ہے وہ اظہار حق کے لئے نہیں کہتا، بلکہ مطمئن ہونے کی وجہ سے کہتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف میں فرمایا ہے۔

وَرَءَا الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوٓا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾

اور مجرم دوزخ کو دیکھیں گے تو انہیں یقین ہو گا کہ انہیں اس میں گرنا ہے۔ اور اس سے پھرنے کی جگہ نہیں پائیں گے۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنَٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۹﴾

اور جب منافق کہنے لگے، اور وہ جن کے قلوب میں مرض ہے، کہ یہ اپنے دین پر مغرور ہیں۔ اور جو اللہ پر توکّل کرے تو بے شک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

منافق یہ سمجھتے ہیں کہ عطائے الٰہی ان کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے بھی کافی نہیں ہے۔ جن لوگوں کے قلوب میں مرض ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔ ہر دلعزیز بننے کی کوشش میں ان کی خلوت و جلوت ایک نہیں رہتی۔ ایسے لوگ جب یہ دیکھیں کہ ایمان والے اپنے مقابلے میں بڑی فوج سے، جس کے پاس سامان حرب بھی زیادہ ہو، ثابت قدمی سے لڑتے ہیں، تو ان کا تبصرہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے دین پر مغرور ہیں۔ دین میں غرور ہو تو وہ اسلام نہیں ہے۔ دوسروں کو حقیر

ثابت کرنے کی کوشش غرور ہے، اور عطائے الٰہی کو پورا جانتے ہوئے ثابت قدمی سے اپنا حق ادا کرنا توکّل ہے۔ جہاں توکّل ہو وہاں عزت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ دانائی بھی اللہ کے فضل سے واضح ہوتی ہے۔

حاصل : منافقین کا تبصرہ ایمان والوں کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اللہ پر توکّل ہو تو دشمن سے مرعوب ہونے کا مقام نہیں آتا۔ توکّل سے ہی عزت بڑھتی ہے اور اسی سے دانائی کا ثبوت ملتا ہے۔ توکّل اللہ کے محبوب بندوں کی صفت ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾

اور اگر تم دیکھو جب ملائکہ کافروں کو وفات دیتے ہیں، ان کے مونہوں اور پشتوں پر مارتے ہیں، اور چکھو جلنے کا عذاب۔

کافروں کو جب موت آتی ہے تو وہ حق کے انکار میں اس قدر محو ہوتے ہیں کہ مجرموں کی طرح انہیں اچانک پکڑ لیا جاتا ہے۔ منہ پر مارنا اس لئے ہوتا ہے کہ ان کا رخ خلاف حق ہوتا ہے۔ پشت پر مارنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس دنیا سے واپسی انہیں ناگوار ہوتی ہے۔ اس مار کے ساتھ انہیں جلنے کی سزا دی جاتی ہے اور یہ فرمایا جاتا ہے چکھو جلنے کا عذاب۔

حاصل : حیاتِ دنیا کے خاتمے پر کافروں کو اس دنیا سے اس طرح لے جایا جاتا ہے کہ فرشتے ان کے منہ پر اور ان کی پشت پر مار رہے ہوتے ہیں، اور انہیں جلنے کی سزا دی جاتی ہے۔ اگر یہ سزا عام لوگوں کو نظر آنے لگے تو حق کو ماننے میں کوئی فضیلت بھی نہ ہو۔

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٥١﴾

یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا، اور اس لئے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

انسانی جسم میں عمل کے لئے دی گئی توفیق کے لحاظ سے ہاتھ کا درجہ سب سے بڑا ہے، اور انسان کو اس کے ہاتھ کے کیے کا بدلہ دیا جاتا ہے۔ جس کا ہاتھ ناپاک ہو وہ اپنے لئے جلنے کا سامان اکٹھا کرتا رہتا ہے۔ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اس نے یہ روشن فرما دیا ہے کہ اگر مخلصین کی صورت سے زندگی گزاری جائے گی، تو دنیا میں خوف و حزن نہیں ہو گا، آخرت میں سزا نہیں ہو گی۔ ورنہ دنیا و آخرت میں دکھ ہی دکھ ہو گا۔ اب اگر کوئی خلاف حق کرتا ہے تو اس نے اپنے شعور سے جو راہ اپنے لئے متعین کی ہے، اسی کی جزا بھی پائے گا۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کا خلافِ حق استعمال ظلم ہے۔ اور ظلم، اللہ کی شان کے خلاف ہے۔

حاصل : اپنے ہاتھ پر نظر رکھنی چاہئے کہ یہ وہ نہ کرے، جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ اللہ کی

عطا کردہ توفیق کا خلاف حق استعمال ظلم ہے، اور ظلم کو اللہ سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

جیسے آلِ فرعون کا دستور اور جو ان سے قبل تھے۔ انہوں نے اللہ کی آیات سے کفر کیا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا۔ بے شک اللہ قوت والا۔ شدید عذاب والا ہے۔

دستور یہی چلا آرہا ہے، آلِ فرعون کی مثال ہو یا ان سے پہلے جو منکرین حق ہوئے ہیں، ان کی مثال ہو، جب بھی لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا۔ جب اللہ کی آیات کا انکار، باعث اتحاد ہو جائے، تو اجتماعی زندگی میں گناہ کا مشاہدہ عام ہو جاتا ہے۔ گناہگار اپنی دلیری کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ اللہ کی آیات کے انکار میں جب یہ لوگ قابل گرفت مقام پر آجاتے ہیں، تو اللہ انہیں ان کے گناہوں پر قوت سے اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ وہ شدید عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ کہیں بھاگ نہیں سکتے۔

حاصل : اللہ کی آیات کا ماننا، ماننے والوں کو نفع دیتا ہے۔ نہ ماننے والے گناہگار ہوتے ہیں، اور ایک وقت کے بعد اپنے گناہوں پر پکڑے جاتے ہیں۔ اللہ کی پکڑ سے بچ جانا ممکن ہی نہیں۔ محدود وقت میں سابقہ واقعات سے سبق نہ لینا شدید عذاب کی طرف بڑھتے رہنے کی صورت ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ ۙ

یہ اس لئے کہ اللہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو بدلتا نہیں، حتیٰ کہ وہ خود نہ بدل جائیں، اور بے شک اللہ سننے والا، علم والا ہے۔

کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو اللہ چھینتا نہیں۔ لوگ خود اپنا راستہ بدل لیں، اپنا اعتقاد اور نیت بدل لیں، تو پھر ان کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے نزدیک مسلم و مجرم مساوی نہیں ہیں۔ اس لئے مجرم سے نعمت لے لی جاتی ہے۔ جب اجتماعی سوچ کم ہونے لگے، تو قومی آزادی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور جہاں لوگ اپنے ذاتی مفاد کے لئے حقوق العباد کو پامال کرنے کی راہ پر چل پڑیں، وہاں سکون نہیں رہتا۔ اس قوم کے وقار کو ختم ہوتے دیر نہیں لگتی۔ جس نعمت کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، اس کی برکت اللہ تعالیٰ کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔ دیکھنا چاہئے اللہ نے کس کس نعمت سے نوازا ہے، اور اس نعمت کے حوالے سے کیا کیا شکریہ ادا ہوتے رہنا چاہئے۔ قومی زندگی میں اپنا حق ادا نہ کیا جائے تو نقصان قومی سطح کا ہوگا۔ جب اپنی ناشکری کا پتہ لگ جائے تو اللہ سے دعا کرنی چاہئے۔ وہ سننے والا، علم والا ہے۔ وہ حق پر استقامت سے قائم رہنے والوں کو آسانیاں عطا فرما دیتا ہے۔

حاصل : ہر نعمت کی برکت کو برقرار رکھنے کے لئے اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ شکریہ تبھی ادا ہوتا ہے، جب نعمت معطئ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال ہو۔ جہاں ذاتی مفاد، قومی مفاد کے مقابل زیادہ اہم ہو جائے، وہاں قومی زندگی میں سکون کی نعمت ناپید ہو جاتی ہے۔ جب لوگوں کو اجتماعی محرومی کا احساس ہو جائے تو وہ اللہ سے دعا کریں۔ وہ سننے والا، علم والا ہے۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

جیسے آل فرعون اور ان سے قبل والوں کا دستور، کہ انہوں نے اپنے ربّ کی نشانیوں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں پر ہلاک کر دیا، اور آل فرعون کو غرق کر دیا، اور وہ سب ظالم تھے۔

آل فرعون ہوں یا ان سے قبل والے، اللہ نے ان لوگوں کو بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا۔ اور اس کے ساتھ ان پر حق کو بھی اپنی نشانیوں کے ساتھ روشن کیا کہ لوگ علم الٰہی سے نور ہدایت پائیں، انہیں خوف و حزن سے نجات ملے۔ مگر ان لوگوں نے اپنے پالنے والے کی طرف سے آئے ہوئے علم کو ماننے سے انکار کیا۔ اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو خلاف حق اور اپنی خواہش کے تحت استعمال کیا۔ اللہ نے ان لوگوں کو ان کے گناہوں پر ہلاک کر دیا۔ آل فرعون غرق کئے گئے۔ یہ سب لوگ ظالم تھے۔ خلاف حق کرنا، ظلم ہے، اور ظالم اس سے نہ رکے تو ہلاکت کی طرف تیزی سے بڑھنے لگتا ہے۔

حاصل : حق کا انکار ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ ظالم کو اس کے ظلم کی وجہ سے گرفت ہوتی ہے۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہئے، اور ان کا شکریہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔ جب قومی رویہ آلِ فرعون جیسا ہو تو پھر انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہو گا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ ۚۖ

بے شک سب جانوروں میں بدتر، اللہ کے نزدیک وہ ہیں، جنہوں نے کفر کیا۔ پھر وہ ایمان نہیں لاتے۔

سورۃ اعراف میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ دل رکھتے ہیں، سمجھتے نہیں، آنکھیں رکھتے ہیں، دیکھتے نہیں، کان رکھتے ہیں، سنتے نہیں، یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر کہ یہ غافل ہیں۔ جانور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں، جس طرح ان کے منشاء تخلیق کے ساتھ ان کے دائرہ ہائے کار مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ کافر، انسان ہوتے ہیں۔ شعور کی موجودگی میں ان پر شریعت لاگو ہوتی ہے۔ ان کے سامنے حق کو بیان کیا جاتا ہے۔ حق کو ماننے والا اکمل نمونہ ان کے سامنے ہوتا

ہے۔ اس نمونے کو ماننے والے خوف و حزن سے نجات پا رہے ہوتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن پیدائش کا تھا اور ایک دن موت کا ہو گا، اور اس کے درمیان شعور والی زندگی میں کیے گئے اعمال کی جزا کی خبر بھی دی گئی ہے، اور جزا دینے والے کی قدرت کے احاطے سے نکلنا ممکن نہیں۔ مگر یہ لوگ وہی کرتے ہیں جو ان کا جی چاہتا ہے۔ ناصحین سے محبت نہیں رکھتے۔ اس لئے ایمان نہیں لاتے۔

حاصل : ناصحین سے محبت نہ ہو، تو انسان، اللہ کے نزدیک جانوروں سے بد تر ہے۔ ایمان والے ناصحین سے محبت رکھتے ہیں۔ کافر من مانی کرتے ہیں۔

ٱلَّذِينَ عَٰهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِى كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾

وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں، اور وہ ڈر نہیں رکھتے۔

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جن سے معاہدہ ہوا تھا کہ وہ مومنین سے دشمنی نہیں کریں گے، اور مومنین کے دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔ مگر ہوتا یہ تھا کہ جب بھی مومنین کے خلاف کسی نے ان سے مدد چاہی، انہوں نے عہد توڑ دیا، اور مومنین کے دشمن کی مدد پر تیار ہو گئے۔ جو لوگ اپنی مجبوری کی وجہ سے عہد کرتے ہیں، انہیں جب مجبوری کے دور ہونے کا امکان نظر آنے لگے تو اپنا عہد توڑ دیتے ہیں۔ معذرت کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ڈرتے اس لئے نہیں کہ جب عہد شکنی کے مرتکب پائے گئے تو معذرت کر لیں گے۔

حاصل : عہد شکنی مومنین کا طریق زندگی نہیں ہوتا۔ کافر اسی حد تک معاہدے پر قائم رہتے ہیں، جب تک انہیں معاہدے کو قائم رکھنے میں اپنی مجبوری نظر آئے۔ جب وہ عہد شکنی سے مشکل میں پھنس جائیں تو معذرت کو ڈھال بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِى ٱلْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾

تو اگر کبھی انہیں لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسے مارو کہ ان کے پچھلے بھاگ جائیں، تاکہ انہیں سبق ملے۔

عہد شکنی کرنے والوں کو اگر لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسے مارو کہ ان کے پچھلے ان کی راہ چھوڑ جائیں۔ انہیں ایسا درس عبرت ملے کہ وہ آئندہ عہد شکنی سے بچیں۔ میدان جنگ میں عہد شکنی کرنے والوں سے آمنا سامنا ہو جائے، تو ان سے انتہائی شدت کا رویہ ہی حق کو ماننے کا ثبوت ہو گا اور اسی سے مومنین کی شان میں اضافہ ہو گا۔

حاصل : حکم خداوندی علم مطلق سے ہوتا ہے۔ لڑائی میں عہد شکنی کرنے والوں سے مڈبھیر ہو جائے، تو انہیں ایسی مار مارنی چاہئے کہ ان کے پچھلے اس سے عبرت پکڑیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۡۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآٮِٕنِيۡنَ ۝۵۸

اور اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا ڈر ہو، تو برابری پر ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اگر کسی قوم نے، اعلانیہ عہد شکنی نہیں کی، مگر قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ عہد شکنی پر آمادہ ہیں، اور جب ان کو اس کے لئے حالات ساز گار نظر آئیں گے، تو وہ خیانت کریں گے تو پھر حق یہ ہے کہ برابری کی بنیاد پر ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیا جائے، تاکہ معاہدے کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہ جائے۔ معاہدے کے ختم ہونے پر ان کی حفاظت کے تقاضے کچھ اور ہوں گے۔ مومنین کے دشمن سے ملنے کے لئے ان کی تیاری کے تقاضے بھی بدلیں گے۔ اگر معاہدہ ایسے وقت میں ان کی طرف پھینکا جائے، جب وہ لوگ اپنی حفاظت بھی نہ کر سکیں، تیاری بھی نہ کر سکیں، تو یہ خیانت ہوگی، اور خیانت کرنے والے اللہ کو نہیں بھاتے۔

حاصل : اگر کسی معاہد قوم نے اعلانیہ عہد شکنی نہیں کی، مگر قرائن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ قوم عہد شکنی پر آمادہ ہے، اور اعلان کے لئے ساز گار حالات کا انتظار کر رہی ہے، تو پھر برابری کی بنیاد پر اس قوم سے کیا ہوا معاہدہ اس کی طرف پھینک دینا چاہیئے تاکہ معاہدہ کے ختم ہونے کا دونوں طرف واضح طور پر پتہ ہو۔ اگر معاہدہ اچانک منسوخ کیا جائے کہ معاہد قوم اپنی حفاظت سے غافل ہو اور اس پر جنگ مسلط ہو جائے تو یہ خیانت ہے اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے:

فَاَصَابَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ هٰٓؤُلَاۤءِ سَيُصِيۡبُهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا ۙ وَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ ۝۵۱

تو ان پر پڑ گئیں ان کے کسبوں کی برائیاں۔ اور وہ جو ان میں ظالم ہیں، عنقریب ان پر پڑیں گی ان کے کسبوں کی برائیاں، اور وہ عاجز نہیں کر سکتے۔

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَبَقُوۡا‌ ؕ اِنَّهُمۡ لَا يُعۡجِزُوۡنَ ۝۵۹

اور کافر یہ نہیں سمجھیں کہ وہ بچ نکلے، بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے۔

کافر اگر یہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ نکلیں گے تو یہ ان کی بے سمجھی ہوگی۔ وہ جو وسائل بھی جمع کر لیں، جو تیاری بھی کر لیں مسبّب الاسباب کے سامنے ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اللہ مہلت دیتا ہے کہ وہ علیم مطلق ہے۔ جب تک کسی کے لئے اتمام حجت نہ ہو جائے اللہ کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ کافر جو بھی تدبیر کریں، اللہ کی دی ہوئی توفیق سے کریں گے۔ جب اللہ انہیں مغلوب کرنا چاہے گا تو یہ مغلوب ہی ہوں گے، غالب نہیں ہو سکتے۔

حاصل : اگر کوئی فرد یا جماعت یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ نکلی ہے تو یہ اس کی بے سمجھی ہے۔ کوئی بھی قوت، اللہ کی قوت کو عاجز نہیں کر سکتی۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٦٠﴾

اور ان کے لئے تیاری کرو جس کی تمہیں استطاعت ہو، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے، کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اور اس کے علاوہ دوسروں پر جن کا تمہیں علم نہیں، اللہ کو ان کا علم ہے، دھاک بٹھاؤ۔ اور تم جو کچھ فی سبیل اللہ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا ملے گا اور تمہیں گھاٹا نہیں ہو گا۔

جہاد کے لئے تیاری، حکم خداوندی ہے مگر استطاعت کے مطابق تیاری ہو تو حق ادا ہوتا ہے۔ قرض لے کر تیاری کی جائے تو یہ خلاف حق ہے۔ اپنے وسائل کو پورا نہ جانا جائے تو یہ عدم توکل ہو گا۔ سامان جہاد، ایسا ہو، کہ حال پر اس کی اہمیت ثابت ہو چکی ہو۔ دشمنوں کے آلات کا بھی علم ہونا چاہئے، ان کے فنون حربیہ کا بھی علم ہونا چاہئے تاکہ اپنے لوگوں کی موزوں تربیت کی جاسکے۔ ہر کام کے لئے جس کی میدان جہاد میں اہمیت ہوتی ہے تیاری کرنی چاہئے۔ اپنے لوگوں کے درمیان رابطے کا اہتمام، امیر کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرنے کی تربیت، فنون حربیہ کو ترقی دینا، دشمن کے آلات اور فنون حربیہ کا توڑ ڈھونڈنا، دشمن کے غلبے کی صورت میں اپنی ضروریات کو جاننا اور اپنے اجتماعی وجود کو قائم رکھنا۔ دشمن پر غلبے کی صورت میں پیش آنے والے حالات کے لئے ضروری تیاری کرنا، معلوم دشمن کے بارے میں اپنے علم کا صحیح استعمال کرنا، نامعلوم دشمن کا بھی ہونا ضروری سمجھنا، میدان جنگ میں حاضر دماغی اور اس کے علاوہ دوسری ضرورتوں کو ملحوظ رکھ کر حسب استطاعت تیاری کرنا ضروری ہے۔ گھوڑوں کا خصوصیت سے ذکر کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی تیاری ضرور ہونی چاہئے۔ باقی چیزیں ضرورت کے ساتھ بدلتی رہیں گی، گھوڑے بہر حال رہیں گے۔ گھوڑے پالنے کے علاوہ، میدان جہاد میں ان سے خدمت لینے کا علم بھی سیکھنا ضروری ہے۔ گھوڑے کا میدان جہاد میں کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ جو دھاک اس سے دشمن کے دل پر بیٹھتی ہے وہ دوسری چیزوں سے نہیں بیٹھ سکتی۔ جہاں تک گھوڑا پہنچ سکتا ہے وہاں تک دوسری کوئی شے نہیں پہنچ سکتی۔ جو بھی جہاد کی تیاری کے لئے خرچ کیا جائے گا وہ فی سبیل اللہ ہو، صرف اپنے لئے نہ ہو اور جو بھی کیا جائے امیر کی اطاعت میں کیا جائے۔ اس کا فائدہ حال پر بھی ملے گا آخرت میں بھی ملے گا، اور قطعاً وہ ضائع نہیں جائے گا۔ فی سبیل اللہ جو بھی خرچ کیا جائے اس کا اجر دینا علیم مطلق کا کام ہے۔ وہ جو کچھ دے سکتا ہے کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ لینے والے پر لازم ہے کہ وہ دینے والے کو اپنے جیسا نہ سمجھے۔ یہ یقین رکھے کہ دینے والا پورا دے گا اور بالکل صحیح وقت پر دے گا۔

حاصل : جہاد کے لئے تیاری حسب استطاعت ہونی چاہئے اور بہتر جاننے والوں کی رہنمائی میں ہونی چاہئے۔ گھوڑے ضرور پالنے چاہئیں۔ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ جو بھی فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے اس کے فوائد علم الٰہی سے دیئے جاتے ہیں۔ جو فی سبیل اللہ خرچ ہو جائے اس کے بارے میں یہ سوچنا بھی بے ادبی ہے کہ وہ شے ضائع ہو گئی ہے۔

وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾

اور اگر وہ صُلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو، اور اللہ پر توکّل کرو۔ بے شک وہی سننے والا، علم والا ہے۔

اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو امیرالمومنین کو بھی صلح کی طرف جھکنے میں کراہت نہیں ہوتی۔ اگر یہ گمان ہو کہ دشمن صلح کے پردے میں کوئی چال چلے گا تو یہ دیکھنا چاہئے کہ جس وحدہ لاشریک نے مومنین کی پہلے عزت افزائی کی ہے، وہی سننے والا، علم والا آئندہ بھی کرے گا۔ صلح کی طرف مومنین کی طرف سے اگر امیرالمومنین سے پہلے کوئی جھکنے کی کوشش کرے گا تو وہ گناہ گار ہو گا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم کا مرتکب ہو گا۔

حاصل : صلح کی درخواست دشمنوں کی طرف سے آنی چاہئے۔ ایسا ہو تو صلح و آشتی کی درخواست کو مان لینا چاہئے۔ اس امکان کا حل کہ دشمن صلح کے پردے میں کوئی چال چلے گا اللہ پر توکّل کرنا ہے۔ اس نے مومنین کی نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ وہ سننے والا علم والا ہے۔

وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾

اور اگر وہ تمہیں دھوکا دینا چاہیں تو تمہیں اللہ کافی ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مومنین سے تمہاری تائید کی۔

اگر کافر امیرالمومنین کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ یقیناً امیرالمومنین کے لئے کافی ہے۔ اس سے بڑا کوئی کفایت کرنے والا نہیں۔ وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے تائید فرمائی ہے، وہی ہے جس نے مومنین کو ہدایت دی ہے، عزت دی ہے۔ امیرالمومنین ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو عطائے الٰہی جان کر ان کی قدر کرتا ہے۔ دھوکا دینے والے اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے بھاگ نہیں سکتے۔

حاصل : اگر کافر امیرالمومنین کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں تو امیرالمومنین، اللہ کو کافی جانتے ہیں۔ مومنین پر لازم ہے کہ وہ امیرالمومنین کا ادب سے ساتھ دیں۔

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۶۳﴾

اور ان کے قلوب کے مابین الفت ڈال دی۔ اور اگر تم جو کچھ زمین میں ہے سب خرچ کر دیتے تو ان کے قلوب کے مابین الفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ نے ان کے مابین الفت ڈال دی۔ بے شک وہ عزت والا حکمت والا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خواہش کے تحت نطق نہیں فرمایا۔ جو بھی فرمایا اللہ کی طرف سے بھیجی گئی وحی کے مطابق فرمایا۔ اس لئے جو بات آپ کی شان کے لائق نہ ہو اس کو آپ کے ساتھ منسوب کرنا خلاف حق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جدال و قتال اور نفاق و شقاق میں لوگ اپنا امتیاز تلاش کرتے تھے۔ بغض و عداوت میں اپنی جانوں کو اور مالوں کو لگاتے رہنے والے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ الفت کرنے لگیں تو یہ تبدیلی کسی بندے کی لائی ہوئی نہیں ہو سکتی۔ اس تبدیلی کا لانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے لئے خرچ کرنے سے تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔ مگر مرکز اتحاد ہو تو اتحاد ہوتا ہے۔ مرکز اتحاد رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ سے ماننے والوں کو اس طرح محبت ہوئی کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ماننے والے کو اپنے لئے واجب الاحترام دوست مان لیا۔ یہ نہیں دیکھا کہ اس دوست پر کیا حق عائد ہوتا ہے۔ ہمیشہ یہی دیکھا کہ ہمیں حضور کے محبّ کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ اگر دوستوں کی عزت افزائی کے لئے خرچ نہ کیا جائے تو اپنی عزت افزائی کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ اپنی عزت افزائی کے لئے جو بھی خرچ کیا جائے اس سے ساتھیوں کے دلوں میں قدر نہیں پیدا ہوتی۔ دلوں کے ملنے کی صورت نہیں بنتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ کچھ بتایا جو اس سے پہلے معلوم نہ تھا۔ وہ کچھ کر کے دکھایا جو اس سے پہلے دیکھا نہیں گیا تھا۔ ماننے والوں نے اپنی باتوں کو حضور کے ارشادات پر قربان کر دیا اور اپنے مخالفین کو حضور پاک کے قریب دیکھ کر نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ ان سے الفت و اخوت کا رشتہ بنالیا۔ جو عزت اور دانائی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اتباع سے مومنین کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسری صورت سے نہیں ہو سکتی تھی۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ماننے والوں کی دیرینہ عداوتیں، الفت و اخوت میں بدل گئیں۔ یہ تبدیلی کسی بھی خرچ سے نہیں آسکتی تھی۔ اتحاد کے لئے مرکز اتحاد ضروری ہوتا ہے۔ اپنے محبوب کے دوست کو معاف کرنا باعث راحت ہوتا ہے۔ اسی میں عزت ہے اسی میں دانائی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۴﴾ ع

اے نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور مومنین سے آپ کا اتباع کرنے والے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبّہ میں فرمان خداوندی کا عملی نمونہ اکمل صورت میں موجود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو بھی کیا اس میں اللہ کی رضا مقصود تھی۔ آپ کی زبان پاک سے جو بیان ہوا وہ شریعت ہے۔ عملاً آپ نے جو کر کے دکھایا اور جس کے کرنے کا حکم دیا وہ طریقت ہے۔ آپ کا علم علم الٰہی ہے۔ ان تینوں مقامات پر جو صاحبان حضور کا اتباع کریں انہیں آپ کی محبت سے خلوص کا انعام ملتا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ آپ جو چاہیں وہی اللہ پسند کرے گا اور جو اللہ چاہے گا وہی ہو گا۔ مومنین آپ کے اتباع سے انعام پائیں گے۔ آپ سے محبت ہو تو قلب ایمان کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ مومنین کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ ان کی کسی تعداد اور سامان کے ساتھ اللہ کی کفایت مشروط نہیں۔

حاصل : نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت ہو تو تمام مقامات پر حق کو ادا کیا جا سکتا ہے۔ مومنین کی معاشرتی زندگی میں یہ مقام نظر آنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے کافی مانتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے التوبہ میں ارشاد فرمایا ہے:

لَٰكِنِ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ جَٰهَدُوا۟ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلْخَيْرَٰتُ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿۸۸﴾

لیکن رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جو آپ کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے اموال اور انفس سے جہاد کیا، اور انہی کے لئے بھلائیاں ہیں کہ وہی فلاح پانے والے ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ حَرِّضِ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَى ٱلْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَٰبِرُونَ يَغْلِبُوا۟ مِا۟ئَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّا۟ئَةٌ يَغْلِبُوٓا۟ أَلْفًا مِّنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿۶۵﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین کو جہاد پر راغب کیجئے۔ اگر تمہارے بیس صابر ہوں تو دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تمہارے سو ہوں تو ہزار کافروں پر غالب ہوں گے، اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

جہاد کی طرف رغبت دلانے کا کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اب یہ حضور کا اتباع کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس مقدس کام کو سرانجام دیتے رہیں۔ جہاد کی طرف رغبت دلانا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کی بندگی سے جو آزادی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے لوگ اس سے فیض یاب ہوں، مجبور مومنین کو سکھ ملے، فتنے کی بیخ کنی ہو اور اللہ کا کلمہ بلند کیا جائے۔ اللہ نے مومنین کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ تعداد کا ذکر باعث اطمینان ہوتا ہے کہ کسی چھوٹی لڑائی میں مومنین بیس ہوں گے اور صبر سے لڑیں گے تو دو سو کافروں پر غالب ہوں گے۔ اور اگر سو مومن صبر سے لڑیں گے تو ہزار کافروں پر غالب ہوں گے۔ صبر، لڑائی کے وقت یہ ہے کہ تائید ایزدی کا یقین ہو اور اس یقین کا اظہار انتہائی خطرے کے مقام پر پوری قوت سے کیا جائے، پھر نتائج

کو باذن اللہ اور باعثِ برکت جانا جائے۔ کافر جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ حق کو ماننے میں جو اجتماعی بھلائی ہے کفار اس کا انکار کرتے ہیں اور حقیقی امن کو اپنی پسند کے مطابق پائمال کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ کافر اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی توفیق سے لڑتے ہیں۔ نتیجہ ان کی ہلاکت کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے۔ اس سے بڑی بے سمجھی اور کیا ہو گی۔

حاصل : جہاد کی طرف رغبت دلانے کا کام علم کے اعتبار سے سب سے بلند مرتبہ صاحب سے کروانا چاہئے۔ جو واجب الاحترام نہ ہو اس کی بات کو ماننا مشکل ہوتا ہے۔ چھوٹی لڑائی ہو تو سینکڑوں سے مومنین کا مقابلہ ہو گا، بڑی ہو تو ہزاروں سے مقابلہ ہو گا۔ مومنین صبر سے لڑیں تو اپنے مقابل دس گنا فوج پر غالب ہوں گے۔ کافروں کو سمجھ دار کہنا خلاف حق ہے۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمائی اور اسے علم ہے کہ تم میں ضعف ہے۔ تو اگر تمہارے سو صابر ہوں تو دو سو پر غالب ہوں گے۔ اور اگر تمہارے ہزار ہوں گے تو اللہ کے اذن سے دو ہزار پر غالب ہوں گے۔ اور اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

کافروں کے اسباب کے مقابل اپنے اسباب اور وسائل کو دیکھا جائے تو اس سے ضعف کا احساس ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ اللہ نے یہ دیکھ کر تخفیف فرمائی ہے کہ مومنین دشمن کی عددی قوت اور سامان حرب کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اس لئے یہ رعایت دی ہے کہ اپنے مقابل دوگنی تعداد کے ساتھ اگر ثابت قدمی اور صبر سے لڑو گے تو تم غالب رہو گے۔ اس رعایت سے پہلا درجہ منسوخ نہیں ہو گیا وہ بھی موجود ہے اور موجود رہے گا۔ مومنین سو ہوں تو دو سو پر غالب ہوں گے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سو سے کم ہوں تو دو سو پر غالب نہیں ہوں گے یا ہزار سے کم ہوں تو دو ہزار پر غالب نہیں ہوں گے۔ مومنین کا غلبہ تو باذن اللہ ہوتا ہے۔ مومنین یہ یقین رکھتے ہیں کہ کوشش ان کے ذمے ہے نتائج باذن اللہ ہوتے ہیں اور جب اللہ کا اذن مومنین کو غالب کر گزرنے کا ہو تو پھر اس سے بڑی تائید کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صبر سے ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے۔ صبر ہی سے اللہ کی معیت کا شرف ملتا ہے۔ صبر یہ ہے کہ تائید ایزدی کا یقین مجاہدین کے عمل میں بول رہا ہو۔

حاصل : بیس مومنین کو دو سو کے مقابل اور سو کو ہزار کے مقابل لڑنے کا حکم منسوخ نہیں ہے۔ رعایت یہ دی گئی ہے کہ دشمن کے اسباب و وسائل کو دیکھ کر اپنے اسباب و وسائل سے تقابل کرنے والے ضعف میں مبتلا ہوتے ہیں، ایسے لوگ اگر سو ہوں اور صبر سے لڑیں تو دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب ہوں گے۔ صبر سے اللہ کی معیّت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ قیدیوں کو اپنے ہاں رکھیں حتیٰ کہ زمین میں ان کا خون نہ بہائیں۔ تم لوگ اسباب دنیا چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو رضائے الٰہی کا جو علم تھا وہ کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا تھا۔ قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے تھا، انہیں قید کرنے سے پہلے ان کا خون بہانے کے لئے کیا کرنا چاہئے تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ حضور نے ساتھیوں کو علم الٰہی سے نوازنے کے لئے ان کا ارادہ پوچھا، تو انہیں یہ جواب دینا چاہئے تھا، کہ اللہ کی رضا کا علم آپ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے آپ جو چاہیں گے ہم وہ کرنے کے لئے ادب سے حاضر رہیں گے۔ مگر لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق مشورے دیئے۔ جن کا مجموعی تاثر یہی تھا کہ لوگ اسباب دنیا کے طالب ہوئے۔ اللہ کو یہ پسند تھا کہ لوگ اسباب دنیا کے مقابل آخرت کو گراں قدر جانتے ہوئے، مشورہ دینے کے حق کو بصورت سوال آپ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے اور کہتے، ہم جو جانتے ہیں آپ وہ بھی جانتے ہیں اور جو ہم نہیں جانتے آپ یقیناً وہ بھی جانتے ہیں، اس مقام پر رضائے الٰہی کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے آپ ہی روشن فرما سکتے ہیں۔ عزت میں اضافہ درکار ہو، دانائی میں اضافہ درکار ہو تو اپنی سوچ کو علم الٰہی کے سامنے ہیچ جاننا ضروری ہے۔

حاصل : بہتر جاننے والے اجتماعی امور کے بارے میں جب بھی کچھ پوچھیں تو یہ کہنا چاہئے کہ آپ کا فرمان حق ہے اور حق کا علم آپ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، ہماری پسند حق کے سامنے بے حقیقت ہے۔ عزت میں کیسے اضافہ ہو سکتا ہے، بھلائی کس بات میں ہے اس کا سب سے بڑا جاننے والا وہی ہے جس نے حق کو نازل فرمایا ہے۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾

اگر اللہ پہلے سے ایک بات کو لکھ نہ چکا ہوتا تو اس لینے کے بدلے تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔

اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں عذاب نہیں کیا جائے گا، اور استغفار کرنے والوں پر عذاب نہیں بھیجا جائے گا۔ اگر یہ پہلے سے لکھا نہ جا چکا ہوتا تو اسباب دنیا چاہنے کی بڑی سزا دی جاتی۔ جن کی بات، اللہ کی بات ہو، وہ اگر مشورہ لینے کا رخ اختیار کریں تو منشاء اپنے ساتھیوں کو تعلیم دینا ہوتا ہے۔ وہ کچھ عطا کرنا مقصود ہوتا ہے جو ان کے پاس پہلے موجود نہیں ہوتا۔ اتنے بڑے انعام کے مقابل بہت حقیر سی چیز کی طرف جھکنا، اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بات ہے۔

حاصل : شاہد انعام عطا کرنا چاہے تو اسبابِ دنیا کی طرف جھکنا دکھ کا باعث بنتا ہے۔ ہمیں اپنے

ذاتی مجرم کو اپنے شاہد کے سامنے سزا نہیں دینی چاہئے۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾

تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال طیب، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

جب مسلمانوں نے اسباب دنیا کے چاہنے کے بدلے عذاب عظیم کی بات سنی تو اللہ سے ڈرتے ہوئے مال غنیمت سے اجتناب کرنے لگے۔ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے، جو غنیمت تمہیں ملے وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے اسے لے لو۔ نفسِ مال میں کوئی خبث نہیں۔ مال لینے اور دینے کا طریقہ کار صحیح ہونا چاہئے جس میں اللہ کا ڈر موجود ہو۔ جہاد کے مقاصد عالیہ میں مال غنیمت وغیرہ کو مطمح نظر بنانا، اسباب دنیا کی طرف جھکنے والی بات ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے قول میں بھی محتاط ہوں کہ ان کے قول میں خواہشات نفس کا اظہار نہ ہو، ان کے اعمال ریا کاری سے پاک ہوں اور وہ شاہدین کی طریقت سے نور حاصل کریں۔ ایسے لوگوں کو اللہ بخش دیتا ہے، اور ان پر رحم بھی فرماتا ہے۔

حاصل : عطائے الٰہی حلال و طیب ہوتی ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے کے قول و فعل میں احتیاط ہونی چاہئے۔ جو رضائے الٰہی کو مقصود بنائے وہ اللہ کی بخشش اور رحم سے نوازا جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾

بے شک مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے تو ان کے دل ڈرتے ہیں اور ان پر اس کی آیات تلاوت کی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٠﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) فرما دیجئے ان سے جو تمہارے ہاتھوں میں اسیر ہیں، اگر اللہ تمہارے قلوب میں بھلائی دیکھے گا تو تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وہ لوگ جو مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور جن سے فدیہ لیا گیا، جب انہوں نے مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھا تو یہ چاہا

کہ ان لوگوں کے ساتھ معاشرتی زندگی میں تعلق بنے اور عزت میں اضافہ ہو۔ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں انہیں یہ شان نظر آئی کہ انسانی خواہشات کے ٹکراؤ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں، وہ یہاں نہیں ہیں۔ فرد کا لائق تکریم ہونا اس معیار سے دیکھا جاتا ہے، جو صرف اور صرف پاکیزگی سے تعلق رکھتا ہے اور ہر ایک کے لئے ممکن ہے۔ یہ لوگ بولتے وقت اس احتیاط کے ساتھ بات کرتے ہیں کہ سننے والوں کو فائدہ پہنچے اور ان سے استکبار کا اظہار نہ ہو۔ بہتر جاننے والوں کے سامنے ادب سے خاموش رہنا، ان کا طریق زندگی ہے۔ جن لوگوں کے حسن اخلاق کو قلباً تسلیم کر لیا جائے، ان سے ملنے کی طلب ضرور پیدا ہوتی ہے۔ جب اسیروں کی طرف سے اس طلب کا اظہار کیا گیا تو یہ فرمایا گیا کہ اللہ تمہارے قلوب میں بھلائی دیکھے گا، تو تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا جو تم سے لیا گیا ہے، اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ جس کے قلب میں خیر ہو وہ جس صفت کو اچھا کہتا ہے اسے اپنے وجود میں داخل ہونے سے روکتا نہیں۔ اور جس کے قلب میں خیر نہ ہو وہ کافروں کی طرح، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صداقت و امانت کا ذکر تو کرتا ہے، مگر ان صفات کو اختیار نہیں کرتا۔ جو خیر کو قبول کرے اس کا حال ماضی سے بہتر ہو جاتا ہے۔ اسے بخشش حاصل ہوتی ہے۔ وہ اللہ کو بخشنے والا، رحم فرمانے والا کہتے ہوئے اپنے ذاتی مخالفین کو بخش بھی دیتا ہے، ان پر رحم بھی کرتا ہے۔

حاصل : دیکھنا چاہئے کیا ہم وہ لوگ ہیں، جن میں شامل ہونے کو باعث عزت و سلامتی سمجھا جائے گا۔ اگر جواب نفی میں ہو تو لوگوں کو دعوت دینا اور انہیں حق کی تبلیغ کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جس صفت کو پسند کیا جائے، اسے خوشی سے اپنانا بھی چاہئے۔ جو خیر کو قلباً قبول کرے، اس کا حال، ماضی سے بہتر ہوتا ہے۔ اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اور اگر تم سے خیانت کرنا چاہیں گے تو اس سے قبل وہ اللہ سے خیانت کر چکے ہیں، پھر اس نے ان کو پکڑوا دیا۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

جو اسیر، ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں گے، ان کا ارادہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ امیر المومنین سے خیانت کرنے سے پہلے وہ خلوت میں اپنے عہد ایمان کو توڑ کر اللہ سے خیانت کر چکے ہوں گے۔ ماضی میں یہ ہو چکا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی تو یہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، اور ان کا غرور خاک میں ملا دیا گیا۔ اب بھی اللہ کو علم ہے کہ یہ کیا کر رہے ہیں اور انہیں کیا کرنا چاہئے۔ وہ اپنی حکمت سے انہیں ایسے قابو کرے گا کہ اس سے دیکھنے والوں کو اور سننے والوں کو عبرت ہوگی۔

حاصل : عہدِ ایمان بھی امیر المومنین کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے خیانت بھی اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ امیر المومنین کے ساتھ خیانت بعد میں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت پہلے ہوتی ہے۔

خلوت میں خیانت ہو تو جلوت میں ہوتی ہے۔ ماضی میں بد عہد گرفتار ہوئے ہیں، تو آئندہ بھی یہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اس کے علم اور اس کی حکمت کے سامنے ان کی چالوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾

بے شک وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کیا، اور وہ جنھوں نے جگہ دی اور نصرت دی، وہ ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔ اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی، ان سے تمہاری کوئی ولایت نہیں حتیٰ کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ دین میں تم سے نصرت چاہیں تو نصرت دینا تمہاری ذمہ داری ہے، سوائے اس قوم کے جس کے ساتھ تمہارا میثاق ہو۔ اور اللہ دیکھتا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

جو لوگ ایمان لائے اور عملاً اپنے دعویٰ ایمان کو سچا ثابت کرنے کی سعی کی، ان لوگوں نے کسی بھی مقام پر اپنی سہولت کو اہمیت نہیں دی۔ ہجرت کا حکم ہوا تو ہجرت کی، جہاد کا حکم ہوا تو اپنے اموال و انفس سے جہاد کیا۔ اگر وہ انصار تھے تو انہوں نے آنے والوں کو جگہ دی، اور اس طرح مدد دی کہ مدد لینے والے کی عزت میں، قدر و منزلت میں اضافہ ہوا۔ یہ مہاجر و انصار ایک دوسرے کے اولیاء ہوئے۔ اس ولایت کی شان یہ تھی کہ ایک کا موقف، سب کے لئے قابل لحاظ، اور ایک کا مخالف کبھی اس لائق نہیں قرار پاتا کہ اس سے دوستی کی جائے۔ دوست کی بات کو اس یقین سے سنا جاتا ہے کہ وہ سننے والے کی بھلائی کا خواہاں ہے۔ اس سے رہنمائی لی جاتی ہے، اور ادب سے اس کا کہا مانا جاتا ہے۔ اس کے کسی عمل پر خلاف حق ہونے کا شبہ نہیں ہوتا۔ سنانے والا اس یقین سے سناتا ہے کہ سننے والے کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ اس ولایت سے جو قوت پیدا ہو سکتی ہے، جو برکت حاصل ہو سکتی ہے اس کا کوئی بدل ممکن نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایمان لانے کے بعد، ہجرت کے امر کو سن کر اپنی سہولتوں کو دیکھنے لگے، انہوں نے دارالحرب میں جہاں کافروں کا تسلط ہوتا ہے، رہنا ترک نہ کیا۔ ان سے ولایت نہیں ہو سکتی، تا آنکہ وہ ہجرت کریں، اور عملاً ثابت کریں کہ شاہد کے امر کو ماننے میں ان سے جو کوتاہی ہوئی ہے وہ اس پر نادم ہیں۔ دارالحرب میں رہنے والے اگر دین میں، دارالاسلام کے رہنے والوں سے مدد مانگیں، تو یہ دارالاسلام والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مدد کریں۔ اگر کسی قوم سے دارالاسلام والوں کا میثاق ہو چکا ہو تو مدد مانگنے والوں کو بتا دینا چاہئے کہ حکم خداوندی کے مطابق میثاق کو پورا کرنا ہم پر لازم ہے۔

اس لئے اس قوم کے خلاف تمہاری مدد نہیں کی جا سکتی۔ مومنین پر لازم ہے کہ وہ خلوت و جلوت میں حکم خداوندی پر عمل کریں کہ اللہ دیکھتا ہے جو بھی عمل کیا جا رہا ہو۔

حاصل : حکمِ خداوندی کو شاہد کی صورت سے ماننے والے ایک دوسرے کے اولیاء ہوتے ہیں۔ ماننے کا دعویٰ بھی ہو اور نفس پر بوجھ بھی نہ پڑنے دیا جائے، تو ماننے والوں سے دوستی نہیں رہ سکتی۔ دارالاسلام والوں پر لازم ہے کہ دارالحرب میں رہنے والوں کی مدد کریں، سوائے اس کے کہ ان کا کسی قوم سے میثاق ہو چکا ہو۔ اس بات پر نظر رکھنی چاہئے کہ اللہ ہمارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾

اور کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد کبیر ہو گا۔

کافر، کافر کا رفیق ہوتا ہے۔ خلافِ حق کرنے کی مشترک قدر انہیں اس قدر عزیز ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہوئے ساتھیوں کو گرنے نہیں دیتے۔ ہر کافر کو یہ یقین ہوتا ہے کہ دوسرا کافر اپنی بساط کے مطابق اس کی مدد کرے گا اور کبھی اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے کام میں نہیں لگ جائے گا۔ اگر مسلمانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ رفاقت و تعاون کو اہمیت نہ دی جائے، تو یہ اجتماعیت کے لحاظ سے اپنا وقار کھو دیں گے۔ اور ان کے ضعف سے جو قوت کافروں کو ملے گی، اس سے بہت فتنہ و فساد ہو گا۔ معاشرتی زندگی میں طاقت کا توازن بگڑ جائے گا اور لوگ کافروں کی اجتماعی زندگی میں محاسن دیکھنے لگیں گے۔ مسلمانوں کے ہاں حسنِ اخلاق بھی نظر آئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ اپنے ضعف کی بدولت ایسا کر رہے ہیں۔ ذاتی زندگی میں مسلمان بہت عبادت گزار ہو جائیں، نماز اور نوافل میں بہت وقت لگائیں اور اپنے کام سے کام رکھیں، مگر دوسرے مسلمانوں کے مسائل میں تعاون و تناصر کا رویہ، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، ترک کر دیں، تو ان کی اجتماعی زندگی کا قابل ذکر حصہ ان کا ضعف ہی ہو گا۔

حاصل : مسلمانوں کو ہر سطح پر دوسرے مسلمانوں کے مسائل میں مدد دینی چاہئے، اور زیادہ وقت اپنی زبان کو سنوارنے میں نہیں لگانا چاہئے۔ جس کو مدد دینی ہو اس کے الفاظ موزوں نہ ہوں تو اس کی ترجمانی کا حق ادا کرنا چاہئے۔ اجتماعی مفادات کے لئے وقت، قوت اور سرمایہ، امیرالمومنین کی اطاعت میں اس طرح لگانا چاہئے کہ اپنی بڑائی اور استکبار کا اظہار نہ ہو۔ ذاتی زندگی میں مسلمان بہت عبادت گزار بھی ہو جائیں تو اس سے اجتماعی زندگی میں کوئی شان نہیں پیدا ہو سکتی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور فی سبیل اللہ جہاد کیا، اور جنہوں نے

أُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾	جگہ دی اور مدد دی، وہی پورے مومن ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

جو لوگ ایمان لائے، امیر المومنین کی اطاعت میں ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال وانفس سے جہاد کیا، انہوں نے اپنا سرمایہ، وقت اور قوت سب رضائے الٰہی کے لئے وقف کیا۔ جن حضرات نے ان مہاجرین کو جگہ دی، اور ان کی مدد کی، انہوں نے بھی اپنا سرمایہ، وقت اور قوت، اللہ کی رضا کے لئے پیش کیا۔ یہ لوگ قول میں بھی پورے ہیں، عمل میں بھی پورے ہیں۔ یہ ایسے مومن ہیں، جن سے پورا رہنے کا علم سیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے تجربات ومشاہدات کو بڑے ادب سے سننا چاہئے۔ ان کو بخشش کے ساتھ رزق کریم سے بھی نوازا جاتا ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے ہر مقام پر پورا رہنے والوں کو اس طرح رزق دیا جاتا ہے کہ رزق کے ساتھ ان کی تکریم بھی بڑھتی ہے۔

حاصل : ایمان والے مہاجرین وانصار نے اپنا سرمایہ، وقت اور قوت سب رضائے الٰہی کے مطابق خرچ کیا۔ یہ پورے مومن ہونے کی سند ہے۔ ہر مقام پر پورا رہنے والے کو بخشش اور رزق کریم سے نوازا جاتا ہے۔

وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوا۟ وَجَٰهَدُوا۟ مَعَكُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ مِنكُمْ ۚ وَأُو۟لُوا۟ ٱلْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِى كِتَٰبِ ٱللَّهِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌۢ ﴿٧٥﴾ ع	اور جو اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہاری معیت میں جہاد کیا تو وہ بھی تم میں سے ہی ہیں۔ اور رشتہ دار، اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

جو لوگ مہاجرین اوّلین کے بعد ایمان لائے، پھر ہجرت کی اور ایمان والوں کے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ لڑے، یہ بھی مہاجرین اولین کے ساتھی ہیں۔ تقدم وتاخر سے ان کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ رشتہ داروں میں سے جو لوگ بعد میں ایمان لائے ہوں اور مومنین کے ساتھ جہاد میں شامل ہوئے ہوں، وہ اللہ کے فرمان کے مطابق قدیم مہاجرین کی میراث کے زیادہ حق دار ہوں گے۔ اور مہاجرین اوّلین کے قدیم رفقاء ان کے مقابل میراث کے حق دار نہیں ہوں گے۔ اللہ کے احکام علمِ مطلق سے ہوتے ہیں۔ وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ اس کے حکم میں ہمیشہ بڑی حکمت موجود ہوتی ہے۔ مگر اس حکمت کا پتہ اسی کو چلتا ہے جو اس حکم پر عمل کر چکا ہو۔ حکم کو ماننے سے پہلے جاننے کی کوشش کی جائے تو یہ آدابِ بندگی کے منافی ہو گا۔

حاصل : جو لوگ مہاجرین اوّلین کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور ان کی معیت میں جہاد کیا، وہ بھی انہی کے ساتھی ہیں۔ رشتۂ مکتب جو اسلام کے ماننے والوں کے مابین ہوتا ہے، رشتہ نسب کے مقابل بہت اہم ہوتا ہے۔ مگر جب رشتۂ نسب، رشتۂ مکتب کے ساتھ مل جائے تو اس کا مقابلہ نہیں

ہوتا۔ حکم کو ماننے والا حکمت کو پا سکتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسرآ میں ارشاد فرمایا ہے :

وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿١٠٥﴾

اور ہم نے قرآن پاک کو حق کے ساتھ نازل فرمایا اور یہ حق ہی کے لئے نازل ہوا۔ اور ہم نے آپ کو بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔

صاحبو، اس سورۃ کی ابتداء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھوایا۔ قرآن پاک کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے صرف یہی ایک سورۃ ہے جس کی ابتدا میں تسمیہ نہیں لکھا جاتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو بھی فرمایا، اللہ کے عطا کردہ علم سے فرمایا۔ اس لئے مومنین کے لئے حضور کا فرمان ہی معیار مطلق ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱﴾

براءة ہے، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی طرف سے، ان مشرکین کی طرف جن سے تمہارا معاہدہ ہوا تھا۔

مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ پھر ان لوگوں نے عہد شکنی کی، تو یہ فرمایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے ان مشرکین کو صاف جواب ہے جن سے تمہارا معاہدہ ہوا تھا۔ مشرک ہمیشہ صلح کے معاہدے کی پابندی مجبوری کی صورت میں ہی کرتے ہیں، اور جب عہد شکنی میں خطرات نظر نہ آئیں تو انہیں عہد شکنی کرتے دیر نہیں لگتی۔ ایسے لوگوں کے ساتھ میعادی معاہدہ ہو یا غیر میعادی معاہدہ ہو، جب وہ عہد شکنی کی طرف جانے لگیں تو ان سے بیزاری کا اظہار کرنا حق ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو بھی کیا، علم الٰہی سے کیا، اس لئے عبادِ مخلصین کو نور معرفت کے حصول کے لئے اس سے ارفع کوئی مقام نظر نہیں آتا۔

حاصل : جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے بیزاری کا اظہار ہو، وہاں مومنین کا کوئی تعلق نہیں رہ جاتا۔

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾

تو زمین میں چار مہینے چلو پھرو، اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

جن مشرکین کے ساتھ میعادی معاہدہ تھا، ان پر واضح ہو گیا کہ چار ماہ گزر جانے کے بعد یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ اور جن مشرکین کے ساتھ میعادی معاہدہ نہ تھا، یا معاہدہ ہی نہ تھا، ان پر واضح کر دیا گیا کہ چار ماہ کے اندر تمہیں اپنے رخ کا تعین کر لینا ہے کہ تم اسلام کو قبول کرتے ہو یا نہیں اور اگر اسلام کو قبول نہیں کرتے تو ملک چھوڑنے پر غور کر لو۔ اور اگر یہ بھی نہیں کرتے، تو پھر لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس کے لئے جو بھی بن پڑے وہ کر لو۔ مگر یہ یاد رکھو کہ اللہ کو عاجز کرنا کسی طاقت کے بس میں

نہیں کہ باقی ہر طاقت اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہے۔ اللہ کی طاقت کسی کی عطا کردہ نہیں ہے اور اسی طاقت کو دوام ہے۔ اور یہ بھی کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ یہ اعلان بہت واضح پیش گوئی تھی۔ اس اعلان کے بعد اگر کوئی رسوائی کو پسند کرنے والا ہوا تو وہ اسے ضرور ملی، اور اگر کوئی بچنا چاہتا تھا تو وہ بچ بھی گیا۔ سب نے دیکھا ہوا وہی جو اللہ نے فرمایا تھا۔

حاصل : مخالفین کو تیاری کے لئے وقت دینا، انہیں یہ بتانا کہ تمہاری کوئی تدبیر نہیں چلے گی، بلکہ تم رسوا ہو گے، اور اگر اسلام کو قبول کر لو گے تو تمہیں عافیت و سلامتی ملے گی، بہت بڑی باتیں ہیں، جن سے حق اور ناحق کے درمیان خط امتیاز کھینچا جا سکتا ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳

اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی طرف سے حج اکبر کے دن لوگوں کے لئے اذان ہے کہ اللہ مشرکین سے بیزار ہے، اور اس کا رسول ؐ۔ تو اگر تم توبہ کرو، تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر منہ پھیرو، تو معلوم رہے کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور کافروں کو المناک عذاب کی بشارت دو۔

حج اکبر کا دن وہ دن تھا، جس دن حق کی قوت سے آداب حج کو قانوناً نافذ کر دیا گیا، اور منادی کر دی گئی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مشرکین سے بیزار ہیں۔ پھر اگر مشرکین شرک سے توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے، اور اگر وہ حق میں اپنی تجاویز کو شامل کرنے سے باز نہ آئیں تو یہ حق سے منہ پھیرنا ہو گا۔ اس صورت میں وہ جان لیں کہ مشرکین، اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ خلاف حق کرنے والوں کو المناک عذاب ہو گا، اور کوئی قوت، کوئی تدبیر ان کو اس عذاب سے بچا نہیں سکے گی۔

حاصل : جس دن آداب حج کو حق کی قوت کے ساتھ قانوناً نافذ کر دیا گیا، وہ حج اکبر کا دن تھا۔ مومنین کو بھی مشرکین سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہئے۔ مشرک اگر شرک سے توبہ کر لے تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے خبر دینی چاہئے کہ وہ المناک عذاب کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

سوائے ان مشرکین کے جن سے تمہارا

ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④

معاہدہ تھا، پھر انہوں نے تمہارے ساتھ نقص عہد نہیں کیا اور نہ تمہارے مقابل کسی کو مدد دی، تو ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو۔ بے شک اللہ متّقین سے محبت رکھتا ہے۔

مشرکین سے بیزاری کے اظہار کے ساتھ ہی یہ استثناء بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جن مشرکین سے میعادی معاہدہ تھا، اور ان لوگوں نے ایفاءِ عہد میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور نہ کسی صورت میں بدعہدوں کے مددگار ہوئے، تو جس مدت تک ان سے معاہدہ ہے، اس مدت تک اس معاہدے کا احترام ضروری ہے، تجدیدِ معاہدہ بے شک نہ کی جائے۔ یہ بات حدود اللہ کے احترام کو ثابت کرے گی۔ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کے رویئے میں بہت احتیاط پائی جاتی ہے۔ وہ رضائے الٰہی اور اپنی خواہش کے درمیان وقف لازم کو ملحوظ رکھنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ لوگ اللہ کو پسند ہوتے ہیں، اللہ کے پیارے ہوتے ہیں۔

حاصل : ایفاءِ عہد کرنے والے مشرکین بھی بدعہدوں کے مقابل اہمیت رکھتے ہیں۔ مومنین کے رویئے میں یہ احتیاط بہرحال موجود رہتی ہے کہ رضائے الٰہی اور اپنی پسند کے درمیان وقف لازم قائم رہے۔ اللہ کے پیاروں سے پیار کرنا، اللہ کو عملاً ماننا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ مارو، اور انہیں پکڑو، اور قید کرو، اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ تو اگر وہ توبہ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حرمت والے مہینے گزر جانے تک مشرکین کو مہلت دی گئی۔ ذی قعد، ذی الحج، محرّم اور رجب، ان مہینوں کو یہ شرف دیا گیا ہے کہ ان کے دوران جنگی کارروائی منع ہے۔ عہد شکنی کرنے والے مشرکین کو جو رعایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے اس کے بعد ان کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے۔ انہیں جہاں بھی پایا جائے، مارا جائے۔ اس کے لئے نہ مقام کی تخصیص ہے، نہ وقت کی۔ اگر وہ لڑائی میں ہتھیار ڈال دیں تو پھر انہیں پکڑ کر قید کر لیا جائے۔ اور اگر کسی جگہ سے ان کے گزرنے کی خبر ملے تو

ان کی تاک میں گھات لگا کر بیٹھا جائے۔ اگر یہ لوگ مشرکانہ روش کو چھوڑ دیں اور توبہ کر لیں، تو اس توبہ پر مومنین میں سے کسی کی گواہی ضروری ہے۔ اس توبہ کے ساتھ نماز قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرنا بھی نظر آئے تو پھر ان کی راہ چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ نماز قائم کرنا اپنی ذاتی پاکیزگی کو ثابت کرتا ہے۔ زکوۃ ادا کرنے سے اجتماعی مفادات مستحکم ہوتے ہیں۔ جو مشرکانہ روش کو چھوڑ کر نماز قائم کرنے لگے اور زکوۃ ادا کرنے لگے، اللہ اس کو بخش دیتا ہے، اس پر رحم فرماتا ہے۔ بخشش سے ماضی کے گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے، رحم سے حال پر آسانیاں عطا کی جاتی ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رعایت مشرکین کو دی گئی ہے، اس میں سے کچھ کم کرنا بھی خلاف حق ہے اور اس کو بڑھانا بھی خلاف حق ہے۔ مومنین کو مشرکین کے ساتھ وہی رویہ رکھنا چاہئے، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ان کی توبہ، قول کی حد تک نماز سے ثابت ہو گی۔ عملاً زکوۃ سے ثابت ہو گی۔ توبہ کرنے والے کے ساتھ بخشش ورحم کا برتاؤ کرنا چاہئے، کہ یہی اللہ کی سنت ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ع ۲

اور اگر مشرکین سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو، حتیٰ کہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

کلام اللہ کو سننا، اس کے بارے میں اپنے سوالات کا جواب پانا، فرمانِ خداوندی کے ماننے والوں کو قریب سے دیکھنا اور ان سے وضاحت طلب امور کو سمجھنا یہ سب خصوصیات مشرک طالب علم میں ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو اسے پناہ دینی چاہئے۔ اس پناہ کے ساتھ ضروریات زندگی کا ایسا بندوبست کیا جائے کہ مشرک، اللہ کے کلام کو آسانی سے سن سکے۔ جو پوچھنا چاہے، پوچھ سکے۔ بتانے کا حق علم والے کو ہو گا۔ اس کے بعد اگر مستامن جانا چاہئے تو اس کو جاء امن تک پہنچانا پناہ دینے والے پر فرض ہے۔ جاء امن وہی ہو گی جہاں مشرک کو امن کا یقین ہو۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے حق کو نہیں جان سکتے۔ اگر وہ جاننے کا رخ رکھتے ہوں تو رضائے الٰہی کے لئے انہیں مدد دینی چاہئے۔

حاصل : مشرک، طالب علم ہو اور مومن سے پناہ طلب کرے، تو اس کو پناہ دینی چاہئے۔ اللہ کا کلام سننے کی سہولت دینی چاہئے۔ طلب علم کے حوالے سے اسے ہر ممکن آسانی مہیا کرنی چاہئے۔ اس کے بعد وہ اگر جانا چاہے تو جاء امن تک پہنچا دینا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں فرمایا ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۱۳

نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں، اگرچہ وہ ان کے قربیٰ ہوں بعد اس کے کہ ان پر واضح ہوچکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦

مشرکین کے لئے کوئی عہد، اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے نزدیک کیونکر ہو گا، مگر وہ جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے قریب ہوا۔ تو جب تک وہ تمہارے لئے عہد پر قائم رہیں، تم ان کے لئے عہد پر قائم رہو۔ بےشک اللہ متقین سے محبت رکھتا ہے۔

مشرکین بالعموم اسی وقت تک عہد شکنی سے بچتے ہیں، جب تک انہیں عہد شکنی سے پیدا ہونے والے خطرات ناقابل برداشت نظر آئیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک کوئی عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ جو لوگ عہد شکنی کے لئے موزوں حالات کا انتظار کرتے ہوں، ان کے ساتھ ہر شے کا علم رکھنے والے معبود لاشریک کا عہد کیونکر ہو سکتا ہے، اور اس کے عبد اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عہد کیونکر ہو سکتا ہے جس کو اللہ اپنے علم سے نوازتا رہتا ہے۔ ہاں وہ لوگ جنہوں نے مسجد حرام کے قریب مومنین سے معاہدہ کیا، وہ معاہدے پر قائم رہیں تو جب تک وہ تمہارے لئے عہد پر قائم رہیں تم ان کے لئے عہد پر قائم رہو۔ یہ محتاط رویہ اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے، اور مومنین کو یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے کئے ہوئے عہد کو پوری اہمیت دیتے ہیں، ان کے اندر یہ اہلیت ہے کہ یہ فسق سے بچتے ہوئے ہدایت کو پا سکتے ہیں۔

حاصل: جو عہد شکنی کے لئے موزوں حالات کے انتظار میں ہو، اس کے ساتھ عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ جو اپنے کئے ہوئے عہد کو پوری اہمیت دے، اس کے اندر یہ اہلیّت موجود ہوتی ہے کہ وہ فسق سے بچتے ہوئے ہدایت کو پا سکتا ہے۔ مومنین کے رویئے میں احتیاط نہ ہو، یہ ناممکن ہے۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ ⑧

کیونکر ہو، اور اگر وہ تم پر قابو پائیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں اور نہ ذمہ داری کا۔ اپنے منہ سے تمہیں راضی کرتے ہیں، اور ان کے قلوب نہیں مانتے، اور وہ اکثر فاسق ہیں۔

مشرکین صرف مجبوری کی صورت میں ہی اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اگر وہ مومنین پر قابو پالیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں، اور نہ اپنے عہد کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ اپنے منہ سے مومنین کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ان لوگوں کے قلوب نہیں مانتے۔ جب زبان پر وہ کچھ ہو، جو دل کو ناپسند ہو، تو یہ منافقت اور گمراہی کا باعث ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : مشرکین اگر مومنین پر قابو پالیں، تو پھر کبھی قرابت کا لحاظ بھی نہیں کرتے اور ذمہ داری کو بھی محسوس نہیں کرتے۔ منہ سے کچھ کہا جائے، دل میں وہ ناپسند ہو، تو یہ فسق باعث گمراہی ہی ہو سکتا ہے۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑨

اللہ کی آیات کو انہوں نے تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا، پھر اس کی راہ سے روکا۔ بے شک بُرے کام ہیں جو وہ لوگ کر رہے ہیں۔

جن لوگوں نے حق کو اس کی نشانیوں کے ساتھ دیکھا تھا، جب ان کے سامنے ان کی خواہشات کو رکھا گیا، تو وہ خواہشات کی پیروی کی طرف جھکے۔ اس طرح حق کو اللہ کی نشانیوں کی صورت میں اپنی خواہش کی قیمت پر بیچ ڈالا، اور اپنے مشاہدے کو خلاف حق استعمال کرتے ہوئے، لوگوں کے سامنے غلط نتائج نکال کر رکھے اور یوں لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا۔ بُرے کام، بُرے لوگ ہی کرتے ہیں۔ حق کے مقابل اپنی خواہشات کو اہمیت دینا وہ برا کام ہے، جس سے سب بُرائیاں جنم لیتی ہیں۔

حاصل : اپنے مشاہدے سے اللہ کی نشانیوں کو جانتے ہوئے، اپنی خواہشات کی قیمت پر انہیں بیچ دینا، اور دوسروں کو ایسے نتائج اخذ کر کے دکھانا کہ وہ اللہ کی راہ سے رک جائیں، بُرے کام ہیں اور برے لوگ ہی برے کام کرتے ہیں۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩

کسی مومن کے لئے نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں نہ ذمہ داری کا، اور وہی سرکش ہیں۔

مشرکین کو کسی مومن کے لئے نہ قرابت کا لحاظ ہوتا ہے، نہ اپنے قول و قرار کا لحاظ ہوتا ہے۔ جب انہیں یقین ہو کہ ان کی مومن دشمنی میں فوری خطرات نہیں ہیں تو ان کی سرکشی متحرک ہو جاتی ہے۔ ان کی سرکشی مومنین کے کسی عمل سے مشروط نہیں ہوتی، بلکہ مومن آزاری ان کے ہاں سب سے ضروری کام ہوتا ہے۔

حاصل : مشرک کبھی مومن کے لئے قرابت یا قول و قرار کا لحاظ نہیں رکھتے۔ مومن آزاری ان کے ہاں سب سے ضروری کام ہوتا ہے۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

پھر اگر وہ توبہ کریں اور صلوٰۃ قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں۔ اور ہم آیات کو علم والے لوگوں کے لئے مفصّل کرتے ہیں۔

اگر مشرک، ظلم عظیم سے توبہ کرلیں، اور عہد شکنی کو چھوڑ دیں تو صرف اعلان توبہ سے وہ مومنین کے اخوان میں شامل نہیں ہو جائیں گے، بلکہ یہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں گے، تو پھر ان کی صداقت کو تسلیم کیا جائے گا۔ اور جب یہ دین میں مومنین کے بھائی ہو جائیں گے تو وہ سب مراعات جو وہاں مومنین کو حاصل ہوں گی، یہ بھی ان کے حقدار ہوں گے۔ دین میں رشتہ، کسی کی پسند کے تابع نہیں ہو گا، بلکہ اسی بنیاد پر قائم ہو گا جو بنیاد اللہ نے فراہم کر دی ہے۔ آیات کی تفصیل سے استفادہ کرنے والے، یقیناً علم والے ہوتے ہیں۔

حاصل : مشرک جب شرک سے باز رہنے کا عہد کرے تو اعلانِ توبہ ضروری ہے۔ اس کے ساتھ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا بھی لازم ہے۔ دین میں رشتہ اسی بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔ آیات کی تفصیل سے استفادہ کرنے والے کو عالم ماننا، حق ہے۔ چاہے لوگوں کے نزدیک، عالم کی تعریف کچھ اور ہی کیوں نہ ہو۔

وَإِنْ نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ﴿١٢﴾

اور اگر اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور دین میں تمہیں طعنہ دیں تو کفر کے سرغنوں سے لڑو، بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں، تاکہ وہ باز آئیں۔

کافر ذمّی، سلامتی کی درخواست کے ساتھ، امیرالمومنین کے سامنے اپنی قسموں کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ وہ خلوت و جلوت میں کسی بھی صورت میں مومنین کے دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔ دوسرے جو وعدے انہوں نے کئے ہیں وہ بھی پورے کریں گے۔ اگر یہ لوگ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ کر بدعہدی کرنے لگیں، اور مومنین کے دین پر طعنہ زنی کریں، تو ان کے ساتھ کیا ہوا عہد ساقط ہو جاتا ہے اور وہ ذمہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ ان کے سرداروں کے ساتھ لڑنے کا حکم ہے کہ یہ سردار انہیں بدعہدی کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کی قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ سرداروں کے مغلوب ہونے سے یہ لوگ شرک سے باز آجائیں۔

حاصل : کافر ذمّی، بدعہد ہو اور دین میں طعنہ زنی کرے تو وہ ذمہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ ایسے

لوگوں کے سرغنوں سے لڑنا حق ہے، چاہے وہ ظاہر میں مقابلے پر ہوں یا نہ ہوں۔ کفار کے ساتھ جنگ کفر کو ساکن کرنے کے لئے ہوتی ہے۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾

کیا ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا، اور رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو نکالنے کی ٹھانی، اور انہوں نے تمہارے ساتھ پہل کی ہے۔ کیا ان سے ڈرتے ہو۔ تو اللہ کا حق سب سے بڑا ہے کہ اس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔

جن لوگوں نے مومنین کے ساتھ بدعہدی کی ہو، جن لوگوں نے نور ہدایت کے پھیلانے والے کو اپنی بستی سے نکالنے کی ٹھانی ہو، اور اس سلسلے کی ابتداء بھی انہی کی طرف سے ہوئی ہو، ان سے نہ لڑنے کے معنی یہی ہوں گے کہ ان کا ڈر بہت ہے۔ مومنین کو یہ دیکھنا چاہئے کہ ڈر اگر طاقت اور قدرت کے حوالے سے ہے تو اللہ سے بڑا طاقت والا اور قدرت والا کوئی نہیں ہے۔ کوئی بھی اللہ کی مشیت کے خلاف، نفع و ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہے۔ جو اپنی ذات پر نظر نہ رکھے، اور حقیقت شناس نہ ہو، وہ مومن نہیں ہوتا۔

حاصل : مومنین سے بدعہدی کرنے والوں سے، امیرالمومنین کے مخالفین سے، اور مومنین کی مخالفت میں پہل کرنے والوں سے نہ لڑنا گناہ ہے۔ مومن حقیقت شناس ہوتے ہیں، اللہ کے مقابل کسی قوت سے ڈرنا ان کی شان کے منافی ہے۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾

تو ان سے لڑو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا، اور رسوا کرے گا، اور ان پر تمہاری نصرت فرمائے گا، اور مومن لوگوں کے سینے ٹھنڈے کرے گا۔

مومنین سے یہ مواعید فرمائے گئے کہ مشرکین سے ڈرو نہیں، ان سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا، انہیں رسوائی ہوگی، اللہ کی نصرت سے مومنین کو غلبہ حاصل ہو گا، اور جو باتیں تمہیں ناگوار تھیں، ان کے خاتمے سے تمہیں راحت

ہو گی۔

حاصل : جس لڑائی میں دشمن کے مغلوب و رسوا ہونے کا یقین ہو، وہ یقیناً آسان ہوتی ہے۔ حق کے غلبے کے ساتھ شرک کی بیخ کنی ہو تو مومنین کے سینوں میں ٹھنڈ پڑتی ہے۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾

اور ان کے قلوب کے غیظ کو دور کرے گا۔ اور اللہ جس پر چاہے توجہ فرمائے۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

رشد والوں کو، کفر، فسق اور عصیاں سے کراہت ہوتی ہے۔ جب کفر کی شوکت کے مقابل مسلمانوں کو مظلوم دیکھا جائے، تو ایمان والوں کے قلوب میں غیظ کا ابھرنا طبعی بات ہے۔ جب اللہ اس غیظ کے اظہار کی صورت بنا دے تو یہ غیظ دور ہو جاتا ہے، مگر اس غیظ کے دور کرنے کا مقام، میدان جہاد ہے۔ جہاد کے تجربات سے گزرنے والوں میں سے جو بھی لوگ کفر کے غلبے کے لئے کوشاں رہے ہوں، اور انہیں محسوس ہو کہ وہ حق کے خلاف کرتے رہے ہیں، تو وہ توبہ کے دروازے کو اپنے لئے کھلا پاتے ہیں۔ جو اپنے اندر کی خرابی کو محسوس کرے، اور اسے دور کرنے کی سعی کرے، اللہ اس پر توجہ فرماتا ہے۔ اللہ کا ہر کام علم سے ہوتا ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ یہ حکمت اسی کو نظر آ سکتی ہے جو ادب سے فرمانِ خداوندی کی اطاعت کرے، اور نفس کے خلاف جہادِ اکبر میں مصروف رہے۔

حاصل : قلوب کے غیظ کو دور کر دینا، اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت سے ہوتا ہے۔ جو اپنے اندر کی خرابی کو محسوس کرے اور اسے دور کرنے کی سعی کرے، اللہ اسی پر توجہ فرماتا ہے۔ اللہ کے علم اور اس کی حکمت سے ادب والے ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ع ۸ / ۱۰

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم چھوٹ جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ دیکھے گا، ان کو جو تم میں سے جہاد کریں گے، اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور مومنین کے علاوہ کسی کو اپنا راز دار نہیں بنائیں گے۔ اور اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

حق کو قول سے تسلیم کرنا، ایک دعویٰ ہوتا ہے، اور صرف دعویٰ کسی کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں

ہوتا۔ یہ فرمایا گیا ہے کہ حق کو تسلیم کرنے کا دعویٰ تمہاری نجات کے لئے کافی نہیں ہے۔ اللہ یقیناً دیکھے گا کہ تم میں سے حق کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے، اللہ کی راہ میں اپنا وقت، قوت اور سرمایہ، کس طرح لگاتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ مومنین کی انفرادی یا اجتماعی زندگی کے راز، مشرکین سے موالات رکھنے کی غرض سے انہیں پہنچاتے تو نہیں۔ عمل کوئی ہو، اللہ کو اس کی خبر ہوتی ہے۔ جس نیت سے وہ کیا جا رہا ہے، جس طریقے سے وہ کیا جا رہا ہے، جس مقام پر کیا جا رہا ہے، اور اس کے ساتھ ہی اس عمل کے ہر حصے کی اللہ کو خبر ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ کو دھوکا دینا ناممکن ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مرتبہ تو معطیٔ مطلق ہی جانتا ہے، کہ وہی مرتبہ عطا کرنے والا ہے اور وہی اس کو بیان کرنے والا ہے۔ مومنین میں سے بھی اللہ جس کو جس بات کی خبر دینا چاہے، دیتا ہے۔

حاصل : حق کو قولاً تسلیم کرنا تبھی پورا ہے جب عملاً ماننے کا ثبوت پیش کیا جائے۔ جہاد کرنا مومنین کی نشانی ہے، اور اپنا راز کسی بھی غرض کے لئے مخالفین تک نہ پہنچانا بھی ایک نشانی ہے۔ یہ یقین ہو کہ اللہ کو ہمارے عمل کی خبر ہے، تو پھر عمل میں اخلاص کا ہونا لازم ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے :

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٩﴾

کیا وہ جس کی رات کی گھڑیاں سجود و قیام میں گزریں، وہ آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو، کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو جائے گا۔ فرمائیے۔ کیا علم والے اور لاعلم مساوی ہیں۔ نصیحت تو عقل والے ہی مانتے ہیں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿١٧﴾

مشرکین کا کام نہیں کہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں، جبکہ وہ اپنے کفر پر گواہی بھی دے رہے ہوں۔ ان کے اعمال اکارت ہوئے، اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

مساجد، اللہ کے گھر ہیں۔ کعبہ شریف تمام مساجد کا قبلہ ہے اور امام ہے۔ ہر مسجد اسی نسبت کی بدولت واجب الاحترام ہوتی ہے۔ مسجد کی تعمیر، اس کی دیکھ بھال، اس کی آبادی اور اس کی خدمت، اسی کا حق ہے، جو اللہ کو مانتا ہو جیسے اللہ کو ماننے کا حق ہے۔ جو شرک کرتا ہو، جس کے اعمال اس کے کفر پر گواہ ہوں، وہ جو بھی کرتا ہے، نمود و ریا کے لئے کرتا ہے، صدق و اخلاص سے نہیں کرتا۔ جو اعمال، رضائے الٰہی کے لئے نہ ہوں، وہاں جزا کا یقین ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح اللہ کی عطا کردہ توفیق، دکھاوے میں ضائع کر دی جاتی ہے۔ یہی اعمال کے اکارت ہونے کی صورت ہے۔ جو ہمیشہ شیطان کی پیروی میں لگا رہے، اور اس کے ہر عمل میں استکبار کی کوئی نہ کوئی شکل موجود ہو، وہ ہمیشہ آگ میں رہے گا۔

حاصل : مشرکین کا کام نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں۔ جن کے اعمال ان کے کفر پر گواہی دے رہے ہوں۔ ان کے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں۔ جن کے ہر عمل میں استکبار کی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہو وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

اللہ کی مساجد وہی آباد کرتے ہیں، جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ ہی سے ڈرتے ہیں۔ تو قریب ہے کہ وہ لوگ ہدایت والوں سے ہوں۔

مساجد کی آبادی یہ ہے کہ جن مقاصد کے لئے انہیں تعمیر کیا جانا چاہیے، انہی مقاصد کے لئے انہیں استعمال کیا جائے۔ عبادت کے لئے وہاں سب لوازمات موجود ہوں، طہارت اور وضو کے لئے انتظام ہو، موسم کے مطابق جو آسانی نمازیوں کو دی جا سکتی ہو، اس کا بندوبست کیا جائے اور مسافروں کے لئے جو سہولت مہیا کی جا سکتی ہو وہ مہیا کی جائے۔ مسجد کی صفائی کے لئے بھی لوگوں کو عبادت سے نہ روکا جائے۔ ایک حصے کی صفائی ہو رہی ہو، تو دوسرے حصے میں لوگ عبادت کرتے رہیں۔ وہاں شور نہیں ہونا چاہیے۔ لغو گوئی نہیں ہونی چاہیے۔ اصلاح کرنے کا حق صرف مخلصین کو ہوتا ہے۔ مسجد میں داخل ہونے سے لے کر، وہاں سے رخصت ہونے تک منتظمین کو یہ دھیان رکھنا چاہیے کہ کوئی فرد یا گروہ رضائے الٰہی کے نام پر شوکت نفس کے لئے کام نہ کرے۔ مساجد کو آباد وہی کرتے ہیں، جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں۔ یہ یقین رکھتے ہوں کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ وہ نماز قائم کرتے ہوں۔ زکوۃ ادا کرتے ہوں۔ ان کا ذاتی کردار یہ ہو کہ وہ جو بھی کریں اس میں صرف اللہ کا ڈر موجود ہو۔ کسی دوسرے کی ناخوشی انہیں کبھی پریشان نہ کرے۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن سے ہدایت لی جا سکتی ہے۔ جن کی راہنمائی سے فلاح دارین حاصل ہو سکتی ہے۔

حاصل : اللہ کی مساجد کو آباد کرنا، ہدایت یافتہ لوگوں کا کام ہے۔ وہ اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہوں، حدود اللہ کا احترام کرتے ہوں، نماز قائم کرتے ہوں، زکوۃ ادا کرتے ہوں، ڈرتے محض اللہ سے ہوں، اور رسم و رواج کے پابند لوگوں سے کبھی مرعوب نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کی سیادت ہمیشہ باعث برکت ہوگی۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

تو کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے کو اور مسجد الحرام کے بسانے کو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر

الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

ٹھہرا دیا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک مساوی نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دیتا۔

کافروں نے حاجیوں کی خدمت، مثلاً انہیں پانی پلانا اور مسجد الحرام کو آباد کرنا، بہت ضروری سمجھا اور اپنی بے علمی سے ان اعمال کو اللہ پر ایمان لانے اور یوم آخر پر یقین رکھنے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر ٹھہرایا۔ جزا دینے والے علیم مطلق نے شہادت دی ہے کہ وہ اعمال اللہ کے نزدیک مساوی نہیں ہیں۔ جب عاملین کا رخ ایک نہ ہو، تو ان کے اعمال کا مساوی ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنی پسند کے مطابق، اپنے لئے حدود مقرر کر لیتے ہیں، وہ ان کے برابر نہیں ہوسکتے، جو اللہ کے فرمان کو مانتے ہیں جیسے ماننے کا حق ہے۔ جو لوگ خدمت عوام کے نام پر اپنے آپ کو مرکز توجہ بنانے کی کوشش میں لگے ہوتے ہیں، وہ ان کے برابر نہیں ہوسکتے، جو یوم آخر پر یقین رکھتے ہوئے رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اور لوگوں کو حقیقی سکھ دیتے ہیں۔ جو لوگ نمود و ریا کے لئے، لوگوں پر خرچ کرتے ہیں، وہ ان کے برابر نہیں ہوسکتے، جو اپنا وقت، قوت اور سرمایہ سبھی اللہ کی راہ میں لگاتے ہیں، اور کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتے۔ ظالم، اطمینان کی طرف جانے والی راہ کو پا ہی نہیں سکتے کہ اللہ ظلم کو ناپسند کرتا ہے۔

حاصل : خدمتِ عوام کی سب صورتیں جن کا منشاء مرکز توجہ بننے کے علاوہ کچھ نہ ہو، کبھی ایمان باللہ، آخرت پر یقین اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ معیار وہی ہے جو عند اللہ ہے، کہ توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے، جزا بھی وہی دے گا۔ اللہ کبھی ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے اموال اور انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کیا، اللہ کے ہاں ان کا درجہ بڑا ہے۔ اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

اللہ کے ہاں بڑے درجے والے، بامراد لوگ وہی ہیں، جو ایمان لائے، ہجرت کی، اپنے اموال کو بھی فی سبیل اللہ جہاد پر صرف کیا، اور اپنی جانوں کو بھی فی سبیل اللہ جہاد میں لگایا۔ ایمان لانے کے بعد لازم ہے کہ سوچ فرمان خداوندی کے تابع رہے۔ ہجرت کے تجربات سے گزرنے کے بعد دوسروں کی سہولت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اموال کی صورت میں جہاد کے لئے خرچ کرنا پہلے ہونا چاہئے، اور اپنی جانوں کو رضائے الٰہی پر قربان کرنے کی سعی، بعد میں۔ جن لوگوں نے اپنے منشاء حیات کو سمجھا اور اس کے حصول کے لئے کوشش کی، وہ ہمیشہ اللہ کے مقرر کردہ معیار کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ یہی لوگ بامراد ہوتے ہیں۔

حاصل : ایمان لانے والے کی سوچ کو فرمان خداوندی کے تابع ہونا چاہئے۔ ہجرت کے تجربے سے دوسروں کو سکھ دینے کا بڑا علم حاصل ہوتا ہے۔ اموال کو پہلے جہاد میں لگانا چاہئے، انفس کو بعد میں۔ بامراد لوگوں کی نشانیاں ہم میں ہوں گی، تو ہم بھی بامراد ہوں گے۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۲۱﴾

ان کا ربّ انہیں بشارت دیتا ہے، اپنی رحمت اور رضوان اور جنت کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمت ہے۔

ایمان، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ، بامراد لوگوں کی نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے رب کی طرف سے رحمت، رضوان اور جنت کی بشارت ہے۔ رحمت یہ ہے کہ رخ ہمیشہ درست رہے، رضوان یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے مقابل کسی کی پسند پریشان نہ کرے، اور جنت دائمی نعمتوں کے ساتھ یہ ہے کہ خلوت و جلوت میں راحت موجود رہے۔

حاصل : ایمان، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ رحمت، رضوان اور جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ جو دائمی پاک دامنی کے مقام پر رہے، اسے دائمی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾

ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ بےشک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔

جنہیں دائمی پاک دامنی کا شرف حاصل ہو گا، وہ دائمی نعمتوں سے نوازے جائیں گے، اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو خالصتاً اس کی رضا کے لئے استعمال کیا جائے، تو اللہ کے ہاں اس کے لئے اجر عظیم ہے، اور اجر عظیم، اللہ ہی دے سکتا ہے۔

حاصل : جنّت کی بہار کو ایسا دوام ہو گا کہ اس کے بعد خزاں نہیں آئے گی۔ اجرِ عظیم اللہ ہی دے سکتا ہے کہ وہی علیم مطلق ہے، اور وہی معطیِ مطلق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو، اپنے آباء اور بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان کے مقابل کفر کو پسند کرتے ہوں، اور تم میں جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔

ایمان والوں کی شان یہی ہے کہ ان کو ایمان کی حب ہوتی ہے، اور کفر، فسق اور عصیاں سے کراہت ہوتی ہے۔ ان کے آباء میں سے اور بھائیوں میں سے جو یقیناً کنبہ والے اور اقارب ہوتے ہیں، اگر کسی کو ایمان باللہ کے مقابل کفر اچھا لگتا ہے، تو اس سے دوستی حرام ہو جاتی ہے کہ اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ دوستی یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے خلاف ان کے مشورے کو سنا

جائے۔ جو فرمان خداوندی کے خلاف بات سننے کو تیار ہے، وہ ظالم ہے، اور مسلم و مجرم کو مساوی قرار دے کر جرم کا ارتکاب کر رہا ہے۔

حاصل : ایمان والوں پر لازم ہے کہ وہ کفر کے پسند کرنے والوں سے ترک موالات کریں۔ کفر کو پسند کرنے والے، ان کے باپ دادا ہوں، بھائی ہوں یا دوسرے ہوں، کفر کے پسند کرنے والوں سے دوستی، ظلم ہے۔ کفر کو پسند کرنے والوں کے معاملات میں دلچسپی لینا اور ان کو مشورہ دینا منع ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۟اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ع ۸

فرما دیجئے، اگر تمہارے آباء اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری ازواج، اور تمہارا کنبہ، اور تمہاری کمائی کے مال اور تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے، اور مساکن جن میں تم راضی ہو، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہوں، تو انتظار کرو، حتیٰ کہ اللہ اپنا امر لائے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دیتا۔

باپ دادا، بیٹے، بھائی، بیوی اور عزیز رشتہ دار، یہ سب رشتے فرمان خداوندی کے تحت اپنا اپنا مقام رکھتے ہیں۔ مگر جب یہ رشتے حق کی احسن ادائیگی میں حائل ہوں تو ان کی طرف التفات، باعث عذاب ہو گا۔ دنیا میں ہدایت سے دوری ہو گی، آخرت میں بخشش سے دوری ہو گی۔ کوئی رشتہ خالقِ کُل اور اس کے عباد مخلصین کے مقابل، اپنی اہمیت نہیں رکھتا۔ اپنا کمایا ہوا مال انسان کو عزیز ہوتا ہے۔ وہ تجارت عزیز ہوتی ہے، جس کو محنت سے بڑھایا گیا ہو، اور جس میں عدم توجہ سے نقصان کا خدشہ ہو۔ وہ مسکن عزیز ہوتا ہے، جو اپنی راحت کا سامان مہیا کرتا ہو۔ مال کا عزیز ہونا، تجارت کا عزیز ہونا اور مسکن کا عزیز ہونا، اگر وہ صورت اختیار کر لے کہ حق کو ماننے کا دعویٰ باطل ہو جائے، تو یہ فسق ہو گا۔ فاسق کو کبھی ہدایت نہیں ہوتی۔ وہ ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے کہ اس کو اللہ کا امر غالب نظر آتا ہے، مگر ماننے اور فلاح پانے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ تب وہ رشتے جن کو عزیز جان کر اس نے حق سے پہلو تہی کی ہوتی ہے، بےوقعت نظر آتے ہیں۔ وہ مال، وہ تجارت، وہ مسکن، جن سے پیار جہاد سے روکتا ہے، سب فاسق کی گرفت سے نکل جاتے ہیں، اور ان پر اپنی عدم قدرت کا احساس، فاسق کو جس دکھ میں مبتلا کر دیتا ہے، اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : باپ، دادا، بیٹے، بھائی، بیوی اور عزیز رشتہ داروں کو یہ احساس دلاتے رہنا ضروری ہے

کہ ہر رشتے کی اہمیت حق کو ماننے کے حوالے سے ہے۔ اپنا کمایا ہوا مال، اپنی بڑھائی ہوئی تجارت. اور اپنی پسند کا مسکن عزیز ہوتا ہے۔ مگر یہ سب، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت کے سامنے ہیچ ہونے چاہئیں۔ جہاد کے لئے بلاوا آئے تو اس کے لئے ادب سے حاضر ہو جانا، ایمان کا ثبوت ہے، اور مذکورہ محبوبات کو عزیز تر جاننا فسق ہے، اور باعث عذاب ہی ہو سکتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ فَٱعْبُدِ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ ﴿٢﴾

بے شک ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی۔ تو اللہ کی عبدیت کرو، اسی کے دین کے مخلص ہو کر۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ ٱللَّهُ فِى مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْـًٔا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴿٢٥﴾

بے شک اللہ نے بہت میدانوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی جب تمہیں اپنی کثرت کا ناز ہوا، اور وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، اور تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔

ایمان والوں کی نصرت کا اللہ نے وعدہ فرما رکھا ہے، اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ اللہ کی نصرت پر توکل ہو تو اپنی تعداد کی کمی پریشان نہیں کرتی، اور اپنی تعداد کی کثرت پر ناز نہیں ہوتا۔ اپنی کثرت کو مطلوبہ نتیجہ پیدا کرنے والی قوت مان لیا جائے، تو اللہ کے نزدیک اس سے بڑی ناپسندیدہ بات اور کیا ہو گی۔ حنین کے دن دشمن کے مقابل اپنی عددی برتری کو دیکھ کر کم علم لوگ اترانے لگے۔ جب نصرت ایزدی کے مقابل اپنی کثرت پر ناز ہو، تو پھر نصرت ایزدی کی طلب ہی کہاں ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود ایسے ایمان والوں پر تنگ ہو جاتی ہے، جو اپنی کثرت کو مطلوبہ نتیجہ پیدا کرنے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ جب حنین کے دن دشمن سے ایمان والوں کا سامنا ہوا، تو اپنی کثرت پر اترانے والے، جلد ہی پیٹھ دے کر پھر گئے۔

حاصل : اللہ کی نصرت مطلوب ہو تو دشمن کے مقابل اپنی تعداد کی کمی پریشان نہیں کرتی اور دشمن کے مقابل اپنی تعداد کی کثرت پر ناز نہیں ہوتا۔ کوئی بھی تعداد مطلوبہ نتیجہ پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ جنہیں اپنی کثرت عجیب لگے گی ان پر زمین ضرور تنگ ہو گی، اور وہ پیٹھ دے کر پھر جائیں گے۔

ثُمَّ أَنزَلَ ٱللَّهُ سَكِينَتَهُۥ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ وَ

پھر اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۲۶

و آلہ و سلم) پر سکینہ نازل فرمائی اور مومنین پر، اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہ دیکھے، اور کافروں کو عذاب دیا۔ اور کافروں کی یہی جزا ہے۔

جب عددی برتری پر مسلمانوں کو ناز ہوا اور اس کے بعد تجربے نے یہ واضح کر دیا کہ یہ کثرت کسی کام نہیں آتی۔ زمین اپنی وسعت کے باوجود مسلمانوں پر تنگ ہوگئی اور ان میں سے اپنی کثرت پر ناز کرنے والے پیٹھ دے کر پھر گئے، تو اپنی کثرت پر نازاں ہونے کا انہیں افسوس ہوا۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر اور مومنین پر سکینہ نازل فرمائی۔ یہ حضرات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ پہاڑ کی طرح قائم رہے، اور ان کا رخ جنگ میں دشمن کی طرف برابر بڑھتے رہنے کا رہا۔ اللہ نے اپنی تائید کے ساتھ وہ لشکر نازل فرمائے جو مسلمانوں نے نہیں دیکھے۔ کافروں کے دلوں پر رعب ڈالا گیا۔ انہیں وہ مار پڑی جو ان کے تصور میں نہیں تھی۔ یہی ان کی جزا تھی۔ مسلمانوں نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے ساتھ مومنین کو جنگ میں ثابت قدمی سے آگے بڑھتے دیکھا، تو یہ بھی پلٹ آئے۔ اب یہ اللہ کے رسول کے ساتھ تھے۔ جنگ کا نقشہ اپنی کثرت پر ناز کرنے کی صورت میں اور تھا، اب اور ہو گیا، پھر فتح ہوگئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ فتح، نصرتِ الٰہی سے ہی ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ اپنے پیاروں پر سکینہ نازل فرمایا کرتا ہے۔ جو مدد جس حال پر مناسب ہو، اللہ ہی بھیج سکتا ہے۔ کافروں کو عذاب ان کے اعمال کی بدولت ہوتا ہے۔ کافروں کے ساتھ وہی کرنا چاہئے، جو اللہ چاہتا ہے۔

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۲۷

پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہے توجہ فرمائے۔ اور وہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

جن باتوں میں اللہ راضی ہے، وہ اس نے بیان فرما دی ہیں، اور وہ سب رضائے الٰہی کے زمرے میں آتی ہیں۔ رضائے الٰہی، معلوم ہوتی ہے، اس لئے اس کے خلاف کرنے سے اللہ ناخوش ہوتا ہے۔ اللہ کی مشیت معلوم نہیں ہوتی، بیان نہیں ہو سکتی۔ رضائے الٰہی کا رخ ہمیشہ متعین اور واضح ہوتا ہے۔ مشیت الٰہی کا رخ متعین کرنا، ناممکن ہے۔ بندوں کے ذمے یہی ہے کہ وہ عقل کریں اور دیکھیں کہ ان کا مقصد حیات کیا ہے، اور انہوں نے کس شے کو مقصود بنا رکھا ہے۔ عطائے الٰہی، رضائے الٰہی پر صرف ہو رہی ہے یا اس کے خلاف۔ ماضی میں ان کے تجربات اور مشاہدات نے کن باتوں کو درست ثابت کیا ہے، اور وہ کیا چاہتے تھے۔ ماضی سے جو سبق ملا ہے، اس کی روشنی میں حال پر کیا کرنا چاہئے۔ جو بندے ایسا کرتے ہیں، اللہ ان پر توجہ فرماتا ہے۔ انہیں توبہ نصیب ہوتی ہے۔ اللہ انہیں بخش بھی دیتا ہے، ان پر رحم بھی فرماتا ہے۔ خطاؤں کی معافی بخشش ہے، اور حق کی احسن ادائیگی کی توفیق مزید رحم ہے۔

حاصل : جس کی پسند اس کے نزدیک معیار نہ رہے، اس کی قدر کرنا لازم ہے۔ اس کی خطاؤں کو معاف کرنا چاہئے اور حق کی احسن ادائیگی میں اسے جو سہولت مہیا کی جا سکتی ہو، کرنی چاہئے، کہ یہی اللہ کی سنت ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو مشرک یقیناً نجس ہیں۔ تو اس برس کے بعد وہ مسجد الحرام کے قریب نہ آنے پائیں۔ اور اگر تمہیں محتاجی کا خوف ہے، تو اللہ اپنے فضل سے جلد ہی تمہیں غنی کر دے گا، اگر چاہے گا۔ بے شک اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

ایمان والوں پر یہ روشن فرمایا گیا ہے کہ مشرک یقیناً نجس ہیں، ناپاک ہیں۔ ان میں خبثِ باطن بھی ہے، خبث ظاہر بھی۔ مسجد الحرام کی حدود میں 9 ہجری کے سال مشرکین کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ پاک اور ناپاک میں اللہ تعالیٰ وقف رکھنا پسند کرتا ہے، ایمان والوں کو بھی یہ دیکھنا چاہئے کہ ان کی زبان پاک رہے، ان کے اعمال پاک رہیں۔ اگر مشرکانہ رسومات کو ترک نہ کیا جائے تو یہ کسی قدر نجاست کو اپنے ساتھ لگائے رکھنے والی بات ہوگی۔ ایمان والوں کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کاروبار بہت متاثر ہوں گے، لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے لئے حدودِ حرم شریف میں داخلہ ممنوع قرار دینے سے تجارت کے علاوہ بہت سے معاشرتی تعلقات کی شکل بدل جائے گی۔ یہاں انہیں بشارت دی گئی ہے کہ محتاجی کو دور کرنے والا بھی اللہ ہی ہے، وہ تمہیں اپنی مہربانی سے، اپنے فضل سے اس قدر نوازے گا کہ تم غنی ہو جاؤ گے، محتاجی کا ڈر انشاء اللہ پھر کبھی ہو گا ہی نہیں۔ اللہ نے جو بھی فرمایا ہے اس میں علم و حکمت موجود ہوتا ہے، اس لئے کسی بھی حکم خداوندی میں جو خیر و برکت موجود ہے وہ اس کے مقابل انسانی سوچ میں نہیں پائی جا سکتی۔

حاصل : حدودِ حرم شریف کا تقدّس ملحوظ رہنا چاہئے۔ ایمان والوں پر لازم ہے کہ وہ طلب خیر اور دفع آفات کے لئے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں۔ علم و حکمت فرمان خداوندی میں ہمیشہ موجود ہوتا ہے، پتہ اسی کو چلتا ہے جو اپنی سوچ کو ساکن کر کے حکم خداوندی کو ادب سے مانتا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ

لڑو ان سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے، اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حرام

أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

ٹھہرائے ہوئے کو حرام نہیں مانتے، اور دین حق کو قبول نہیں کرتے، وہ جنہیں کتاب عطا فرمائی گئی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں، اور چھوٹے بن کر رہنا قبول کریں۔

یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں۔ ان میں سے جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے، یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام نہیں مانتے، اور دین حق کو قبول نہیں کرتے ان سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر یہ لوگ جزیہ دینا قبول کر لیں، اور چھوٹے اور ذمی بن کر رہنا قبول کر لیں تو لڑائی ختم ہو جائے گی۔ اہل کتاب کا دعویٰ تو یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر فرمان خداوندی کو اپنی سمجھ اور تاویل کے تحت مانتے ہیں۔ اس طرح کا ماننا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جزا کے یقین سے، عمل نہ کیا جائے تو یہ جزا کے انکار کی صورت ہے۔ جن چیزوں کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، انہی چیزوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حرام فرمایا ہے۔ اہل کتاب، حکمِ خداوندی کے مقابل اپنی رائے کو اور اپنی تاویل کو اہمیت دیتے ہیں۔ یہ حدود اللہ کو نہ ماننے والی بات ہے۔ دین حق کو قبول کرنا یہ ہے کہ مقصود ہر مقام پر رضائے الٰہی ہو، اور اتباع شاہد کا ہو حال پر۔ اگر یہ نہ ہو تو دینِ حق کا انکار ہو گا۔ ایسے منکرین کو فتنہ و فساد سے روکنا ضروری ہے، من مانی سے روکنا ضروری ہے۔ جزیہ وہ خراج ہے جو مفتوح اہلِ کتاب سے لیا جاتا ہے۔ اس نقد ادائیگی کے عوض ان کی ذاتی سلامتی اور ان کے متعلقین کی سلامتی کی حفاظت کا ذمہ لیا جاتا ہے۔ جزیہ دینے والے کی حیثیت کا تعین، حکومت کا نمائندہ کرتا ہے۔ جزیہ دینے والے پر لازم ہے کہ وہ ادب سے جزیہ دے اور لینے والے پر لازم ہے کہ وہ دینے والے کی حرکات و سکنات پر بھی نگاہ رکھے۔ جزیہ دینے والوں کو ان کے عقائد کے مطابق عبادت کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ مگر معاشرتی زندگی میں وہ محکوم ہوں گے، اور تمام احکامات کو ماننے کے پابند ہوں گے، جو بھی حکومت ان کے لئے جاری کرے گی۔ ان کی آزادی محدود بھی ہو گی، مشروط بھی ہو گی۔ کسی بھی صورت میں وہ لوگوں کی راہنمائی اور قیادت کا حق نہیں رکھتے۔

حاصل : مفتوح اہلِ کتاب سے جزیہ لینا ضروری ہے۔ انہیں اپنے عقائد کے مطابق عبادت کے علاوہ کسی بھی جگہ، معاشرتی زندگی میں من مانی کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جزیہ دینے والا با ادب رہے اور اپنی سلامتی کی حفاظت کے لئے ماننے کے درجے میں رہے۔ حکومت ان کی آزادی کو محدود اور مشروط کرنے کا حق رکھتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے کا اور اس کی اطاعت کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کیا ہم تم پر ایمان لائیں، جبکہ تمہارا اتباع تو ارزل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کے اعمال کا علم اللہ کو ہے، ان کا حساب بھی اسی پر ہے۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور میں مومنین کو دور کرنے والا نہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۖ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾

اور یہود نے کہا کہ عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ نے کہا مسیح (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اگلے کافروں کی سی بات بناتے ہیں۔ اللہ انہیں مارے۔ کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا۔ نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا۔ جہالت کی انتہا دیکھئے کہ بیٹا ہمیشہ باپ کی مثل ہوتا ہے، اور اللہ کی کوئی مثل نہیں ہے۔ یہ دونوں انبیاء کرام اس دنیا میں تشریف لائے اور یہاں سے رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ خالق کل ہے، حیٌّ قیوم ہے۔ دونوں حضرات نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو واضح کیا اور شرک سے بچنے کی تاکید کی۔ کوئی کلمہ ان پاک لوگوں کی زبان سے ایسا نہیں نکلا جس کے ساتھ سند اور برہان موجود نہ ہو۔ اگر ان کے متعلق کوئی بے سند بات کی جائے، تو ایسی بات کرنے والا صریحاً جاہل ہو گا۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں بناتے رہے ہیں۔ کافر اگر حق کی بات کریں، تو پھر وہ کافر ہی کیا ہوئے۔ ان پر اللہ کی مار، کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ جو عقیدہ صریحاً باطل ہے، ان انبیاء کرام کی تعلیمات کے خلاف ہے جن کے متعلق وہ بنایا گیا ہے، اور یہ بدیہی حقائق کے بھی خلاف ہے، اللہ انہیں غارت کرے کہ یہ انتہائی بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ ہی نہیں رہے کہ اس طرح کی باتوں سے یہ ان انبیاء کرام کی عزت افزائی نہیں کر رہے، بلکہ اپنے بد عقیدہ ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔

حاصل : حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق یہود کا عقیدہ پہلے بھی درست نہیں تھا، اب بھی درست نہیں ہے۔ پہلے آپ کو ابن اللہ کہہ کر آپ کی تعلیمات کے خلاف عمل کرتے تھے، اب ابن اللہ کہے بغیر آپ کی تعلیمات میں تحریف کرتے ہیں۔ نصاریٰ میں سے بھی اگر کچھ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ نہیں کہتے تو اکثریت کا عقیدہ وہی ہے۔ کسی بھی صاحب کی تکریم کے نام پر اس کی تعلیم کی نفی کرنا انتہائی جہالت ہے۔

اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا ۖ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾

انہوں نے اللہ کے سوا، اپنے احبار اور رہبان کو ارباب ٹھہرا لیا، اور مسیح ابن مریم کو۔ اور انہیں امر یہی تھا کہ الٰہِ واحد کی بندگی کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسے پاکی ہے ان کے شرک سے۔

احبار بنی اسرائیل کے علماء تھے، اور رہبان بنی اسرائیل کے درویش تھے۔ یہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے، اور انہیں ان کی خواہشات کی پیروی کے لئے راستہ دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ امر الٰہی کی وہی تاویل، وہی وضاحت درست ہے جو انہیں بتائی جا رہی ہے اور جو انہیں مطلوب ہے۔ یہود و نصاریٰ، ان علماء اور مشائخ کو اپنا پالنہار جانتے تھے کہ یہ اگر نہ ہوں تو ان کی زندگی کی روانی ہی جاری نہیں رہ سکتی۔ مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ابنیّت اور الوہیت کا رشتہ جوڑ کر دکھانے والے لوگ بھی یہی تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرمایا گیا ہے، اس میں کسی ناحق بات کا سوچنا بھی گناہ ہے۔ اس کا فرمان ہمیشہ سے یہ ہے اور ہمیشہ یہی رہے گا کہ الہ واحد کی بندگی کرو جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بندے کے ہر عمل میں اسی کی رضا مقصود ہو، اپنی خواہشات کی پیروی کہیں نہ ہو، تو اس کی بندگی ہوگی۔ ایسا نہ ہو، تو شرک ضرور ہوگا۔ کہیں خفی ہوگا، کہیں جلی ہوگا۔ اور اللہ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ جس کا عقیدہ درست نہیں ہوگا، اس کے اعمال کے درست ہونے کا مقام ہی نہیں آئے گا۔

حاصل: جو علماء اور درویش اپنی مطلب بر آری کے لئے لوگوں کو ان کی خواہشات کے جال میں پھنساتے ہیں، ان کا گناہ انہی پر ہے۔ مگر جو لوگ ان کو ارباب مان کر خلاف حق ان کی پیروی کرتے ہیں وہ اپنے شرک کی سزا ضرور پائیں گے۔ اللہ کا شریک کوئی نہیں کہ وہ معطیٔ مطلق ہے، باقی سب لینے والے ہیں۔ وہی توفیق دینے والا ہے۔ وہی حساب لینے والا ہے۔ اور وہی جزا دینے والا ہے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾

اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ ضرور اپنے نور کو پورا کرے گا، چاہے کافروں کو اچھا نہ لگے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید، نورِ حق ہے۔ کافر اس کو مشرکانہ دعاوی سے بجھانا چاہتے ہیں۔ مگر ان کی بے حقیقت باتوں سے اور لاحاصل بحث سے نور توحید میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اللہ کا نور جب پورا ہوگا تو شرک کی بات کرنا، ناممکن ہوگا۔ کافروں کو اس سے بڑی کراہت ہو، مگر ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا۔ کافروں کو نورِ توحید سے اس لئے ڈر لگتا ہے کہ اس سے ان کی خواہشات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، اور کافروں کی زندگی میں ان کی خواہشات انتہائی اہم ہوتی ہیں۔

حاصل: بے حقیقت بات، نورِ حق کو کبھی کم نہیں کر سکتی۔ اللہ کا نور جب پوری طرح پھیل جائے گا تو شرک کی بات کرنا، ناممکن ہوگا۔ مطلوب ناپید ہو رہا ہو، تو اس سے تکلیف ضرور ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾

النصف

وہی ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ وہ اسے ہر دین پر غلبہ دے، چاہے مشرکوں کو یہ نہ بھائے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ ہدایت کا اتباع کرنے والوں کو خوف و حُزن سے نجات ملتی ہے۔ جو اس کے علاوہ کسی صورت میں نہیں ملتی اور جو ہر ذی شعور کو مطلوب ہوتی ہے۔ اسلام یہ دین حق ہے۔ جو حجت و سند کے اعتبار سے اس قدر روشن ہے کہ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ دوسرے ادیان پر غلبہ، ہدایت اور دین حق کے حامل۔ نمونہ اکمل حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حاصل ہو گا۔ جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں، ان کی یہ شان ہے کہ آپ کے اتباع میں کسی مقام پر ان کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ ان کو دوسرے ادیان پر جو غلبہ حاصل ہو گا، وہ بھی درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حاصل ہو گا۔ اسلام کے علاوہ تمام ادیان انسانی سوچ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اسلام کے علاوہ جن ادیان کو سماوی ہونے کا دعویٰ ہے، ان میں انسانوں نے تحریف کی ہے۔ جب انسان کے بنائے ہوئے علوم کا دین حق کے ساتھ تقابل ہو گا، تو تمام ادیان معقولیت اور اسناد کی کسوٹی پر دیکھے جائیں گے، تب وہ اسلام کے سامنے مغلوب ہوں گے۔ یہی دین، معقولیت اور حجت کے معیار پر اپنے آپ کو تضاد سے پاک ثابت کرے گا۔ اسلام کے مقابل تمام ادیان ایک طرف ہیں۔ ہر ایک دین یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو کر فرد مطلوبہ راحت حاصل کر سکتا ہے، جماعت مطلوبہ راحت حاصل کر سکتی ہے، اور بین الاقوامی سطح پر وہ معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے، جس میں انسان کو یہ شرف حاصل ہو کہ تمام اشیاء اس کے لئے ہوں اور وہ کسی شے کے لئے نہ ہو، جہاں فیصلے ذاتی پسند اور ناپسند کے تحت نہ ہوں۔ جب انسانوں کو یہ شکایت عام طور پر ہونے لگے گی کہ انہیں راحت کے وعدے پر دکھ دیا گیا ہے، تو یہ حقیقت واضح ہونے لگے گی کہ انسانی سوچ سے پیدا ہونے والے علوم، انسانی دکھوں کا مداوا کر ہی نہیں سکتے۔ اس وقت دین حق کا باقی ادیان سے تقابل ہو گا۔ دین حق کو غلبہ ملے گا، اور جس معیار کی نسبت سے ہر بندے کو نور حاصل ہو گا وہ معیار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہوں گے۔ مشرکوں کو اس سے کراہت ہو گی، مگر انہیں بھی حق کو ماننا ہی پڑے گا۔

حاصل : اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہدایت اور دینِ حق کے طالب کو آپ سے محبت رکھنی چاہئے۔ غلبہ تمام ادیان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہی ملے گا۔ جب اسلام کا باقی تمام ادیان سے مقابلہ ہو گا تو کوئی بھی دین سوائے اسلام کے تضادات سے پاک ثابت نہیں ہو گا۔ اسلام کا غلبہ، معقولیت اور حجّت کے ساتھ ہو گا۔ مشرک اس سے کراہت تو کریں گے مگر حق کو مانے بغیر چارہ ہی نہ ہو گا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْأَحْبَارِ وَٱلرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۗ وَٱلَّذِينَ يَكْنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾

اے ایمان والو! بہت سے احبار اور رہبان باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جوڑ کر رکھتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں المناک عذاب کی بشارت دیجئے۔

ایمان والوں کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ بہت سے پادری اور جوگی لوگوں کو الجھاتے ہیں، اور لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں۔ ان کو اس طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ لوگ انہیں اپنا محسن اور نجات دہندہ سمجھنے لگتے ہیں، اور اپنے مسائل کے حل میں ان سے اعانت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ یہ پادری اور جوگی جانتے ضرور ہیں کہ حق کیا ہے۔ مگر یہ ذاتی منفعت کے لئے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور حرام کھاتے ہیں۔ جو مال کو ہی باعث اطمینان قلب جانتے ہیں وہ سونے اور چاندی کو جوڑ کر رکھتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، کہ اس سے مال کے کم ہو جانے کا یقین ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی سوچ میں اس قدر ٹیڑھ آجاتی ہے کہ مال کا جمع کرنا ہی ان کا مقصدِ حیات بن جاتا ہے۔ یہ مال ان کی ضروریات پر بھی خرچ نہیں ہوتا۔ جب عمل کے لئے دی گئی مہلت قریب الاختتام ہوتی ہے تو وہ جمع کردہ مال، لوگ لوٹ کر لے جاتے ہیں، حساب کتاب جمع کرنے والوں کے گلے پڑ جاتا ہے۔ دنیا میں بھی یہ المناک عذاب ہے، آخرت میں تو ہو گا ہی۔

حاصل : لوگوں کا مال ناحق کھانا حرام ہے۔ حرام خور اپنی ذاتی منفعت کے لئے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ جو لوگ سونے اور چاندی کے جمع کرنے کو ہی مقصدِ حیات بنالیتے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کا جمع کردہ مال، لوگ لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ حساب جمع کرنے والوں کے گلے پڑ جاتا ہے۔ دنیا میں یہ المناک عذاب ہے، آخرت میں تو ہو گا ہی۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

جس دن کہ اس پر جہنم کی آگ دہکائیں گے۔ پھر اس سے ان کے ماتھے، اور کروٹیں اور پیٹھیں داغیں گے۔ یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا۔ تو مزہ چکھو اس جوڑنے کا۔

وہ سونا اور چاندی جو راحت افزا سمجھ کر جمع کیا جاتا ہے، اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا جاتا۔ جب ایسے مال دار کو جو مال کے جمع کرنے کو ہی مقصد حیات ٹھہرا لے، اللہ کی راہ پر خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے، تو اس کے ماتھے پر بل آجاتے ہیں، اور وہ یہ کہتا ہے: مانگنا انتہائی قابل نفرت فعل ہے، انسان کو محنت کرنی چاہئے۔ ایسے ماتھے پر اس کا جمع کردہ مال جہنم کی آگ میں گرم کر کے لگایا جائے گا۔ مال کے جمع کرنے والے کو جب کسی ایسے مقام پر فی سبیل اللہ خرچ کرنے کو کہا جائے، جس پر وہ اعتراض نہ کر سکے تو پہلو بچا کر نکل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے پہلو کو بھی اس مال سے داغا جائے گا۔ مال کو جوڑ کر رکھنے والا، اگر کہیں نمود و ریا کے لئے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا وعدہ کرے اور اسے بعد میں یہ نظر آنے لگے کہ اس خرچے سے اس کا مال بڑھے گا نہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔ وعدہ بھی تو اس کے نزدیک وہی اہم ہوتا ہے، جس سے مال بڑھے، یا کم از کم محفوظ تو رہے۔ ایسے پیٹھ پھیر کر چل دینے والے کی پیٹھ کو، اس کے جمع کردہ مال سے جہنم کی آگ میں دہکا کر داغا جائے گا۔ اور اسے بتایا جائے گا، یہ ہے وہ جو تم نے جوڑ کر رکھا تھا، اس کا مزہ چکھنا بھی تمہارا ہی کام ہے۔

حاصل : زکوٰۃ دینے سے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا مقام آتا ہے۔ زکوٰۃ کی حد مقرر ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی حد مقرر نہیں ہے۔ جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت سے اس کے ماتھے پر بل پڑیں، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے پہلو تہی کرے۔ اگر کہیں وعدہ خلاف سے مال بڑھتا ہوا نظر آئے یا بچتا ہوا نظر آئے تو پیٹھ پھیر کر چلا جائے۔ ایسے ماتھے کو ایسے پہلو کو، ایسی پیٹھ کو اس کے جمع کردہ مال سے جہنم کی آگ میں دہکا کر داغا جائے گا۔ مال کو ناحق جوڑ کر رکھنے کا مزا ابتداء میں کچھ اور ہوتا ہے، انتہا میں کچھ اور ہوتا ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

بے شک مہینوں کی گنتی، اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے، اللہ کی کتاب میں، جب سے اس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا، ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ اور مشرکوں سے بہرحال لڑو جیسے وہ تم سے بہرحال لڑتے ہیں۔ اور معلوم رہے کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

آسمانوں اور زمین کا خلق فرمانے والا وحدہٗ لاشریک ہی وقت کے لئے پیمانے کا تعین کر سکتا ہے۔ معاملات میں وقت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہاں قمری مہینوں کے حساب کو جاری کریں۔ یہی حکم مسلسل چلا آرہا ہے۔ قمری مہینے بارہ ہیں، اور ابتداء کائنات سے یہ حساب ایسے چلا آرہا ہے۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ ذیقعد، ذی الحج اور محرم یہ تین متصل ہیں، اور چوتھا رجب ہے۔ پہلے بھی ان مہینوں میں جدال و قتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا، اور بڑے دشمنوں سے بھی ان ایام میں تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ ان دنوں میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کو گناہ اور نافرمانی سے توڑنا، اپنے اوپر صریحاً ظلم کرنے والی بات ہے۔ مشرکین اگر حرمت والے مہینوں میں مسلمانوں سے لڑیں تو جواباً خاموشی اور امن کا مظاہرہ درست نہیں ہوگا۔ اللہ سے ڈرنے والوں کو اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔ اس لئے نہ وہ دشمن کے سامان حرب سے خوفزدہ ہوتے ہیں، نہ دشمن کی تعداد انہیں مرعوب کرتی ہے۔

حاصل : وہی تقویم سند کا درجہ رکھتی ہے، جو خالق ارض و سماوات کی طرف سے بیان فرمائی گئی ہے۔ حرمت والے مہینوں کا تعین کر دیا گیا ہے۔ ان کا ادل بدل کرنا گناہ ہے۔ ان ایام میں

دشمن کی طرف سے جنگ مسلط کر دی جائے تو جواباً لڑائی ضروری ہوتی ہے۔ مسلمان، اللہ کے ساتھ سے جو قوت حاصل کرتے ہیں، اس قوت کے مقابل، کوئی تعداد، کوئی سامان، کوئی تیاری حقیقت ہی کیا رکھتی ہے۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۸

ان کا مہینے پیچھے ہٹانا، کفر میں بڑھنا ہے۔ اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں۔ ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں، اور دوسرے برس اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ تاکہ گنتی پوری کر لیں، جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ تو حلال قرار دیتے ہیں، جو مہینہ کہ اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ ان کے برے اعمال انہیں بھلے لگتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔

حرمت والے مہینوں کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا ہے۔ کافر اپنی خواہشات کے تحت ایک مہینے کی حرمت دوسرے مہینے کی طرف ہٹا دیتے تھے، مثلاً محرم میں جنگ کو جاری رکھا۔ اور صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا۔ یہ بھی مناسب نہیں لگا تو ربیع الاول کو حرمت والا مہینہ ٹھہرایا۔ ایک برس میں حرمت کسی مہینے کی ہوئی، دوسرے میں کسی دوسرے کی ہو گئی۔ اس طرح تحریم سال کے تمام مہینوں میں گھومتی رہتی، صرف گنتی کو پورا کیا جاتا تھا۔ اس کو "نسیٓ" کہا جاتا تھا۔ "نسیٓ" کو کفر میں بڑھنے کا باعث فرمایا گیا ہے۔ یہ ممنوع ہے۔ حرمت والے مہینوں میں تحریم قتال کو حلال جاننا، اور اپنی طرف سے حدود کو وضع کر لینا، قطعاً حرام ہے۔ ایسے لوگوں کو ان کے اعمال میں زینت اور خوبی نظر آتی ہے، اور وہ وضع الٰہی کے مطابق ماہ ہائے حرام کی تخصیص کو بدل لینے کا جواز دیکھنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں مل سکتی۔

حاصل : نسیٓ، حرمت والے مہینوں کو بدلنے کی سعی ہے اور یہ ممنوع ہے۔ اللہ کی مقرر کردہ تحریم کو حلال قرار دینے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ جو لوگ خلاف حق کرنے کے باوجود اپنے اعمال میں خوبی دیکھتے ہیں، ان کو کبھی ہدایت نہیں ملتی۔ حرمت والے مہینوں کی اللہ نے تخصیص فرمائی ہے۔ اس تخصیص کو ادب سے مانا جائے تو فائدہ پہنچتا ہے، ورنہ فائدہ پہنچ ہی نہیں سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور میں ارشاد فرمایا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَإِنَّهُۥ يَأْمُرُ بِٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ ۚ (۲۱)

اے ایمان والو شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ اور جو شیطان کے قدموں پر چلے گا تو وہ اسے بے حیائی اور برائی کا ہی امر کرے گا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ ٱنفِرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱثَّاقَلْتُمْ إِلَى ٱلْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فِى ٱلْءَاخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ (۳۸)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے فرمایا جاتا ہے اللہ کی راہ میں کوچ کرو، تو زمین پر گرے جاتے ہو۔ تو کیا تم آخرت کو چھوڑ کر حیاتِ دنیا پر راضی ہو گئے۔ تو متاعِ حیاتِ دنیا آخرت کے سامنے قلیل ہی ہے۔

یہ خطاب ایمان والوں سے ہے۔ اس لئے یہ وہی لوگ تھے، جو ابھی مبتدی تھے، جن کے سامنے متاعِ حیاتِ دنیا اہمیت رکھتی تھی، جنہیں دشمن کی کثرت اور قوت کے بارے میں کچھ علم تھا، مگر وہ حکم جہاد دینے والی ذات بابرکات کے علم اور محبت کو نہیں جانتے تھے۔ اس لئے جب اللہ کی راہ میں کوچ کرنے کا حکم ملا، تو وہ لوگ جو سفر کی طوالت اور صعوبت کو دیکھ رہے تھے، اپنی استعداد اور استطاعت کو دیکھنے لگے۔ یوں ان کے قدم بھاری ہو گئے، اور انہیں جہاد پر جانا گراں معلوم ہوا۔ حکم دینے والے کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ وہ دشمن کی کثرت و قوت کے ساتھ ساتھ اپنی حیثیت کا بھی علم رکھتا ہے۔ اور جنہیں جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے، ان کی بھلائی کے لئے دیا جا رہا ہے۔ حیات دنیا کو آخرت کے مقابل عزیز جاننا خلاف حق ہے اور کم علمی کی بات ہے۔ حیات دنیا میں حاصل ہونے والی متاع، حیاتِ اخروی میں حاصل ہونے والی متاع کے سامنے ہیچ ہے۔

حاصل : حق کا حکم دینے والے کو محبوب ماننا چاہئے۔ ماننے والے، حکم دینے والے کی آنکھوں سے دیکھیں گے تو کبھی پریشانی نہیں ہو گی، اپنی نظر سے دیکھیں گے تو محبوب کی معیت کا حق نہیں ادا ہو گا۔ متاعِ حیات دنیا، آخرت کے سامنے قلیل ہے، اور اس کی طرف جھکنا گھاٹے کا سودا ہے۔

إِلَّا تَنفِرُوا۟ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْـًٔا ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ (۳۹)

اور اگر تم نہ نکلو گے تو تمہیں عذاب دے گا، المناک عذاب، اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا، اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

ایمان والوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ اگر تم اطاعت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں کوتاہی کرو گے، اور جہاد کے لئے گھروں سے نہ نکلو گے تو تم کو المناک عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔ جو خدمت تمہارے لئے باعث عزت و تکریم تھی، اس کے لئے اللہ دوسرے لوگ لے آئے گا۔ وہ حق کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کریں گے۔ یہ ساری تبدیلی تمہارے سامنے آئے گی، اور تم اس کو روک نہیں سکو گے۔ کچھ کر نہیں سکو گے، اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

حاصل : امیرالمومنین کی اطاعت میں جہاد کے لئے نکلنا ایمان والوں کے لئے بڑی سعادت ہے۔ اس سعادت کی ناشکری کی جائے تو المناک عذاب کے ساتھ توفیق چھن جاتی ہے۔ جس معطئ مطلق نے ہمیں توفیق دی ہے، وہ دوسروں کو بھی خدمت کا شرف بخش سکتا ہے۔ دین حق کی خدمت کا شرف حاصل ہو، تو اللہ کا اور اس کے عباد مخلصین کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

اگر تم آپ کی نصرت نہیں کرو گے، تو اللہ نے آپ کی نصرت فرمائی ہے جس وقت کافروں نے آپ کو نکالا تھا کہ آپ دو میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے ساتھی سے فرماتے تھے، غم نہ کیجئے بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ نازل فرمایا، اور ان لشکروں سے ان کو مدد دی جو تم نے نہ دیکھے، اور کافروں کی بات کو پست کیا۔ اور اللہ ہی کا بول بالا ہے۔ اور اللہ عزت والا، حکمت والا ہے۔

ایمان والوں سے خطاب ہے کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اطاعت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں خرچ کرنا بڑی سعادت ہے۔ اگر تم حضور ؐ کا ساتھ دو گے تو تمہیں فلاح دارین حاصل ہو گی۔ اور اگر ایسا نہ کرو گے، تو نصرت کی اس توفیق کی ناشکری ہو جائے گی، جو اللہ نے تمہیں دی ہے۔ اللہ نے آپ سے نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ بندوں میں سے جو بھی آپ کی نصرت کرے گا، انعام یافتہ ہو جائے گا، جو نہیں کرے گا، نامراد ہو گا۔ نتائج تو ہمیشہ باذن اللہ ہوتے ہیں۔ جب کافروں نے یہ تجویز کی کہ آپ سے بالاتفاق اور یکبارگی مقابلہ کیا جائے، تاکہ عداوت کے اثرات کی شدت کو کم کیا جا سکے، تو انہوں نے ایک چال چلی۔ اللہ

نے آپ کی مدد فرمائی۔ آپ ان کے گھیرے سے نکلے اور سلامتی کے ساتھ نکلے۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس سفر کا اہتمام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دو میں سے دوسرے تھے۔ ابتداء سفر میں جب دونوں غار میں تھے، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا غم تھا۔ بڑا فکر تھا کہ کافر نشانات قدم کو دیکھتے دیکھتے اس قدر نزدیک آگئے ہیں، اگر آمنا سامنا ہو گیا تو اتنی بڑی تعداد سے کیسے مقابلہ ہو گا، اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیت کا حق کس طرح ادا ہو گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کو تسلی دی، اور فرمایا: غم نہ کیجئے، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے "ساتھ" سے بڑا کوئی "ساتھ" نہیں ہے۔ اس نے ہماری نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اس سے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو تسکین حاصل ہوئی۔ اللہ نے اس طرح مدد فرمائی، جو اسی کی شان کے لائق تھی۔ ایسے لشکروں سے مدد دی جو اور کسی کے پاس ہو ہی نہیں سکتے۔ اس علم سے مدد فرمائی جو کسی دوسرے کو ہو ہی نہیں سکتا۔ نتیجہ وہی ہوا جو اللہ نے چاہا۔ کافروں کی بات پست ہوئی۔ اللہ کا بول بالا ہوا۔ کافر یہ چاہتے تھے کہ پیغام حق کے مقابل کفر و شرک کو عروج ہو۔ اللہ نے انہیں نامراد ٹھہرایا۔ ان کی تجویز خاک میں ملی۔ اللہ ہر حال میں غالب، حکمت والا ہے۔ اللہ جسے کامیاب کرنا چاہے، اسے کوئی ناکام نہیں کر سکتا۔ اور جسے اللہ نے کامیاب کرنے کا وعدہ فرما رکھا ہے، اس کا ساتھ دینا بہت بڑی سعادت ہے۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نصرت کی سعادت بہت بڑا شرف ہے۔ کافروں کی تجاویز میں اجتماعیّت ہوتی ہے۔ محبّ کو محبوب کے لئے پورا اہتمام کرنا چاہئے۔ جس کو اپنی ذات کی فکر ہو وہ ساتھی نہیں ہوتا۔ تسلی دینا، بڑے علم والے کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ اللہ سکون دے تو سکون ملتا ہے۔ اللہ جو مدد دے سکتا ہے، وہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ کافروں کی بات، اللہ کی بات کے مقابل پست ہی ہوتی ہے۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

نکلو، ہلکے اور بھاری، اور اپنے اموال و انفس سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تمہیں علم ہو۔

حکم یہ ہے کہ جہاد کے لئے نکلنے کا فرمان سن کر فوراً اللہ کی راہ میں اپنے اموال و انفس کے ساتھ حاضر ہو جاؤ۔ جس کے پاس سامان کم ہو، وہ مزید سامان کا انتظار نہ کرے، اس کی کم سامانی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ وہ امیر المومنین کی اطاعت کے لئے فوراً حاضر ہو جائے۔ یہی حق ہے۔ اور جس کے پاس سامان ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بڑی سعادت سمجھتے ہوئے، بڑے سامان کے ساتھ نکلے۔ ہلکے نکلنے والوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ عطائے الٰہی کو حال پر پورا دیکھتے ہوئے جہاد کے بلاوے پر فوراً حاضر ہو جائیں۔ اور بھاری نکلنے والوں کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی پر لگانے کی سعادت سے برکت حاصل کریں۔ علم ہو گا تو کم سامانی تخلف کا جواز نہیں بنے گی، اور علم ہو گا تو عطائے الٰہی کو صحیح محل پر استعمال کیا جائے گا۔ بہتری دونوں حالتوں پر موجود ہے۔

حاصل : جہاد کے بلاوے پر اللہ کی راہ میں نکلنے کو اپنے لئے سعادت جاننا چاہئے۔ موجود کو پورا جانتے ہوئے فوراً حاضر ہو جانا چاہئے۔ علم ہو تو اللہ کی رضا کو مقصود ہونا چاہئے کہ بہتری اسی میں ہے۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾

اگر مال قریب ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا، تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ لیکن ان پر مشقت کی راہ لمبی ہو گئی۔ اور اب اللہ کی قسمیں کھائیں گے، اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور اللہ کو علم ہے، یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔

جہاد سے جی چرانے والوں کو اگر یہ نظر آتا کہ دنیاوی نفع قریب ہے اور مشقت کم ہے، تو وہ ضرور جہاد کے لئے مومنین کے ساتھ نکلتے۔ مگر جب انہیں لمبی مشقت نظر آئے اور مال کے بارے میں بھی یہ محسوس ہو کہ وہ مشقت کی نسبت سے کم پڑے گا، تو پھر وہ جہاد کی راہ سے اجتناب کریں گے، اور اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لئے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہمیں استطاعت نہیں تھی، ورنہ ہم جہاد کے بلاوے پر فوراً نکلتے۔ استطاعت کے نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ جسمانی بیماری جہاد کے قابل نہ رہنے دے، یا ایسی خدمت میں مصروفیت ہو کہ اسے مؤخر نہ کیا جا سکتا ہو، اور اپنی جگہ اس خدمت کو سرانجام دینے والا نہ ملے۔ اللہ نے شہادت دی ہے کہ جو لوگ مال کی محبت کے لئے کوشاں رہتے ہیں، وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں، اور جھوٹی قسمیں کھا کر مخلصین کو اپنے تخلف کا جواز بتاتے ہیں۔

حاصل : نفع قریب نظر آئے اور مشقت کوئی نہ ہو، تو جہاد کے لئے نکلنا نفس کو مرغوب ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں اجتناب کی راہ عزیز ہوتی ہے۔ لوگوں کو قسمیں کھا کر اپنی عدم استطاعت کا یقین دلانا، جھوٹے ہونے کی نشانی ہے۔ جھوٹی قسمیں کھانا باعث ہلاکت ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالی نے سورۃ حم السجدہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾

"اور تم اس سے کہاں چھپ کر جاتے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری جلدیں گواہی دیں۔ لیکن تم سمجھتے تھے کہ اللہ کو تمہارے بہت سے کاموں کا علم نہیں ہے۔" اور اس گمان کا حاصل ہلاکت و خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

اللہ آپ پر مہربان ہو، آپ نے انہیں کیوں اذن دے دیا، حتیٰ کہ صادق آپ پر ظاہر ہو جاتے، اور آپ کو کاذبین کا علم ہو جاتا۔

جہاد سے جی چرانے والے، جب رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اجازت چاہتے کہ انہیں پیچھے ٹھہرے رہنے کی اجازت دی جائے، اور ان کی معذرت قبول کی جائے، تو آپ انہیں اجازت دے دیتے تھے۔ جہاد میں جانے کے لئے اپنے مال و جان کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا جذبہ ہو تو حق ادا ہو سکتا ہے۔ معذرت کرنے والا، اس جذبے سے خالی ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے کید و نفاق سے اغماض برتنا، انہیں رعایت دینے کے لئے ہوتا ہے۔ اس رعایت سے انہیں مہلت ملتی ہے کہ وہ اپنی ترجیحات کو درست کرلیں۔ ان کے تجربات ان پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا رخ صحیح نہیں ہے۔ جس کا عذر حقیقی ہو، وہ اپنی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔ مطلوبہ امر پر مصر نہیں ہوتا۔ اور اگر بہتر جاننے والے کی طرف سے تسلی اور دعا شامل حال ہو جائے تو انتہائی خوشی سے جہاد کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ صداقت کی نشانی ہے کہ اپنی کیفیت کو بیان کر کے فیصلے کو ادب سے مانا جائے۔ کذب کی صورت میں اپنی سوچ ہی صحیح نظر آتی ہے، اور بہتر جاننے والے کا امر اس کے خلاف ہو تو ماننے سے کراہت ہوتی ہے۔

حاصل : حق کے ماننے کا دعویٰ کرنے والوں کی صداقت واضح ہو جائے اور اگر جھوٹے ہوں تو ان کا کذب معلوم ہو جائے، یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ دونوں عملاً ساتھ ساتھ چلتے رہیں۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور وہ جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں، آپ سے رخصت نہیں مانگتے اس لئے کہ اپنے اموال و انفس سے جہاد کریں، اور اللہ متّقین کو جانتا ہے۔

جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور یوم آخر کو مانتے ہیں، ان کا رخ ہر مقام پر رضائے الٰہی کے حصول کا ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ دین حق کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ حکم خداوندی کے مطابق اپنے اموال و انفس سے جہاد کیا جائے۔ یہ شرف اور یہ سعادت نصیب ہو رہی ہو، تو اس سے بچنے کی کوشش، ایمان کی نفی کر دے گی۔ اللہ سے ڈرنے والے کبھی اپنی خواہشات کو اہمیت نہیں دیتے۔ خلوت و جلوت میں یہ لوگ اپنے اعمال پر نظر رکھتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں، اور رضائے الٰہی کے مطابق انہیں کیا کرنا چاہئے۔ تقویٰ کے نام پر اگر کوئی اپنی خواہش کی پیروی کر رہا ہو تو وہ اللہ سے مخفی نہیں ہوتا۔ اللہ ہر ایک کو جانتا ہے اور ہر حال میں جانتا ہے۔

حاصل : اللہ اور یوم آخر پر ایمان ہو، تو جہاد سے پیچھے رہنے کی رخصت مانگ کر اپنے اموال و انفس کی ناشکری نہیں کی جا سکتی۔ متّقین کا ہر عمل اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ ہر ایک کی ہر حالت کو

جانتا ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

رخصت آپ سے وہی مانگتے ہیں، جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کے قلوب شک میں پڑے ہیں۔ تو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں۔

اموال و انفس کو رضائے الٰہی پر لگانے کا موقع مل رہا ہو، تو اجتناب کی کوشش کرنے والا وہی ہو گا، جو اللہ کو معطئ مطلق نہیں مانتا اور یہ یقین نہیں رکھتا کہ اسے اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ ایسے لوگوں کے دل شک میں پڑے رہتے ہیں، اور وہ اپنے شک میں ہی بھٹکتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ دین حق کا غلبہ قریب آ رہا ہے، اور کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ تردد انہیں بہر حال رہتا ہے۔

حاصل : جہاد سے اجتناب کی کوشش وہی کرے گا جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتا۔ دل میں شک ہونا اور بات ہے، اور دل کا شک میں ہونا دوسری بات ہے۔ متردّد کسی سے نظریاتی تعلق نہیں رکھتا، وقتی اور قریبی فائدے کے لئے ہمیشہ بے چین رہتا ہے۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر وہ نکلنا چاہتے، تو ضرور اس کا سامان تیار کرتے، مگر اللہ کو ان کے اٹھنے سے کراہت ہوئی تو انہیں روک دیا۔ اور فرمایا گیا، بیٹھے رہو، بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ۔

جو لوگ جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ ضرور اس کے لئے تیاری کرتے رہتے ہیں۔ یہ تیاری سامان حرب کا حسب استطاعت حاصل کرنا اور اس کے استعمال کی مشق کرنا بھی ہوتی ہے۔ جسمانی طور پر اپنے آپ کو جہاد کے لئے بہترین حالت میں رکھنے کے لئے ہوتی ہے۔ اپنے جانے کے بعد انتظام و انصرام کو ٹھیک رکھنے کے لئے بھی ہوتی ہے۔ اور حکم جہاد کے سنتے پر فوراً حاضر ہو جانے کے لئے بھی ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے جہاد پر نہ جانے کی اجازت چاہی انہوں نے اللہ کی پسندیدہ طریقت سے بچنے کی سعی کی، اللہ کو مخلصین کے ساتھ ایسے لوگوں کا اٹھنا ناپسند ہوا، تو اس نے انہیں روک دیا، اور فرمایا گیا تم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ بیٹھے رہنے والوں میں جسمانی مریض، جہاد کے مقررہ معیار سے کم عمر بچے، عورتیں اور وہ لوگ جو دائمی طور پر ایسی تکلیف میں مبتلا ہوں کہ جہاد ان کے بس میں نہ ہو، شامل ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہنے والے اگر جسماً ٹھیک ہوں اور جہاد کے لئے اہلیت کے مقررہ معیار کے مطابق ہوں تو انہیں اپنے مقام کو دیکھنا چاہئے، انہیں نظر آنا چاہئے کہ وہ

مردانگی کی صفت کھو بیٹھے ہیں۔

حاصل : جہاد کے لئے عزم ہو تو تیاری ضرور کی جاتی ہے۔ جسمانی طور پر خود کو بہترین حالت میں رکھنا، حسب استطاعت سامان حرب رکھنا اور اس کے استعمال کی مہارت حاصل کرنا، اپنے جانے کے بعد انتظام و انصرام کو ٹھیک رکھنے کا بندوبست کرنا اور حکم جہاد کو سن کر فوراً حاضر ہونے کی سعی کرنا یہ سب جہاد کی تیاری ہے۔ متردّد کا مخلصین کے ساتھ جہاد کے لئے اٹھنا اللہ کو ناپسند ہے۔ جہاد کے لئے توفیق ہو اور بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہنے کو پسند کیا جائے تو یہ مردانگی کی صفت کو کھو دینے والی بات ہے۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اگر وہ تم میں نکلتے تو تم میں خرابی ہی بڑھاتے، اور تمہارے اندر فتنہ پردازی کے لئے دوڑ دھوپ کرتے۔ اور تم میں ان کے لئے سننے والے موجود ہیں۔ اور اللہ ظالمین کو جانتا ہے۔

جہاد سے جی چرانے والے اگر مخلصین کے ساتھ نفیر عام کو سن کر نکلتے تو اس سے مومنین کو فائدے کی بجائے خرابی ہی ملتی کہ جن کو ایسے موقع پر اپنی جان عزیز ہوتی ہے، وہ نامردی کا اظہار بہر طور کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سپرد جو کام بھی ہو گا، کبھی ٹھیک نہیں ہو گا، اور اس سے مومنین کی مجموعی کارکردگی بری طرح متاثر ہوگی۔ فتنہ پردازی کو یہ لوگ اس طرح پسند کرتے ہیں کہ جھوٹی خبروں سے مومنین کو پریشان کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ مومنین کی صفوں میں ایسے لوگ ہیں، جو ان کے لئے جاسوسی کرتے ہیں، اپنے راز انہیں بتاتے ہیں، اور ان کی باتوں کا اثر بھی قبول کرتے ہیں۔ یہ بات خلاف حق ہے. ظلم ہے، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ وہ ظالموں کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔

حاصل : نامردوں کے ساتھ سے ہمیشہ خرابی ہی ملتی ہے۔ جہاد کے موقع پر جسے اپنی جان عزیز ہو، وہ جھوٹی خبریں بناتا بھی ہے، پہنچاتا بھی ہے۔ مومنین کے راز، دشمنوں کو پہنچانا ظلم ہے اور اللہ ظالمین کو خوب جانتا ہے۔ ہمیں مردوں اور نامردوں کے مابین امتیاز برتنا چاہئے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ

بے شک انہوں نے پہلے ہی فتنہ چاہا تھا، اور آپ کے کاموں کو الٹتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حق آیا اور اللہ کا امر ظاہر ہوا، اور

وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴿۴۸﴾

وہ ناخوش تھے۔

منافقین تو شروع سے ہی فتنہ پردازی میں لگے رہتے تھے۔ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ جس نے بھی ایسے لوگوں کی بات کو لائق توجہ سمجھا، اس کا رخ درست نہیں رہا۔ اسی طرح یہ کاموں کو الٹتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حق آیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و نصرت ملی، اور اسلام کا غلبہ ظاہر ہوا، تو فتنہ انگیزیاں کرنے والے لوگ بہت ناخوش ہوئے۔ وہ حالات ہی نہ رہے جن میں ان کا کام جاری رہ سکتا تھا۔

حاصل : فتنہ پردازی اور مکّاری منافقوں کا کام رہا ہے۔ جو ان کے مکر میں پھنس جائے اس کا رخ درست نہیں رہتا۔ مومنین کو تائیدِ ایزدی ملے اور اسلام کو غلبہ حاصل ہو، منافقین کو اس سے کراہت ہوتی ہے کہ اس طرح ان کا کام جاری نہیں رہ سکتا۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۹﴾

اور ان میں سے کوئی عرض کرتا ہے، مجھے رخصت دیجئے اور فتنے میں نہ ڈالیئے۔ سن لو وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں۔ اور بے شک جہنم کافروں کا احاطہ کر رہی ہے۔

جہاد کے لئے بلاوے کے جواب میں پیچھے بیٹھ رہنے کی طلب رکھنے والے لوگوں میں ایسے بھی ہیں، جو رخصت کی درخواست کے ساتھ دعوت جہاد کو اپنے لئے فتنہ قرار دیتے ہیں، اور اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کی کوشش میں جہاد سے رک جانا چاہتے ہیں۔ یہ بیان ان کی باطنی کیفیت کو واضح کرتا ہے۔ فرمان رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خلاف ورزی کرنے والا اور بے ادبی کا مرتکب، ایمان والا ہو ہی نہیں سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ اور ان کے تابعین مخلصین کے ساتھ جس کے رویئے میں بے ادبی پائی جائے وہ دوزخ کے احاطے میں آ رہا ہوتا ہے۔ اس کا دعویٔ ایمان واخلاص کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

حاصل : جہاد پر نہ جانے کی اجازت چاہنے والا، امام المخلصین کے ساتھ آداب گفتگو کے دائرے سے باہر چلا جائے، تو اس کے لئے سلامتی کسی مقام پر موجود نہیں رہتی۔ وہ جہنم کو مطلوب ہوتا ہے۔ عمل کے لئے دیئے گئے باقی وقت میں اسے خوف و حزن گھیرے رکھتا ہے، آخرت میں آگ اس کو گھیرے گی۔

اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۰﴾

اگر تمہیں بھلائی پہنچے تو وہ انہیں بری لگتی ہے۔ اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنا کام سنبھال لیا تھا،

اور پھر جاتے ہیں اور انہیں فرحت ہوتی ہے۔

منافقین کی کیفیت قلبی یہی تھی کہ اگر مومنین کو کامیابی حاصل ہو، تو وہ انہیں بری لگتی تھی۔ منافقین کو تائیدِ ایزدی اور نصرتِ الٰہی کا یقین تو ہوتا ہی نہیں۔ وہ مادی چیزوں کو بنیاد بنا کر اندازے لگاتے ہیں۔ جب ان کا اندازہ غلط ثابت ہو تو یہ انہیں برا لگتا ہے۔ اور اگر ان کا اندازہ درست نکلے یعنی مؤمنین کو دشمن سے تکلیف پہنچے اور دشمن کا پلہ بھاری رہے، تو منافق کہتے ہیں، ہم نے تو پہلے ہی دیکھ لیا تھا، اور اپنا کام سنبھال لیا تھا۔ اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ضروری نظر آئی ہم نے کر لی تھی۔ ایسے موقع پر یہ لوگ اپنی سوچ کو، اپنی تجویز کو، بہت اہم ثابت کرتے ہوئے خوش ہوتے تھے، اور اپنے خلاف حق عمل کے ہر ہر حصے پر فرحت کا اظہار کرتے تھے۔

حاصل : منافقین تائیدِ ایزدی اور نصرتِ الٰہی کا یقین نہیں رکھتے۔ ان کے حساب کے خلاف اگر مومنین کو کامیابی ہو تو انہیں بُری لگتی ہے۔ ان کے اندازے کے مطابق صورت بن جائے، تو وہ اپنے عمل کو دور اندیشی کا نام دیتے ہیں، اور فرحت کا اظہار کرتے ہیں۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

فرما دیجئے ہمیں نہیں پہنچے گا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا۔ وہی ہمارا مولیٰ ہے۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا، جو بھی ہمارے ساتھ ہو رہا ہے اسے باذن اللہ ماننا حق ہے، اور جس کی ہم سے پوچھ ہو گی اس کو رضائے الٰہی کے مطابق کرنا ہم پر فرض ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے، ہمارا اس سے بڑا دوست کوئی نہیں۔ اس سے بڑا علم بھی کسی کو نہیں۔ اس سے بڑی قدرت والا بھی کوئی نہیں۔ وہ ہمارے لئے جو پسند کرتا ہے، اس سے اچھا ہمارے لئے کچھ نہیں۔ مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ متوکل یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کی ضروریات جو اس کے علم میں ہیں، اور جو اس کے علم میں نہیں ہیں، سب اللہ کے علم میں ہیں۔ معطیٔ مطلق کی عطا میں خطا نہیں ہوتی۔ عطا کا کلی طور پر علم رکھنے والا اللہ کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔ اس لئے اس وحدہ لاشریک کی عطا حال پر بھی علم سے ہے اور پوری ہے، مستقبل میں بھی پوری ہو گی اور علم سے ہو گی۔

حاصل : ہمارے ساتھ جو ہو رہا ہے اس کو باذن اللہ ماننا حق ہے۔ جو ہم کر رہے ہیں، اس کو رضائے الٰہی کے مطابق کرنا ضروری ہے کہ ہم سے اس کی پوچھ ہو گی۔ اللہ سے بڑا ہمارا کوئی دوست نہیں۔ اس پر توکل ہو تو کسی مقام پر بھی کمزوری کا اظہار نہیں ہونا چاہئے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ

فرما دیجئے تم ہم پر کس چیز کے انتظار میں ہو مگر دو خوبیوں میں سے ایک کے، اور ہم تم

يُّصِيبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

پر اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تم پر عذاب ڈالے اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں۔ تو اب راہ دیکھو، ہم بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہے ہیں۔

مومنین کا رخ ہر مقام پر سیدھا ہوتا ہے۔ رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر وہ شاہدین کا اتباع کرتے ہیں۔ جہاد کی صورت میں اگر شہادت کے دروازے سے گزر کر ان کی زندگی کا خاتمہ ہو تو یہ اعلیٰ مراد کا حصول ہو گا۔ اور اگر زندگی کا عمل جہاد کے بعد جاری رہا تو جو انعام اللہ عطا کرنا چاہے گا، عطا کرے گا۔ دونوں صورتیں خوب ہیں۔ کافروں کے لئے دو ممکن صورتیں یہ ہیں کہ اللہ انہیں عذاب دے گا، جس طرح پہلے منکرین حق کو عذاب دیتا رہا ہے، یا انہیں مومنین کے ہاتھوں سزا دلوائے گا۔ دونوں راستے واضح ہیں، انجام کو دیکھنا باقی ہے۔ نظر والے تو انجام کو دیکھ بھی رہے ہیں، بیان بھی کر رہے ہیں، منکرین اسے واقع ہونے پر دیکھ لیں گے۔

حاصل : مومنین جہاد میں شہید ہو جائیں، تو اعلیٰ مراد کو پالیتے ہیں، ورنہ غازی تو ہوتے ہی ہیں۔ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ عذاب آسکتا ہے، یا انہیں مومنین کے ہاتھوں سزا مل سکتی ہے۔ مومن کو نتیجہ نظر آرہا ہوتا ہے، کافر کو واقع ہونے پر پتہ لگتا ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

فرما دیجئے طوعاً خرچ کرو یا کرہاً، تم سے ہرگز قبول نہ ہو گا، بےشک تم فاسق لوگ ہو۔

جہاد سے جی چرانے والوں کے لئے فرمایا گیا ہے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول نہ ہو گا۔ منافق اگر خوشی سے خرچ کرے گا، تو بھی اسے اللہ کی رضا تو مطلوب نہیں ہوگی۔ ناخوشی کی بات تو واضح ہے۔ جو عمل اللہ کے لئے کیا ہی نہ جائے وہ عند اللہ قبولیت کا درجہ کیسے پاسکتا ہے۔ فاسق وہ ہوتے ہیں جو حکم خداوندی کو ادب سے نہیں مانتے بلکہ اسے اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حاصل : فاسق خوشی سے خرچ کرے یا ناخوشی سے، رضائے الٰہی سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اللہ کے ہاں قبولیت کے لئے اخلاص ضروری ہے۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ

اور ان کے خرچ کئے ہوئے کا قبول ہونا، اسی لئے موقوف ہوا کہ وہ اللہ اور اس کے

أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَوٰةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَـٰرِهُونَ ﴿٥٤﴾

رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے منکر ہوئے، اور نماز کے لئے ہارے جی آتے ہیں، اور خرچ نہیں کرتے مگر انہیں کراہت ہوتی ہے۔

جہاد پر اپنے اموال کو خرچ کرنا بڑی برکت کی بات ہے۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ خرچ کرنے والے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا مقصود ہو۔ منافق کو یہ مطلوب ہوتا ہے کہ لوگ اسے بڑا سمجھیں۔ وہ نماز بھی پڑھے تو ہارے جی کے ساتھ پڑھتا ہے۔ اس کی نماز میں کبھی خشوع نہیں ہوتا۔ رسمًا اور دکھاوے کے لئے نماز پڑھی جائے تو اس سے قلب کو سکون حاصل نہیں ہوتا۔ منافق جب بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس سے اسے خوشی نہیں ہوتی، کراہت ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو اسے ملا ہے اس کی کاوش کا صلہ ہے، اور جو اس کی کاوش کا صلہ ہے، اسے اس کی پسند کے مطابق خرچ ہونا چاہئے۔

حاصل : منکرینِ حق کا انفاق عند اللہ قبول نہیں ہوتا۔ نماز میں سستی اور انفاق فی سبیل اللہ میں کراہت منافقت کی نشانیاں ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَٰلُهُمْ وَلَآ أَوْلَـٰدُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَـٰفِرُونَ ﴿٥٥﴾

تو تمہیں ان کے اموال و اولاد پر تعجب نہ ہو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ انہیں ان کی وجہ سے حیات دنیا میں عذاب ہو، اور حالت کفر میں ہی ان کا دم نکلے۔

اموال و اولاد سے اگر کسی کافر کو بڑائی کا اظہار کرتے دیکھا گیا ہے، تو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں سے اس کی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اموال و اولاد کافر کے لئے وجہ استکبار ہیں۔ استکبار شیطانی صفت ہے۔ حیات دنیا میں بھی باعث عذاب ہے، آخرت میں بھی۔ اموال و اولاد سے حیات دنیا میں کافر کو عذاب یوں ہوتا ہے کہ پہلے ان کی محبت میں حدود اللہ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، پھر ان کو اللہ کی راہ پر نہیں لگایا جاتا، بلکہ خلافِ حق استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے دکھ ہی بڑھ سکتا ہے، راحت نہیں ہو سکتی۔ پھر اگر کافر کی اولاد اس کے راستے کو چھوڑ دے اور مخلصین کے اتباع کو اپنا شعار بنالے تو کافر کے لئے یہ انتہائی سزا ہوتی ہے، جو حیات دنیا میں اسے مل سکتی ہے۔ اموال و اولاد کو اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کرنے کی روش کافر کو کبھی فارغ تو ہونے نہیں دیتی، وہ ان چیزوں کو مقصود بالذّات بنا کر عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر لیتا ہے، اور حالتِ کفر میں ہی اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔

حاصل : جس کے اموال و اولاد خلاف حق استعمال ہو رہے ہیں، وہ یہاں بھی عذاب کی راہ پر ہے، آخرت میں تو اسے عذاب ہو گا ہی۔ اموال و اولاد کو اگر مقصود بنالیا جائے، تو پھر موت ہی ان سے

الگ کر سکتی ہے، مگر تب وہ حالت کفر میں آئے گی۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝۵۶

اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں۔ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ ولیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

منافقین اللہ کی قسمیں کھا کر مومنین کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ ان میں سے ہیں، حالانکہ وہ قطعاً ان میں سے نہیں ہیں۔ ڈرتے اس بات سے ہیں کہ اگر نفاق ظاہر ہو گیا تو پھر جو کچھ مشرکین کے ساتھ ہوا ہے، وہی ان کے ساتھ بھی ہو گا۔ جو قوت اپنی حقیقت کو چھپانے میں صرف ہو رہی ہوتی ہے، وہی منافقین کو مومنین سے الگ کر رہی ہوتی ہے۔

حاصل : قسمیں کھا کر دوسروں کو اپنے ایمان کا یقین دلانا، اور اپنی حقیقت کے ظاہر ہو جانے سے ڈرتے رہنا، منافقین کی نشانیاں ہیں۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝۵۷

اگر وہ کوئی پناہ پائیں، یا غار یا سما جانے کی جگہ پائیں تو رسیاں تڑاتے ادھر پھر جائیں گے۔

منافق وہ لوگ ہیں کہ اگر انہیں کوئی پناہ ملے، جہاں انہیں اپنی سلامتی خطرے میں نظر نہ آئے، یا کسی غار میں چھپ کر زندگی بسر کر سکیں، یا کہیں گھس بیٹھنے کی صورت نکل آئے تو ایمان والوں سے اپنا تعلق توڑ کر مخالف سمت میں بھاگتے انہیں دیر نہیں لگے گی۔

حاصل : منافق اگر پناہ پا سکے، یا چھپنے کی جگہ پا سکے، یا کہیں سما جانے کی جگہ پا سکے تو پھر وہ مومنین سے تعلق توڑ کر مخالف سمت میں بھاگتے دیر نہیں لگاتا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝۵۸

اور ان میں کوئی صدقات میں آپ پر طعن کرتا ہے۔ تو اگر ان میں سے عطا ہو تو راضی ہوں، اور عطا نہ ہو تو جبھی وہ ناراض ہیں۔

کچھ منافقین صدقات و غنائم کی تقسیم کے وقت زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہتے تھے کہ عدل کیا جائے اور ان کے نزدیک عدل یہی تھا کہ ان کی خوشی کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں دیا جائے، اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ ناخوش ہوتے تھے۔ خود غرضی منافق کو اندھا کر دیتی ہے، اور وہ شے کی طلب میں قاسم کے مرتبے کو بھی دیکھ نہیں پاتا۔

لئے ہوتی تھی کہ مومنین کو ان کے نفاق کا پتہ چل گیا تو رسوائی ہو گی۔ حیات دنیا میں اس رسوائی سے بچنے کی کوشش کے مقابل آخرت میں بڑی رسوائی سے بچنے کی فکر کیوں نہیں کرتے۔ انہیں بتا دیا گیا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ کرے وہ عطا کو معطیٔ مطلق کے خلاف استعمال کرنے کا مرتکب ہو گا اور اس ناشکری کی سزا اسے نار جہنم کی صورت میں ملے گی جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس سے بڑی رسوائی کوئی نہیں ہے۔ جس نے ہمیشہ اپنی خواہش کی پیروی کی ہو وہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔

حاصل : لوگوں کے سامنے اپنے نفاق کے کھل جانے کا ڈر ہو تو یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنے والی بات ہے اس کی جزا نارِ جہنّم کا دائمی عذاب ہو گا۔ منافق کی بے وقوفی دیکھئے، چھوٹی رسوائی سے بچنے کی کوشش میں بڑی رسوائی کو خرید لیتا ہے اور چھوٹی رسوائی سے بھی بچ نہیں پاتا۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾

منافق ڈرتے ہیں کہ مومنین پر کوئی ایسی سورۃ نازل ہو کہ انہیں بتا دے جو ان کے قلوب میں ہے۔ فرما دیجئے استہزاء کئے جاؤ۔ بے شک اللہ اسے ظاہر کرے گا، جس کا تمہیں ڈر ہے۔

منافق ڈرتے تھے کہ اگر مومنین کو کسی سورۃ کے نزول سے منافقین کی قلبی کیفیات معلوم ہو گئیں تو ان کے چھپے ہوئے مخاطبات نفاق اور بغض وعداوت سے پردہ اٹھ جائے گا اور اس سے بڑی رسوائی ہو گی۔ مگر وہ لوگ اپنی خلوتوں میں مومنین کے متعلق بدگوئی کرنے سے، ان کے ساتھ استہزاء کرنے سے اور دین اسلام کا مذاق اڑانے سے باز نہیں آتے تھے۔ اس پر فرمایا گیا ہے کہ تم استہزاء کا عمل جاری رکھو گے تو اللہ اس بات کو ضرور ظاہر کرے گا، جس کے ظاہر ہو جانے کا تمہیں ڈر ہے۔

حاصل : منافق ڈرتے ہیں کہ ان کے قلوب کی ناپاکی مومنین کے علم میں آ گئی تو رسوائی ہو گی مگر اس ناپاکی کو چھوڑتے بھی نہیں۔ جن کے قلوب میں مومنین کے لئے بغض وعداوت ہو، وہی خلوتوں میں ان کا مذاق اڑاتے ہیں، وہ کبھی رسوائی سے بچ نہیں سکتے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہیں گے کہ ہم تو بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔ فرما دیجئے کیا اللہ اور اس کی آیات

اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے استہزاء کرتے ہو۔

اگر منافقوں سے یہ پوچھا جائے کہ کیا تم نے مومنین کا مذاق اڑایا ہے تو وہ اس کے جواب میں یہی کہتے ہیں کہ ہم تو خوش وقتی اور دل لگی کی باتیں کر رہے تھے اور ہمارا اعتقاد تو بالکل ٹھیک ہے۔ اس پر فرمایا گیا ہے کہ کیا تم اللہ کے ساتھ مذاق کرتے ہو اس کی آیات کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے ہو۔ اللہ قادر مطلق ہے، اس کے ساتھ مذاق کرنا اپنی حقیقت کو نہ دیکھنے والی بات ہے۔ اس کی آیات کے ساتھ ٹھٹھا کرنا، اپنے گمان کو علم حقیقی کے مقابل اہمیت دینے والی بات ہے اور یہ جہالت کی انتہا ہے۔ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرنا معلم کتاب و حکمت کو، محرم اسرار الٰہی کو معلّمین قیاس کے سامنے چھوٹا ثابت کرنے والی بات ہے اور یہ انتہائی بے ادبی ہے۔

حاصل : منافق انتہائی جہالت اور بے ادبی کی باتوں کو بھی خوش وقتی اور دل لگی کا نام دے دیتے ہیں۔ بولنے کے آداب سے پوری طرح آگاہی نہ ہو تو بولنے میں بہت سے خطرات بھی ہوتے ہیں۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ع

عذر نہ کرو، تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تم میں بعضوں کو معاف کر دیں گے تو بعضوں کو عذاب بھی دیں گے اس بنا پر کہ وہ مجرم لوگ تھے۔

جس نے ایمان لانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے ادبی سے زبان کھولی، اس نے یقیناً ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا۔ عذر پیش کرنے سے وہ داغ دھل نہیں سکیں گے۔ جس کو یہ احساس ہو جائے کہ اس کے دل میں ناصح کی محبت جاگزیں نہیں تھی اس لئے وہ راہ راست سے ہٹ گیا ہے، وہ ناصح سے اس طرح محبت کرتا ہے کہ اس کا حال، اس کے ماضی کے بالکل خلاف ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی مل جاتی ہے۔ اور جو اپنے جرم پر قائم رہیں اور بے ادبی سے باز نہ آئیں اور حق کو اپنی پسند اور ناپسند کے پیمانوں سے ماپتے رہیں، وہ عذاب کو اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔

حاصل : جس نے شاہد کی شان میں گستاخی کی اس نے ایمان کے بعد کفر کیا۔ اگر وہ تائب ہو جائے اور اپنے جاننے کو شاہد کی تصدیق کے بغیر ہیچ سمجھے تو وہ باادب ہونے کی وجہ سے بامراد ہو جائے گا۔ اگر حق کو اپنی پسند اور ناپسند کے پیمانوں سے ماپتا رہے تو اس مجرم کے لئے عذاب ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّ

غَرَّتۡهُمُ ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَاۚ وَذَكِّرۡ بِهِۦٓ أَن تُبۡسَلَ نَفۡسُۢ بِمَا كَسَبَتۡ ﴿۷۰﴾

اور پرہیز گاروں پر ان کے حساب سے کچھ نہیں لیکن نصیحت کرنا کہ وہ باز آ جائیں۔ اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی کھیل بنالیا اور انہیں حیات دنیا نے فریب دیا، اور اس سے نصیحت دو کہ کوئی خلاف حق کر کے پکڑا نہ جائے۔

رکوع ۱۸

ٱلۡمُنَٰفِقُونَ وَٱلۡمُنَٰفِقَٰتُ بَعۡضُهُم مِّنۢ بَعۡضٖۚ يَأۡمُرُونَ بِٱلۡمُنكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَقۡبِضُونَ أَيۡدِيَهُمۡۚ نَسُواْ ٱللَّهَ فَنَسِيَهُمۡۚ إِنَّ ٱلۡمُنَٰفِقِينَ هُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ ﴿۶۷﴾

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے سے ہیں۔ بُرائی کا امر کرتے ہیں، اور بھلائی سے منع کرتے ہیں، اور اپنی مٹھی کو بند رکھتے ہیں۔ اللہ کو بھلا بیٹھے تو اللہ نے بھی انہیں نظر انداز کر دیا۔ بے شک منافقین ہی فاسق ہیں۔

منافق مرد اور منافق عورتیں نفاق کے حوالے سے ایک چال پر ہیں، ایک حال پر ہیں۔ نفاق ایک مقام کا نام ہے۔ جو بھی اس مقام پر ہو اسے منافق کہتے ہیں۔ منافق کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ برائی کا حکم دیتا ہے، بھلائی سے منع کرتا ہے اور اپنے ہاتھ کو بند رکھتا ہے۔ برائی کا حکم دینا یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی خواہشات کی پیروی کی ترغیب دیتا ہے۔ ان کی توجہ قریب کے اور وقتی نفع پر مرکوز کرتا ہے۔ بھلائی سے روکنا یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور حق کو معیار ماننے سے منع کرتا ہے، اور جس عمل میں اپنی پسند کو اہمیت نہ دی جائے، اس کو اندھی تقلید کہتا ہے۔ اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لئے، اس کی مٹھی نہیں کھلتی۔ جو ان کی مٹھی میں ہوتا ہے ان کی غرض و غایت پر خرچ ہوتا ہے۔ اس لئے حق دار کے لئے ان کی مٹھی بند ہی رہتی ہے۔ جو برائی کا امر کرے، بھلائی سے روکے اور اپنی مٹھی کو بند رکھے، وہ جزا کا عملاً انکار کر رہا ہوتا ہے۔ جزا کا انکار اللہ کو بھلا بیٹھنا ہے۔ اللہ منیب کو ہدایت دیتا ہے۔ جو راہ راست سے ہٹ جائے اور شیطان کا اتباع کرنے لگے، اللہ اس پر نظر نہیں فرماتا۔ منافق ہی فاسق ہوتے ہیں۔ فاسق حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اس لئے اس کا رخ گمراہی کا ہی ہوتا ہے۔

حاصل : منافق مرد اور منافق عورتیں اپنے حال اور اپنی چال کے اعتبار سے ایک ہوتے ہیں۔ برائی کا امر کرنا، بھلائی سے منع کرنا اور رضائے الٰہی کے لئے خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روکنا، یہ اللہ کو بھلا بیٹھنے کی نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کو بھلا دیتا ہے، وہ منافق بھی ہوتا ہے اور فاسق بھی، اور فاسق کو ہدایت نہیں ہوا کرتی۔

وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلۡمُنَٰفِقِينَ وَٱلۡمُنَٰفِقَٰتِ وَٱلۡكُفَّارَ

اللہ نے منافقین اور منافقات اور کفار سے

نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾

نار جہنم کا وعدہ کیا ہے، جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ انہیں کافی ہے۔ اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ اور ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

منافق مرد اور منافق عورتیں اور کفار، ان سب سے اللہ نے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو شیطان کی پیروی کو اپنا حال بناتے ہیں۔ منافق، حق کو ماننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر عملاً مانتے نہیں، اور کفار تو حق کو مانتے ہی نہیں۔ خلاف حق کرنے کی وجہ سے ان کی جزا، نار جہنم ہوگی، جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ ایسی سزا ہے جو علیم مطلق نے ان کے لئے رکھی ہے۔ وہ سزا انہیں کافی ہوگی، اور ان کے اعمال کی پوری جزا ہوگی۔ اللہ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے۔ یہ لعنت ان کے ناقابل اصلاح ہونے پر مہر ہے۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو، اس پر قائم رہنے والا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔

حاصل : منافق مردوں، منافق عورتوں اور کفار سے، اللہ نے نار جہنم کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ جو منافقت اور کفر سے ہٹ جائے، وہ نار جہنم سے بچ جائے گا۔ اعمال کی پوری جزا، اللہ ہی دے سکتا ہے۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو، اس سے دوری میں ہی بھلا ہوتا ہے۔ جو خلاف حق کرنے پر قائم رہے، اس پر قائم رہنے والا عذاب ہو گا۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

جس طرح تم سے قبل والے تم سے قوت میں بڑھ کر تھے، اور ان کے اموال و اولاد بھی زیادہ تھے، تو وہ اپنا حصہ برت گئے۔ پھر تم نے اپنا حصہ برتا، جیسے تم سے قبل والے اپنے حصے کو برت گئے۔ اور تم بھی چلتے ہو، جیسے وہ چلتے تھے۔ ان لوگوں کے اعمال، دنیا و آخرت میں اکارت گئے، اور وہی لوگ خسارے والے ہیں۔

ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ ہم سے قبل جو لوگ تھے، وہ قوت میں ہم سے بڑھ کر تھے۔ اموال و اولاد بھی زیادہ رکھتے تھے۔ اللہ نے جو انہیں عطا فرمایا تھا، ایک وقت تک وہ اسے برتتے رہے، مگر وہ راستہ اختیار نہیں کیا جو اللہ کی رضا کے مطابق انہیں کرنا چاہئے تھا۔ نتیجہ یہی ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کو گمراہی میں ضائع کر گئے۔ حکم ہے حال پر دیکھو، کیا تم بھی اسی راستے

حاصل : امین ہاتھ کی تقسیم پر طعن کرنے والا، منافق ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک عدل و انصاف اس کی خواہش کے پورا ہونے کا نام ہوتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع ۱۴

اور کیا اچھا ہوتا، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے دئے پر راضی ہو جاتے اور عرض کرتے ہمیں اللہ کافی ہے، اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)، ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

اچھا تو یہی تھا کہ وہ عطائے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عطائے الٰہی جانتے۔ اس کو پورا جانتے، اس پر راضی ہوتے، اور قناعت کرتے ہوئے یہ کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ متاعِ فانی کوئی نصب العین نہیں۔ ہماری ضروریات کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ ماضی کے تجربات کے حوالے سے دیکھا جائے تو مان لینا چاہئے کہ جو ہمیں آئندہ درکار ہوگا، وہ اللہ کے فضل سے عطا ہوگا، اور عطائے الٰہی کے احسن استعمال کا علم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ معطیٔ مطلق ہے۔ اس کی عطا علمِ مطلق سے ہے۔ ہمیں اپنی ضروریات کا بھی کلّی علم نہیں ہوتا۔ ہماری ترجیحات بھی کلی علم سے نہیں ہوتیں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہیں، اور ادب سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے، اللہ سے اس کے فضل کے طالب ہیں۔

حاصل : عطائے رسول، عطائے الٰہی ہے۔ اس پر راضی ہونا، ادب ہے۔ باادب کو کہنا چاہئے کہ حال پر اللہ کی عطا، اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیم کی روشنی میں پوری ہے، آئندہ جو درکار ہوگا، وہ اللہ اپنے فضل سے دے گا، میرا کام اللہ کی طرف راغب رہنا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا ہے:

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دل کی بات اور سرگوشی کو جانتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ سب غیبوں کا بڑا جاننے والا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَ

صدقات تو فقراء اور مساکین اور تحصیل

الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾

صدقات کے عاملین اور جن کی تالیف قلب مقصود ہو اور گردنیں چھڑانے میں، اور غارمین اور فی سبیل اللہ، اور مسافروں کے لئے ہیں، فریضہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

صدقہ، صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ وہ مال بھی صدقہ ہوتا ہے جو اپنے ایمان کے دعوے کو سچا ثابت کرنے کے لئے خرچ کیا جائے۔ صدقہ دینے والے کو یہ یقین ہو، کہ وہ اللہ کی عطا کو ادب کے ساتھ، اللہ کی رضا کے حصول کے لئے معلم کتاب و حکمت کے اتباع میں خرچ کر رہا ہے۔ صدقات کے حق داروں کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے کر دیا گیا ہے اس لئے تقدم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صدقات کی تحصیل سے لے کر ان کی تقسیم تک ہر مقام پر یہ ڈر رہنا چاہئے کہ فریضے کی ادائیگی میں کسی طرح بھی کوتاہی نہ ہو۔ حق داروں میں سب سے پہلے فقراء ہیں۔ یہ وہ نادار ہیں جو فاقے کے مقام پر ہوں، جو مل جائے اس پر قناعت کریں اور اپنے فرائض کو ادا کرنے میں عام لوگوں کی طرح ریاضت کریں مگر مانگنے پر طبیعت مائل نہ ہو۔ دوسرے مساکین ہیں۔ یہ وہ نادار ہیں، جو مصائب و آلام کی وجہ سے زمین بوس ہو گئے ہوں اور جن کا دکھ ان کی کوشش کے باوجود ان سے سنبھالا نہ جا رہا ہو۔ تیسرے عاملین ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں امام المومنین کی طرف سے تحصیل صدقات پر مامور کیا جائے۔ یہ لوگ اس قدر امین ہوتے ہیں کہ جو کچھ امام صاحب کی طرف سے انہیں دیا جائے صرف اسی کو استعمال کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور ہر شے امام صاحب کے سامنے تقسیم کے لئے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ شے صحیح حالت میں حق داروں تک پہنچے۔ چوتھے وہ لوگ ہیں جن کی تالیف قلب مقصود ہو۔ ان میں وہ لوگ بھی شمار ہیں جو مسلمان نہیں ہیں مگر مصائب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نادار ہو گئے ہیں اور امیرالمومنین ان کی تالیف قلب کے لئے ان کو کچھ دینا چاہتے ہیں۔ یہ منشاء نہیں ہوتا کہ صدقات کی تشویق انہیں اسلام کی طرف لے آئے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرتی تعلق کو محسوس کرتے ہوئے، ان کی ناداری میں اللہ کے فرمان کے مطابق ان کو مدد دی جائے۔ تالیف قلب کے لئے ان نو مسلموں کو بھی مدد کی ضرورت ہوتی ہے جن کے سابقہ تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور انہیں اسلام میں داخل ہوتے ہی ایک معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گردنیں غلاموں کی چھڑائی جاتی ہیں۔ بدل کتابت کے ادا کرنے میں غلاموں کو مدد دی جاتی ہے اور وہ آزادی کے حصول کے بعد حقوق العباد کو بہتر طور پر ادا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ غارمین وہ حق دار ہیں کہ جو کسی مصیبت کی وجہ سے قرض لینے پر مجبور ہوئے اور پھر قرض سے نجات حاصل نہیں کر سکے۔ ان کو بھی صدقات سے اس قدر مدد دینی چاہئے کہ قرض سے پہلے ان کی زندگی کا جو معمول تھا وہ بحال ہو جائے۔ فی سبیل اللہ ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا جو جہاد کے لئے تیار ہیں، سامان نہیں رکھتے یا کسی بھی حق کی ادائیگی کے لئے انہیں آسرے کی ضرورت ہے۔ مگر اس میں ان کی خواہشات کو کوئی اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ فی سبیل اللہ صدقات لے کر معاشی استحکام حاصل کرنے کی کوشش ناپسندیدہ عمل ہے۔ مسافر کو دوران سفر، کئی طرح کے مقامات سے گزرنا پڑتا ہے، ناداری کا موقع آجائے تو مسافر صدقہ لینے کا حق رکھتا ہے۔ صدقہ لینے والے کی عادات و خصائل پر تبصرہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فریضے میں اپنی پسند کو شامل کرنے والی بات ہوگی۔ اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔ اللہ نے صدقات کے حق داروں کو بڑے علم سے بیان فرمایا ہے

اور معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لئے اس میں حکمت رکھی گئی ہے۔ حکم خداوندی کو جاننے اور مزید جاننے کی کوشش میں، حال پر عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو مانے بغیر ہی ضائع کر دیا جائے، تو اس سے بڑی بے سمجھی اور کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل : صدقات کے آٹھ حق داروں کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے کر دیا گیا ہے۔ فقراء، مساکین، صدقات جمع کرنے والے عاملین اور جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو، یہ چاروں درجات واضح ہوتے ہیں۔ بدل کتابت ادا کر کے آزادی حاصل کرنے والوں کو، مقروض لوگوں کو، فی سبیل اللہ مدد کے طلب کرنے والوں کو اور مدد کے طالب مسافروں کو خود تلاش کرنا چاہئے۔ علم و حکمت اللہ کے فرمان میں موجود ہوتی ہے، پتہ ماننے والے کو لگتا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۚ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

اور ان میں سے بعض نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا دیتے ہیں، اور کہتے ہیں، وہ تو کان ہیں۔ فرما دیجئے تمہاری بھلے کے لئے کان ہیں، اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین پر اعتماد کرتے ہیں اور تم میں ایمان والوں کے لئے رحمت ہیں۔ اور جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا دیتے ہیں، ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

منافقین اپنی خلوتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بدگوئی کرتے تھے۔ جب انہی میں سے کوئی یہ کہتا کہ ان باتوں کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جانا ہمارے لئے اچھا نہ ہو گا تو یہ کہہ دیتے تھے کہ ان کے ہاں اپنی صداقت کو ثابت کرنا مشکل ہی کیا ہے۔ جو ہم سنائیں، وہ سن لیں گے، وہ تو سننے والے کان ہیں۔ فرمایا گیا وہ ایسے کان ہیں جو تمہاری بھلائی اور فلاح کی بات سے راحت پاتے ہیں۔ تمہارے متعلق خسارے کی بات انہیں اچھی نہیں لگتی۔ وہ اللہ کے فرمان کو مانتے ہیں۔ مومنین پر اعتماد کرتے ہیں۔ مومنین کی بات خلوت و جلوت میں حق کے مطابق ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کے تحت بولنا درست نہیں سمجھتے۔ کم علمی کی وجہ سے جو لوگ منافقین سے اپنے آپ کو الگ نہیں کر پاتے اور کم عمری کی وجہ سے جو لوگ منافقین کی مجالس میں آداب و اخلاق کے حوالے سے خاموش رہتے ہیں، وہ منافقین کی بدگوئی کو بہت برا جانتے ہیں، یہ ایمان والے لوگ ہیں اور ان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں۔ یہ رحمت ان لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لے جاتی ہے۔ مگر جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ادب و احتیاط سے بات نہیں کرتے وہ آپ کو ایذا دیتے ہیں، ایسے لوگوں کے

لئے المناک عذاب ہے۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شاہدین کے متعلق ادب و احتیاط سے نہ بولنا، انہیں ایذا دینے والی بات ہے۔ لوگوں کی بات سننا اور ان کی بھلائی چاہنا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ نتائج کو باذن اللہ ماننا اور مومنین پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ ایمان والوں کو منافقین سے الگ ہونے میں مدد دینی چاہئے۔ بدگوئی کرنے والوں کو المناک عذاب پکڑ لیتا ہے، پھر وہ اس سے بھاگ نہیں سکتے۔

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ الثلثة

تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کریں۔ اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حق بڑا ہے کہ اسے راضی کرتے اگر وہ مومن ہیں۔

منافقین کو جب یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی دغابازی کا مومنین کو پتہ چل گیا ہے تو قسمیں کھا کر مومنین کو یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ اسلام کے شیدائی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی محبت رکھتے ہیں۔ ایسے وقت میں ان کا بیان اور ان کا لہجہ محبّین کا سا ہوتا تھا۔ یہ کام وہ اپنی سماجی ضرورت سمجھ کر کرتے تھے۔ دعویٰ ایمان کو سچا ثابت کرنے کے لئے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا ضروری ہے۔ پھر بڑا حق ادا کرنے کی بجائے لوگوں کو خوش کر لینے سے تو ایمان کا ثبوت نہیں مل سکتا۔ خلوت پاک نہ ہو، تو جلوت پاک نہیں ہو سکتی۔

حاصل : جو قسمیں کھا کر ہمیں اپنے ایمان کا ثبوت دے رہا ہو، اسے کہنا چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق بڑا ہے کہ تم اسے راضی کرو۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾

کیا انہیں معلوم نہیں ہوا کہ جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مقابلہ کرے تو اس کے لئے نارِ جہنم ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔

منافقین، ایمان والوں کے سامنے قسمیں کھا کر انہیں اپنے ایمان کا یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ کوشش اس

پر نہیں جا رہے، کیا تم بھی وہی کچھ نہیں کر رہے جیسے وہ کر رہے تھے۔ دو ہی راستے ہیں۔ ایک میں مقصود، اللہ کی رضا ہوتی ہے۔ دوسرے میں مقصود اپنی نفس کی خوشی ہوتی ہے۔ جو لوگ حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دیتے ہیں، ان کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت چلے جاتے ہیں، اور وہ خسارے میں پڑ جاتے ہیں۔ پھر ان کی کوئی تجویز ان کے کام نہیں آ سکتی۔

حاصل : ذاتی قوّت اور اموال و اولاد کے حوالے سے ہم پہلے لوگوں سے کم تر ہیں۔ خسارے سے بچنے کے لئے خسارے کی طرف جانے والے راستے سے ہٹ جانا چاہئے۔ جس کا حال ہمیں پسند ہو اس کے مستقبل سے کراہت نہیں ہونی چاہئے۔

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧٠﴾

کیا انہیں اپنے سے قبل والوں کی خبر نہیں پہنچی، قوم نوح (علیہ السلام) اور عاد اور ثمود کی اور قوم ابراہیم (علیہ السلام) اور مدین والوں کی اور ان بستیوں کی جو الٹ دی گئی تھیں۔ ان کے رسل ان کے پاس روشن نشانیاں لائے تھے۔ تو اللہ کی شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم کرتا ولیکن وہ اپنے اوپر آپ ہی ظلم کرتے تھے۔

ماضی کے چھ مقامات کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے سبق لیا جانا چاہئے۔ ماضی کے واقعات کو سن کر یہ دیکھنا چاہئے کہ ان واقعات سے ہمارا کیا تعلق ہے۔ پہلے لوگوں کی استعداد سے اپنی استعداد کا تقابل کیا جائے، ان کے رویئے سے اپنے رویئے کا مقابلہ کیا جائے، تو اپنے انجام کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں رہتی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے استکبار کیا، اور ایمان والوں کو ارزل کہا، اور حق کو ماننے سے صریحاً انکار کر دیا کہ اس سے ان کی بڑائی قائم نہیں رہتی تھی۔ یہ لوگ سیلاب اور طوفان سے ہلاک کئے گئے۔ قرآن پاک میں ان لوگوں کو قوم عمین کہا گیا ہے، یعنی یہ لوگ اندھے تھے (عقل کے)۔ اس کے بعد عاد کا ذکر ہے۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے بھی اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچایا، مگر لوگوں نے آپ کو بے وقوف کہا اور اپنے آباء و اجداد کے طریقے کو چھوڑنے سے انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ اگر آپ صادق ہیں تو وہ عذاب لے آیئے جس کا آپ وعدہ دے چکے ہیں۔ ان کی بے وقوفی ملاحظہ ہو کہ یہ اپنی بیخ کنی کو علامت صداقت ٹھہرا رہے ہیں۔ ان کی جڑ کٹ گئی۔ ان پر آندھی آئی اور ان کا نشان بھی نہ رہا۔ اس کے بعد ثمود کا ذکر ہے۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ انہوں نے بھی اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچایا۔ اللہ کی اونٹنی کو نشانی ٹھہراتے ہوئے یہ فرمایا کہ اسے زمین میں چھوڑ دو، جہاں سے چاہے کھائے اور اسے برائی سے مس نہ کرنا کہ پھر تمہیں المناک عذاب پکڑ لے گا۔ منکرین نے اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ انہوں نے صریحاً سرکشی کی اور یہ کہا کہ آپ رسول ہیں تو وہ عذاب آ کیوں نہیں رہا جس کا آپ وعدہ دیتے تھے، ہم تو اونٹنی کی کونچیں

کاٹ چکے ہیں۔ ان پر رجفتہ (زلزلہ) کا عذاب آیا، اور یہ لوگ ناصحین سے عدم محبت کی بنا پر ختم ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بحث کی، اور انسانی تجویز سے بنے ہوئے علوم کو علم الٰہی کے مقابل برتر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے ان کے بنائے ہوئے بتوں کو توڑ دیا۔ ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتا، وہ کسی کو کیا فائدہ یا نقصان دے سکتا ہے۔ بلکہ یہ فیصلہ کیا کہ حضرت کو آگ میں ڈال دیا جائے کہ آئندہ بتوں کی شان میں کسی کو گستاخی کی جرأت نہ ہو۔ آگ کا انتظام حکومت وقت کی طرف سے تھا، اس لئے بہت بڑا تھا۔ اللہ نے اس آگ کو حضرت کے لئے ٹھنڈا کر دیا، اور وہ آپ کے لئے باعث سلامتی ہوئی۔ قوم نے دیکھا مگر پھر بھی ماننے کی بجائے دھوکہ دہی کا راستہ اختیار کیا۔ جو کسی کی صداقت کے مشاہدے کے بعد بھی اس کی مخالفت سے باز نہ آئے، اس سے توفیق چھن جاتی ہے۔ یہ قوم بھی ختم ہوئی اور اس کا اپنا کیا ہی اس کے اوپر پڑا۔ اس کے بعد مدین والوں کا ذکر ہے۔ ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے۔ یہ قوم لوگوں کو ناپ اور تول میں دھوکا دیتی تھی، اور راہ گیروں سے زیادتی کرتی تھی۔ آپ نے حق کو بیان فرمایا، تو قوم کے متکبر سردار کہنے لگے، ہم آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اور اگر آپ یہ نہیں چاہتے تو پھر آپ بھی وہی کریں جو ہم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہمیں اس سے کراہت ہے جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اس قوم پر بھی زلزلے کی صورت میں عذاب آیا، اور یہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے۔ اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔ ان لوگوں نے جنسی ہوس کا جو مظاہرہ کیا، وہ اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں گیا تھا۔ ان پر ایسا عذاب آیا کہ ان کی بستیاں الٹ دی گئیں اور ان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔ ان لوگوں نے ایمان والوں کی پاکیزگی کا مذاق اڑاتے ہوئے عذاب مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب رسول روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ لوگوں نے حقائق کو تسلیم نہ کر کے اپنے لئے عذاب کا راستہ چنا، اور اپنے اوپر خود ظلم کیا۔ اللہ کی شان کے منافی ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے۔

حاصل : ماضی کے واقعات سے سبق لینا چاہیئے۔ اپنی استعداد اور رویئے کو منکرین کی استعداد اور رویئے سے ملا کر دیکھنا چاہیئے۔ اگر مماثلت نظر آئے تو عذاب بھی نظر آنا چاہیئے۔ اپنے اوپر ظلم کرنا منکرین حق کا طریقہ ہے، اور رضائے الٰہی کے مطابق پاک رہنا، مومنین کا طریقہ ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ بھلائی کا امر کرتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن پر اللہ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ عزت والا، حکمت والا ہے۔

مومن مرد اور مومن عورتیں اجتماعی بھلائی کے کاموں کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں کو بلاواسطہ مدد دے سکتے ہوں یا بالواسطہ مدد دے سکتے ہوں. اس طرح مدد دیتے ہیں کہ مدد لینے والا اپنی عزت افزائی محسوس کرتا ہے۔ مدد لینے والے کی مشکل آسان ہوتی ہے. دیکھنے والوں کو اس معاشرے میں اپنی ذریت کا مستقبل حسن و خوبی سے بھرپور نظر آتا ہے۔ مومن مرد ہو یا عورت اس کی صفات یہ ہوتی ہیں : بھلائی کا امر کرنا اس طرح کہ حکم اللہ کا ہو اور نمونہ حکم دینے والے کی ذات میں نظر آئے۔ دوسری صفت برائی سے منع کرنا ہے۔ برائی سے اس طرح منع کیا جاتا ہے کہ سننے والے کی عزت نفس مجروح نہ ہو، اور اس کی مشکلات کو جانے بغیر اس کو وعظ نہ سنا دیا جائے۔ تیسری صفت نماز قائم کرنا ہے۔ مومن ہر نماز کے مقررہ وقت سے پہلے اس نماز کے لئے وضو کرتے ہیں. اور اس کے ادا کرنے کی نیت کر لیتے ہیں۔ اس طرح ان کی نماز قائم ہو جاتی ہے۔ چوتھی صفت زکوۃ ادا کرنا ہے۔ مومن زکوۃ دینے کو اپنے مال کے پاک ہونے کے لئے ضروری جانتے ہیں۔ جس مال کی زکوۃ نہ دی جائے، وہ اللہ کی راہ میں خرچ ہونے کے قابل ہی نہیں ہوتا۔ پانچویں صفت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرنا ہے، اور اطاعت اس طرح ہوتی ہے کہ مومن مرد اور مومن عورتیں ہمیشہ اپنی سمجھ کو حق کے تابع رکھتے ہیں۔ ان صفات کا حامل مومن معاشرہ. اللہ تعالیٰ کے رحم کا حق دار ہوتا ہے۔ اللہ انہیں عزت بھی دیتا ہے. اور انہیں دانائی بھی حاصل ہوتی ہے۔ وہ اللہ کو عزیز حکیم ماننے کے دعوے میں سچے ہوتے ہیں۔

حاصل : مومن مرد ہو یا عورت اس کو مومن اور مومنات کا مُعین ہونا چاہئے۔ بھلائی کا امر کرنا، برائی سے منع کرنا. نماز قائم کرنا. زکوۃ ادا کرنا. اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرنا. جہاں یہ پانچ صفات موجود ہوں گی. اللہ کا رحم وہاں ضرور شامل حال ہو گا۔ ان لوگوں کی عزت بھی بڑھے گی، اور انہیں دانائی بھی حاصل ہو گی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع ۱۵

اللہ نے مومنین اور مومنات کو جنتوں کا وعدہ دیا ہے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور طیب مساکن کا، بسنے کے باغوں میں۔ اور اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

مذکورہ پانچ صفات والے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے، اللہ نے جنتوں کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ یہ وہ باغ ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں اور رہیں گی، اور اللہ ان باغوں کے زیر زمین پانی کو اس سطح پر رکھے گا کہ وہ ہمیشہ آباد رہیں گے۔ بسنے کے باغ وہ باغ ہوتے ہیں، جن میں رہائش باعث راحت ہو۔ اللہ مومنین اور مومنات کو بسنے کے باغوں میں پاک گھر عطا فرمائے گا۔ وہ گھر جو ساکن کو سکون دے اور جس میں اظہار عبدیت کے لئے سب کچھ موجود ہو، طیب مسکن ہوتا ہے۔ یہ سب

انعامات، اپنی اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں، مگر اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے۔ اللہ کی رضا جہاں موجود ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت رکھنے والوں کے لئے وہاں سب کچھ موجود ہے۔ چاہے اس کی ضرورت کا انہیں علم ہو، یا نہ ہو۔ اللہ کی رضا سے جو سہارا ملتا ہے، اسی سہارے ہی سے ہر مقام پر پورا رہنا ممکن ہے۔ مقصد حیات کو پالینے سے بڑی کامیابی اور کیا ہو گی۔

حاصل : بھلائی کا امر کرنے والوں، برائی سے منع کرنے والوں، نماز قائم کرنے والوں، زکوٰۃ ادا کرنے والوں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں سے، اللہ نے باغوں کا وعدہ فرما رکھا ہے، جو سدا بہار ہوں گے۔ ان کے پاک گھر بسنے کے باغوں میں ہوں گے۔ اللہ کی رضا سے بڑا کوئی انعام نہیں۔ جسے رضائے الٰہی حاصل ہوئی، اسے عظیم کامیابی حاصل ہوئی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَٰتِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾

اور تمہارے رب کے کلمات صدق و عدل میں پورے ہیں۔ اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور وہی سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ جَٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾

اے نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر اپنے رویئے کو سخت کیجئے۔ اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بُری جگہ ہے پلٹنے کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تعلیم امت کے لئے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علم عطا فرمایا گیا کہ کفار اور منافقین کے ساتھ ایک سا معاملہ کیجئے۔ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ جو ہو چکا ہے، وہ اس اعتبار سے کافی ہے کہ اگر یہ لوگ اپنے تجربات و مشاہدات سے بھی کچھ سیکھتے تو ان کے رویئے میں مثبت تبدیلی آنی چاہئے تھی۔ جب یہ لوگ اپنی پسند کو حق کے مقابل اہمیت دینے سے نہیں ہٹتے تو پھر ان کے ساتھ سخت رویہ رکھنا ضروری ہے۔ اور حق کے مقابل ان کی پسند کو صرف غلط کہنا کافی نہیں، بلکہ اسے نظر حقیر سے دیکھنا بھی ضروری ہے۔ کفر و منافقت سے حقارت کا اظہار بہر حال ہو، بہر طور ہو تو اس جہاد کا حق ادا ہو گا۔ عملاً اگر یہ لوگ میدان جنگ میں مقابلے پر آجائیں تو پھر ان سے جہاد بالسیف بھی ہو گا۔ کفار و منافق اپنے اعمال کی جزا جہنم کے ٹھکانے کی صورت میں پائیں گے، جو بہت بری جگہ ہے۔ جو حال پر حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی انکار کے مقام سے نہیں ہٹتا، وہ بہت بری جگہ کھڑا ہوتا ہے۔ آخرت میں یہی بری جگہ دوزخ کی صورت میں ظاہر ہو گی۔

حاصل : کفار و منافقین سے نرم رویہ رکھنا منع ہے۔ ان کے اعمال کو لائق تحسین جاننا، مومنین کے ساتھ زیادتی ہے۔ جو حق کے انکار کو اپنا شعار بنالیتا ہے، وہ جہنمی ہے۔ جہنمی جہاں رہتا ہے، وہ جگہ

بری ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۚ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۷۴﴾

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا، اور بے شک انہوں نے کلمۂ کفر کہا اور اسلام میں آنے کے بعد منکر ہوئے، اور چاہا تھا جو انہیں نہ ملا، اور انہیں یہی برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ تو اگر وہ توبہ کریں تو ان کے لئے بھلا ہے، اور اگر منہ پھیریں، تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں المناک عذاب دے گا، اور زمین میں ان کا حمایتی اور مددگار کوئی نہ ہو گا۔

منافقین اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی بات خلاف حق نہیں کی۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ انہوں نے حق کو ماننے کے دعوے کے بعد اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس طرح اسلام میں آنے کے بعد حق کا انکار کیا اور یہی چاہا کہ منبع رشد و ہدایت ساکن ہو جائے، مگر ان کا بس نہ چلا۔ اگر یہ لوگ اپنے ماضی پر نظر کریں تو انہیں اپنی محتاجی کے دن بھی یاد آئیں گے، تو کیا ان لوگوں کو یہی برا لگا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ان کی محتاجی، غنا میں بدل گئی ہے، اور وہ سہولت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ واجب تو یہ تھا کہ یہ لوگ شکر کرتے مگر انہوں نے ناسپاسی کی۔ اگر یہ لوگ توبہ کریں، اور نفاق کو چھوڑ دیں، شاہد سے محبت کریں، تو اس میں ان کا بھلا ہو گا۔ ان کی خلوت و جلوت کا تضاد ختم ہو جائے گا۔ انہیں یکسوئی حاصل ہو گی، اور واقعات کو صحیح تناظر میں دیکھنے کا شرف ملے گا۔ اور اگر یہ لوگ حق سے منہ پھیر کر کفر پر جم جائیں گے تو دنیا میں ذلّت و رسوائی کا سامنا کریں گے، آخرت میں تو بڑا عذاب ہو گا ہی۔ جب یہ لوگ عذاب الٰہی کی گرفت میں آئیں گے، تو کوئی بھی ان کی حمایت و نصرت کرنے والا نہ ہو گا۔

حاصل : منافق خلوت میں حق کا انکار کرتے ہیں، جلوت میں قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ منبع رشد و ہدایت کو ساکن کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں مگر ان کا بس نہیں چلتا۔ ماضی کو یاد کر کے، اللہ کی عطا کا شکریہ ادا کرنا چاہئے حال پر، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا چاہئے۔ اللہ اپنے فضل سے غنی کرے، تو محتاجی دور ہوتی ہے۔ توبہ کے بعد

اعمال پاک ہوں، تو بھلا ہوتا ہے، ورنہ دنیا و آخرت میں عذاب ہوتا ہے، پھر کسی کی حمایت و نصرت بے معنی ہو جاتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اپنے فضل سے عطا کرے گا تو ہم ضرور صدقہ دیں گے اور یقیناً ہم صالحین سے ہوں گے۔

اموال کو انتہائی اہمیت دینے والے یہ کہتے ہیں کہ ان کے بغیر تو کوئی نیکی ہو ہی نہیں سکتی۔ حال پر جس مقام پر وہ لوگ ہوتے ہیں، وہاں اللہ کی عطا میں انہیں حکمت نظر نہیں آتی۔ اس لئے وہ حال پر اپنے حق کو ادا کرنے میں غفلت برتتے ہیں، اور اللہ کے ساتھ وعدہ کرتے ہوئے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے نوازے گا تو ہم صدقہ و خیرات دیں گے، اور صالحین میں شمار ہوں گے۔ عطائے الٰہی جس قدر ہو گی، رضائے الٰہی کے مطابق اسی قدر اس کی تقسیم کا حق بھی عائد ہو گا۔ ورنہ ناشکری ہو جائے گی۔ اور ناشکری سے بے برکتی ہو جاتی ہے۔

حاصل : اموال کو انتہائی اہمیت دینا، حال پر اللہ کی عطا میں حکمت نہ دیکھنے کی صورت ہے۔ اللہ سے عہد کرتے وقت دیکھنا چاہئے کہ ہم نفس پر حاکم ہیں، یا نفس ہم پر حاکم ہے۔ اگر نفس ذاتی ضروریات کو عطائے الٰہی سے بڑھاتے رہنے کا عادی ہو تو پھر وہ حاکم بھلائی کی طرف نہیں جانے دے گا۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

تو جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا، تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے۔ اور وہ اعراض کرنے والے ہوئے۔

مذکورہ لوگوں کو جب اللہ نے اپنے فضل سے دیا، تو انہوں نے اس میں بخل کیا، اور وہ اس وعدے سے جو انہوں نے اللہ سے کر رکھا تھا، پھر گئے اور وہ حق سے اعراض کرنے والے ہوئے۔ بخیل عطائے الٰہی کو اپنی ضروریات کے مقابل ناکافی جانتا ہے، اس لئے وہ صرف اپنی خواہش اور غرض و غایت پر خرچ کرنے میں ہی عافیت رکھتا ہے۔ اور جب اسے یاد دلایا جائے کہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے کہ جب اللہ اسے اپنے فضل سے دے گا تو وہ صدقہ و خیرات دینے کے ساتھ ساتھ صالحین میں سے ہو گا، تو وہ حق سے اعراض کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

حاصل : جو اپنی ضروریات کو عطائے الٰہی کے مقابل بڑھاتا چلا جائے، اور اپنی خواہش کی پیروی میں ہی لگا رہے، وہ بخیل بھی ہو جاتا ہے اور حق سے اعراض بھی کرتا ہے۔

فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿٧٧﴾

پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قلوب میں نفاق رکھ دیا. اس دن تک جس میں اس سے ملیں گے. اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی، اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

اللہ سے وعدہ خلافی اور جھوٹ بولنے کی عادت ہو جائے تو پھر اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ دل میں نفاق جم جاتا ہے۔ نفاق کے دوام کو دیکھ کر قلوب پر مہر کر دی جاتی ہے. اور ایسے لوگوں پر برابر ہو جاتا ہے کہ انہیں ڈر سنایا جائے، یا نہ سنایا جائے۔ وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔ عمل کے لئے دئے گئے وقت کے خاتمے کے بعد اگر حق کو ماننے کی طرف آئیں گے تو کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

حاصل : اللہ سے وعدہ خلافی خلوت میں ہوتی ہے. لوگوں سے جھوٹ بولنے کا عمل جلوت میں ہوتا ہے۔ جہاں دونوں جمع ہو جائیں. نفاق دل میں جم جاتا ہے۔ نفاق سے بچنے کے لئے اللہ کے ساتھ پاک رہنے کے وعدے کو خلوت میں پورا کرنا چاہئے، اور جلوت میں لوگوں سے پوری بات کرنی چاہئے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٧٨﴾

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ کو ان کے بھید اور ان کے خفیہ مشورے کا علم ہے۔ اور یہ کہ اللہ سب غیبوں کا بڑا جاننے والا ہے۔

منافقین کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ سے کچھ مخفی نہیں ہو سکتا۔ ان کے دلوں کی باتیں بھی وہ جانتا ہے اور ان کے خفیہ مشورے بھی اس کے سامنے ہیں۔ ہر غیب کا سب سے بڑا جاننے والا، اللہ ہی تو ہے۔ کس جگہ کیا ہو رہا ہے، آئندہ کیا ہو گا، کہاں تک اسے ہونے دینا ہے، کہاں اسے روکنا ہے. اللہ سے بڑا کوئی اس کا جاننے والا نہیں۔ اللہ مومنین کی نصرت فرماتا رہتا ہے۔

حاصل : اگر یہ یقین ہو کہ اللہ سے کچھ مخفی نہیں، چاہے وہ سینے کا بھید ہو یا خفیہ مشورہ ہو، تو پھر اللہ سے ڈرنے کا ثبوت موجود ہونا چاہئے۔ سب غیبوں کا بڑا جاننے والا جو حفاظت کر سکتا ہے، جو مدد دے سکتا ہے، وہ کسی دوسرے کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا

وہ لوگ جو مومنین میں کے مطوّعین کے صدقات میں ان پر عیب لگاتے ہیں، اور وہ جو نہیں پاتے مگر اپنے جہد سے. تو ان

يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾

سے تمسخر کرتے ہیں، اللہ نے ان سے تمسخر کیا ہے، اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

مومنین سے وہ لوگ جو طوعاً صدقات دیتے ہیں، اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ یا اللہ تیری عطا کو تیری رضا پر لگانے کی سعادت تیرے کرم سے ہی نصیب ہوئی ہے، اور صدقات لینے والوں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان کی بدولت انہیں خدمت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ خوش دلی سے صدقات دینے والے، منافقین کو ریا کار نظر آتے ہیں، اور وہ انہیں ہمزولمز کا نشانہ بناتے ہیں، ان پر عیب لگاتے ہیں۔ منافقین ایسے لوگوں کو معاشی طور پر اپنا ہم پلہ دیکھتے ہیں، مگر وہ کچھ کرنے کو تیار نہیں ہوتے جو کچھ خوش دلی سے صدقات دینے والوں کی طرف سے ان کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے، اس لئے انہیں دکھاوے اور نام و نمود کا طالب کہہ کر اپنے نفس کو تسلی دے لیتے ہیں۔ اور جب کسی غریب کو صدقہ دیتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی بڑی مشقت کی مختصر کمائی سے بہت کچھ دے رہا ہے، جس کی مقدار زیادہ نہیں ہوتی، تو مذاق اڑاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس ناچیز صدقے سے کیا سنورے گا، اور یہ حقیر سی چیز کیا تبدیلی لائے گی۔ اللہ کا تمسخر دیکھئے کہ جہاں غریب کا صدقہ خیرات، اجتماعی بھلائی میں شامل نہ ہو وہاں بات بنتی ہی نہیں۔ غریب کے صدقے کو اللہ کے ہاں بڑی مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ غریب کا تمسخر اڑانے والے کا ہونا، نہ ہونے کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اسے کبھی سکھ نہیں ملتا۔ اور وہ المناک عذاب کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

حاصل : خوش دلی سے صدقات دینے والوں کو ہمزولمز کا نشانہ بنانا، منافقوں کا کام ہے۔ غریب کا صدقہ، اجتماعی بھلائی کے کام میں شامل ہو تو کام ہوتا ہے، ورنہ کام ادھورا ہی رہتا ہے۔ اللہ کو غریب کے صدقے کا مذاق اڑانے والے کے پکڑنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ اس سے توفیق چھن جاتی ہے، المناک عذاب تو اسے ہو گا ہی۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾ ع ٨ ١٦

آپ ان کے لئے استغفار کریں، یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تو بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے منکر ہوئے۔ اور اللہ قوم فاسقین کو ہدایت نہیں دیتا۔

منافقین کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، آپ ان کے لئے ستر (70) بار بھی

استغفار کریں تو بھی ان کو بخشا نہیں جائے گا۔ ان لوگوں کا رخ ہدایت طلب کرنے کا نہیں ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اسی قدر مانتے ہیں جس قدر ان کے نفس کی طرف سے انہیں سماجی تقاضا نظر آتا ہے۔ حق کا صریحاً انکار کرنے والوں سے یہ بدتر ہیں کہ یہ ماننے کے دعوے کے بعد من مانی کرتے ہیں. اور کافر تو مانتے ہی نہیں۔ منافق ہی تو فاسق ہوتے ہیں، اور فاسق کو ہدایت ہو ہی نہیں سکتی۔ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت رکھنے کی بجائے، ان سے کدورت رکھے، اس کے حق میں آپ کی دعاءِ مغفرت کو قبول نہ کرنا آپ کی انتہائی عزت افزائی ہے۔ ستر بار استغفار کرنا بہت بڑی بات ہے، اور اس سے اس تعلق کا پتہ لگتا ہے، جو استغفار کرنے والے صاحب کو اس شخص سے ہے، جس کی بخشش کے لئے وہ دعا کر رہے ہیں۔ دوسری طرف دیکھئے تو منافق بخشش کی دعا کرنے والی ذات پاک کو ہی اپنے لئے باعث اذیت سمجھتا ہے۔

حاصل : ہمیں بھی محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مخالفین کو معاف نہیں کرنا چاہئے کہ یہ اللہ کی سنت ہے۔ دوست کے مخالف کو معاف کرنا دوست کی شان میں گستاخی کرنا ہے۔ منافق ہی فاسق ہوتے ہیں اور فاسق کو ہدایت نہیں ہو سکتی۔ جس کی صداقت کا ثبوت کسی مقام پر موجود ہو، اس کے لئے دعاءِ مغفرت میں ضرور مبالغہ کرنا چاہئے، یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ بات ہے۔

شہادت : سورۃ العنکبوت میں پہلی قوموں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے حق کا انکار کیا، تو اللہ نے ہر ایک کو اس کے گناہوں پر پکڑا تو کسی پر پتھراؤ بھیجا، کسی کو زلزلے نے آلیا، کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا، اور کسی کو ڈبو دیا گیا۔ اور اللہ کی شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم کرے۔

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝٤٠

ہاں وہ ضرور اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝٨١

پیچھے رہ جانے والے لوگوں کو فرحت ہوئی کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے پیچھے بیٹھ رہے، اور انہیں اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے سے کراہت ہوئی، اور کہنے لگے گرمی میں نہ نکلو۔ فرما دیجئے نار جہنم کی گرمی اشد ہے۔ اگر انہیں سمجھ ہوتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیّت میں جہاد کے لئے نکلنے سے گریز کرنے والے لوگوں کو اس پر بہت خوشی ہوئی کہ حضور نے ان کی معذرت کو سن کر انہیں پیچھے بیٹھ رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ اصل میں ان لوگوں کو اپنے اموال و انفس

سے فی سبیل اللہ جہاد کرنا، ناپسند تھا۔ اموال و انفس کو فی سبیل اللہ جہاد میں تبھی لگایا جا سکتا ہے، جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا عزیز ترین ہو۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیت کے مقابل پیچھے بیٹھ رہنے میں فرحت محسوس کرتے ہوں، انہیں تو رضائے الٰہی اور رضائے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مطلوب ہی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی ذاتی سہولت کو اہمیت دیتے ہیں اور ساتھیوں سے کہتے ہیں، گرمی بہت ہے۔ اتنی گرمی میں جہاد کے لئے کوچ نہ کرو۔ جہاں ذاتی آسائش، فرمانِ خداوندی کے مقابل زیادہ اہم ہو جائے، وہاں اگر حق کو ماننے کا ذکر ہو گا تو اپنی پسند کے حوالے سے ہو گا اور یہ فسق ہے۔ فاسق کو دیکھنا چاہئے کہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنے کا انجام تو نار جہنم کی صورت میں فاسق کو پکڑے گا، جس کی گرمی سے بڑی کوئی گرمی نہیں ہے۔ سمجھ کا ثبوت تو یہ ہے کہ تھوڑی گرمی کو برداشت کر لیا جائے، اور بڑی گرمی سے بچنے کا رخ اختیار کیا جائے۔

حاصل : شاہد کی معیت میں جسے راحت نہ ہو، اسے پیچھے بیٹھ رہنے میں فرحت ہوتی ہے۔ اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنا اسے ناپسند ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک حق وہی ہے، جس میں اس کی ذاتی سہولت کو اہمیت دی جائے۔ سمجھ داری یہ نہیں کہ تھوڑی تکلیف سے بچنے کی کوشش میں بڑی تکلیف کو اپنے لئے مقدر کر لیا جائے۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ج جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۸۲﴾

تو وہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں، جزا اس کی جو وہ کسب کرتے تھے۔

حیاتِ دنیا میں دوسروں کو دیکھ کر، اپنی عقلمندی کا احساس کرتے ہوئے، منافق ہنسا کرتے ہیں۔ ان کی فہم و بصیرت یہ ہے کہ گرم موسم میں باہر نکلنے سے بچتے ہوئے جہنم کی آگ کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ شاہد کی معیت میں نہ ہونے پر ان کو بہت رونا آتا اور یہ نظر آتا کہ جن کی شہادت سے ہماری صداقت کا ثبوت ملنا تھا، ان سے تو پیچھے رہ گئے ہیں، تو یہ سمجھداری کی بات تھی۔ جو کسب بھی کیا جائے، اس کی جزا دی جائے گی، اور کسب کرنے والے کی پسند سے جزا کا فیصلہ نہیں ہو گا۔ جزا کا فیصلہ اس حق کے حوالے سے ہو گا، جو اللہ تعالٰی کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔

حاصل : اپنی بے سمجھی کا احساس ہو جائے، تو ہنسنا کم اور رونا زیادہ چاہئے۔ فائدے میں وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کی خوشی کے مقابل اللہ کی رضا کو مانتا ہے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ

تو اگر اللہ آپ کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے، پھر وہ آپ سے خروج کا اذن مانگیں تو فرما دیجئے کہ تم کبھی میری معیت میں نہ نکلو، اور نہ میری معیت میں

رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿۸۳﴾

دشمن کے ساتھ لڑو۔ پہلی بار تم بیٹھ رہنے پر راضی ہوئے، تو بیٹھے رہو، پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منافقین کے کسی گروہ کی ملاقات اس غزوے سے واپسی پر ہی ہوئی تھی، جس میں منافقین شامل نہیں ہوئے تھے۔ ان مفاد پرستوں کو باتیں بنانے کا ڈھنگ آتا تھا۔ یہ لوگ قسمیں کھا کر اپنے ایمان کا یقین دلایا کرتے ہیں۔ جب یہ پھر کسی غزوے میں آپ کی معیّت میں جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت چاہیں، تو انہیں یہ کہنے کا حکم ہوا کہ تم میری معیّت میں کبھی نہ نکلو۔ جس معیت کو تم گرمی کی وجہ سے بنظر کراہت دیکھتے تھے، وہ اب تمہیں نصیب نہیں ہوگی، اور نہ تمہیں شاہد کی معیّت میں دشمن کے ساتھ جہاد کا موقع ملے گا۔ تم نے پہلی بار پیچھے بیٹھ رہنے پر خوشی کا اظہار کیا، اب تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو کہ تم نے خود اپنے لئے اس مقام کو پسند کیا ہے۔

حاصل : منافقوں سے ملاقات کی طلب نہیں ہونی چاہئے۔ اللہ کو ایسا منظور ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ منافق اگر شاہد سے اس کی معیت میں فی سبیل اللہ جہاد کی اجازت مانگیں اور اس سے قبل وہ مفاد پرستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیچھے بیٹھ رہے ہوں، تو پھر انہیں اپنے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے، اور کہنا چاہئے کہ پہلی بار تم بیٹھ رہنے پر راضی ہوئے، تو بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۸۴﴾

اور ان میں سے کسی کی میّت پر نماز نہ پڑھئے، اور نہ اس کی قبر پر رکئے۔ بے شک وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے منکر ہوئے اور وہ مرتے دم فاسق تھے۔

منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے اور اس کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرما دیا گیا ہے۔ نماز جنازہ بھی دعاء مغفرت کے لئے ہوتی ہے، اور منافقین کے لئے بخشش کی دعا میں مبالغہ بھی ہو تو اللہ انہیں نہیں بخشتا۔ یہ اس لئے کہ منافق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے منکر ہوتے ہیں۔ نام اللہ کا ضرور لیتے ہیں، کرتے وہی ہیں جو ان کا جی چاہے۔ یہ فسق ہے، اور فاسق کو ہدایت نہیں ہو سکتی۔ جس کے بارے میں پتہ ہو کہ وہ حالت فسق میں مرا ہے، اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا منع ہے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش، فسق ہے۔ جس کے بارے میں علم ہو کہ وہ حالت فسق میں مرا ہے، اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا منع ہے، اجتماعی طور پر اور

انفرادی طور پر بھی۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝٨٥

اور ان کے اموال و اولاد پر تعجب نہ ہو۔ اللہ انہیں ان کی وجہ سے دنیا میں عذاب دینا چاہتا ہے، اور چاہتا ہے کہ کفر ہی پر ان کا دم نکلے۔

منافقین کے اموال و اولاد پر تعجب کرنا منع ہے کہ اموال و اولاد کی بہتات ان کی زندگی میں قرب الٰہی کا باعث نہیں ہوتی۔ اور وہ معطئ مطلق کا شکریہ ادا کرنے کا رخ نہیں اختیار کرتے۔ بلکہ یہ چیزیں ان کے استکبار کو بڑھاوا دیتی ہیں، اور ان کے لئے باعث عذاب بن جاتی ہیں۔ وہ اموال جو خلاف حق استعمال ہوں، یا خلاف حق جمع کر کے رکھے جائیں، ہمیشہ باعث عذاب ہوتے ہیں۔ وہ اولاد جس کو حدود اللہ کا احترام نہ سکھایا جائے، ہمیشہ باعث عذاب ہوتی ہے۔ فاسق لوگوں کے دلوں میں اموال و اولاد کی حُب اتنی شدید ہوتی ہے کہ وہ یہ دیکھتے ہی نہیں کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت مسلسل کم ہو رہا ہے، اور حالت کفر میں ہی ان کا دم نکل جاتا ہے۔

حاصل : فاسقین کے اموال و اولاد پر تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ یہ چیزیں حیات دنیا میں ان کے لئے باعث عذاب بن جاتی ہیں، اور ان بے ادبوں کا دم حالت کفر میں ہی نکل جاتا ہے۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝٨٦

اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی معیّت میں جہاد کرو، تو ان کے مقدور والے آپ سے اذن مانگتے ہیں، اور کہتے ہیں، ہمیں چھوڑ دیجئے کہ ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں۔

جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے اور حکم ہوتا ہے، اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے ساتھ اس دعوے کی صداقت کا ثبوت یوں پیش کرو کہ راہ حق میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیّت میں، کافروں کے ساتھ جہاد کرو، تو منافقین میں سے مقدور والے اور استطاعت والے، عرض کرنے لگتے ہیں کہ حضور ہمیں تو اجازت دے دیجئے کہ ہم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ رہیں۔

حاصل : منافق مقدور والے ہوں، استطاعت رکھتے ہوں تو جہاد سے جی چرایا کرتے ہیں اور اموال و

اولاد کی حُب انہیں حق کی ادائیگی سے روک لیتی ہے۔

رَضُوا بِاَنْ یَّکُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

راضی ہوئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں، ان کے قلوب پر مہر کر دی گئی تو وہ سمجھتے نہیں۔

بے شرمی کی انتہا یہ ہے کہ میدان جہاد میں جا کر اپنے اموال وانفس سے جہاد کرنے کی بجائے، پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے میں خوشی محسوس ہو۔ ایسے لوگوں کے قلوب پر مہر کر دی جاتی ہے۔ وہ اصلاح کی حد سے گزر جاتے ہیں۔ پھر انہیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ جہاد میں کیا فوز و فلاح ہے، اور کذب و انفاق کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہنے میں کیا ہلاکت و شقاوت ہے۔

حاصل : جو اپنی خوشی کو حق کے مقابل اہمیت دے وہ بے شرم ہوتا ہے، جو جہاد میں جانے سے جی چرائے اور پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہ کر راضی ہو وہ انتہائی بے شرم ہوتا ہے۔ جس قلب میں حق کی طلب نہ رہے، اس پر مہر کر دی جاتی ہے، اور وہ سمجھنے کی راہ کو چھوڑ جاتا ہے۔

لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَیْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

لیکن رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور جو ان کی معیّت میں ایمان لائے، انہوں نے اپنے اموال و انفس سے جہاد کیا۔ اور انہی کے لئے بھلائیاں ہیں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو بھی کیا، رضائے الٰہی کے لئے کیا اور علم الٰہی سے کیا۔ عبدیت کے دائرے میں اس سے بڑا کوئی معیار نہیں۔ جو لوگ آپ کے ساتھ محبت رکھنے والے ہوں، انہیں ایمان کی دولت ملی۔ جسے ایمان کی دولت نصیب ہو، اسے آپ کا "ساتھ" نصیب ہوتا ہے۔ اور جسے یہ شرف حاصل ہو وہ اللہ کے عطا کردہ اموال و انفس کو جہاد فی سبیل اللہ میں لگا کر بڑی راحت پاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں، اور دنیا و آخرت میں ان لوگوں کو فلاح حاصل ہو گی۔ فلاح اعمال کے عنداللہ پسندیدہ ہونے کی سند ہے۔

حاصل : اموال و انفس سے جہاد کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت ہے۔ آپ کی معیّت کا مقام شاہدین کی معیّت کی صورت سے تاقیامت جاری رہے گا۔ رخ صحیح ہو تو اعمال صالح ہوتے ہیں، اعمال صالح ہوں تو فلاح ہوتی ہے۔

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں، جن کے تحت نہری جاری ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

جن لوگوں نے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کیا، وہ عند اللہ اپنی صداقت کی سند رکھتے ہیں۔ ایسے پاک لوگوں کے لئے اللہ نے جنتیں تیار کر رکھی ہیں، جو زیر زمین نہروں کے ساتھ سدا بہار ہوں گی، اور یہ حضرات گرامی قدر ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ جزا دینے والا مالک مطلق راضی ہو جائے تو یہ عظیم کامیابی ہے۔

حاصل : پاک لوگوں کی میزبانی کا شرف ہو، تو خدائی طریقے کا ادب کرنا چاہئے۔ زیر زمین نہروں سے جو آبادی ہو سکتی ہے۔ اس کا کوئی بدل نہیں۔ مالکِ مطلق کی رضا حاصل ہو جائے تو یہ عظیم کامیابی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا ہے:

قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

اسی کا قول حق ہے۔ اسی کی بادشاہی ہو گی، جس دن صور پھونکا جائے گا۔ ہر چھپے اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ اور وہی حکمت والا خبر رکھنے والا ہے۔

وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

اور عذر کرنے والے اعراب آئے کہ انہیں اذن دیا جائے، اور بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے جھوٹ بولا تھا۔ جلد ان میں کے کافروں کو المناک عذاب پہنچے گا۔

جہاد کے لئے بلاوا سن کر دیہات کے رہنے والے لوگ آئے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عذر پیش کر کے جہاد میں نہ جانے کے لئے رخصت مانگی۔ عذر پیش کرنے والا یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ تسلیم کرنے والا ہے، مگر مجبوریوں میں گھرا ہوا ہے، اس لئے جہاد میں نہ جانے کے لئے اجازت چاہتا ہے۔ اپنے حالات بیان کرنے کے بعد، جہاد سے رخصت طلب کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نہیں چھوڑا گیا، بلکہ فیصلہ خود ہی کر لیا گیا ہے۔ یہ انتہائی بے ادبی ہے کہ بہتر جاننے والوں سے روشنی لینے کی بجائے، ان سے یہ درخواست کی جائے کہ جو ہم چاہتے ہیں آپ اس کی تصدیق فرما دیں۔ منافقین میں سے وہ لوگ بھی تھے جو سماجی تقاضے کے طور پر

ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ جب انہیں جہاد کے لئے بلاوا ملا، تو وہ پریشان ہو گئے کہ یہ تو موت کا پیغام ہے۔ یہ لوگ عذر کرنے کے لئے بھی نہ آئے اور گھروں میں چھپ کر بیٹھے رہے۔ جو لوگ عمل کے مقام پر حکم خداوندی کی تعمیل سے انکار کر دیں، وہ کافر ہی کہلائیں گے۔ ایسے لوگوں کو المناک عذاب میں جلد پکڑ لیا جاتا ہے۔ اور جس مفاد اور دلچسپی کو انہوں نے عزیز تر جان کر جہاد سے بچنے کی کوشش کی ہوتی ہے، اس پر ان کا اختیار نہیں رہتا۔ انہیں ایسی سزا ملتی ہے جو ان کے تصور میں بھی نہیں ہوتی۔ آخرت میں تو انہیں عذاب الیم ہو گا ہی۔

حاصل : عذر پیش کرنے والا ہمیشہ اپنے فیصلے کی تصدیق چاہتا ہے، وہ بہتر جاننے والوں سے روشنی لینا پسند نہیں کرتا۔ سماجی تقاضے کے طور پر حق کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے عمل کے مقام پر بھی پورے نہیں رہ سکتے۔ مفاد پرستوں کو ایسی سزا ملتی ہے کہ وہ ان کے تصور میں بھی نہیں ہوتی۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩١﴾

ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں، اور نہ مریضوں پر اور نہ ان پر جنہیں خرچ کرنے کا مقدور نہیں، جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ خلوص دل سے وفادار ہوں۔ محسنین پر کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

جن لوگوں کے جہاد پر نہ جانے میں حرج نہیں، ان کا خلوص دل سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وفادار ہونا، ضروری ہے۔ بوڑھے لوگ جو جسمانی طور پر دوسروں کا سہارا لیتے ہوں مگر جنگ کے علم کے کسی شعبے میں خصوصی مہارت نہ رکھتے ہوں، ان کا جہاد میں نہ جانا کچھ حرج کی بات نہیں۔ تجربے اور مہارت کے حامل بوڑھے لوگ جہاد میں رہنمائی کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں، اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ مریضوں کے نہ جانے میں کچھ حرج نہیں، مرض وقتی ہے یا دائمی یہ ضرور دیکھا جائے گا۔ مثلاً ایسی بیماری جس کے دور ہونے میں دیر نہیں لگتی اور جسم کا اعتدال جلد بحال ہو جاتا ہے، جہاد پر نہ جانے کا جواز نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں کے نہ جانے میں بھی حرج نہیں جو خرچ کرنے کا مقدور نہیں رکھتے، ان کے پاس اتنا مال بھی نہیں ہوتا کہ وہ کم سے کم سامان جہاد خرید سکیں اور اپنے گھر والوں کے لئے کچھ بندوبست کر سکیں۔ ضعیف ہو، بیمار ہو یا نادار ہو، جس نے اپنی سہولت کو مدِّنظر رکھ کر جہاد میں نہ جانے کی درخواست کی، وہ محسنین میں شمار نہیں ہو سکتا۔ محسنین وہی ہیں، جنہیں حال پر حق کی احسن ادائیگی کا شوق ہوتا ہے۔ خلوصِ نیت کے ساتھ اگر کسی نے ضعف، بیمار یا ناداری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کی ہو، اور وہ ضعف، بیماری یا ناداری جلد رفع ہو جائے، تو اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : ضعیف، بیمار اور نادار کے جہاد پر نہ جانے میں حرج نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ خلوص دل سے وفاداری بہرحال ہو۔ محسنین اپنی سہولت کے مقابل دوسروں کے سکھ کو اہمیت دیتے ہیں۔ اپنی حیثیت اور کیفیت کے بارے میں اندازہ درست نہ ثابت ہو، تو اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾

اور نہ ان پر جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ انہیں سوار کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تمہیں اس پر سوار کروں۔ تو واپس ہوئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے، اس غم میں کہ خرچ کرنے کا مقدور نہیں رکھتے تھے۔

ان لوگوں پر بھی مواخذہ نہیں، جو جہاد میں شامل ہونے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ انہیں بھی شرف معیّت سے نوازا جائے۔ حضور نے ارشاد فرمایا، کوئی چیز نہیں کہ تمہیں اس پر سوار کیا جائے، تو یہ لوگ روتے ہوئے واپس گئے۔ غم یہی تھا کہ خرچ کرنے کا مقدور نہیں رکھتے، اور حضور کی معیّت میں جہاد کا موقع پاکر آپ کے ساتھ جا نہیں سکتے۔

حاصل : جہاد کے لئے امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خدمات پیش کرنا ضروری ہے، چاہے خرچ کرنے کا مقدور نہ بھی ہو۔ اپنی گرہ سے خرچ کرنا جہاد کے لوازمات سے ہے۔ جو دل سے شاہد کے ساتھ ہو وہ ہر مقام پر ساتھ ہوتا ہے۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٣﴾

راہ تو انہیں پر ہے جو آپ سے اذن مانگتے ہیں، اور ہیں وہ اغنیاء۔ وہ راضی ہیں کہ عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہیں۔ اور اللہ نے ان کے قلوب پر مہر کر دی، تو وہ جانتے نہیں۔

ان پر مواخذہ کی راہ ہے، جو قدرت و استطاعت کے باوجود جہاد سے پہلوتہی کرتے ہوئے، عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھے

رہنے کے لئے اجازت طلب کرنے آتے ہیں، مگر وہ نادار نہیں ہوتے۔ انھیں خوشی اس بات پر ہوتی ہے کہ جہاد سے عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہیں گے تو سکھ پائیں گے۔ جہاد میں مال بھی نہیں لگے گا۔ جان بھی خطرات میں نہیں پڑے گی۔ جس کو خلاف حق کرنے میں خوشی ہو۔ وہ شاہد سے دوری میں راضی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مہر کر دی جاتی ہے۔ جس بات پر نفس راضی ہو وہ بھی منشاء ایزدی کے تحت ہوتی ہے۔ اور جس بات سے نفس کو کراہت ہو، وہاں بھی نظام منشاء ایزدی کے تحت ہوتا ہے۔ جب اللہ کی قدرت بہرحال محیط ہے، تو خلافِ حق کرنے سے بڑی بے علمی اور کیا ہو گی۔

حاصل : قوت و استطاعت کی موجودگی میں جہاد سے پہلو تہی کرنے والے بے حمیت ہوتے ہیں۔ یہ عملاً اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ شاہد سے دوری میں خوشی ہو تو دل پر مہر لگ جاتی ہے، پھر علمِ حقیقی کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾

جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو تمہارے پاس بہانے لائیں گے۔ فرما دیجئے، بہانے نہ سناؤ ہم قطعاً تمہارے بہانوں کو نہیں مانیں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہاری خبریں دے دی ہیں۔ اب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تمہارے عمل دیکھیں گے۔ پھر تم غیب اور ظاہر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے، تو وہ تمہیں خبر دے گا جو تم کرتے تھے۔

جنگ کے لئے روانہ ہونے کے وقت منافقین خود کو مومنین سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسی میں انہیں اپنی سلامتی نظر آتی ہے۔ اور جب خلاف توقع مومنین فتح یاب ہو کر لوٹتے ہیں تو منافقین اپنے سابقہ رویئے کے بارے میں قسمیں کھا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے اعذار بجا تھے۔ وہاں حکم ہوتا ہے کہ فرما دیجئے، بہانے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ہمارا رویّہ کسی اندازے قیافے پر مبنی نہیں ہے۔ ہم تو علیمِ مطلق کے عطا کردہ علم کی روشنی میں تمہیں دیکھتے ہیں۔ ماضی میں جو تم کر چکے ہو۔ اس میں تمہاری صداقت کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اب پھر تم دعویٰ کر رہے ہو کہ تم حق کو ماننے والے ہو۔ اس دعوے کے ساتھ تمہارے اعمال کو دیکھا جائے گا اور حال پر شہادت دی جائے گی۔ پھر تم عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، جو تمہاری نیت کو بھی جانتا ہے۔ اور اعمال کو بھی جانتا ہے۔ پوری پوری جزا دینا اسی کی شان ہے۔ جو عمل رضائے الٰہی کے

لئے کیا جائے گا، وہ بھی تمہیں بتا دے گا، اور جو عمل لوگوں کی خوشی کے لئے کیا جائے گا، وہ بھی تمہیں بتا دے گا۔ اس بات کا یقین ہو، تو پاکیزگی کو ہر مقام پر موجود ہونا چاہیئے۔

حاصل : منافقین کا رویّہ مومنین کے جنگ پر روانہ ہوتے وقت کچھ اور ہوتا ہے اور ان کی واپسی پر کچھ اور ہوتا ہے۔ مومنین کبھی منافقوں کے بہانوں کو نہیں مانتے۔ انہیں یہی کہنا چاہیئے، تمہارے دعوے کو حال پر دیکھا جائے گا، پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے، جس سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کی پوری خبر دے گا۔

سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾

جب تم پلٹ کر جاؤ گے تو تمہارے آگے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے اعراض کرو۔ تو تم ان سے اعراض کرو۔ بے شک وہ رجس ہیں، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، جزا اس کی جو کسب وہ کرتے تھے۔

منافقین میں سے وہ لوگ جو آئندہ پاک رہنے کے دعوے میں سنجیدہ نہیں ہوتے، مومنین کے سامنے، جنگ سے واپسی کے موقع پر اللہ کی قسمیں کھا کر وقتی طور پر ملامت کے دکھ سے نکلنا چاہتے ہیں۔ منشاء یہ ہوتا ہے کہ ان کی قسموں کو سن کر ان سے اعراض کیا جائے اور انہیں نیک نیت مان لیا جائے۔ حکم خداوندی ہے، ان سے اعراض اس لئے کیا جائے کہ وہ پلید ہیں، اور پاک لوگوں سے انہیں کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہاں بھی ان کا راستہ الگ ہے، آخرت میں بھی وہ اپنے کیئے کی جزا جہنم کی صورت میں پائیں گے۔ جس نے شعوری طور پر خود کو مومنین سے الگ کر لیا ہو اور ناپاکی کی راہ کو اپنے لئے چن لیا ہو، اس کی قسمیں اس کے مکرو فریب کا ہی حصہ ہوتی ہیں۔

حاصل : منافق جب پاک رہنے کے دعوے میں سنجیدہ نہ ہو، تو اللہ کی قسمیں کھا کر وقتی ملامت کے دکھ سے نکلنا چاہتا ہے۔ اس سے اعراض اس لئے کرنا چاہیئے، کہ وہ ناپاک ہے۔ اور ناپاک اور پاک کے مابین وقف لازم ہوتا ہے۔ پلیدی کا انجام جہنم ہے اور پلیدی پر کوئی مجبور نہیں ہوتا۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ پھر اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اللہ تو فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہو گا۔

منافق قسمیں کھا کر مومنین کو اپنی مجبوری کا یقین دلاتے ہیں، اور انہیں راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مومنین یہ جانتے ہیں کہ جس کو اللہ کی رضا مطلوب ہو وہی ان کا دوست ہے، اور جس کو اللہ کی رضا مطلوب ہو، وہ جہاد فی سبیل اللہ کے مقام سے بھاگنے اور بچ نکلنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اگر مومن کسی مقام پر فاسقین سے راضی ہو جائیں اور بغیر سند ان کی حسن نیت کو مان لیں، تو یہ بات اللہ کے نزدیک صحیح نہیں ہوگی کہ اللہ کبھی فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

حاصل : قسمیں کھا کر اپنی نیک نیتی کا ثبوت دینے والوں سے راضی ہو جانا کبھی خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اسی سے راضی ہونا چاہئے، جس سے اللہ راضی ہو۔ اللہ اسی سے راضی ہوتا ہے، جو حق کے مقابل کبھی اپنی پسند اور ناپسند کو اہمیت نہ دے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾

اعراب، کفر و نفاق میں اشد ہیں، اور اسی لائق ہیں کہ ان حدود کو نہ جان سکیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائیں۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

اعراب وہ دیہاتی لوگ ہیں، جو سماجی تقاضوں کے پیش نظر ایمان لانے کا دعویٰ تو کرتے ہیں، مگر ایمان ان کے قلوب میں داخل نہیں ہوا ہوتا۔ وہ اپنی تسلیم کو ہی ایمان کہتے رہتے ہیں، اور معیار اخلاق ان کے ہاں وہی رہتا ہے، جو حق کو ماننے کے دعوے سے پہلے تھا۔ حق کا علم ہو جائے اور پھر بھی رسم و رواج کے حوالے سے اس کا انکار کر دیا جائے تو یہ کفر ہے۔ اور نام حق کا لیتے ہوئے کیا وہی جائے جو اپنے جی میں آئے تو یہ نفاق ہے۔ یہ دونوں کیفیتیں ان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہوں گی، جو اپنا زیادہ وقت حصول معاش میں ہی صرف کر دیتے ہیں اور علم و عرفان اور تہذیب و شائستگی کو غیر ضروری جانتے ہیں۔ جب ان کے اندر حدود اللہ کے جاننے کی طلب ہی نہ ہو، تو علم کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔ بندگی کا حق تبھی ادا ہو سکتا ہے، جب بندہ بھی علم و حکمت کی طلب رکھتا ہو۔ ورنہ بہیمیت اور ظلمت کے دائروں سے نکلنا ہی محال ہوتا ہے۔ اہل ذکر اور علماء عارفین کی مجالس میں حاضری سے جو فائدہ پہنچ سکتا ہے، اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ کرنے والے وہ دیہاتی جو اپنا بیشتر وقت حصول معاش میں لگا دیتے ہیں، اور حق کے مقابل سابقہ رسم و رواج کے ساتھ لگے رہتے ہیں، کفر و نفاق میں اشد ہوتے ہیں۔ علم و حکمت کی طلب ہو تو بندگی کا حق ادا ہوتا ہے، ورنہ بہیمیت کے دائرے سے نکلنا ممکن ہی نہیں۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾

اور اعراب میں سے کچھ انفاق کو تاوان سمجھتے ہیں، اور تم پر گردشوں کے انتظار میں رہتے ہیں۔ انہی پر ہے بُری گردش۔

اور اللہ سننے والا، علم والا ہے۔

اعراب میں سے وہ لوگ جو رضائے الٰہی کے طالب نہیں ہوتے، جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع پاتے ہیں، تو اس خرچ کو تاوان اور جرمانہ جان کر کراہت سے انفاق کرتے ہیں۔ انہیں یہ انتظار ہوتا ہے کہ حوادث دہر سے مسلمانوں کا زور کم ہو، اور وہ من مانی نہ کر سکنے کے دائرے سے نکلیں۔ مگر بری گردش توانہی بدخواہوں پر ہے۔ اللہ کے ہاں اسلام پسندیدہ دین ہے۔ اللہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرنا چاہتا ہے۔ بدخواہوں کو اس سے کراہت بھی ہو، تو ہو گا وہی جو اللہ چاہتا ہے۔ وہ سننے والا ہے، علم والا ہے۔ وہ ہر آواز کو سنتا ہے، اور ہر حال کا علم رکھتا ہے۔ جزا دینے والا جانتا ہے کون کیا کہہ رہا ہے، اور کیا سوچ رہا ہے۔

حاصل : جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کو تاوان سمجھے، وہ اپنی سماجی ضرورت کے تحت مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسے انتظار ہوتا ہے کہ حوادث زمانہ سے مسلمانوں کا زور کم ہو اور وہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے بچ جائے۔ جس کی نیت بُری ہوگی، بری گردش تو اسی پر آئے گی۔ جزا دینے والا ہر آواز کو سنتا ہے، اور ہر سوچ کو جانتا ہے، اس لئے ماننے والوں کی آواز بھی درست ہونی چاہئے، سوچ بھی صحیح ہونی چاہئے۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

اور اعراب میں سے وہ بھی ہیں جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں، اور اپنے انفاق کو اللہ کی قربت اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعا کا ذریعہ جانتے ہیں۔ سن لو وہ ان کے لئے باعث قرب ہے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بےشک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

اعراب میں سے کفر و نفاق اور جہل و طغیان میں اشد لوگ بھی ہیں، وہ بھی ہیں کہ جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کو تاوان جانتے ہیں اور مومنین کے بدخواہ ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، جزا کا یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اس یقین سے خرچ کرتے ہیں کہ اس سے انہیں قرب الٰہی نصیب ہو گا، اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دعائیں ملیں گی۔ ان دعاؤں سے جو برکت ملے گی وہ بے حساب ہوگی۔ یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ جس کام میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی نظر آئے وہ ضرور کرنا ہے۔ جب یہ رسم و رواج کو اہمیت دینا چھوڑ دیں، تو انہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے قرب کی صورت میں رحمت خداوندی نصیب ہوتی ہے۔ ان کا حال ماضی سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان کے [illegible]
نفی ہو جاتی ہے۔ اللہ انہیں بخشش بھی دیتا ہے۔ اور ان پر رحم بھی فرماتا ہے۔ اللہ کے رحم سے جو سکھ ملتا ہے۔ وہ کسی دوسری
صورت سے مل ہی نہیں سکتا۔

حاصل : اعراب کو ابتداءً الفاظ کی موزونیت کا پتہ نہیں ہوتا، مگر جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں، اور قرب الٰہی اور دعاءِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے خرچ کرتے ہیں، وہ اللہ کی رحمت سے نوازے جاتے ہیں۔ انہیں بخشش بھی ملتی ہے، سکھ بھی ملتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسرآء میں ارشاد فرمایا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۙ وَلَا يَزِيدُ الظَّٰلِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾

اور ہم قرآن میں وہ نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ اور ظالمین کو اس سے خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

وَالسَّٰبِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَٰجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾

اور مہاجرین و انصار سے سبقت کرنے والے اول حضرات اور جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ ان کے لئے جنّتیں تیار کر رکھی ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ عظیم کامیابی ہے۔

مہاجرین و انصار میں سے وہ لوگ جنہوں نے دعوت حق کو سنا، اور ماننے کے بعد آنے والے مشکل مقامات کو دیکھنے کے باوجود ماننے میں سبقت کی، ان حضرات کی ذاتی زندگیوں میں حق کو پانے کی طلب اس قدر تھی، کہ جب انہوں نے دعوت حق کو سنا تو کسی سے مشورہ کر کے نہیں مانا۔ سابقونَ الاوّلون میں سے ہر ایک صاحب، لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے میں سہارا دے کر اپنا حق ادا کرتا رہا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے سابقونَ الاوّلون کا اتباع کیا اور قدر و منزلت کے ساتھ ان کی خدمت کی، یہ بھی ان کے نور سے منور ہوئے۔ اللہ ان حضرات سے راضی ہوا۔ ان پاک لوگوں نے اللہ کے فرمان کو مانا، اور اپنے ماننے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شاہد بنایا۔ یہ پاک لوگ اللہ سے راضی ہوئے کہ اللہ نے انہیں صبر و شکر کے تمام مقامات سے معیّت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بدولت سلامتی کے ساتھ گزرنے کا شرف بخشا۔ ان کے لئے اللہ نے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ان باغوں کی بہار دائمی ہوگی، اور یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عظیم کامیابی اس بنا

پر ہے کہ دعوتِ حق کو سن کر اسے فوراً مانا گیا ہے، اور ماننے کے بعد عطائے الٰہی کو بڑے ادب کے ساتھ رضائے الٰہی پر خرچ کیا گیا ہے، یہ نہیں دیکھا گیا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

حاصل : حق کو پانے کی طلب ہو تو دعوت حق کو سن کر فوراً ماننا چاہئے۔ انہی حضرات کا اتباع باعث فلاح ہوتا ہے، جو صبر و شکر کے تمام مقامات پر معیّت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں رہتے ہوں۔ اللہ کا راضی ہو جانا، اور اللہ سے راضی ہو جانا عظیم کامیابی ہے۔

مع ۵ عند المتاخرین ۱۲ وقف منزل

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

اور تمہارے گرد کے بعض اعراب منافق ہیں، اور مدینہ والوں سے کچھ، نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ تم ان کو نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم انہیں دو بار عذاب دیں گے، پھر انہیں عذاب عظیم کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

اہل مدینہ سے کچھ لوگ منافقت کرتے تھے، اور مدینہ کے گرد و پیش کے رہنے والوں میں بھی کچھ اعراب منافق تھے۔ ان لوگوں نے نفاق کو اپنی خو بنالیا تھا، اور یہ دوغلے پن سے ہٹتے نہیں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فطانت و فراست سے لوگوں کو فلاح کی دعوت دیتے تھے۔ اور دعوت فلاح دینے والے کی نظر بظاہر خیر کا رخ رکھنے والوں کی خوبیوں پر ہی ہونی چاہئے، کسی کو منافق، فاسق اور مہر شدہ قلب والا قرار دینا تو علیم مطلق کا کام ہے۔ جہاں محبت کی کمی اور منافقت کی حدود آپس میں ملتی ہیں، وہاں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسی نظر رحمت سے دیکھا ہے، جو انبیاءِ سابقین کے مقابل آپ کا امتیاز ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کے منافق ہونے کی شہادت نہیں دی گئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی کے منافق ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ منافقوں کو دو بار عذاب دینا، اللہ کا طریقہ ہے۔ ایک عذاب تو منافقت کے لیبل کے ساتھ ہونے والی رسوائی کی صورت میں ہوتا ہے، اور دوسرا عذاب مومنین کی اس کامیابی سے ہوتا ہے، جس کو روکنے کی منافقین نے انتہائی کوشش کی ہو۔ اس کے بعد بڑے عذاب کی طرف ان کا پھیر دیا جانا ان کے لئے دائمی دکھ کا باعث ہو گا۔

حاصل : شاہد سے محبت میں کمی کا احساس ہو جائے تو جاننا چاہئے کہ نفاق کا دائرہ قریب ہی ہے، جس میں داخل ہونے کے بعد گمراہی سے نکلنا ممکن نہیں رہتا۔ کسی کو منافق کہنے میں جلدی کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کی سنت کے منافی ہے۔ منافق عزت کے حصول کے لئے بہت حساس ہوتا ہے، مگر اسے دوہری رسوائی ملتی ہے۔ بڑا عذاب تو پھر اس کے لئے ہوتا ہی ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾

اور کچھ وہ ہیں کہ انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ انہوں نے ایک صالح عمل کو دوسرے بُرے سے ملایا۔ قریب ہے کہ اللہ ان پر توجہ فرمائے۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

جن لوگوں کو اعتراف ہو کہ انہوں نے شاہد سے محبت رکھنے کے فرمان کی تعمیل میں کوتاہی کی ہے، جو اقرار کریں کہ انہوں نے ناصح کی بات کو اپنے محبوب کی بات نہیں سمجھا، ان کا مرض ان پر واضح ہو جاتا ہے۔ وہ شاہد سے تعلق تو رکھتے ہیں مگر پورا تعلق نہیں رکھتے۔ جہاں شاہد کا اتباع ہوتا ہے، وہاں ان کا عمل صالح ہوتا ہے۔ جہاں وہ اپنی مرضی کرتے ہیں، وہاں ان کا عمل برا ہوتا ہے۔ اور جب تک یہ اپنی مرضی کرنے سے رک نہیں جاتے، اچھے عمل کے ساتھ بُرا عمل ملا رہتا ہے۔ ایسے لوگوں پر جب اپنے گناہوں کے اعتراف کا مقام آجائے، تو وہ اصلاح کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اللہ ان پر توجہ فرماتا ہے، ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ان کے وجود میں محبت کی طغیانی آجاتی ہے، اللہ اپنی بخشش سے ان کے نامہ اعمال کی سیاہی کو دور کر دیتا ہے، اور ان پر رحم فرماتا ہے۔ اس رحم سے انہیں تائید ملتی ہے، اور وہ استقامت سے صراط مستقیم پر رہتے ہیں۔

حاصل : جو دعوئ ایمان کے بعد اعتراف کریں کہ شاہد سے محبت رکھنے میں ان سے کوتاہی ہوئی ہے، ان کے صالح عمل بڑھ جاتے ہیں، بُرے عمل کم ہونے لگتے ہیں۔ اللہ ان کے وجود میں محبت کو بڑھاوا دیتا ہے۔ انہیں بخشش سے بھی نوازتا ہے، ان پر رحم بھی فرماتا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾

ان کے اموال سے صدقہ لیجئے، اور انہیں صاف اور پاک کیجئے اس سے، اور انہیں دعا دیجئے۔ بے شک آپ کی دعا انہیں سکون دیتی ہے۔ اور اللہ سننے والا، علم والا ہے۔

مذکورہ حضرات جن کو اپنے گناہوں کا اعتراف ہوا، اور جن کے صالح اعمال، برے اعمال سے ملے ہوئے تھے، ان سے صدقہ لینا ان کی برائی اور کثافت کو دور کر کے انہیں پاک کرنے کا باعث بنے گا۔ طہارت و تزکیہ دونوں عطا ہوتے ہیں۔ طہارت سے کثافت دور ہوتی ہے، تزکیئے سے فلاح حاصل ہوتی ہے، اور پاک لوگوں کی صف میں شمار ہو جاتا ہے۔ جن سے صدقہ لیا جائے، ان کو دعاؤں سے نوازنا امرالٰہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعائیں محبّین کو سکون بخشتی تھیں، ان کے لئے باعث برکت ہوتی تھیں، اور انہیں صدقے کی مقدار سے نسبت نہیں ہوتی تھی۔ محبت رکھنے والوں کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان پاک سے نکلا ہوا ہر لفظ رحمت اور برکات کے حوالے سے عطاء بے بہا ہوتا تھا۔ اس سکون میں ان کے

اندر یہ دعا نکلتی تھی : یااللہ جو کچھ درِ اقدس سے عطا ہوا ہے، اس کا شکریہ ادا کرنے میں ہم سے کوتاہی نہ ہو۔ اللہ سننے والا، علم والا ہے۔ اللہ ہر بات کو سنتا ہے. اور اس کے پیچھے جو بھی نیت ہو، اس کا علم رکھتا ہے۔

حاصل : گناہوں کے اعتراف کے بعد جو اصلاح کی طرف آئیں، ان سے صدقہ لینا، ان کے لئے طہارت و تزکیئے کا باعث ہوتا ہے۔ انہیں دعائیں دینی چاہئیں : اللہ ان کے اموال میں برکت دے، ان کی اولاد میں برکت دے، انہیں اپنے فضل سے نوازتا رہے، انہیں حال پر بھی شاہدین کی معیّت نصیب ہو، آخرت میں بھی وہ پاک لوگوں کے ساتھ اٹھائے جائیں۔ جس کے لئے دعا کی جائے اسے یقین ہونا چاہئے کہ ان مقامات پر پورا رہنا اس کے ذمے ہے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات لیتا ہے، اور یہ کہ اللہ ہی توجہ فرمانے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

توبہ قبول کرنا اسی کی شان کے لائق ہے، جو سب کو جزا دینے والا ہے۔ توبہ وہ کرتا ہے، جسے معلوم ہو کہ اسے کیا کرنا چاہئے تھا، اور اس نے کیا کیا ہے۔ توبہ کرنے والا، اپنے نفس سے مدد لینا چھوڑ دیتا ہے۔ ماضی میں جن مقامات پر اس کے قدم ڈگمگا چکے ہوں، ان مقامات پر آئندہ گزرتے ہوئے وہ شاہد کے نقوشِ قدم کو دیکھتے ہوئے سلامتی سے گزرنے کا عزم کرتا ہے۔ جو اللہ کا ہو جائے اس کی توبہ ضرور قبول ہوتی ہے، اور اللہ کے ہاں جس کا صدقہ قبولیت کا شرف پائے، رحمت و برکات اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ جو اپنی خواہشات کے اتباع کے دائرے سے نکل آئے، اللہ اس پر توجہ فرماتا ہے، اس کو حقائق تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے، اور آسانیاں عطا فرماتا رہتا ہے۔

حاصل : ہمیں معلوم ہونا چاہئے، بندگی اسی کی ہے جو اللہ کا ہو جائے۔ توبہ بھی اسی کی قبول ہوتی ہے جو اللہ کا ہو جائے۔ جس کا صدقہ عنداللہ قبول ہو، رحمت و برکات اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ جو من مانی کرنے کے گناہ سے بچے، اللہ اس پر توجہ بھی فرماتا ہے، رحم بھی فرماتا ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

فرما دیجئے، عمل کرو۔ تو اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مومن تمہارے عمل دیکھیں گے۔ اور جلد تم لوٹائے جاؤ گے غیب اور کھلے کے جاننے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾

والے کی طرف۔ پھر وہ تمہیں خبر دے گا جو عمل تم کرتے تھے۔

جو لوگ برائی سے توبہ کرتے ہیں، قولاً توبہ ان کے اعلان توبہ سے ہو جاتی ہے۔ عملاً توبہ تب ہوتی ہے، جب عمل توبہ کے دعوے کو سچا ثابت کرے۔ خلوت کی پاکیزگی کو اللہ ہی دیکھتا ہے، جلوت کی پاکیزگی کو دیکھنے والے، رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مومن ہیں۔ دونوں مقامات پر خوف خدا موجود ہو، حدود اللہ کا احترام پیش نظر ہو، تو یہ جزا پر یقین رکھنے کی سند ہو گی۔ اللہ غیب اور ظاہر کا کلی علم رکھتا ہے۔ اس سے کسی کی نیت بھی چھپی ہوئی نہیں ہوتی، عمل بھی چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کے بعد کوئی اپنے عمل کی حقیقت سے بے خبر نہیں رہتا۔

حاصل : توبہ کا اعلان کرنے والوں سے یہ کہنا چاہئے، عمل کرو۔ اللہ، اس کا رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مومن تمہارے عمل دیکھیں گے۔ پھر جب تم عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، تو تم پر حقیقت آشکار ہو جائے گی۔ جزا پر یقین ہو تو حال پر عمل سے اسے ظاہر ہونا چاہئے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

اور کچھ اللہ کے امر پر موقوف رکھے گئے ہیں، یا انہیں عذاب دے یا ان پر توجہ فرمائے۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جو ماضی میں حسن عمل کی وجہ سے اپنی ایک پہچان رکھتے تھے۔ مگر اس حال پر ان سے کوتاہی سرزد ہوئی، اور اس کوتاہی کو انہوں نے احساس ندامت کے ساتھ بیان نہیں کیا۔ غزوے میں شامل ہونا، حکم خداوندی تھا تو عدم شمولیت کا فیصلہ بھی حکم خداوندی کے تحت ہونا چاہئے تھا، ذاتی سہولت کے حوالے سے نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ان لوگوں کو اللہ کے امر پر موقوف رکھا گیا، وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے۔ عذاب اس صورت میں ہوتا، اگر ان کا احساس ندامت بیدار نہ ہوتا۔ اور توبہ تب قبول ہوتی اگر اپنے قصور کے اقرار کے ساتھ آئندہ من مانی کرنے سے رک جانے کا وعدہ کرتے۔ اللہ علم والا ہے، وہ ہر ایک کی نیت کو جانتا ہے۔ جس کے ساتھ بھی معاملہ کرتا ہے، اس کی حکمت کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔

حاصل : جو لوگ واضح طور پر احساس ندامت کے ساتھ اپنے قصور کو بیان نہ کریں، ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ وہ سزا کے لائق ہیں یا معافی کے لائق ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن کر دیا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا

اور وہ جنہوں نے ضرر پہنچانے اور انکار کرنے کے لئے، اور مومنین کے مابین

لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١٠٧

تفرّقہ ڈالنے کے لئے مسجد بنائی، اور اس کے گھات لگانے کے لئے جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے لڑ رہا ہے۔ اور وہ ضرور حلف اٹھائیں گے کہ ہمارا ارادہ محض بھلائی کا تھا۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ کاذب ہیں۔

منافقین نے مومنین کو نقصان پہنچانے کے لئے، حق کے انکار کے لئے اور مومنین کے مابین تفرّقہ ڈالنے کے لئے ایک مسجد نما عمارت بنائی۔ یہ مسجد نما عمارت مرکز فساد کے طور پر استعمال کی جانے والی تھی۔ اور اس میں اس شخص کو گھات لگا کر کارروائیاں کرنے کی سہولت دی جانے والی تھی، جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دشمن تھا۔ جب اس مسجد نما، مرکز فساد کی تعمیر کے مقاصد لوگوں کے سامنے آئے تو منافقین نے قسمیں کھائیں کہ ہمارا ارادہ تو محض بھلائی کرنے کا تھا۔ علیمِ مطلق نے شہادت دی کہ وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ مقصد تعمیر کو دیکھنے کے لئے مومنین کے معاشرے میں بااختیار ادارہ موجود ہونا چاہئے، اور جس عمارت کو وہ ادارہ مسجد ضرار کا تسلسل قرار دے دے، اس عمارت کو نابود کرنا چاہئے۔

حاصل : بھلائی کے نام پر بنائے جانے والے وہ مراکز جہاں مومنین کو ضرر پہنچانا، حق کا انکار کرنا اور مومنین کے مابین تفرقہ ڈالنا مقصد تعمیر ہو، وہاں منکرینِ حق گھات لگا کر کارروائیاں کرنے کے لئے موجود ہوتے ہیں یا وہاں آنے والے ہوتے ہیں۔ جب ان کا راز کھل جائے تو قسمیں کھاتے ہیں کہ ان کا ارادہ بھلائی کرنے کا تھا، مگر وہ ہوتے کاذب ہیں۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝١٠٨

آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ ہاں وہ مسجد یومِ اوّل سے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو طہارت کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اللہ، پاک رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

مسجد ضرار میں نماز پڑھنا منع ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مرکز فساد کو عبادت خانہ کے طور پر استعمال نہیں ہونے دیا۔ مسجد وہی اللہ کا گھر ہوگی، یوم اول سے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو۔ جس کی تعمیر میں رضائے الٰہی کے علاوہ

کچھ مقصود نہ ہو، لازم ہے کہ وہ طیّب مال سے بنائی جائے، اس میں نمود و نمائش کو اہمیت نہ دی جائے۔ نماز پڑھنے والے عملاً اس کی تعمیر میں حصہ لیں اور امیرالمومنین کی طرف سے جس کام کے لئے حکم دیا جائے۔ اسے ادب سے کریں۔ جن لوگوں کو پاکیزگی عزیز ہوتی ہے۔ وہ لوگ اپنے قول کو بھی پاک رکھتے ہیں، عمل کو بھی خواہشات کی آلودگی سے بچاتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کو پیارے ہوتے ہیں۔

حاصل : مسجد ضرار کو مرکز فساد جاننا چاہئے۔ جہاں مومنین کو ضرر پہنچانے، حق کا انکار کرنے اور مومنین کے مابین تفرقہ ڈالنے کا کام ہوتا ہے۔ ایسی جگہ نماز پڑھنا منع ہے۔ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو، جس کو بنانے والے رضائے الٰہی کے لئے پاک رہتے ہوں۔ اس میں نماز پڑھنا برکت کا باعث ہو گا کہ ایسی مسجد کو اس مسجد سے نسبت ہوگی، جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم پر ان کی منشاء کے مطابق بنایا گیا تھا۔

اَفَمَنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ عَلٰی تَقۡوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٍ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانۡهَارَ بِهٖ فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾

تو کیا جس نے اپنی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر رکھی وہ بہتر ہے، یا وہ جس نے اپنی بنیاد ایک گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی پھر وہ اسے لے کر نارِ جہنّم میں گر پڑے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

کسی بھی عمارت کو مستحکم اور پائیدار بنانے کے لئے اس کو موزوں جگہ پر بنایا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد ایسی جگہ رکھی جاتی ہے، جو کمزور نہ ہو، اس کے ارد گرد کوئی ایسا سبب نہ ہو، جو اس بنیاد کو کمزور کرنے والا ہو اور اس عمارت کے لئے خطرے کا باعث بنے۔ جس کام کی بنیاد تقویٰ پر ہوگی، جس میں رضائے الٰہی مقصود ہوگی۔ اس کام کی ابتدا درست ہوگی۔ وہاں جو بھی بنے گا، اس میں خیر و خوبی ہی ہوگی۔ اور جس کام کی بنیاد اللہ سے نہ ڈرنے پر ہوگی۔ وہاں مکر و فریب بھی ہو گا۔ نفاق بھی ہو گا۔ ایسا کام کبھی مراد کو بھی نہیں پہنچے گا، اور اس کا انجام بھی جہنم ہی ہو گا، کہ ظالم صحیح فیصلہ کر ہی نہیں سکتا۔

حاصل : ہر کام کی ابتدا میں دیکھنا چاہئے، کیا تقویٰ موجود ہے، اور رضائے الٰہی مقصود ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس کام کو جاری رکھنا چاہئے، ورنہ جاننا چاہئے بنیاد درست نہیں ہے۔ جس کام کی ابتدا میں مکر و فریب اور نفاق موجود ہو، وہاں بھلائی سے دوری ہوتی رہے گی اور دوزخ کا قرب بڑھتا رہے گا۔ ظالم کو کبھی رضائے الٰہی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

لَا یَزَالُ بُنۡیَانُهُمُ الَّذِیۡ بَنَوۡا رِیۡبَةً فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَقَطَّعَ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ

وہ تعمیر ان کے قلوب میں کھٹکتی رہے گی، سوائے اس کے کہ ان کے دل ہی پارہ پارہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳

ہو جائیں۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

مسجد ضرار کے بنانے والوں نے مکر و فریب سے مومنین کو نقصان پہنچانے کی نیت کی، حق کے انکار کے لئے مرکز بنایا، اور مومنین کے مابین تفرقہ ڈالنے کے طریقے وضع کئے۔ اس تعمیر سے جو مقاصد وہ لوگ حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ ان کے قلوب میں گھر کر چکے تھے۔ ان مقاصد فاسدہ کا ان کے قلوب سے نکلنا اسی طرح ممکن تھا کہ ان کے قلوب پارہ پارہ ہو جائیں اور مرکز حیات ہی قائم نہ رہے۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان مقاصد سے آگاہ فرما دیا۔ اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔ کسی کی اسلام دشمنی سے اس کے مطلوبہ نتائج مرتب نہیں ہو جاتے۔

حاصل : مسجد ضرار کی نوع کی ہر تعمیر، بنانے والوں کے نزدیک انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ جیتے جی اس سے الگ نہیں ہوا کرتے۔ ایسی ہر تعمیر کو صفحہ ہستی سے مٹانا، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ علیم مطلق اور حکیم مطلق کا منشا کیا ہے، اسی کے مطابق اپنے رخ کو درست کرتے رہنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم السجدہ میں فرمایا ہے:

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُم بِهِۦ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِى شِقَاقٍۭ بَعِيدٍ ﴿۵۲﴾

فرما دیجئے بھلا بتاؤ، اگر یہ عند اللہ ہے، پھر تم اس کا انکار کرتے ہو۔ تو اس سے بڑا گمراہ کون جو دور کی ضد میں ہے۔

إِنَّ ٱللَّهَ ٱشْتَرَىٰ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَٰلَهُم بِأَنَّ لَهُمُ ٱلْجَنَّةَ ۚ يُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ وَٱلْقُرْءَانِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِۦ مِنَ ٱللَّهِ ۚ فَٱسْتَبْشِرُوا۟ بِبَيْعِكُمُ ٱلَّذِى بَايَعْتُم بِهِۦ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿۱۱۱﴾

بے شک اللہ نے مومنین سے ان کے انفس و اموال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے، خرید لئے ہیں۔ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، تو مارتے ہیں اور شہید ہوتے ہیں۔ وعدہ اس کے ذمے حق ہے، تورات اور انجیل اور قرآن میں، تو اللہ سے بڑا اپنے عہد کا وفا کرنے والا کون ہے۔ تو خوشیاں مناؤ اس بیع کی جو بیع تم نے اس سے کی ہے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

انفس و اموال کا عطا کرنے والا، اللہ تعالیٰ ہے۔ اور مومنین سے جنت کے عوض ان کا خریدنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ مالک حقیقی اپنی عطا کو مومنین سے خرید رہا ہے۔ یہ مومنین کی انتہائی عزت افزائی ہے کہ انفس اور اموال پر ان کے وقتی تصرف کے

رضائے الٰہی کے مطابق ہونے کا انعام انہیں جنت کی صورت میں دیا گیا ہے، جو دائمی انعام ہے۔ مومنین اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہیں۔ خلاف حق لڑنے والوں کو مارتے ہیں، اور فرمان خداوندی کے مطابق، کافروں کی طرف سے کسی بھی لڑنے والے کو بچانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس عمل میں حیاتِ دنیا کا تسلسل جاری رہے تو وہ غازی ہوتے ہیں، اور حیاتِ دنیا حیاتِ ابدی کی صورت اختیار کر لے تو وہ شہید ہوتے ہیں۔ انعام دینے کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہے، جو تورات، انجیل اور قرآن میں مذکور ہے۔ تورات اور انجیل میں اس وعدے کا ذکر ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انعام کا جو وعدہ حال پر ہے، وہی وعدہ ماضی میں بھی تھا۔ اللہ اپنی ذات پاک کے لئے کوئی احتیاج نہیں رکھتا، اور سب سے بڑا دینے والا بھی وہی ہے۔ اس لئے اس سے بڑا وعدے کو وفا کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ بیع میں ایک بیچنے والا اور ایک خریدنے والا ہوتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جو بیع کی جاتی ہے، اس کا مالکِ حقیقی بھی اللہ ہی ہوتا ہے۔ مالکِ حقیقی اپنے بندوں سے وہ بیع تب کرتا ہے، جب وہ یہ کہتے ہیں، یا اللہ ہم اپنی رضا کو تیری رضا پر قربان کرتے ہیں اور تیرے شاہدین کی معیت میں شمار کئے جانے کی درخواست کرتے ہیں۔ مومنین کو اس بیع سے بڑی خوشی ہوتی ہے کہ وقتی توفیق کے رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کی وجہ سے انہیں دائمی انعام ملا ہے، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

حاصل : عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لانے کا انعام جنت ہے۔ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہی غازی بھی ہوتا ہے، شہید بھی ہوتا ہے۔ انعام کا وعدہ مسلسل چلا آرہا ہے۔ حق کے مطابق وعدہ وفا کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا ساتھی ہوتا ہے۔ بیع ہو جانے والے کو یہ احساس رہنا چاہئے کہ اب میری مرضی کو مالک کل کی مرضی کے تابع رہنا ہے۔ ہمارے نزدیک بڑی کامیابی وہی ہو، جو اللہ کے نزدیک کامیابی ہے، تو ہماری بیع صحیح ہو گی۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، سیاحت کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، بھلائی کا امر کرنے والے، برائی سے منع کرنے والے، اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے۔ اور مومنین کو بشارت دیجئے۔

توبہ کا دروازہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے کھلا اور قیامت تک ان کی اولاد اس سے گزرتی رہے گی۔ جہاں نفس شریعت کا لبادہ پہن لے اور حق کے نام پر خواہش کی پیروی کی صورت بن جائے، تو ایسے قول و عمل سے توبہ کرنی چاہئے۔ وہاں رک جانا چاہئے اور سلامتی کی راہ لینی چاہئے۔ عبادت کرنے والے، اللہ کے عبد اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معیارِ مطلق جانتے ہیں، اظہار بندگی اس طرح کرتے ہیں کہ حق کا احترام بڑھے اور استکبار کی ہر صورت قابل نفرت ہو جائے۔ حمد کرنے والے، محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں اور شانِ خداوندی کو بیان کریں یا اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ

وسلم کو، اسی قدر بات کرتے ہیں، جس پر وہ خود عمل پیرا ہوں۔ سیاحت کرنے والے جہاں بھی جاتے ہیں، اپنے تجربے اور مشاہدے سے سیکھتے ہیں۔ لذائذ و مرغوبات کو مقصد حیات بنانے والوں کی عاقبت بھی انہیں نظر آتی ہے، اور شاہدین کی معیت میں خوف و حزن سے نجات پانے والے بھی انہیں نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ سیکھنے کی بڑی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تن آسان نہیں ہوتے۔ جس سے سیکھتے ہیں اس کا ادب کرتے ہیں، اور جس کو سکھاتے ہیں اس سے پیار کرتے ہیں۔ رکوع کرنے والے، رکوع کرنے والے پاک لوگوں کی معیت میں فلاح دیکھتے ہیں، اور جب بھی جھکتے ہیں، رضائے الٰہی کے لئے جھکتے ہیں۔ سجدہ کرنے والے جانتے ہیں، سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ قرآن پاک کی تلاوت کے دوران آیت سجدہ پڑھی جائے تو فوراً ایک سجدہ کیا جاتا ہے۔ اس میں وقت اور سمت کا تعین ضروری نہیں ہوتا۔ نماز کی ہر رکعت میں دو سجدے ہوتے ہیں، اس میں وقت اور سمت متعین ہے۔ سجدہ کرنے والے اللہ سے اس کا فضل طلب کرتے ہیں، اس کی تائید و نصرت طلب کرتے ہیں اور اپنے علم کو علم حقیقی کے مقابل حقیر جانتے ہیں۔ مذکورہ خوبیوں والے حضرات بھلائی کا امر کرتے ہیں۔ ان سے مشورہ لینا ہمیشہ باعث برکت ہوتا ہے۔ وہ جو بھی فرمائیں، کسی ذاتی غرض و غایت کے لئے نہیں فرماتے، ماننے والوں کی بھلائی کے لئے فرماتے ہیں، اور اجر کا سوال بھی نہیں کرتے۔ بُرائی سے منع کرنا بھی انہی حضرات کا کام ہے۔ بُرائی قول میں ہو تو عمل میں آتی ہے۔ یہ حضرات روشن کرتے ہیں کہ قول کی بُرائی معاشرتی مسائل کو بڑھاتی ہے۔ وہ قول برا ہوتا ہے جو سامعین کو نور سے ظلمات کی طرف جانے کی ترغیب دے۔ اور وہ عمل بُرا ہوتا ہے، جس میں عامل حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دے۔ برائی سے منع کرنے والے یہ بتاتے ہیں کہ رسم و رواج انسانوں کی پسند سے بنتے ہیں، اور انہی کے ذریعے کچھ لوگ استکبار کا اظہار کر کے دوسروں کو کمتر ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح سرمائے کی مقدار شرافت کا پیمانہ بن جاتی ہے، جو قطعاً غلط ہے۔ مندرجہ بالا صفات کے حامل لوگ، اللہ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ حدود کی حفاظت اس طرح ہوتی ہے کہ لوگ ان حدود کا احترام کریں، اور بے باکی کا مظاہرہ کبھی نہ کریں۔ ہر وہ حرکت جو ممنوعہ اعمال کی طرف لے جانے والی ہو، اس سے رک جانا، اللہ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرنے کی صورت ہو گی۔ حدود اللہ کی حفاظت ذاتی زندگی میں ہو، تو معاشرتی زندگی میں ممکن ہوتی ہے۔ ان نو مقامات پر پورا رہنے والے حضرات مومنین ہیں۔ ان کے لئے بشارت ہے کہ ان کی بیع عنداللہ مقبول ہے۔ دنیا میں بھی اللہ انہیں نصرت دے گا، آخرت میں بھی وہی فلاح پانے والے ہیں۔

حاصل : مومنین کی نو صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ توبہ کرنا، عبادت کرنا، حمد کرنا، سیاحت کرنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، بھلائی کا امر کرنا، برائی سے منع کرنا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنا۔ ان صفات کے حاملین کے لئے فلاح کی بشارت ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾

نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے قرابت والے ہوں، بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو

چکا ہو کہ وہ جہنمی ہیں۔

جب مشرکین خلافِ حق کرتے ہوئے دوزخ کو اپنے لئے مقدر کر چکے ہوں، تو ان کے لئے بخشش طلب کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں۔ قرابت والوں کے لئے بھی ایک حد تک ہی دعاء مغفرت کی جا سکتی ہے۔ جو لوگ مومنین کے عملاً دشمن ہوں، اور مومنین کے دشمنوں کے ساتھ ہوں، اور حق کے انکار کو مقصدِ حیات بنالیں، ان کے بارے میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ دوزخی ہیں، اور انہوں نے شعور کے ساتھ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے خلاف استعمال کیا ہے۔ اگر ان کا کوئی عمل بظاہر بھلا بھی لگے اور اس سے کسی مومن کو سکھ بھی ملے، تو مشرک عامل اپنی بڑائی اور استکبار کے لئے ہی وہ عمل کر رہے ہوتے ہیں۔

حاصل : مشرکین کے واضح طور پر دوزخی ہونے سے پہلے ان کے لئے بخشش کی دعا کی جا سکتی ہے، بعد میں نہیں۔ قرابت والے مشرکین سے کوئی سکھ ملا ہو، تو وہ ان کی ایمان والوں سے محبت کا ثبوت بھی ہو سکتا ہے، اور ان کے استکبار کا ثبوت بھی ہو سکتا ہے۔ دعا کرتے وقت، اللہ کی رضا کے لئے مقررہ وقت سے پہلے دعا کرنی چاہئے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۭ إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا ایک وعدے کے سبب ہی تھا۔ پھر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، آپ اس سے الگ ہو گئے۔ بے شک ابراہیم (علیہ السلام) آہیں بھرنے والے، حلم والے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے استغفار کا وعدہ کیا تھا، اور آپ اس وعدے کو پورا کرتے رہے۔ پھر جب آپ پر روشن ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، آپ اس سے الگ ہو گئے۔ اللہ کا دشمن وہ ہوتا ہے، جو قولاً حق کا انکار کرے اور عملاً عطائے الٰہی کو حق کی نفی پر خرچ کرنے کے ساتھ دوسروں کو اس کی ترغیب دے۔ اللہ کا دشمن ناقابل اصلاح ہوتا ہے۔ اس کے لئے بخشش طلب کرنا، رحم کرنے کے حوالے سے، اللہ سے آگے قدم بڑھانے والی بات ہے اور یہ منع ہے۔ جس کا مقصود رضائے الٰہی نہ ہو، اور جو اللہ کا دشمن ہو، اس کا راستہ ایمان والوں سے بالکل الگ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کثیر الدُّعا تھے، متضرع تھے۔ حق کو ادا کرتے وقت، اللہ سے تائید و نصرت طلب کرتے تھے، اور حق کے ادا ہو جانے کے بعد اللہ کا شکر کرتے تھے۔ جب تک کوئی اللہ کا دشمن نہیں معلوم ہوتا تھا، تب تک اس کے ناقص اعمال کو کمیٔ علم کی وجہ سے قابل معافی جانتے تھے کہ یہ حلم والوں کی طریقت ہے۔

حاصل : والدین کے لئے مغفرت طلبی لازم ہے مگر یہ دیکھنا فرض ہے کہ وہ اللہ کے دشمن نہ ہوں۔ اللہ کے دشمن سے الگ ہو جانا اور اس سے بیزاری کا اظہار کرنا سنت ابراہیمی ہے۔ کثیر الدُعا ہونے سے بندے کی "میں" بڑی نہیں ہوتی، اور حلم سے معاف کرنے کا علم آتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ کی شان کے لائق نہیں کہ کسی قوم کو گمراہ کرے، انہیں راہ دکھانے کے بعد، حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے کہ انہیں بچنا کس چیز سے ہے۔ بے شک اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

ممنوع سے اجتناب لازم ہے۔ قبل ممانعت جو کام ہو چکے ہوں ان پر گرفت نہیں ہوتی۔ گمراہی ہمیشہ راہ حق کے جان لینے کے بعد اور ممنوع سے عدم اجتناب کی بنا پر ہوتی ہے۔ جسے پتہ ہو کہ حق کیا ہے، اور اس مقام پر تقویٰ کی صورت کیا ہے، وہ اگر اپنی حفاظت نہیں کرتا تو وہ اپنے لئے گمراہی کا انتخاب کر رہا ہوتا ہے۔ اللہ ہر شے کا کلّی علم رکھتا ہے۔ نیت کو بھی جانتا ہے، عمل کو بھی جانتا ہے۔

حاصل : جن باتوں سے لوگوں کو بچنا چاہیئے، لازم ہے کہ وہ خلافِ حق ہوں اور ان کی وضاحت پوری طرح کی جا چکی ہو۔ کمٔ علم، اللہ کے نزدیک قابل معافی ہے۔ ہمیں کبھی کمٔ علم پر گرفت نہیں کرنی چاہیئے اور خلوت و جلوت میں پاک رہنا چاہیئے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اللہ ہی کی سلطنت ہے، آسمانوں اور زمین میں۔ حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔ اور اللہ کے مقابل تمہارا کوئی دوست اور نصرت دینے والا نہیں۔

اللہ کی بادشاہی آسمانوں میں بھی ہے، زمین میں بھی ہے، اور زمین و آسمان کے مابین ہر مقام پر ہے۔ حیاتِ دینا بھی اسی کی شان ہے، موت دینا بھی اسی کا کام ہے۔ ابتداء سے انتہا تک ہر مقام پر اسی کی قدرت محیط ہے۔ اللہ کے مقابل کسی کی دوستی اور مدد کوئی حقیقت نہیں رکھتی کہ توفیق کا عطا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

حاصل : حیات و موت کے درمیان ہر مقام پر احکامات الٰہی کو ماننا چاہیئے، اور شاہدین کی معیّت میں رہنا

چاہئے۔ اللہ کے مقابل کسی کی دوستی اور نصرت کو اہمیت دینا گناہ ہے، اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾

بے شک اللہ نے نبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر اور مہاجرین و انصار پر جنہوں نے تنگی کی ساعت میں آپ کا اتباع کیا مہربانی فرمائی۔ بعد اس کے کہ قریب تھا ان میں سے ایک فریق کے دل پھر جائیں، پھر ان پر توجہ فرمائی۔ بے شک وہ ان پر مہربان و رحم کرنے والا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اللہ کی مہربانیوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ عطا کرنے والا جانتا ہے، یا جس ذات پاک کو اس عطائے بے بہا سے نوازا گیا ہے، وہ جانتے ہیں۔ مہاجرین و انصار نے تنگی کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اتباع کیا، اور اموال و انفس کو رضائے الٰہی کے لئے، آپ کے فرمان کے مطابق استعمال کیا۔ یہ بھی اللہ کی مہربانی سے ہی ممکن ہوا کہ وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیّت میں صابر و ثابت رہے، ورنہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل ڈانواں ڈول تھے۔ اور دل مشکلات کی کثرت کو دیکھ کر ڈگمگانے لگیں، تو عسرت کے وقت، جبکہ وہ طویل ہو رہی ہو، ساتھ قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ قربان ہو جانے سے بڑی کوئی سعادت نہیں ان کے دل نہیں ڈولتے۔ ڈگمگاتے دلوں پر اللہ کی توجہ ہو تو انہیں حوصلہ ملتا ہے۔ اللہ ان پر مہربانی فرماتا ہے کہ انہیں کامیابی کی نشانیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ ان پر رحم فرماتا ہے کہ وہ شاہد سے اپنے قلبی تعلق کو درست کر لیتے ہیں۔

حاصل : شاہد کی معیّت میں رہنا، اللہ کی مہربانی سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ عسرت کی ساعت میں قربان ہو جانے کو بڑی سعادت سمجھا جائے تو دل ڈولتے نہیں۔ اللہ کی مہربانی اور رحم سے ہی کامیابی بھی دکھائی دیتی ہے، اور قلبی تعلق بھی درست ہوتا ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا، حتیٰ کہ زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی، اور ان کی جانیں ان پر تنگ ہو گئیں، اور سمجھ گئے کہ اللہ سے پناہ کہیں نہیں مگر اسی کی طرف۔ پھر ان پر توجہ

۸ ع لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾

فرمائی کہ تائب ہوں۔ بے شک اللہ توجہ فرمانے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

غزوۂ عسرت میں مذکورہ تین شخص شامل نہیں ہوئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر اپنی تقصیر کا اعتراف کیا، تو آپ نے فرمایا ٹھہرو، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے کوئی حکم نہ ملے، تم سے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ زمین میں یہ لوگ چلتے پھرتے ضرور تھے، مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محبّین کا برتاؤ ان لوگوں سے ایسا تھا کہ جیسے ان کو پہچانتے ہی نہیں۔ زمین ان لوگوں پر تنگ ہو گئی۔ ان کو کسی جگہ قرار و سکون نہیں ملتا تھا۔ ان کی اپنی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں۔ جب اقارب بھی عدم وابستگی کا اظہار کر رہے ہوں اور بولنا بھی پسند نہ کریں، تو پھر باہر دیکھنے کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ پھر سمجھ آ جاتی ہے کہ پناہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے، تو وہ توجہ فرماتا ہے۔ وہ توجہ فرمائے تو توبہ کرنے والا راحت پاتا ہے۔ اسی راحت سے اسے استقامت ملتی ہے۔ پھر وہ ڈولتا نہیں۔ اللہ تو بڑا توجہ فرمانے والا ہے، رحم فرمانے والا ہے، مگر لوگ اس کی طرف آتے آتے بڑا وقت لگا دیتے ہیں۔

حاصل : امیرالمومنین کی اطاعت لازم ہے۔ ہر تعلق میں مقصود اللہ کی رضا ہونی چاہئے۔ مخلوق سے مایوسی ہو تو خالق کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ خالق و مالک کی طرف رجوع ہو تو نقص واضح بھی ہو جاتا ہے، دور بھی کر دیا جاتا ہے۔ عبداللہ ہونے کے لئے مخلوق پر رضائے الٰہی کے مطابق رحم کرنا ضروری ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیآء میں ارشاد فرمایا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾

ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں شر اور خیر سے جانچتے ہیں۔ اور تمہیں ہماری طرف ہی مراجعت کرنی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو، اور صادقین کی معیّت اختیار کرو۔

اللہ سے ڈرتے رہنا یہ ہے کہ اس کی رضا کے حصول کے لئے، اس کی عطا کردہ توفیق کو محدود وقت میں اس طرح استعمال کیا جائے کہ جزا کا یقین ہمارے عمل سے روشن ہو۔ اللہ سے ڈرنے والے قول و فعل میں اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ صادق وہ ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں، پھر کبھی شک نہیں کرتے اور اپنے جاننے کو کبھی ماننے کے لئے شرط نہیں بناتے، اور اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہیں۔ اللہ سے اس کا فضل مانگتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں اور حق پر رہنے والوں کی تائید کرتے ہیں۔ ان کی معیّت اختیار کی جائے گی تو وہ تربیت حاصل ہو گی جو حسن معاشرت کی جان ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ سے ڈرتے رہنے کا دعویٰ ہو تو جزا کا یقین ہمارے عمل سے [illegible] صادقین کی معیت میں اس طرح رہنا چاہیے کہ انہیں سکھانے میں آسانی رہے اور پیچھے [illegible] اہمیت نہ دیں۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾

اہل مدینہ اور گرد کے اعراب کو لائق نہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے بیٹھے رہیں، اور نہ یہ کہ ان کی ذات پاک سے اپنی جانوں کو پیارا سمجھیں۔ یہ اس لئے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف، پیاس اور بھوک پہنچتی ہے، اور جہاں قدم رکھتے ہیں کہ کفار کو غیظ آئے، اور جو کچھ کسی دشمن سے چھینتے ہیں، اس سب کے بدلے ان کے لئے صالح عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اہل مدینہ میں مہاجرین و انصار بھی شامل ہیں اور مدینہ شریف کے گرد رہنے والے اعراب جن کے لئے مدینہ شریف مرکز کا درجہ رکھتا ہے۔ ان سب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور ان کے بعد ہر امیرالمومنین سے ایسا تعلق ہونا چاہیئے کہ وہ جہاد سے پیچھے رہنے کا تصور بھی نہ کر سکیں، اور اپنی جانوں کو آپ کی ذات پاک سے اور بعد میں آنے والے ہر امیرالمومنین کی پاک جان سے عزیز نہ رکھیں۔ جہاد میں بڑے مشکل مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ تکلیف بھی ہوتی ہے۔ پیاس کی شدت کا موقع بھی آتا ہے۔ بھوک کی شدت کا موقع بھی آتا ہے، اور جب کفار کی زمین روندی جاتی ہے، تو ان کو غیظ بھی آتا ہے۔ ان سے مقابلے کی صورت میں شہید ہو جانا تو دائمی حیات پا جانے والی بات ہے، ورنہ ان کو ہزیمت دے کر، انہیں مغلوب کرنے کی صورت بنتی ہے۔ ان سب مقامات پر رضائے الٰہی کو مقصود بنانے والے وہ لوگ ہیں، جن کی حرکات و سکنات سب صالح اعمال کا درجہ رکھتی ہیں۔ محسنین کا منشاء رضائے الٰہی کے مطابق مومنین کو آسانیاں مہیا کرنا ہوتا ہے۔ ان کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ اجر ان کا ضائع ہوتا ہے، جو رضائے الٰہی کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دیتے ہیں۔ محسنین کی صورت کے خلاف اپنی ذات سے پیار کرتے ہیں، مشکل مقامات پر بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور دشمن سے ٹکراؤ کے وقت ذاتی غرض و غایت میں الجھ جاتے ہیں۔

حاصل : محسنین وہ لوگ ہیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہر امیرالمومنین کو اپنی

جانوں سے عزیز تر جانیں، اللہ کی راہ میں مشکل مقامات سے گزرتے وقت صبر کریں، اور جہاد میں کفار کے ساتھ کسی تعلق کو محسوس نہ کریں، ان کی ہر حرکت رضائے الٰہی کے تحت ہو۔

وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾

اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں، چھوٹا خرچ یا بڑا خرچ، اور جو وادی طے کرتے ہیں، ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے، تاکہ اللہ انہیں ان کے عمل کی احسن جزا دے۔

بندہ ہمیشہ عطائے الٰہی میں سے خرچ کرتا ہے۔ اس کے خرچ کو، اسی عطا کی نسبت سے چھوٹا یا بڑا کہا جاتا ہے۔ جس خرچ کو عطائے الٰہی سے چھوٹی نسبت ہو وہ چھوٹا خرچ ہوتا ہے، جس خرچ کو عطائے الٰہی سے بڑی نسبت ہو وہ بڑا خرچ ہے۔ وادی کا طے کرنا یہ ہے کہ اس میں داخل ہوتے وقت اللہ کی رضا کے لئے حوصلے اور صبر کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور وہاں سے نکلتے وقت اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ ان سب اعمال کو لکھ لیتا ہے، اور احسن جزا تو اللہ ہی دے سکتا ہے۔ وقت، قوت اور سرمایہ، سب اللہ کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ جو اس کی رضا کے مطابق خرچ ہو جائے، باعث عزت ہوتا ہے، باعث راحت ہوتا ہے، باعث برکت ہوتا ہے، اور یہ سب احسن جزا کے ارکان ہیں۔

حاصل : جس خرچ کو عطائے الٰہی سے چھوٹی نسبت ہو وہ چھوٹا خرچ ہے، جس خرچ کو عطائے الٰہی سے بڑی نسبت ہو وہ بڑا خرچ ہوتا ہے۔ وقت، قوت اور سرمایہ اللہ کی رضا کے مطابق استعمال ہوں، تو عزت، راحت اور برکت میں اضافہ ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾ ع ۱۵

اور مومنوں سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ سب کے سب نکلیں۔ تو کیوں نہ ہو، کہ ان کے ہر فرقہ سے ایک طائفہ نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں، اور جب ان کی طرف مراجعت کریں، اپنی قوم کو ڈر سنائیں تاکہ وہ بچتے رہیں۔

جہاد کے لئے مومنین کو، جو بلوغت کی حدود میں داخل ہو چکے ہوں، امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے۔ جن کو جانے کا حکم ہو انہیں جانا چاہئے، جن کو پیچھے رہنے کا حکم ہو ان کو پیچھے رہنا چاہئے۔ اپنے لئے خود کسی بھی صورت کا فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ رضائے الٰہی کے چاہنے والے معذور بھی ہوں تو امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اہلیت کو بیان

کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ اس اہلیت کے حوالے سے انہیں خدمت سپرد کر دی جائے۔ دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لئے نکلنا بھی جہاد کی ایک صورت ہے۔ سبھی ایمان والے یکبارگی اس کارِ خیر کے لئے نہیں نکل سکتے، اس لئے ہر فرقہ سے جو ایک معاشرتی اکائی کا درجہ رکھتا ہے، کچھ لوگ دین میں تفقہ حاصل کرنے کے لئے نکلیں اور دین کا علم سکھانے والے متوکّل لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوں۔ انہیں جو سکھایا جائے، وہ سیکھیں، وضاحت طلب امور پر سوال کر کے اطمینان حاصل کریں، دینی مسائل سیکھنے کے ساتھ اپنی خواہشات کی پیروی سے بچنے کا علم بھی سیکھیں۔ اگر صرف دینی مسائل سیکھنے کو ہی کافی سمجھ لیا جائے، تو دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے میں ہی زندگی تمام ہو جائے گی۔ سکھانے والے جب فارغ التحصیل ہونے کی سند عطا کریں، تو اپنی قوم کی طرف مراجعت فرض ہے۔ اپنی قوم کو بتانا چاہئے، حق کیا ہے، کیا کرنا چاہئے، کیا نہیں کرنا چاہئے۔ جو کچھ کرنا چاہئے، اس کی طریقت سکھانی چاہئے۔ جو نہیں کرنا چاہئے، اس سے بچنے کی تدابیر سکھانی چاہئیں۔

حاصل : دین میں تفقہ حاصل کرنے کے لئے ہر معاشرتی اکائی سے ایک جماعت کو، دین کا علم سکھانے والے متوکل لوگوں کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنی قوم کی طرف مراجعت فرض ہے۔ انہیں بتانا چاہئے، رضائے الٰہی کے لئے کیا کرنا ہے اور کن باتوں سے بچنا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ المومنون میں ارشاد فرمایا ہے:

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾

یا انہوں نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو نہیں پہچانا، تو وہ آپ کو بیگانہ سمجھ رہے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿١٢٣﴾

اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کفّار سے، اور چاہئے کہ وہ تم میں سختی پائیں۔ اور معلوم رہے کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

کفّار سے لڑنا رضائے الٰہی کے لئے ہو اور ناپاکی کو دفع کرنے کے لئے ہو، تو نزدیکی کفار سے پہلے ہو گا۔ بعدۂ ان کے نزدیک رہنے والے کفار سے، پھر ان کے قریب رہنے والے کفار سے۔ حلقہ جہاد اسی طرح وسیع ہوتا جائے گا۔ اپنے قریب رہنے والے کفار کو ہمارے اندر سختی نظر آئے گی، تو یہ ثابت ہو گا کہ ہمیں اللہ کی رضا عزیز ہے، اور ہم اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ ناپاکی کو پہلے اپنے قریب سے دور کرنا چاہئے، اس طرح بتدریج پاکیزگی کو وسعت حاصل ہوتی جائے گی۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ اس کی رضا کے خلاف کرنے سے کراہت ہو اور حق کی احسن ادائیگی کے بعد بھی زبان سے یہی نکلے کہ یا اللہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے منور معیار کے حوالے سے میرا عمل پورا نہیں ہے، تو قبول کرلے تو یہ تیری مہربانی اور تیرا رحم ہو گا۔

حاصل : اپنے قریب والے کفّار سے لڑنا چاہئے۔ حلقۂ جہاد کو اندر سے باہر کی طرف وسعت دینی

چاہئے۔ کفار کے ساتھ، شدت اور سختی کا رویہ رکھنا حق ہے۔ یہ سختی اور شدت انہیں محسوس ہونی چاہئے۔ اللہ سے ڈرنے والے کسی دوسرے سے نہیں ڈرتے۔

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٤﴾

اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں، اس نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔ تو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، اس نے ان کا ایمان زیادہ کر دیا، اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔

حقائق و معارف فرمانِ خداوندی میں موجود ہوتے ہیں۔ ناصحین سے محبت رکھنے والوں کے ایمان میں ان حقائق و معارف کو جان کر اضافہ ہوتا ہے۔ محبت نہ رکھنے والے لوگ استہزاء ایمان والوں سے پوچھتے ہیں۔ یہ بات جو ہم نے بھی سنی ہے، تم نے بھی سنی ہے، ہم پر اس کا وہ اثر نہیں ہوا، جو تم پر ہوا ہے۔ اس بات نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا ہے۔ ایمان والے ناصحین سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کے لئے نصیحت بہت اہمیت رکھتی ہے کہ نصیحت دینے والے کا فرمان ماضی میں انہیں راحت دے چکا ہوتا ہے۔ ان کا تجربہ اس بات کی شہادت دے رہا ہوتا ہے کہ ماننے کے بعد جاننے کا مقام آتا ہے، اور اللہ کا فرمان ہمیشہ ماننے والوں کے لئے نافع ہوتا ہے۔ حکم کے ماننے کے بعد انعام ملنے کا یقین باعث راحت ہوتا ہے۔

حاصل : ناصحین سے محبت رکھنے والوں کے ایمان میں حق کو ماننے سے اضافہ ہوتا ہے۔ جو بات ماننے والوں کے لئے حقائق و معارف کا درجہ رکھتی ہے، وہ نہ ماننے والوں کے لئے اہم نہیں ہوتی۔ حکم کے ماننے کے بعد انعام سے نوازے جانے کا یقین باعثِ راحت ہوتا ہے۔

وَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ﴿١٢٥﴾

اور جن کے قلوب میں مرض ہے تو انہیں پلیدی پر پلیدی بڑھائی اور وہ کافر ہی مرے۔

منافقوں کے دل میں مرض ہوتا ہے۔ ناصح سے عدم محبت اس مرض کا سبب ہوتا ہے، اور حق کے سننے سے اس مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کے اندر پلیدی تو پہلے موجود ہوتی ہے، حال پر حق کو سن کر اس سے کراہت کا احساس پلیدی کو مزید بڑھا دیتا ہے۔ جب یہ دیکھا ہی نہ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت گزرتی جا رہی ہے، اور عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں ہی حق کو ماننا نفع دیتا ہے، تو پھر انجام بخیر نہ ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

حاصل : حق کے سننے سے ہر ایک اپنی قلبی کیفیت کے مطابق اثر لیتا ہے۔ ناصح سے محبت ہو تو سننے والے کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ناصح سے محبت نہ ہو اور اس کو ماننے کا دعویٰ بھی ہو تو حق کو

سننے سے پلیدی بڑھتی ہے، اور انجام بخیر نہیں ہوتا۔

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۶﴾

کیا دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک بار یا دو بار انہیں فتنے میں ڈالا جاتا ہے، پھر نہ توجہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت مانتے ہیں۔

جو لوگ حق کو اپنی خواہشات کے حوالے سے مانتے ہیں، وہ نام حق کا لیتے ہیں، کرتے وہی ہیں جو ان کا جی چاہے۔ ایسے لوگوں کو فتنے میں ڈالنا انہیں یہ احساس دلانے کے لئے ہوتا ہے کہ وہ اپنے تجربات کے حوالے سے یہ دیکھیں کہ حق کو ماننے کے دعوے میں وہ سچے نہیں ہیں اور جس بات کے صحیح ہونے کا انہیں یقین تھا وہ صحیح نہیں ہے۔ جب اپنے غلطی پر ہونے کا واضح احساس ہو جائے اور ہر سال میں ایک بار یا دو بار ہو جائے، پھر بھی توبہ نہ کی جائے اور غلط روش کو نہ چھوڑا جائے، اور نصیحت ماننے کی بجائے، اپنی پسند کی نئی راہ لینے پر اپنی توجہ کو مرکوز کر دیا جائے، تو یہ قطعاً بخشش و اصلاح کے مواقع کی ناشکری ہے۔

حاصل : اپنے تجربات کے حوالے سے یہ دیکھنا چاہئے کہ حق کو ماننے کے دعوے میں ہم سچے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ہم حق کے نام پر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، تو اس روش سے توبہ کرنی چاہئے اور نصیحت کو باعث فلاح مان لینا چاہئے۔

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿۱۲۷﴾

اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے، ان میں بعض، بعض کو دیکھنے لگتے ہیں۔ کوئی ہمیں دیکھ تو نہیں رہا، پھر پلٹ جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے قلوب پھیر دیئے ہیں، اس لئے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

منافق، منافق کو اپنا ساتھی جانتا ہے۔ حکم خداوندی سے دور بھاگنا ان کی قدر مشترک ہوتی ہے۔ اس لئے جب کسی مقام پر ان کے سامنے حکم خداوندی کا ذکر ہونے لگے تو وہ ایک دوسرے کو آنکھ کی زبان میں نکل بھاگنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ احتیاط بھی ملحوظ ہوتی ہے کہ کوئی ان کی حرکات کو دیکھ نہ رہا ہو۔ اور اگر کوئی دیکھ رہا ہو تو پھر رک کر، اور مومنین سے ملتی جلتی حرکات سے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے ساتھ ہیں۔ جب بھاگنے کے لئے حالات موزوں نظر آئیں فوراً بھاگ جاتے ہیں۔ جب یہ نور ہدایت کی ناشکری کریں گے تو ان کے قلوب، علم و فرمان سے پھیر دیئے جائیں گے۔ سمجھ کا موجود ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ نقصان سے بچنے کی سعی کے ساتھ فائدے کے حصول کی تدبیر ہو۔ جس کی بات، سامعین کے مفاد کے لئے ہو، اور اس میں کہنے والے کی غرض و غایت نہ ہو اس کی بات پوری توجہ اور پورے انہماک سے سنی جائے۔ عمل کے لئے

دیئے گئے وقت کے احسن استعمال کی تعلیم دینے والے کو اپنا محسن مانا جائے۔

حاصل : حق سے بھاگنے کی کوشش کرنا، منافقت کی ایک نشانی ہے۔ منافق آنکھ کی خیانت کا ماہر ہوتا ہے۔ لوگوں کی نظروں سے بچنے میں کبھی غفلت نہیں برتتا۔ جو شاہد اور نور ہدایت سے بھاگے اس کے قلب کو اس کی ناسمجھی کے سبب حق سے پھیر دیا جاتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾

بے شک تمہارے پاس رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تم میں سے تشریف لائے۔ آپ پر تمہارا مشقّت میں پڑنا گراں ہے۔ وہ تمہاری بھلائی پر حریص، مومنین کے ساتھ مہربان اور رحم کرنے والے ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے ذکر میں پہلا مقام عدم اجنبیت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ملنے والے نے اس بات کو محسوس کیا کہ اس کا حضورؐ سے اور حضورؐ کا اس سے بہت تعلق ہے۔ کہیں اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ قیامت تک شاہدین کی معیت میں لکھے جانے کی دعا کرنے والے، اسی تعلق کو محسوس کرتے رہیں گے۔ اجنبیت میں استفادہ آسان نہیں ہوتا، اور حضورؐ سے استفادہ کرنا ہر ایک کے لئے آسان تھا اور آسان ہے۔ ایک وقت میں بلاواسطہ اور دوسرے وقت میں بالواسطہ۔ کسی بھی مقصد کے حصول کے لئے ایک راستہ آسان اور محفوظ ہوتا ہے۔ باقی سب نسبتاً مشکل اور غیر محفوظ ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری امت کے ہر ہر فرد سے یہ تعلق ہے کہ کسی کا بھی مشقت میں پڑنا، یا کسی جماعت کا مشقت میں پڑنا آپ پر گراں ہوتا ہے۔ اور کسی کا آسانی سے اپنے پاک مقصد کو پالینا حضورؐ کے لئے باعث راحت ہوتا ہے۔ ہر ہر امتی کی بھلائی کی حرص بھی آپ کی شان ہے۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک امتی کو خوف و حزن سے نجات ملے، ہر ایک امتی کو نور ہدایت حاصل ہو اور حسن معاشرت اس مقام پر پہنچے کہ ہر فرد اپنی ذات کو، اپنی اولاد کو اور اپنے جملہ متعلقین کو ظلم و جبر سے محفوظ سمجھے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنے رخ کو درست رکھے۔ مومنین کے ساتھ رافت و رحم آپ کا معمول تھا۔ جو شان، عدم اجنبیت کے بیان سے شروع ہوئی تھی، وہ مومنین کے ساتھ رافت و رحم کے بیان پر ختم ہو رہی ہے۔ مومنین کے ساتھ رافت یہ ہے کہ ان کی حسن نیت کے حوالے سے ان کی کوتاہیوں کو قابل معافی جانتے ہیں اور رحم یہ ہے کہ ان کے صالح اعمال کی قدر و منزلت کرتے ہیں، اور انہیں عزت سے نوازتے ہیں۔

حاصل : ناصح سے قرب کا احساس ہو تو اس سے استفادہ ممکن ہوتا ہے۔ کسی بھی نیک مقصد کے حصول کا راستہ، آسان ہو اور محفوظ ہو تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک باعث راحت ہے۔ کسی کا بھی مشقت میں پڑنا آپ پر گراں ہوتا ہے۔ جس کی بھلائی کی حرص ہو اس کے خیر کی طرف آنے کا انتظار رہتا ہے۔ مومنین کے ساتھ رافت و رحم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طریقت ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو فرما دیجئے مجھے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اسی پر توکل کیا، اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔

اگر کوئی فلاح سے دور جانا چاہے. آسان اور محفوظ راستے کے مقابل مشکل اور غیر محفوظ راستے کا انتخاب کرے. جس ذات پاک کو اس کی بھلائی کی حرص ہو. جو ذات پاک غرض و غایت سے پاک ہو. اور پاک کرنے کا شرف رکھتی ہو. اس کو چھوڑ کر برائی اور بے حیائی کا امر کرنے والے کی اطاعت کرنے لگے. تو ایسے منہ پھیرنے والے سے یہ کہہ دینا چاہئے. تبلیغ حق کا اجر رب العالمین پر ہے. مجھے وہی کافی ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں. میں نے اسی پر توکل کیا۔ وہی اس کائنات کے مرکز اقتدار کا مالک ہے۔ فرد کی زندگی میں بھی نتائج باذن اللہ ہوتے ہیں. جماعت کی زندگی میں بھی نتائج باذن اللہ ہوتے ہیں۔

حاصل : حق سے منہ پھیرنے والے کو یہ کہنا چاہئے کہ تبلیغ حق کا اجر رب العالمین پر ہے، مخلص اسی پر توکل کرتے ہیں، اور نتائج کو باذن اللہ جانتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون جو اللہ پر کذب سے افترٰی باندھے یا حق کی تکذیب کرے جب وہ اس کے پاس آئے، کیا جہنم ہی کافروں کا ٹھکانا نہیں۔

کٹیلاگ کارڈ نمبر 297,1229

297,1229 فضل شاہؒ حضرت

تفسیر فاضلی، (المائدہ __ التوبہ) مرتبہ اشرف فاضلی

لاہور، فاضلی فاؤنڈیشن، پیکو روڈ کوٹ لکھپت لاہور، پوسٹ کوڈ 54770

ج- 2 (منزل دوم)

ہر گاہ میں نے تفسیر فاضلی کی منزل دوم (سورہ المائدہ تا سورہ التوبہ) کا عربی متن بغور مطالعہ کیا ہے لہٰذا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کی عربی عبارت میں اب کوئی لفظی یا اعرابی غلطی نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ سراج الدین گجراتی

گڑھی شاہو۔ لاہور
5 اگست 1990ء

حافظ سراج الدین گجراتی
پروف ریڈر